

دو بوندیں ساون کی

علیم الحق لکھی

ڈاکٹر نے نوزائیدہ بچے کو اُلٹا لٹکایا اور اسکی پیٹھ پر چپت ماری بچہ رونے لگا۔ بوشن کا وہ اسپتال امیرانہ علاج میں لاثانی تھا۔ کبھی کبھار وہاں کسی ایسے بچے کی ولادت ہوتی تھی جو منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوتا تھا ورنہ میا چو سسٹنس جنرل اسپتال میں عموماً زچاؤں کی دردناک چیخیں نہیں سنائی دیتیں۔ ڈیلیوری روم کے باہر ایک جوان العمر شخص بے چینی سے ٹھل رہا تھا۔ اندر ڈاکٹر کے علاوہ دو نرسیں بھی تھیں۔ جوان العمر شخص پہلی اولاد کے معاملے میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ یہ دو نرسیں بھی محض احتیاطاً رکھی گئی تھیں، جوان العمر شخص جانتا تھا کہ تشویش کی کوئی بات نہیں، اس کے باوجود وہ مضطرب تھا۔ این کو صبح اسپتال لایا گیا تھا۔ ڈاکٹروں نے یقین دلایا تھا کہ ولادت بعد دو پہر ہوگی جوان العمر شخص بے حد اصول پرست تھا۔ اس کے خیال میں بچے کی ولادت کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ جس سے زندگی کے معمولات متاثر ہوں۔ نرسیں اور ڈاکٹر اس کے پاس سے گزرتے تو آوازیں دہمی کر لیتے لیکن اسے اس کا احساس نہ ہوتا۔ وہ اس مودبانہ رویے کا عادی تھا۔ وہ ٹھٹھا رہا اور سوچتا رہا۔ اگر لڑکا ہوا تو وہ اسپتال کا وہ دیگ تعمیر کر دے گا، جس کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ وہ ایک لائبریری اور اسکول پہلے ہی بنوا چکا تھا۔ اس نے اخبار پڑھنے کی کوشش کی۔ الفاظ اس کی نگاہوں کے سامنے ناچ رہے تھے لیکن وہ مفہوم سے محروم تھے۔ وہ کچھ نروس اور فکر مند تھا۔ لڑکا ہی ہونا چاہیے تاکہ ایک روز اُس کی جگہ بینک کا صدر بن سکے۔

اُس نے پھر اخبار پر نظر ڈالی۔ امریکہ کی تاریخ کا بدترین زلزلہ..... چار سو افراد ہلاک..... گویا لوگ سوگ منا رہے ہوں گے۔ اسے یہ بات بالکل پسند نہ آئی۔ لوگ اس کے بیٹے کی پیدائش کو اہمیت نہیں دیں گے۔ انہیں زلزلہ یاد رہے گا۔ اُسے ایک لمحے کے لیے بھی خیال نہ آیا کہ لڑکی بھی پیدا ہو سکتی ہے پھر وہ تجارتی خبریں پڑھنے لگا۔ اُس نے اشاک کی قیمتیں دیکھیں۔ نامعقول

زلزلے نے اُس کے شیرز کی قیمت پر ایک لاکھ ڈالر کی ضرب لگا دی تھی۔ تاہم اب بھی وہ ایک کروڑ ساٹھ لاکھ ڈالر کا ایک تہہ درہ صل اپنے سرمائے کے سوز کے بل پر ہی شاہانہ زندگی گزار سکتا تھا۔ ایک کروڑ ساٹھ لاکھ ڈالر اس لڑکے کے لئے بچائے جاسکتے تھے، جو ہٹ دھری کا مظاہرہ کر رہا تھا..... اور ابھی تک پیدا نہیں ہوا تھا۔

دفینا دروازہ کھلا، ڈاکٹر باہر نکلا۔ دونوں چند لمحوں کے بعد ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ ڈاکٹر کچھ نرموس تھا، لیکن وہ اپنی گھبراہٹ بینکار پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ”مبارک ہو جناب..... آپ ایک ننھے سے مہتمد اور خوبصورت..... لڑکے کے باپ بن گئے ہیں۔“

”لوگ نوزائیدہ بچوں پر کس قدر احمقانہ تبصرے کرتے ہیں، بچے کے باپ نے سوچا بچہ۔“
ننھا سا پیدا نہ ہوگا تو کیا چھٹ کا ہوگا؛ ابھی تک اطلاع اپنی تمام تر اہمیت کے ساتھ اس کے شعوری افق پر طلوع نہیں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر کے اگلے جملے نے اسے پوری طرح احساس دلایا۔ ”آپ، اس کا نام کیا رکھیں گے جناب؟“

جوان العرفض نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے جواب دیا۔ ”ولیم لاویل کین“



بچے کی آمد کا بیجان ختم ہو چکا تھا سب لوگ سوچکے تھے۔ لیکن ماں اس بچے کو سینے سے چٹائے جاگ رہی تھی۔ ہیلن کو زندگی کے بہاؤ پر یقین تھا۔ اُس نے نو بچوں کو جنم دے کر یہ بات ثابت کر دی تھی۔ اگرچہ مفلسی نے ایام شیرخواری ہی میں اُن میں سے تین بچے چھین لیے تھے لیکن ہیلن نے اتنی آسانی سے اپنی گود نہیں اُڑنے دی تھی۔ وہ ہل ہل مفلسی کے رُپ میں آنے والی موت سے لڑتی رہی تھی کیونکہ وہ طبعاً جنگجو تھی۔ 35 سال کی عمر میں اُسے یقین ہو چکا تھا کہ اس کی آغوش میں کوئی ننھی زندگی نہیں مچلے گی لیکن خدا نے اس بچے کو اُس کی آغوش تک پہنچانے کا سامان نہ کیا ہوتا۔ وہ راسخ العقیدہ عورت تھی اور خدا پر اُس کا ایمان کامل تھا وہ دُلی پتلی تھی..... کیونکہ غربت کا یہی تقاضا تھا۔ لیکن وہ بے حد محنتی تھی..... اپنی جسمانی کمزوری کے باوجود، وہ کبھی مشکلات کا حکوہ نہ کرتی لیکن اس کے چہرے پر کھینچنے والی لکیروں میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ وہ ماں کی عمر میں وادی نظر آتی تھی۔ اس نے پوری زندگی میں کبھی نیا لباس نہیں پہنا تھا۔ اُس نے سوکھی ہوئی خبر دھرتی کو نہ چھوڑ کر دودھ نکالنے کی کوشش کی۔ بچہ بھی جبلی طور پر غذا کے لیے جدوجہد کر رہا تھا۔ اُس کی نیلی آنکھیں کھلیں اور جدوجہد کے نتیجے میں اسکی ننھی سی ناک پر پسینے کا ایک قطرہ نمودار ہوا۔ نیلی آنکھوں میں آسودگی اور قناعت سی لہرائی۔ شاید اسے دودھ کے چند قطرے میسر آ گئے تھے۔ ”مما کے ننھے سے بچے۔“ ہیلن نے اسے محبت سے پکارا۔ پھر نہ چاہنے کے باوجود اس کی آنکھ لگ گئی۔

جوزیو بیچ پانچ بجے اٹھا تو اس نے اپنی بیوی کو بچے کے ساتھ کرسی پر بیٹھے بیٹھے سوتے ہوئے پایا۔ اس نے تجلی سے بچے کی طرف دیکھا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ کم از کم وہ اس وقت رونمیں رہا ہے۔ پھر اُس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ کام کے لیے نکل جائے۔ بچے کے معاملے میں اُلھٹا بے سود تھا۔ زندگی اور موت کی فکر عورت کرتی رہے گی۔ اُسے تو سورج کی پہلی کرن سے پہلے بھرن کی جاگیر پہنچنا ہے۔ اُس نے بکری کے دودھ کا ایک طویل گھونٹ لیا اور آستین سے اپنی ننھی مونچھیں صاف کرنے لگا پھر اس نے رات کی بچی کبھی روٹی اٹھائی اور دبے قدموں گھر سے نکل گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بیوی جاگ جائے۔ اگر جاگ جاتی تو وہ اس سے بچے کے سلسلے میں بحث کے بغیر نہ رہتا حالانکہ اسے معلوم تھا کہ وہ بیوی کو قائل نہیں کر سکے گا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا جھگل کی طرف چل دیا۔ خوش گوار خیال اُس کا زاد سفر تھا کہ اس نے مداخلت کا رنچ کو آخری مرتبہ دیکھا تھا زندہ رہنا اتنا آسان نہیں ہے۔ کڑیل جوان ہار جاتے ہیں..... ایک ننھے سے بچے کی آخری بساط ہی کیا ہے۔

باپ کے بعد سب سے بڑی لڑکی فلورینا اٹھی وہ کچن میں گئی۔ اسی وقت بوڑھے کلاک نے چھ بیٹے کا اعلان کیا۔ معمول کے مطابق اُسے ناشتہ تیار کرنا تھا۔ اس میں سب سے کنھن کام بکری کے تھوڑے سے دودھ اور رات کی بچی کبھی روٹی کو آٹھ افراد میں تقسیم کرنا تھا۔ اس کام کو بطریق احسن کرنے کے لیے بزرگوں کی سی دانش درکار ہوتی تھی..... تاکہ کوئی بھی دوسروں کے حصے پر اعتراض نہ کر سکے۔ فلورینا پہلی ہی نظر میں خوبصورت نظر آتی تھی اور دیکھنے والوں کو اندازہ ہو جاتا تھا کہ جوزیو، اس کی ماں پر کیوں فدا ہوا ہوگا لیکن وہ غریب گزشتہ تین سال سے انہی کپڑوں کا ایک جوڑا پہننے پر مجبور تھی۔ اس کے لمبے بال اور خوبصورت سیاہ آنکھوں کی بے پناہ چمک گواہی دیتی تھی کہ اس کا حسن مفلسی سے کامیاب جنگ لڑ رہا ہے۔ وہ دبے قدموں اُس کرسی کی طرف گئی، جس پر اس کی ماں ننھے بچے کو سینے سے لگائے سو رہی تھی وہ غور سے بچے کو دیکھتی رہی، جو اسے پہلی ہی نظر میں بھا گیا تھا۔ آٹھ سال کی زندگی میں فلورینا کو کبھی گڑیا میسر نہیں آئی تھی۔ البتہ اس نے زندگی میں صرف ایک بار، بھرن کے محل میں ایک دعوت کے دوران، گڑیا ضرور دیکھی تھی..... لیکن وہ اس خوبصورت گڑیا کو چھو بھی نہیں سکتی تھی۔ اچانک اس کے دل میں، اس بچے کو گود میں لینے کی خواہش پوری شدت سے اُبھری۔ اُس نے جھک کر آہستگی سے بچے کو گود میں لے لیا اور بچے کی نیلی آنکھوں میں جھانک کر کچھ گنگناتے لگی بچے کو ماں کی گرم آغوش سے سرد ناتواں ہاتھوں میں منتقل ہونا پسند نہ آیا اور وہ رونے لگا آواز سن کر ماں جاگ گئی اور پشیمان نظر آنے لگی کہ وہ غیر ذمے داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سو کیوں گئی تھی۔ ”میرے خدا..... یہ تو اب بھی زندہ ہے۔“ اس نے بیٹی سے کہا ”تم ناشتہ کرو۔ میں اسے ناشتہ کرانے کی کوشش کرتی ہوں۔“

حماقت سمجھوں گا کہ یہ زندہ رہے گا۔ دیکھ لیتا..... یہ مر جائے گا۔“

فلوریٹا کام میں مصروف ہو گئی۔ اس کے بھائی جو سب کے سب اُوپر والے کمرے میں سوتے تھے، ایک ایک کر کے آئے انہوں نے ماں کو سلام کیا اور پھر ننھے مہمان کو حیرت سے دیکھتے رہے۔ انہیں علم تھا کہ وہ بچہ ان کی ماں کا نہیں ہے۔ اس روز فلوریٹا عجیب سی کیفیت میں جلتا جی اس سے ناشتہ نہیں کیا گیا۔ بھائیوں نے اس کا ناشتہ آپس میں تقسیم کر لیا اور ماں کے حصے کا ناشتہ میز پر چھوڑ دیا کسی کو یہ خیال بھی نہ آیا کہ ننھے مہمان کی آمد کے بعد سے ماں نے اب تک کچھ نہیں کھایا ہے۔

اس شام کو وہی کے گھر میں دعوت کا سامان تھا۔ تقریب کے سلسلے میں بیرن کی طرف سے ایک مرغابی عطا ہوئی تھی۔ اُن سب نے خوب ڈن کرکھانا کھایا۔ اگلے روز فلوریٹا کے کام میں ترمیم ہوگئی۔ کیونکہ آئندہ سے اسے کھانے کے نو حصے کرنا تھے۔

رات کے کھانے کے بعد جزیو نے اپنی کرسی آگ کے قریب رکھی اور پہلی مرتبہ بچے کو بغور دیکھا۔ بچے کو کچھ فاصلے پر اپنے ہاتھوں کی مدد سے لٹکا کر کسی شکار کے انداز میں بچے کا محاسبہ کیا۔ بچے کے چہرے پر سب سے نمایاں چیز اس کی نیلی آنکھیں تھیں، جنہوں نے ابھی مرکوز ہونا نہیں سیکھا تھا۔ اسے ایک عجیب چیز نظر آئی۔ اس نے برا سامنہ بنا کر بچے کے نازک سینے کو اپنے انگوٹھے سے ملا۔ ”جیلن..... جم نے دیکھا..... اس ملعون کے سینے پر صرف ایک گھنڈی ہے۔“

ہیلن نے حیرت سے دیکھا۔ اس کا شوہر ٹھیک کہہ رہا تھا۔ وہ بھی بڑی نرمی سے بچے کا سینہ انگوٹھے سے ملنے لگی، جیسے اس طرح ناموجود دوسری گھنڈی نمودار ہو جائے گی۔ بائیں چھاتی پر گھنڈی موجود تھی جبکہ دائیں چھاتی ہموار تھی۔ ہیلن کی خوش اعتقادی عروج پر پہنچ گئی۔ ”دیکھ لو۔“ اس نے جویو سے کہا۔ ”مجھے یہ بچہ خدا نے دیا ہے، اس نے اپنی نشانی بھی چھوڑی ہے۔“

جوزیو نے برہم ہو کر بچہ اُسے کھڑا دیا ”تم بے وقوف ہو مہلین۔ اس بچے کی رگوں میں اچھا خون نہیں ہے۔“ اس نے ایک طرف تھوک دیا۔ ”بہر حال، میں اس بات پر ایک آلو کی شرط لگانا

دو گھنٹے تک ننھے ولیم سے باتیں کرتی رہی..... لیکن وہ یکطرفہ گفتگو تھی پھر گویا دودھ پینے کی مشقت نے ننھے ولیم کو تھکا دیا اور وہ سو گیا۔ این نے اسے نرمی سے اپنے پیلو میں، ننھے سے بستر پر منتقل کر دیا۔ اس کی عمر 21 سال تھی اور وہ بے حد خوبصورت تھی۔ فیشن میگزین اس کی تصویر شائع کر کے فخر محسوس کرتے تھے..... اس نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ کون یقین کرے گا کہ اس نے گزشتہ روز ایک صحت مند بچے کو جنم دیا ہے۔ ”خدا کا شکر ہے کہ لڑکا پیدا ہوا۔“ اس نے زیر لب کہا۔

دوپہر کو ہلکا کھانا کھانے کے بعد وہ ملاقاتیوں سے ملنے کے لیے تیار ہونے لگی۔ اس کی پرائیویٹ سیکرٹری پہلے ہی ملاقاتیوں کی فہرست میں ترمیم کر چکی تھی۔ صرف گھر کے لوگ یا پھر معززین ہی اس سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے والے تھے۔ وہ اسپتال کے جس کمرے میں تنہا تھی، اس میں پانچ مزید بستروں کی گنجائش تھی۔ این نے سوچ دبا کر روشنی کر دی۔ ویسے بجلی اب بھی اُس کے لیے نئی چیز تھی۔ سب سے پہلے اس کی ساس مزکین اس سے ملنے کے لئے آئیں۔ گزشتہ سال مسٹر کین آنجمنی ہو چکے تھے اور اب وہی خاندان کی سربراہ تھیں۔ اس اعتبار سے بچے کو سب سے پہلے دیکھنے کا حق انہی کو تھا۔ دولت، مرتبہ اور ایسی تمام چیزیں تو ان کی سمجھ میں آتی تھیں۔ لیکن وہ محبت کی اہمیت سے ناواقف تھیں ان کا کہنا تھا کہ محبت فطری چیز تو ہے لیکن وہ دیر پا نہیں ہوتی۔ انہوں نے بڑی شفقت سے این کی پیشانی چوم لی۔ این نے سوچ دبا یا اور بزرگی آواز سنا دی۔ مسز کین چونک گئیں۔ اُن کے خیال میں برقی روانی قوی نہیں ہو سکتی تھی کئی سی دریافت کو آدمی اتنی آسانی سے کہاں قبول کرتا ہے۔ لیکن بزدل ہے ہی نرس نمودار ہوئی۔ کین لا دلیل گھرانے کا نو مواد وارث اس کی گود میں تھا۔ مسز کین نے اس کا یوں معائنہ کیا، جیسے بنک کا گوشوارہ چیک کر رہی ہو پھر گویا وہ مطمئن ہو گئیں اور انہوں نے نرس کو واپس جانے کا اشارہ کر دیا۔ بہت خوب این، انہوں نے اپنی بہو کو یوں دادی جیسے کسی کھیل میں اس کی کارکردگی کو سراہ رہی ہو۔ ”ہمیں تم پر فخر ہے۔“

کچھ دیر بعد این کی ماں، مسز کا بوٹ آ گئیں۔ مسز کین کی طرح وہ بھی حال ہی میں بیوہ ہوئی تھیں۔ اُن کا ظاہری روپ بھی مسز کین جیسا ہی تھا..... لیکن وہ اپنے نواسے اور بیٹی میں نسبتاً زیادہ دل چسپی لے رہی تھیں۔ پھر دونوں خواتین پھولوں اور پھول بیجیے والوں کے ناموں کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ کچھ دیر بعد وہ واپس گئیں تو بے حد مطمئن تھیں۔ دونوں گھرانوں کو ایک وارث مل گیا تھا اور وہ انہیں پہلی ہی نظر میں اس وراثت کا اہل لگا تھا۔ اس کے بعد این اور رچرڈ کے احباب، قیمتی تحائف اور دلی دعاؤں کے ساتھ آتے رہے۔ آخر میں رچرڈ اپنے کاروباری کام منہا کر آیا تو اُس وقت تک این تھک چکی تھی۔ ایک مرتبہ پھر ننھے ولیم کو زحمت دی گئی۔ رچرڈ نے اس کا یوں معائنہ کیا، جیسے اس کے سامنے اس کا پہلا نو مواد لڑکا نہ ہو بلکہ بیلنس شیٹ ہو۔ وہ مطمئن نظر آنے لگا۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک

تھا بچے کے دو ہاتھ، دو ٹانگیں اور ہاتھ پیروں کی دس دس انگلیاں تھیں۔ چنانچہ ولیم کو پھر واپس بھیج دیا گیا۔ ”تیں نے گزشتہ شام سینٹ پال کے ہیڈ ماسٹر کو ٹیلی گرام کر دیا تھا۔“ رچرڈ نے بتایا۔ ”ولیم ستمبر 1918ء میں وہاں داخل ہو جائے گا۔“

این خاموش رہی۔ وہ جانتی تھی کہ رچرڈ نے اپنی فطرت کے مطابق ابھی سے ولیم کے مستقبل کے بارے میں پروگرام بنانا شروع کر دیا ہے۔

”اور تم کیسی ہو؟ کمزوری تو محسوس نہیں کر رہیں؟“ رچرڈ نے پوچھا۔

”نہیں، بالکل بھی نہیں۔“ این نے کمزور لہجہ میں جواب دیا۔ وہ آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے شوہر کو آنسوؤں سے نفرت ہے۔

ننھے ولیم کین لاویل کے نام کی تقریب، سینٹ پال چرچ میں ہوئی۔ بوشن کے عمائدین اس تقریب میں شریک تھے۔ بینکار جے پی مورگن اور ایلن لائیڈ ولیم کے گاؤں قادر اور این کی سب سے قریبی سہیلی ملی پیئرسن، ولیم کی گاؤں دتھی۔ بشپ نے ولیم کے سر پر مقدس پانی کا چھڑکاؤ کیا۔ ننھے ولیم نے کوئی رد عمل ظاہر نہ کیا۔ شاید وہ ابتدائی سے امیرانہ طور طریق سیکھ رہا تھا۔ این نے خدا کا شکر ادا کیا..... رچرڈ نے بھی خدا کا شکر ادا کیا۔ وہ خدا کو کین گھرانے کے تحفظ کا امین تصور کرتا تھا۔ ساتھ ہی اس نے سوچا کہ احتیاطاً ایک اور وارث کے لیے بھی کوشش کرنا چاہیے۔ کوئی ہنگامی صورت حال بھی تو پیش آ سکتی تھی!



لاڈلیک کو وکی کی نشوونما کا عمل بے حد سست تھا۔ ہیلن کو اندازہ ہو گیا کہ اس لڑکے کی صحت ہمیشہ مسئلہ بنی رہے گی۔ وہ اُن تمام بیماریوں کا شکار ہوا، جو عام طور پر بچوں کو لاحق ہوتی ہیں۔ لیکن وہ ایسی متعدد بیماریوں میں بھی مبتلا ہوا، جو بچوں کو عموماً نہیں ہوتیں۔ ایسی بیماریوں میں اُس نے کو وکی گھرانے کے دوسرے بچوں کو بھی حصے دار بنایا۔ ہیلن نے اسے اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہا۔ جو یو جب بھی کبھی لاڈلیک کی اپنے کنبے میں موجودگی کو خدا کا عطیہ کی بجائے شیطان کی شرارت قرار دیتا، وہ پھر جاتی۔ دوسری طرف فلوریٹا اس پر اتنی محبت نہجھور کرتی، جیسے وہ اسی کے وجود کا ایک حصہ رہا ہو۔ وہ اس سے، شدت سے محبت کرتی۔ وہ شدت اس خوف کا نتیجہ تھی کہ غربت اور لاغری کی وجہ سے کوئی بھی شخص، اس سے شادی نہیں کرے گا..... یوں وہ اولاد سے محروم رہے گی۔ اس نے طے کر لیا کہ لاڈلیک اسی کا بچہ ہے۔

سب سے بڑا لڑکا..... شکاری فریک، جو لاڈلیک کو لایا تھا، اُس سے محبت کرتا تھا لیکن وہ باپ سے اتنا خوفزدہ رہتا تھا کہ بچے سے محبت کا اظہار اس کے لیے ممکن نہ تھا اور باقی تینوں بھائی

اسٹیفن، جوزف، اور جان، لاڈیک میں دل چسپی نہیں لیتے تھے۔ البتہ منشی صوفیہ کو تو نوچنے کھوٹنے کے لیے ایک ہدف مل گیا تھا لیکن ایک بات کا جواز اور ملے گا اور ان کو انہیں علم نہیں تھا کہ ننھا لاڈیک اُن کے بچوں سے کس قدر مختلف ثابت ہوگا..... جسمانی طور پر بھی اور ذہنی طور پر بھی! کووکی گھرانے کے بچے سب طویل القامت، چوڑی ہڈی اور سیاہ آنکھوں والے تھے جب کہ لاڈیک پست قامت اور گول منول تھا، اور اس کی آنکھیں گہری نیلی تھیں۔ کووکی گھرانے کے بچے غبی تھے اور انہیں فارغ التحصیل ہونے سے قبل ہی اسکول سے فارغ کر دیا جاتا تھا۔ لاڈیک چلنے اور بولنے کے معاملے میں تو تاخیر کا شکار ہوا۔ لیکن وہ تین سال کی عمر میں پڑھنا سیکھ گیا۔ وہ بغیر کسی کی مدد کے خود کپڑے بھی نہیں پہن سکتا تھا۔ پانچ سال کی عمر میں وہ لکھنا سیکھ گیا۔ ماں اس پر فخر کرتی تھی اور باپ اُس سے نالاں تھا۔ اُس کی زندگی کے پہلے چار برس صرف اس اعتبار سے یادگار تھے کہ ان میں بیماری کے حوالے سے، اس نے زندگی کو مسترد کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن ہیملن اور فلوریٹا کی نگہداشت نے اس کی ہر کوشش ناکام بنادی۔ اب وہ دن بھر کلچ کے باہر ننگے پاؤں دھبیوں سے بنا ہوا لباس پہنے، ماں کے پیچھے پیچھے پھرتا۔ وہ ہر وقت اس سے چپکا رہتا۔ پھر جب فلوریٹا اسکول سے واپس آتی تو اس کی طرف متوجہ ہو جاتا اور سونے سے پہلے اس سے جدا نہ ہوتا۔ فلوریٹا کھانے کی تقسیم کے وقت اپنے حصے کا آدھا کھانا اسے دے دیتی جن دنوں وہ بیمار ہوتا، وہ اپنا پورا حصہ اُسے کھلا دیتی اور خود بھوک رہتی۔ وہ اس کے لیے کپڑے سیتی اور سوتے وقت اُسے لوریاں دیتی۔

لاڈیک، فلوریٹا سے بہت مانوس تھا۔ فلوریٹا اسکول جاتی تو وہ اس سے دور ہو جاتا یہی وجہ تھی کہ اس کے دل میں اسکول جانے کی اُمنگ وقت سے پہلے جاگ اُٹھی۔ پھر وہ فلوریٹا کی اُننگی تمام کر اسکول جانے لگا۔ سلونم کا اسکول اُن کے کلچ سے نو میل کے فاصلے پر تھا۔ تاریکی اور صوبہ کے درختوں کے درمیان انہیں یہ فاصلہ طے کرنا پڑتا تھا۔

لاڈیک کو اسکول پہلی ہی نظر میں بھا گیا درحقیقت وہ پسندیدگی کلچ سے بیزاری کی ایک شکل تھی۔ اسکول میں اُسے علم ہوا کہ رُوسی فوجیں مشرقی پولینڈ پر قبضے کے بعد کس قدر شقاوت کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ اسے یہ بھی پتہ چل گیا کہ اس کی مادری زبان صرف اسکولوں اور گھروں میں بولی جاتی ہے۔ ورنہ عام طور پر رُوسی زبان میں ہی کاروبار حیات چلتا ہے۔ اسے احساس ہوا کہ اُس کے ساتھی بچے اپنی کھلی ہوئی تہذیب اور اپنی مادری زبان سے کس قدر محبت کرتے ہیں اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اسکول کے استاد اس کے ساتھ وہ تحارت بھرا برتاؤ نہیں کرتے، جو گھر میں اُس کا باپ اُس کے ساتھ روا رکھتا ہے گھر کی طرح وہ کلاس میں بھی سب سے چھوٹا تھا۔ لیکن جلدی ہی وہ سوائے قد کے ہر معاملے میں اپنے تمام ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ گیا۔ اس کے منحنی سے جسم کو حوالہ بنانے والے ہمیشہ اس

کے متعلق غلط اندازہ لگاتے۔ پانچ سال کی عمر میں وہ سوائے آئرن ورک کے ہر مضمون میں اول آیا۔

رات کو جب دوسرے بھائی کلچ کے عقبی باغچے میں پھول توڑ رہے ہوتے، یا خرگوش کے شکار میں مصروف ہوتے لاڈیک پڑھائی میں مصروف ہوتا۔ وہ اُن کتابوں کا مطالعہ کرتا، جن سے ان کے بڑے بھائی کی جان نکلتی تھی پھر وہ فلوریٹا کی کتابیں پڑھنے لگا۔ جلد ہی ہیملن کو اندازہ ہو گیا کہ خدا نے اس روز تین خرگوشوں کے بدلے، لاڈیک کی فصل میں جو انعام دیا تھا، وہ اس کے تصور سے بڑھ کر قیمتی ہے۔ اب لاڈیک اس سے ایسے سوال کرنے لگا تھا، جس کے جواب اُسے بھی معلوم نہیں تھے اس بے چاری کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس بچے کے لیے کیا کرے۔ اسے تقدیر پر یقین تھا۔ اسی لیے جب ایک روز تقدیر نے اسے فیصلے کی زحمت سے بچالیا تو اس نے تقدیر کے سامنے سرخم کر دیا۔

1911ء کے موسم خزاں کی ایک شام، لاڈیک کی زندگی میں پہلا انقلاب لے کر آئی۔ وہ سب کھانا کھا چکے تھے جو زیو آگ کے پاس کرسی پر بیٹھا تھا ہیملن کچھ سی رہی تھی بچے کھیل کود میں مگن تھے لاڈیک ماں کے قدموں میں بیٹھا، پڑھ رہا تھا، اچانک دروازے پر دستک ہوئی..... تقدیر کی دستک! وہ کلچ سلونم سے نو میل اور بیرن کی جاگیر سے تین میل دور تھا۔ وہاں کوئی ملنے والا نہیں آتا تھا۔ اسی لیے دستک سن کر سب کو حیرت ہوئی۔ وہ بے یقینی سے دروازے کو گھورتے اور مزید دستک کا انتظار کرتے رہے۔ اس مرتبہ دستک زیادہ زوردار تھی جو زیو اُٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے بڑی احتیاط سے دروازہ کھولا۔ دروازہ کھلتے ہی لاڈیک کے سوا، سب لوگ نو دارد کے سامنے سر بہ خم ہو گئے۔ لاڈیک اس خوش لباس اور وجہہ شخص کو بے خوف نگاہوں سے گھورتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا..... یہ کون شخص ہے جس سے میرا باپ بھی خوف زدہ ہے؟

جو زیو نے لیوں پر مسکراہٹ سجائی اور بیرن کو اندر آنے کی دعوت دی سب خاموش بیٹھے تھے بیرن پہلے کبھی ان کے گھر نہیں آیا تھا۔ لاڈیک اپنی کتاب ایک طرف رکھ کر اُٹھا اور اجنبی کی طرف بڑھ گیا۔ اس سے پہلے کہ اس کا باپ اسے روکتا، وہ بیرن کی طرف ہاتھ بڑھا چکا تھا۔ ”شام بخیر جناب“ اس نے بیرن سے کہا۔

بیرن رونکی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ چند لمحے وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے رہے۔ بیرن نے اس کا ہاتھ چھوڑا تو اسے محسوس ہوا کہ بچہ اس کی کلائی میں پڑے ہوئے نکلن پر کندہ عبارت پڑھنے کی کوشش کر رہا ہے۔

”تم یقیناً لاڈیک ہو گے۔“ بیرن نے کہا۔

”جی ہاں جناب۔“ بچے نے سادگی سے جواب دیا، جیسے اس کے نزدیک یہ بات کوئی اہمیت نہ رکھتی ہو کہ بیرن اسے جانتا ہے۔

”میں تمہارے ہی سلسلے میں یہاں آیا ہوں۔“

لاڈ بی، بیرن کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ جویو نے اپنے بچوں کو اشارہ کیا کہ وہ سب اُسے آقا کے ساتھ تہا چھوڑ دیں۔ چھ بچے ادب سے بیرن کے سامنے سرخم کرتے ہوئے نکل گئے لاڈ ایک اپنی جگہ سے نہیں ہلا..... اور نہ کسی نے اس سے باہر جانے کو کہا۔ تب بیرن نے جویو سے کہا ”میں تمہارے پاس ایک کام سے آیا ہوں۔“

”حکم کریں جناب..... حکم کریں۔“ جویو کے لہجے میں حیرت تھی۔ ایسا کون سا کام تھا، جس کے لیے بیرن کو اس کے گھر آنا پڑ گیا۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

”میرے بیٹے لیون کی عمر چھ سال ہے۔“ بیرن نے کہا۔ ”وہ محل ہی میں پڑھتا ہے۔ میں نے اُس کی تعلیم کے لیے دو استاد رکھے ہیں۔ ایک ہم وطن ہے اور دوسرا جرمن ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ میرا لڑکا ذہین ہے، لیکن مسابقت سے محروم ہے جبکہ مسابقت ذہن کے جلا کے لیے بہت ضروری ہے۔ میں نے سلونم اول کے استاد سے بات کی تھی، اس کا کہنا ہے کہ صرف اور صرف لاڈ ایک ہی وہ مسابقت فراہم کر سکتا ہے، جس کی لیون کو ضرورت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لاڈ ایک کو اسکول چھوڑنے..... اور میرے محل میں لیون کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دے دو۔“

لاڈ ایک اس دوران بیرن کے چہرے پر نظریں جمائے رہا تھا..... لیکن اس کی چشم تصور کے سامنے نت نئے کھانوں اور خوش رنگ ملبوسات کے دروازے کھل گئے تھے۔ وہ تصور میں وہ کتا میں دیکھ رہا تھا جو جویو کی استطاعت سے باہر تھیں۔ اسے ان استادوں کے چہرے نظر آ رہے تھے جو اس کے تجسس کی تسکین کر سکتے تھے، اُس نے ایک نظر ماں کی طرف دیکھا۔ وہ بھی محرزہ سی بیرن کو دیکھے جارہی تھی۔ اس کے چہرے پر تعجب بھی تھا اور تاسف بھی..... باپ نے اس کی ماں کی طرف دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ باتیں ہوئیں، پھر جویو نے نگاہیں جھکا کر کہا۔ ”یہ تو ہماری عزت افزائی ہے، آقا۔“

بیرن نے سوالیہ نگاہوں سے ہیلن کی طرف دیکھا..... وہ دھیرے سے بولی ”خدا مجھے معاف رکھے، میں اپنے بچے کا راستہ کیسے کھوٹا کر سکتی ہوں لیکن یہ بھی خدا ہی جانتا ہے کہ مجھ پر کیا گزرے گی۔“

”بچہ آپ سے ملنے آتا رہے گا۔“

”جی ہاں جناب، مجھے یقین ہے کہ ابتداء میں ایسا ہی کرے گا۔“ اس کی آواز میں خدشوں کی پھٹکا نگی۔

”میا یہ بات طے ہو گئی۔“ بیرن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”بچے کو کل صبح سات بجے محل

لے آنا پھر یہ کرسی کے موقع پر گھر واپس آ جائے گا۔“

اچانک لاڈ ایک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تو جویو نے کہا ”خاموش! ہو جاؤ لڑکے۔“

”میں نہیں جاؤں گا۔“ لاڈ ایک نے روتے ہوئے کہا..... حالانکہ اس کا دل جانے کو چاہ رہا تھا۔

”کیوں؟“ بیرن نے پوچھا۔

”میں فلوریٹا سے دور نہیں رہ سکتا۔“

”فلوریٹا..... یہ کون ہے؟“

”میری سب سے بڑی بیٹی جناب“ جویو نے وضاحت کی۔ ”لیکن آپ فکر نہ کریں۔ جناب۔ اس کا تو باپ بھی جائے گا۔“

سب خاموش رہے۔ بیرن چند لمحے کسی سوچ میں گم رہا۔ لاڈ ایک بدستور آنسو بہاتا رہا تھا۔ ”لڑکی کی عمر کیا ہے؟“ بیرن نے پوچھا۔

”چودہ سال کی ہے۔“ جویو نے جواب دیا۔

”کچن میں کام کر سکتی ہے؟“ بیرن نے ہیلن کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں اس مرتبہ عورت باقاعدہ روانہ شروع کر دے۔

”جی ہاں جناب۔“ ہیلن بولی۔ ”وہ کھانا پکا سکتی ہے، کپڑے سیکتی ہے اور.....“

”بہت خوب۔ تب تو وہ بھی آ سکتی ہے۔ کل صبح میں ان دونوں کا انتظار کروں گا۔“ بیرن نے کہا اور دروازے کی طرف چل دیا۔ دروازے تک پہنچنے سے پہلے، بیرن نے پلٹ کر لاڈ ایک کی طرف دیکھا اور اسے ایک حوصلہ افزا مسکراہٹ سے نوازا۔ لاڈ ایک بھی مسکرا دیا۔ وہ زندگی کی پہلی سودے بازی میں کامیاب رہا تھا۔ بیرن کے جاتے ہی ہیلن نے اسے اپنی آغوش میں بھیج لیا۔ ”مما کے سب سے چھوٹے بچے“ اُس نے بڑی شفقت سے کہا۔ ”اب تم کیا بنو گے؟“

رات میں ہیلن نے لاڈ ایک اور فلوریٹا کا سامان باندھ دیا۔

صبح وہ سب کانچ کے دروازے پر کھڑے اُن دونوں کو رخصت ہوتے دیکھ رہے تھے۔ وہ دونوں اپنا اپنا سامان اٹھائے ہوئے تھے۔ فلوریٹا بار بار پلٹ دیکھتی اور ہاتھ لہراتی رہی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ لیکن لاڈ ایک نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ فلوریٹا، بیرن کے محل تک اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے رہی۔ اب اُن دونوں کے کردار تبدیل ہو چکے تھے۔ اس دن کے بعد فلوریٹا کو لاڈ ایک پر انحصار کرنا تھا۔ انہوں نے ڈرتے ڈرتے محل کے عظیم الشان پھانک پر دستک دی۔ ایک باوردی ملازم نے دروازہ کھولا۔ وہ اُن کا منتظر تھا۔

ہال میں سرخ و دبیز قالین پر چلتے ہوئے لاڈ ایک قدرے جھجک گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اُسے جو تے باہر بیہ اتار دینا چاہیے تھے۔ قالین اتنا دبیز تھا کہ ان کے قدموں کی ہر آہٹ کو نگل رہا تھا۔ ملازم انہیں محل کے غریبی حصے میں لے گیا، جہاں ان کے لیے الگ الگ خواب گاہ کا بندوبست کیا گیا تھا۔ دونوں کمروں کے درمیان ایک دروازہ بھی تھا، جسے دیکھ کر لاڈ ایک نے سکون کا سانس لیا۔ وہ تنہا سونے کا عادی نہیں تھا۔ فلورینا کو کچن میں پہنچا دیا گیا اور لاڈ ایک کو محل کے جنوبی حصے میں واقع پلے روم کی طرف لے جایا گیا، جہاں بیرن کے بیٹے لیون سے اسکی ملاقات ہوئی۔

لیون دراز قامت، خوش رو اور خوش مزاج لڑکا تھا۔ اس نے والہانہ انداز میں لاڈ ایک کا استقبال کیا۔ لاڈ ایک اسے پسند کیے بغیر نہ رہ سکا۔ درحقیقت لیون بھی تنہائی کا شکار تھا۔ اسے کھیلنے کے لیے اپنی آیا کے سوا کوئی ساتھی میسر نہ تھا۔ اس کی ماں اُس کے ایام شیرخواری ہی میں موت کا شکار ہو گئی تھی۔ اتانے اسے دودھ پلایا تھا اور اس کی پرورش کی تھی۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ جنگل پار سے آنے والا یہ گول منول سال لڑکا اچھا ساتھی ثابت ہو سکتا ہے اور وہ جانتے تھے کہ کم از کم ایک لحاظ سے دونوں ہم پلہ ہیں۔

لیون سب سے پہلے لاڈ ایک کو محل کی سیر کرانے لے گیا۔ صبح کا سارا وقت اس سیر میں گزر گیا اور ان دونوں کو وقت کے گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔ لاڈ ایک کے لیے محل کی وسعت، اس کی خوبصورتی آرائش اور فرنیچر کی دیدہ زیبی مسحور کن تھی۔ لیکن لیون کے سامنے اُس نے محض متاثر کن قرار دیا۔ اُسے احساس تھا کہ محل میں اُس کا داخلہ اُس کی قابلیت کی بنیاد پر ممکن ہوا ہے۔ لیون نے سے بتایا کہ محل قومی طرز تعمیر کا نمونہ ہے۔ لاڈ ایک نے یوں اثبات میں سر ہلایا، جیسے وہ قومی طرز تعمیر پر اتھارٹی ہو پھر لیون اُسے وسیع و عریض تہ خانے میں لے گیا، جہاں گرد سے ڈھکی ہوئی شراب کی سر بند بوتلوں کا ذخیرہ موجود تھا۔ لاڈ ایک کو ڈائننگ ہال نے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ وہ بہت بڑا ہال تھا اور اس کی دیواروں پر شکار کیے ہوئے جانوروں کے خطوط شدہ سر آویزاں تھے۔ لیون اسے اُن جانوروں کے نام بتاتا رہا۔ دیوار پر دو ستودہ کی گھرانے کا نصب العین بھی سنہرے دھاتی حروف کی شکل میں جڑا ہوا تھا۔ خوش قسمتی بہادروں کا ساتھ دیتی رہی۔

دوپہر کا کھانا لاڈ ایک نے بہت تھوڑا سا کھایا کیونکہ وہ چھری کا نسا استعمال کرتا نہیں جانتا تھا۔ کھانے کے بعد اس کو دونوں اُستادوں سے ملوایا گیا جو لیون کے برعکس انتہائی سردمہری سے ملے رات کو اُس نے تصور سے بھی زیادہ نرم اور اپنی خیال دنیا سے زیادہ وسیع و عریض بستر پر لیٹ کر فلورینا کو محل کے متعلق بتایا۔ فلورینا کی نظریں اس کے چہرے کا طواف کرتی رہیں۔ حیرت سے اُس کا منہ کھل گیا تھا..... اور چھری کا نسنے کا تذکرہ سننے وقت تو اُس کی حیرت دیدنی تھی۔

اگلی صبح پڑھائی کا آغاز ٹھیک سات بجے، ناشتے سے پہلے ہوا۔ پھر وہ سارا دن پڑھتے رہے۔ اس دوران میں وقفے بھی ہوتے رہے۔ ابتدا میں لیون کو لاڈ ایک پر واضح برتری حاصل تھی۔ لیکن لاڈ ایک کتابی کٹرا بن کر رہ گیا۔ چند ہفتے بعد وہ برتری دھیرے دھیرے سمٹنے لگی۔ اس دوران، دونوں میں دوستی اور رقابت بیک وقت نمودار ہوئی۔ دونوں اُستاد، دونوں لڑکوں کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ کرتے ہوئے جھجکتے تھے۔ وہ لاڈ ایک کی ذہانت کی تعریف کرتے ہوئے بھی ہچکچاتے تھے۔ تاہم بیرن کے استفسار پر انہوں نے تسلیم کیا کہ سلونم اسکول کے اُستاد کا انتخاب بالکل دوست ہے۔ لاڈ ایک کو اُستادوں کے رویے کی کوئی پروا نہیں تھی، کیونکہ لیون اس کے ساتھ برابری کا سلوک کرتا تھا۔

بیرن دونوں لڑکوں کی کارکردگی سے خوش تھا۔ وہ وقتاً فوقتاً لاڈ ایک کو کپڑوں اور کھلونوں کی صورت میں انعام سے نوازتا رہا، دھیرے دھیرے لاڈ ایک، بیرن کی بے انتہا عزت کرنے لگا۔ پھر جب کرسس پر کالج واپس جانے کا موقع آیا تو وہ لیون سے جدا ہوتے ہوئے افسردہ ہو گیا محل سے جانا اس کے لیے باعث آزار تھا..... حالانکہ وہ تین ماہ سے پچھڑی ہوئی ماں سے ملنے کے لیے تڑپ رہا تھا لیکن محل میں رہنے کے بعد اس پر اپنے گھر کی تمام حقیقت کھل گئی تھی چھٹی کے دن گزارنے عذاب ہو گئے۔ کالج میں وہ خود کو قیدی محسوس کرتا تھا۔ کھانے کے وقت اور مصیبت ہوتی۔ کھانا اسے اچھا نہ لگتا..... اس پر اتھ سے کھانے کی مصیبت..... محل میں کھانے کو نوصوں میں تقسیم نہیں کیا جاتا تھا۔ دو ہفتے بعد ہی لاڈ ایک محل واپس جانے کے لیے بے چین ہو گیا۔ فلورینا، جو محل میں صرف کچن تک محدود رہی تھی، لاڈ ایک کی بے چینی کو سمجھنے سے قاصر تھی۔ دوسری طرف جوزیو کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس خوش لباس اور خوش اطوار لڑکے کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرے۔ جو چھ سال کی عمر میں ایسی باتیں کر رہا تھا، جن سے وہ خود لاعلم رہا تھا۔ جنہیں وہ جانتا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس کے نزدیک لڑکا سوائے کتابوں میں وقت ضائع کرنے کے کچھ نہیں کرتا۔ آخر اس لڑکے کا ہوگا کیا؟ وہ سوچتا۔ اگر اسے کلہاڑی چلانا نہ آئی..... اگر اس نے شکار کرنا نہ سیکھا تو کیا چوریاں کر کے پیٹ پالے گا! وہ بے چارہ خود دعا کر رہا تھا کہ چھٹیاں جلد گزر جائیں کیونکہ جتنے دن لاڈ ایک اس کی نظروں کے سامنے رہے گا وہ اُسے دیکھ کر کڑھتا رہے گا۔

ہیلن، لاڈ ایک کو دیکھ کر کفر سے پھولی نہ سار ہی تھی، شروع میں تو اس نے یہ حقیقت تسلیم ہی نہ کی کہ اس کے اور لاڈ ایک کے درمیان ایک خلیج سی حائل ہو گئی ہے۔ لیکن وہ زیادہ دیر اس حقیقت کو نہ جھٹلا سکی۔ ایک خلیج لاڈ ایک اور دوسرے بچوں کے درمیان حائل ہو چکی تھی۔ ایک شام جنگ کا کھیل کھیلتے ہوئے اسٹیفن اور فرینک نے، جو جزل بنے ہوئے تھے، لاڈ ایک کو اپنی فوج میں لینے سے انکار کر دیا۔

”مجھے ہمیشہ باہر کر دیتے ہیں۔“ لاڈیک نے روتے ہوئے کہا۔ ”حالانکہ میں لڑنا بھی سیکھنا چاہتا ہوں۔“

”تم ہمیشہ سے نہیں ہو۔“ اسٹین نے کہا۔ ”تم ہمارے بھائی نہیں ہو۔“

چند لمبے خاموشی رہی، پھر فریک بولا۔ ”پاپا تمہارے خلاف تھے۔ بس ماما کی وجہ سے تم ہمارے ہاں رہ سکے ہو۔“

لاڈیک ساکت کھڑا سب بچوں کے چہرے ٹوٹا رہا۔ ان میں فلورینا نہیں تھی۔

”فریک کہہ رہا تھا کہ میں تمہارا بھائی نہیں ہوں۔“ کچھ دیر بعد لاڈیک نے فلورینا سے شکایت کی۔

تب اسے اپنی پیدائش کے واقعات کا علم ہوا۔ اسے پتہ چلا کہ وہ اپنے بہن بھائیوں سے مختلف کیوں ہے لاڈیک کو یہ سن کر خوشی ہوئی کہ اسکی رگوں میں گھٹیا جوزیو کی بجائے کسی نامعلوم شخص کا خون دوڑ رہا ہے لیکن اس نے اس خوشی کا برملا اظہار نہیں کیا۔

بالآخر چھیوں کے ناخوشگوار دن گزر گئے اور لاڈیک ہمیشہ خوشی محل میں واپس چلا گیا۔ لیون اس سے لپٹ گیا۔ وہ خود میں اور لاڈیک میں ایک ممانکت محسوس کر چکا تھا۔ جیسے جوزیو کی غربت نے لاڈیک کو اکیلا پن دیا تھا، ویسے ہی بیرن کی دولت اور امارت نے اُسے تنہا کر دیا تھا۔ یہ عجیب درد مشترک تھا۔ اس دوری کے بعد دونوں لڑکوں کے درمیان قربت بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ ایک پل کے لیے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے۔ گرمی کی چٹنیاں آئیں تو لیون نے بیرن سے التجا کی لاڈیک کو محل ہی میں رہنے دیا جائے۔ بیرن بھی لاڈیک سے محبت کرنے لگا تھا۔ چنانچہ اس نے یہ بات مان لی۔ لاڈیک بھی خوش تھا۔ اس کے بعد وہ صرف ایک مرتبہ جوزیو کے کالج میں داخل ہوا۔

دونوں لڑکے پڑھائی مکمل کرنے کے بعد کھیلتے۔ آنکھ پھولی ان کا پسندیدہ کھیل تھا۔ محل میں 72 کمرے تھے۔ یعنی محل کی وسعت اس کھیل کے لیے مثالی تھی۔ لاڈیک کی پسندیدہ جگہ زیر زمین کوٹھریاں تھیں، جہاں اس قدر اندھیرا تھا کہ موسم بقی کی روشنی کے بغیر چلنا محال تھا۔ لاڈیک کی سمجھ میں اُن کوٹھریوں میں مصرف نہیں آتا تھا اس سلسلے میں نوکر بھی اس کی مدد کرنے سے قاصر تھے۔ کیونکہ انہوں نے ان کوٹھریوں کو کبھی زیر استعمال نہیں دیکھا تھا۔

لاڈیک کو احساس تھا کہ وہ صرف پڑھائی کے معاملے میں لیون کا ہم پلہ ہے۔ لیون کھیل کود میں بہت تیز تھا اور سوائے شطرنج کے لاڈیک کسی کھیل میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ ان دونوں کے کھیل کا میدان دریا ئے اسٹرچ تک پھیلا ہوا تھا، جو بیرن کی جاگیر کے ساتھ ساتھ بہتا تھا۔ موسم بہار میں مچھلیاں پکڑتے، گرما میں نہاتے اور سرما میں دریا منجمد ہو جاتا تو وہ اسکیٹس بانڈھ کر

برف پر ایک دوسرے کے پیچھے پھسلا کرتے۔ فلورینا دریا کے کنارے بیٹھی تھوٹھیں آمیز لہجے میں انہیں سمجھاتی رہتی کہ کہیں برف پتلی اور کمزور نہ ہو۔

لیون کی نشوونما کا عمل بہت تیز تھا۔ لاڈیک اسے دیکھتا تو اسے شدت سے اپنی جسمانی کمزوری کا احساس ہونے لگتا۔ وہ گھنٹوں آئینے کے سامنے کھڑا اپنے عکس کو دیکھتا، سوچتا اور کڑھتا رہتا کہ آخر قدرت نے اُسے صرف ایک ہی چھاتی کیوں دی ہے سینے کے دوسرے حصے اور گھنڈی سے محرومی اس کے لیے عذاب ہو گئی تھی اپنی دانست میں گویا وہ نسل انسانی سے ہی خارج ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ اپنی گھنڈی سے محروم چھاتی کو اُننگی سے سہلاتا رہتا اور خود ترسی میں مبتلا ہو جاتا۔ بالآخر وہ دُعا کرتے کرتے سوجاتا کہ صبح جب وہ سو کر اُٹھے تو ایک کامل انسان ہو، لیکن اس کی دُعا کبھی قبول نہ ہوئی۔ رات کے وقت وہ اپنے کمرے میں ورزش کرتا۔ بڑی کوشش کے بعد اس نے چلنے کا ایسا انداز اپنایا، جس سے وہ قدرے لمبا نظر آئے۔ وہ چھت سے لکتا کہ شاید اسی طرح اُس کا قد بڑھ جائے۔ جبکہ لیون بے فکری سے سونے کے باوجود قد نکالتا رہا اور وہ تمام تر کوششوں کے باوجود پست قامت رہا۔ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا کہ قد کے معاملے میں وہ ہمیشہ لیون سے کم رہے گا۔ لیکن لیون کا رویہ لاڈیک کے لیے حوصلہ افزا تھا۔ لیون نے کبھی اپنے دوست کو اُس کے جسمانی بھدے پن اور کمزوری کا احساس نہیں دلایا تھا۔ وہ تو لاڈیک سے ٹوٹ کر محبت کرتا تھا بیرن کی لاڈیک سے محبت دن بدن بڑھتی رہی۔ لاڈیک کی آمد سے اُس کے لیون کو ایک جھوٹا بھائی مل گیا تھا۔ رات کا کھانا وہ دونوں ہمیشہ بیرن کے ساتھ کھاتے تھے۔ کھانے کے بعد بیرن انہیں پولینڈ کی تاریخ کے متعلق بتاتا۔ لاڈیک بار بار اصرار کر کے ٹیڈ کوز کو کی کہانی سنتا۔

”وہ بہرہ تھا۔“ بیرن بتاتا۔ ”وہ جدوجہد آزادی کی علامت تھا۔ اُس نے فرانس میں تربیت حاصل کی تھی۔“

”یہی وجہ ہے کہ ہم فرانسیسیوں سے محبت کرتے ہیں، اسی طرح جس طرح روسیوں اور آسٹریں سے نفرت، ہمارے خیر میں ہے۔“ لاڈیک کٹڑے لگاتا۔ اسے وہ سب، لفظ بہ لفظ یاد تھا۔

”کون کسے کہانی سنا رہا ہے لاڈیک؟“ بیرن ہنستے ہوئے کہتا اور کہانی جاری رہتی۔ ”ادھر امریکہ میں جارج واشنگٹن، آزادی اور جمہوریت کی جنگ لڑ رہا تھا۔ 1792ء میں اس نے ڈوبیکا کی جنگ میں پولش لوگوں کی قیادت کی۔ پھر جب ہمارا مردود شاہ آگسٹ، روسیوں کے ہاتھوں بک گیا۔ تب کوزکو، پولینڈ واپس آیا تاکہ زار کی غلامی کا جو گردن سے اتار پھینکے۔ اس نے کون سی جنگ جیتی تھی، لاڈیک؟“

”ریگلا وائس کی جنگ۔۔۔۔۔ جس میں اس نے وار سا کو آزاد کرایا تھا۔“

درست ہے میرے بچے..... پھر رُوسیوں نے طاقت بڑھائی..... اسے شکست دی اور اسے قیدی بنا کر لے گئے۔ اس جنگ میں میرے جد محترم، کوز کو کے شانہ بشانہ لڑے تھے، پھر میرے جدا امجد نے پولین کے ساتھ بھی جنگوں میں حصہ لیا۔

”اور آپ کا یہ لقب بیرن رونسکی انہی خدمات کا صلہ ہے۔“ لاڈیک کے لہجے میں فخر تھا۔

”اچھے دن پھر آئیں گے۔“ بیرن نے پر امید لہجے میں کہا۔ ”کاش، میں اس وقت تک زندہ رہوں۔“



کرسمس کے روز سب دیہاتی اپنے اپنے طور پر تحائف لے کر محل آتے، بچے شام کے ستارے کی کھوج میں لگ جاتے۔ شام کا ستارہ نظر آتے ہی دعوت کا آغاز ہوتا۔ بیرن کے دسترخوان پر انواع و اقسام کی نعمتیں تھیں اور وہاں کوئی بھی آسکتا تھا۔ لاڈیک، جوزیو کو کھانے پر ٹوٹنا دیکھ کر بیزار ہو جاتا۔ وہ جانتا تھا کہ واپسی میں جوزیو جنگل میں اٹلیاں کرتا پھرے گا۔ دعوت کے بعد لاڈیک جب دیہاتی بچوں کو کرسمس ٹری سے تحفے توڑ کر دیتا تو اُسے بہت لطف آتا۔ ان میں اس کے اپنے بہن بھائی بھی ہوتے۔ صوفیہ کے لیے گڑیا، جوزف کے لیے چاقو، فلورینا کے لیے نیا ملبوس..... وہ پہلی فرمائش تھی جو لاڈیک نے بیرن سے کی تھی۔

1914ء کے موسم بہار تک لاڈیک پڑھائی میں اور تیز، اور جسمانی اعتبار سے خاصا مضبوط ہو چکا تھا۔ پھر جولائی میں اچانک جرمن ٹیوٹر انہیں الوداع کہے بغیر کہیں چلا گیا۔ دونوں لڑکے، اس کے جانے کی وجہ سے ناواقف تھے۔ انہیں پتہ بھی نہ چلا کہ اس کی واپسی کا تعلق آج ڈیوک فرڈین کے قتل سے ہے، جسے ایک انارکسٹ طالب علم نے قتل کر دیا تھا دوسری طرف بیرن بھی تھکا تھکا نظر آنے لگا تھا۔ لڑکے اس کی وجہ بھی سمجھنے سے قاصر تھے۔ پھر نوجوان ملازمین ایک ایک کر کے غائب ہونے لگے۔ وہ سال یونہی گزر گیا۔ لیون اس دوران دراز تر اور لاڈیک مضبوط تر ہوتا گیا۔ اگلے سال موسم گرما کی ایک صبح بیرن وارسا کے سفر پر روانہ ہوا کیونکہ اسے وہاں اہم کام تھا۔ وہ پچیس دن محل سے غیر حاضر رہا..... ان میں سے ہر دن لاڈیک کے لیے بوریت کا دن تھا۔ اس کی واپسی کے دن، دونوں لڑکے سلوئم ریلوے اسٹیشن گئے تاکہ بیرن کو خوش آمدید کہیں۔ اسٹیشن سے محل تک سفر کے دوران، وہ تینوں ہی خاموش رہے۔

بیرن بہت بوڑھا اور تھکا تھکا نظر آنے لگا آئندہ چند ہفتوں میں اس کا رویہ عجیب سا رہا۔ اکثر وہ ملازمین سے تشویش آمیز سخت لہجے میں باتیں کر رہا ہوتا..... وہ اس کے قریب جاتے تو بیرن خاموش ہو جاتا۔ دونوں لڑکے خوف زدہ رہنے لگے۔ کیونکہ وہ رویہ بیرن کے فطری انداز سے ہٹ کر

تھا۔ لاڈیک کو خوف تھا کہ شاید بیرن اسے واپس بھجوانے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔

ایک شام بیرن نے دونوں لڑکوں کو ہال میں طلب کیا۔ وہ خوف زدہ سے اس کے حضور پہنچے بیرن نے بلا تہید بتایا کہ انہیں ایک طویل سفر کرنا ہے۔ وہ مختصر سی گفتگو اُس وقت لاڈیک کو غیر اہم لگی تھی۔ لیکن پھر وہ زندگی بھر اسے بھول نہ سکا۔

”میرے بچے۔“ بیرن نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ”جنگ باز جرمن، آسٹریں اور ہنگرین، وارسا کی شہرہ رگ تک آپکے ہیں۔ کسی بھی لمحے وہ ہمارے سروں پر پہنچ جائیں گے۔“

لاڈیک کو پولش ٹیوٹر کا ایک جملہ یاد آ گیا۔ ”گویا غرقابی کی ساعت آ پہنچی ہے؟ اس نے پوچھا۔

بیرن نے اُسے بڑی شفقت سے دیکھا۔ ”ڈیڑھ سو سال کا جبر و استبداد بھی ہماری قومی رُوح کو نہیں کچل سکا ہے، میرے بچے۔“ اس نے جواب دیا۔ ”لیکن اس وقت پولینڈ کا مستقبل داؤ پر لگا ہوا ہے۔ ہم اتنے کمزور ہیں کہ تاریخ پر اپنی مرضی کی تحریر بھی کندہ نہیں کر سکتے۔ ہم اس وقت تین پڑوسی طاقتوں کے رحم و کرم پر ہیں۔“

”ہم مضبوط ہیں..... لڑ سکتے ہیں۔“ لیون نے کہا۔ ”ہماری تلواریں زنگ آلود نہیں ہیں۔ ہم جرمنوں یا روسیوں سے خوف زدہ نہیں ہو سکتے۔“

”میرے بیٹے، تم نے جنگ کا محض کھیل کھیلا ہے۔ فی الحال ہمیں ایک ایسی پناہ گاہ تلاش کرنا ہے، جہاں ہم اس وقت تک رہ سکیں جب تک پولینڈ کی قسمت کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ میری دعا ہے کہ ایسا نہ ہو..... لیکن شاید یہ تمہارے بچپن کا قبل از وقت اختتام ہے۔“

لیون اور لاڈیک دونوں گنگ ہو کر رہ گئے۔ ان کے نزدیک جنگ ایک پر لطف چیز تھی جبکہ بیرن انہیں جنگ سے گریز کا حکم دے رہا تھا۔ ملازمین نے سامان باندھنا شروع کر دیا تھا۔ یہ طے ہو چکا تھا کہ آنے والے ہیر کو وہ اپنے موسم گرما کے چھوٹے سے مکان میں منتقل ہو جائیں گے۔ دونوں لڑکے بدستور اپنی پڑھائی اور کھیل کود میں مصروف رہے..... لیکن اب ان کے پے چیدہ سوالوں کے جواب دینے والا کوئی نہیں تھا ہفتے کی صبح وہ پڑھائی میں مصروف تھے کہ گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی۔ شروع میں تو انہوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ شکاری، جنگل میں فائرنگ کرتے ہی رہتے تھے۔ لیکن پھر قریب سے سنائی دینے والی رائفل کی گرج نے انہیں چونکا دیا۔ پھر شور سنائی دیا۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔ مختصر سی زندگی میں انہیں کوئی ایسا تجربہ نہیں ہوا تھا جس کی بنا پر وہ خوف زدہ ہوتے۔ ٹیوٹر انہیں تنہا چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ پھر قریب سے ایک اور گولی کی آواز آئی۔ اس بار آواز دروازے کے باہر والی راہداری سے آئی تھی۔ وہ دونوں ساکت بیٹھے رہے ان کے دل کسی انجانے

خوف سے لرز رہے تھے..... پھر ایک دھماکے سے دروازہ کھلا اور ایک فوجی وردی والا شخص اندر داخل ہوا۔ لیون، لاڈیک سے لپٹ گیا..... لاڈیک آنے والے کو گھورنے لگا۔ فوجی نے جرمین میں اُس سے دریافت کیا کہ وہ کون ہے۔ وہ جرمین جانتے تھے لیکن کوئی جواب نہ دے سکے۔ پھر ایک اور فوجی اندر آ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر انہیں گردن سے پکڑ لیا اور کھینچتے ہوئے راہداری اور پھر وہاں سے باغ میں لے گیا۔ وہاں فلوریٹا مسیریائی انداز میں چیخے جارہی تھی۔ اس کی نظریں اپنے قدموں کے سامنے، گھاس پر جمی ہوئی تھیں۔ لیون سے وہ منظر دیکھا نہ گیا اور اُس نے لاڈیک کے کندھے کے پیچھے منہ چھپا لیا، لاڈیک حیرت اور دہشت کے عالم میں اُن لاشوں کو نکتا رہا۔ ان میں سے بیشتر ازار کے ملازم تھے۔ پھر وہ سکتے میں رہ گیا۔ ان میں اس کے باپ، جوزیو کی لاش بھی تھی۔ وہاں خون تالاب سا بن گیا تھا۔

”کیا باپا بھی ہیں؟“ لیون نے پوچھا۔

لاڈیک نے لاشوں کی طرف دیکھا۔ خدا کا شکر ہے، ان میں بیرن نہیں تھا۔ وہ لیون کو اطلاع دینے ہی والا تھا کہ ایک فوجی لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے پاس چلا آیا۔ ”بیرن کا بیٹا کہا ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”میں ہوں۔“ لاڈیک نے اکثر کر کہا۔

فوجی نے رائفل بلند کی اور نال لاڈیک کے سر سے کمرائی۔ وہ گر پڑا۔ اُس کا چہرہ خون میں نہا گیا تھا۔ لیون تیزی سے اس پر گر گیا۔ وہ لاڈیک کو فوجی کے دوسرے وار سے بچانا چاہتا تھا۔ رائفل کی نال کا سفر جاری رہا۔ اگلے ہی لمحے وہ، لیون کی کھوپڑی کے عقبی حصے سے کمرائی۔ اب دونوں لڑکے بے حس و حرکت پڑے تھے۔ لاڈیک اس لیے کہ پہلے وار نے اسے چکرا دیا تھا..... اور پھر لیون کا بوجھ اس کی سانسیں روک رہا تھا۔ لیون اس لیے کہ وہ مر چکا تھا۔

لاڈیک نے دوسرے فوجی کی آواز سنی، جو اپنے ساتھی کو ڈانٹ رہا تھا۔ انہوں نے لیون کو اٹھانا چاہا لیکن لاڈیک اس سے چپ کر رہ گیا تھا۔ بدقت تین سپاہیوں نے لاڈیک کو اس کے مردہ دوست سے جدا کیا۔ لیون کی لاش بڑی بے پروائی سے دوسری لاشوں کے ساتھ ڈال دی گئی۔ لاڈیک پھرتائی ہوئی آنکھوں سے اپنے دوست کی لاش کو دیکھتا رہا۔ پھر اسے چند بچے کچھ ملازمین کے ساتھ زیر زمین کوٹھریوں کی طرف لے جایا گیا اور دروازے بند کر دیے گئے۔ لاڈیک کی آنکھوں کے سامنے آنکھوں کو پتھر ادینے والا ایک اور منظر تھا۔ تہ خانے کی دیوار سے ٹیک لگائے بیرن بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بے حد اجڑا اجڑا سا لگ رہا تھا۔ بیرن نے نظریں اٹھائیں۔ چند لمحے وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے..... پہلی ملاقات کی طرح! پھر لاڈیک نے ہاتھ بڑھایا اور بیرن نے اُسے پہلے کی

طرح تمام لیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے..... پہلی ملاقات کی طرح! پھر لاڈیک نے ہاتھ بڑھایا اور بیرن نے اُسے پہلے کی طرح تمام لیا۔ وہ دونوں ہی خاموش تھے۔ لاڈیک، بیرن کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کو دیکھ کر جا رہا تھا۔ اُن کا درد مشترک تھا۔ دونوں سے وہ ہستی جھین لی گئی تھی، جسے وہ دنیا میں سب سے زیادہ چاہتے تھے۔



ولیم کین تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ گرد و پیش کے ماحول میں ہر شخص کے نزدیک وہ ایک ایسا بچہ تھا، جو چاہے جانے کے قابل تھا۔ لوکس برگ اسکوائر میں کین فیملی کے آبائی مکان کی اوپری منزل، زسری کوارٹر میں تبدیل کر دی گئی تھی۔ وہیں نرس کے لیے ایک خواب گاہ اور ایک کمرہ نشست کا بندوبست کر دیا گیا تھا۔ وہ پہلی مرتبہ کب بولا، کب اُس نے دانت نکالا، کب وہ پہلی مرتبہ چلا..... یہ سب باتیں این نے فیملی بک میں ریکارڈ کر لی تھی، فیملی بک میں اس کے علاوہ ہر ماہ اس کا قد اور وزن بھی درج کیا جاتا تھا۔ ولیم کی نرس انگریز تھی اور وہ ضابطوں کے مطابق اس کی نگہداشت کرتی رچرڈ کین ہر شام چھ بجے، بچے سے ملنے آتا، وہ بچوں سے غول غاں کی زبان میں یا تھلا کر بولنے کا قائل نہیں تھا۔ چنانچہ باپ، بیٹے کے درمیان کوئی گفتگو نہ ہوتی۔ وہ بس ایک دوسرے کو ٹکڑے دیکھتے رہتے۔ ولیم اپنے باپ کی انگشت شہادت پکڑ لیتا، وہ انگلی جس سے ٹینلس شیٹ چپک کی جاتی ہے وہ باپ کی انگلی بڑی مضبوطی سے پکڑتا۔ رچرڈ زیر لب مسکراتا کہ پوت کے پاؤں پالنے ہی میں نظر آنے لگے ہیں۔

پہلے سال کے اختتام پر، معمولات میں معمولی سی تبدیلی آئی۔ اب بچے کو نیچے آکر اپنے باپ سے ملنے کی اجازت مل گئی تھی۔ رچرڈ اپنی بلند و بالا چرمی کرسی پر بیٹھا، اپنے بیٹے کو چاروں ہاتھ پیروں پر چلتے ہوئے اور راستے میں رکاوٹ بننے والے فرنیچر کے درمیان غروب ہوتے اور پھر خلاف توقع طلوع ہوتے دیکھتا، بچہ ہر رکاوٹ عبور کرتا ہوا، باپ تک پہنچ جاتا، رچرڈ نے اس کی ثابت قدمی سے اعزازہ لگایا کہ وہ مستقبل میں ایک کامیاب سینیئر ثابت ہو سکتا ہے۔ ولیم نے تیرہ ماہ کی عمر میں زندگی کا پہلا قدم، باپ کا کوٹ تمام کر اٹھایا۔ اس کی زبان سے ادا ہونے والا لفظ ڈاڈا سب کے لیے خوش کن ثابت ہوا تھا۔ نانی اور دادی بھی اس سے ملنے کے لیے آتی رہتی تھیں۔ وہ اس کی پرام تو نہیں دھکیلتی تھیں۔ لیکن جب نرس، ولیم کو پرام میں بٹھا کر بوسٹن کی سیر کرائی تو وہ دونوں اس کے پیچھے پیچھے ہوتیں..... پھر ڈاکٹر میکزی نے رچرڈ اور این کو بتایا کہ این کا دوبارہ ماں بننا مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔ یوں رچرڈ کین کو ایک ہی ولی عہد پر اکتفا کرنا پڑا۔ وہ اپنے انداز میں این سے بہت محبت کرتا تھا حالانکہ یہ محبت بھی ضابطوں کی پابندی تھی۔ ڈاکٹر کی تنبیہ کے بعد گھر میں کبھی دوسرے بچے کا تذکرہ

نہیں ہوا۔ یہ نتیجہ اس لیے اور بھی موثر ثابت ہوئی تھی کہ ولیم کی پیدائش کے دو سال بعد این کی زندگی کا کیس بگڑ گیا تھا۔ بچہ مردہ پیدا ہوا تھا اور خود این مرتے مرتے جی تھی۔

رچرڈ 1904ء میں کین اینڈ کا بوٹ بینکنگ کا صدر بنا تھا۔ اس کے نزدیک بینک کے کام عبادت کی حیثیت رکھتے تھے۔ بینک کی عمارت اسٹیٹ اسٹریٹ میں تھی اور اس کی شاخیں نیویارک، لندن اور سان فرانسسکو میں تھیں۔ ولیم کی پیدائش کے وقت سان فرانسسکو والی شاخ میں گڑ بڑ ہوئی تو بینک تباہ ہو گیا۔ معاشی اور مالی اعتبار سے نہیں..... بلکہ زلزلے نے اس عمارت کو ملیا میٹ کر دیا۔ رچرڈ ایک محتاط آدمی تھا۔ اس نے لائیڈز لندن سے بیمہ کروا رکھا تھا۔ بیمے سے ملنے والی رقم کے ذریعے نئی عمارت تعمیر کرائی گئی۔ اکتوبر 1907ء میں نئے آفس نے کام شروع کر دیا۔ عمارت کی تعمیر کے دوران وہ چھوٹے چھوٹے مسائل پر توجہ نہ دے سکا۔ سان فرانسسکو سے نمٹ کر ہی ان کی طرف متوجہ ہو سکا۔ نیویارک میں بینک کا کاروبار خاصا مندا ہو گیا تھا۔ بیشتر اکاؤنٹس سے بڑی بڑی رقمیں نکلوانی چاہی تھیں وہ بہت ہی بحرانی دور تھا۔ ایسے میں مائٹی بینک کے جے پی مورگن نے رچرڈ کو انعام کی پیش کش کی۔ رچرڈ نے اسے قبول کر لیا پھر کئی بے خواب راتوں کی قیمت پر وہ بحران سے سرخ رو نکل آئے۔

دوسری طرف ننھا ولیم بے فکری سے سوتا رہا اسے نہ تو زلزلے سے غرض تھی اور نہ ہی کاروباری بحران سے کوئی مطلب تھا۔

اگلے سال ایام بہار میں رچرڈ کو ہنری فورڈ کی فرم میں سرمایہ کاری کے بدلے ایک کھلونا ملا۔ ہنری فورڈ لوگوں کے لیے کار بنانا چاہتا تھا۔ فورڈ سے اس سلسلے میں گفتگو ہوئی۔ ہنری فورڈ نے آٹھ سو پچاس ڈالر مالیت کا ماڈل ”ٹی“ پیش کیا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ اگر بینک اس سے تعاون کرے تو کار کی قیمت مزید کم ہو سکتی ہے۔ چند برسوں میں اس قیمت کو ساڑھے تین سو ڈالر تک لایا جاسکتا ہے..... پھر ہر شخص کا خرید سکے گا..... یوں کاروبار چمکے گا اور بینک کو اپنی سرمایہ کاری پر زبردست منافع حاصل ہوگا۔ رچرڈ نے اُسے سرمایہ فراہم کیا۔ وہ پہلا موقع تھا، جب وہ کسی ایسے شخص کی مدد کر رہا تھا جو اپنی مصنوعات کی قیمت نصف کرنے پر تیار ہوا تھا۔ رچرڈ کو خوف تھا کہ اس کی کالی کار بینک کے چیئرمین کے لیے شایان شان تصور نہیں کی جائے گی۔ لیکن کار کی طرف اٹھنے والی سانسٹی نگاہوں نے اس خوف کی تردید کر دی۔ کار کی رفتار دس میل فی گھنٹہ تھی اور وہ گھوڑے سے کہیں زیادہ پر شور تھی..... لیکن وہ سڑک پر گردوغبار کا طوفان نہیں اٹھاتی تھی۔ رچرڈ کو فورڈ سے ایک اختلاف تھا کہ کار مختلف رنگوں کی ہو لیکن فورڈ اسے تسلیم نہیں کرتا تھا۔

ولیم کو کار پہلی ہی نظر میں پسند آ گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس کے لیے خریدی گئی ہے

اور اس کی پرام کا متبادل ہے۔ پھر وہ نرس کے مقابلے میں ڈرائیور کو پسند کرنے لگا، جو ہیٹ اور گاگلز میں اسے کھی اور بی، ڈنیا کا مخلوق دکھائی دینے لگا۔ واوی کہیں اور ٹانی کا بوٹ..... فرم تیار کر لیا کہ وہ اس خوفناک سواری میں کبھی نہیں بیٹھیں گی..... اور وہ واقعی کبھی نہیں بیٹھیں۔ اگرچہ واوی کین تدفین کے لیے کار میں لے جاتی گئی تھیں..... تاہم انہیں اس کا پتہ ہی نہیں چل سکا ہوگا۔

آئندہ دو سال میں بینک اور ولیم دونوں کی جسامت بڑھ گئی۔ لوگ دل کھول کر سرمایہ کاری کر رہے تھے۔ رچرڈ، بینک اور ولیم، دونوں کے ارتقا سے مطمئن تھا۔ ولیم کی پانچویں سالگرہ پر اس نے ولیم کو عورتوں کے ہاتھ سے لینے کا فیصلہ کیا اور بچے کے لیے ساڑھے چار سو ڈالر ایک ٹیوٹر رکھ دیا اس کی سیکریٹری نے آٹھ امیدوار منتخب کیے تھے جن میں سے اس نے مسٹر منرو کا انتخاب کیا۔ مسٹر منرو کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ بارہ سال کی عمر تک ولیم کو سینٹ پال میں داخلے کا اہل بنادیں۔ ولیم فوراً ہی مسٹر منرو پر ملتفت ہو گیا۔ اس کے خیال میں وہ بہت بڑے اور بہت زیادہ عقلمند تھے۔ مسٹر منرو کی عمر صرف 23 سال تھی اور وہ ایڈ بزرگ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل تھے۔ ولیم نے پڑھنا لکھنا بہت تیزی سے سیکھا لیکن اسے ریاضی سے خصوصی لگاؤ تھا۔ اسے شکایت یہ تھی کہ ہفتے میں صرف ایک دن ریاضی کا سبق دیا جاتا ہے۔ اس کی ٹلانی اس نے یوں کی کہ وہ ہر ملنے والے سے جمع تفریق کے سوال پوچھنے کو کہتا اور پھر زبانی جواب دیتا۔ ٹلانی کا بوٹ کی سمجھ میں یہ بات کبھی نہیں آئی کہ کسی عدد کو چار سے تقسیم کیا جائے یا چوتھائی سے ضرب دیا جائے تو جواب ایک ہی کیوں آتا ہے۔ انہوں نے جلد ہی نواسے کے حسابی ذہن کے سامنے ہار مان لی۔ البتہ واوی کین پے پیہ سوال گھڑنے میں لا جواب تھیں۔ وہ کبھی تو سود و رسود کے سوال کرتیں اور کبھی آٹھ ایک پیس نوپوں کے درمیان تقسیم کرنے کی فرمائش کرتیں۔ لیکن جلد ہی ان کا ذخیرہ بھی ختم ہو گیا جبکہ ولیم بدستور کسی جن کی طرح ان کے سر پر اور کوئی سوال؟“ کی فرمائش لیے سوار رہتا تھا۔

”آپ مجھے بڑا والا پیانا دلادیں..... جب میں آپ کو پریشان نہیں کروں گا۔“
واوی کین حیران رہ گئیں۔ انہیں یقین نہیں تھا کہ ولیم اُسے صحیح طور پر استعمال کر سکے گا۔ تاہم انہوں نے اسے پیانا دلوا دیا۔ یہ ان کی زندگی کا پہلا موقع تھا کہ انہوں نے کسی ڈشوری کو اس طرح کھل بنانا قبول کیا ہو۔

رچرڈ کی مشکلات اب اسے مشرق کی سمت کھینچ رہی تھیں۔ لندن برانچ کے صدر کی موت کے بعد اُس کا لندن جانا ضروری ہو گیا۔ اس نے تجویز پیش کی کہ این اور ولیم بھی اس کے ساتھ چلیں۔ این پہلے کبھی یورپ نہیں گئی تھی۔ اس لیے فوراً تیار ہو گئی اس نے اپنے جدید ملبوسات تین بڑے صندوقوں میں پیک کر لیے۔ ولیم کو ماں سے شکایت تھی کہ وہ خود تو تین صندوقوں میں کپڑے

لے جا رہی ہیں، جبکہ اسے سائیکل لے جانے کی بھی اجازت نہیں۔ انہوں نے نیویارک تک ٹرین میں سفر کیا۔ این جیڈ ہی پر جہوم نیویارک سے آگیا۔ جب کہ ولیم کو اس عظیم شہر نے بے حد متاثر کیا۔ اس سے پہلے وہ سمجھتا تھا کہ بوٹن میں اس کے باپ کے بینک کی عمارت، امریکہ کی سب سے اونچی عمارت ہے پھر وہ آکس کریم کے لیے ضد کرنے لگا لیکن رچرڈ نے اس کی ایک نہ سنی وہ کبھی جیب سے ریز گاڑی لے کر سفر نہیں کرتا تھا..... اور پھیری والے کے پاس بڑے نوٹ کا کھلا ہونے کا امکان نہیں تھا پھر وہ بحری جہاز میں سوار ہو گئے ولیم کو یہ عظیم الشان جہاز بہت پسند آیا اور اس نے جلد ہی کیپٹن سے دوستی گانٹھ لی۔ کیپٹن نے اس کو جہاز کی سیر کرائی عملے کے لوگ بھی اس پر فدا ہو چکے تھے۔ رچرڈ اور این نے کیپٹن سے معذرت کی کہ بچہ عملے کا قیمتی وقت ضائع کر رہا ہے۔

”بالکل نہیں۔“ سفید ریش کیپٹن نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ولیم سے میری گہری دوستی ہو گئی ہے۔ کاش..... میں وقت، رفتار اور فاصلے کے متعلق اس کے تمام سوالوں کا درست جواب دے سکتا۔ ہر رات میں فرسٹ انجینئر سے مشورہ کرتا ہوں تاکہ ولیم کے سوالات کے لیے تیار ہو سکوں..... لیکن ہر بار کچھ نہ کچھ کی رہ جاتی ہے۔“

چھ روز بعد بحری جہاز ساؤتھ امپٹن میں لنگر انداز ہوا۔ ولیم جہاز چھوڑنے پر رضا مند نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے لیکن جب اس نے شو فرسٹ روٹس راکس دیکھتی تو وہ جہاز بھول گیا رچرڈ نے فیصلہ کر لیا کہ دورہ مکمل ہوتے ہی کار بوٹن بھجوا دے گا تاکہ مستحکم استعمال میں آتی رہے۔ وہ ہنری فورڈ کو بھی یہ کار دکھانا چاہتا تھا۔

بینک کا دفتر زمر ہوٹل کے قریب ہی تھا، اس لیے وہ ہمیشہ زمر میں قیام کرتا تھا۔ رچرڈ بینک میں مصروف ہوتا تو این ولیم کو لندن کی سیر کرانے لے جاتی ولیم کو وہ سب کچھ بہت اچھا لگتا..... لیکن اسے انگریزوں کی انگریزی سمجھنے میں بہت دشواری ہوتی تھی۔ می..... یہ لوگ ہماری طرح کیوں نہیں بولتے اس نے پوچھا۔ یہ سن کر اسے حیرت ہوئی کہ یہ سوال تو انگریز امریکنوں سے کرتے ہیں۔ رچرڈ کو بکٹھم پیلس کے باہر محافظوں کی ڈیوٹی تبدیل ہونے کا منظر بھی بہت پسند آیا۔ سرخ، چمکدار وردیاں، سنہرے بٹن..... اُس نے اُن سے باتیں کرنے کی کوشش کی..... لیکن وہ خلا میں دیکھتے رہے۔ انہوں نے اپنی پلکیں بھی نہیں جھپکائیں۔

”می..... ہم ان میں سے ایک کو گھر نہیں لے جاسکتے۔“ ولیم نے پوچھا۔

”نہیں بیٹے..... انہیں یہاں رہ کر بادشاہ کی حفاظت کرنا ہوتی ہے۔“

”لیکن می..... بادشاہ کے پاس تو اتنے بہت سے ہیں۔ مجھے ایک بھی نہیں مل سکتا!“

این اور ولیم کے لیے چھٹیاں بڑی تیزی سے گزر رہی تھیں۔ دوسری طرف رچرڈ اپنے کام

سے مطمئن تھا۔ اس نے ایک مناسب چیز میں جن لیا تھا۔ اب وہ واپس آنا چاہتا تھا۔ بوٹن سے آنے والے ٹیلی گرام اسے تنویش میں مبتلا کر رہے تھے۔ پھر اسے اطلاع ملی کہ لارنس کے 25 ہزار مزدوروں نے ہڑتال کر دی ہے۔ رچرڈ کے بینک نے اس مل میں ہماری سرمایہ کاری کی تھی۔ وہ پریشان تو ہوا لیکن یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ اس کی روائگی میں صرف تین دن باقی رہ گئے ہیں۔ ولیم واپسی کے لیے بہت بے چین تھا وہ مسٹر منرو کو بتانا چاہتا تھا کہ انہوں نے اسے لندن کی جن جگہوں کے قصبے سنائے تھے، وہ سب اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنی نانی اور دادی سے ملنے کے لیے بے قرار تھا۔

رواگی سے ایک روز پہلے بینک کے نئے چیئر مین نے ان لوگوں کی دعوت کی۔ ولیم کی ان کے آٹھ سالہ بچے اسٹوارٹ سے دوستی ہو گئی۔ دعوت زیادہ اچھی نہ رہی، کیونکہ اسٹوارٹ کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ دعوت کے بعد ہوٹل واپس آ کر این سامان پیک کرنے میں مصروف ہو گئی۔ اس رات اس نے بچے کو بستر پر لٹایا تو پتہ چلا کہ ولیم بُری طرح بخار میں پھنک رہا تھا اس نے رچرڈ کو بتایا۔ گھر جانے کی خوشی اور بیجان کا اثر ہے۔“ رچرڈ نے بے پردائی سے کہا۔

”کاش ایسا ہی ہو..... میں اسے بیماری کی حالت میں ساتھ لے کر چھ روز کا بحری سفر نہیں کرنا چاہتی۔“

اگلی صبح این نے دیکھا تو ولیم کے جسم پر سرخ دانے نکلے ہوئے تھے اور ٹمپریچر 103 تھا۔ ہوٹل کے ڈاکٹر نے خسرہ تشخیص کیا اور کہا کہ بچہ اس حال میں بحری سفر نہیں کر سکتا۔ اس طرح جہاز کے دوسرے مسافر بھی خطرے میں پڑ جائیں گے۔ اگلے جہاز کی رواگی تین ہفتے بعد تھی..... اور رچرڈ تین، ہفتے کی تاخیر کا تحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ تنہا چلا جائے گا۔ ولیم بھی اس کے ساتھ جانے پر مصر تھا۔ بڑی مشکل سے رچرڈ اسے قائل کر سکا کہ اس کی صحت کے پیش نظر، یہ نامناسب ہے۔ ”صرف تین ہفتے کی تو بات ہے۔“ اس نے ولیم کو سمجھایا۔

این، رچرڈ کو الوداع کہنے کے لیے جہاز تک گئی۔ ”رچرڈ..... لندن تمہارے بیٹا سونا سونا لگے گا۔“ اس نے رچرڈ کی ناراضگی مول لیتے ہوئے کہا۔ رچرڈ کو جذباتیت سخت ناپسند تھی۔

”ڈائیر..... میں بھی بوٹن میں خود کو تنہا محسوس کروں گا۔“ رچرڈ نے کہا..... لیکن اس کا ذہن مل کے ہڑتالیوں میں الجھا ہوا تھا۔

این اُسے الوداع کہہ کر واپس آ گئی۔ اسے وہ تین ہفتے پہاڑ سے معلوم ہو رہے تھے۔ اگلی صبح ولیم کی حالت بہتر ہو گئی۔ دانے بھی مرجھا گئے تھے۔ لیکن ولیم کو بستر تک ہی محدود رہنا پڑا۔

جمعرات کی صبح وہ جلدی اٹھ گیا۔ وہ بالکل نارمل تھا۔ وہ جا کر این کے بستر میں گھس گیا تو

”میرے ڈیڈی بھی نہیں رہ سکتے۔“
 ”ہاں..... وہ بھی نہیں رہ سکتے۔“

این، بوسن پہنچی تو دونوں بوڑھی خواتین، ریڈ ہاؤس میں اُس کی منتظر تھیں۔ وہ اس ذمے داری کو پورا کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار تھیں، جو وقت نے، اس بڑھاپے میں ان پر تھوپ دی تھی۔ این کے لیے اب ولیم کے سوا دُنیا میں کچھ نہیں رہا تھا۔ لیکن ولیم کو سنبھالنے کی ذمے داری اُس کی دادی اور نانی پر تھی۔ ولیم کا رویہ ٹھیک تھا لیکن وہ تعاون نہیں کر رہا تھا۔ دن میں خاموشی سے مسٹر منرو سے پڑھتا اور رات کو ماں سے لپٹ کر آنسو بہاتا۔

”اے دوسرے بچوں کی صحبت درکار ہے۔“ دونوں بوڑھی خواتین نے فیصلہ سنایا۔ انہوں نے نرس اور ٹیوٹر کو رخصت کر دیا اور ولیم کو سائر اکیڈمی بھیج دیا تاکہ وہ حقیقی دُنیا سے روشناس ہو سکے۔ اور دوسرے بچوں کے ساتھ گھل مل کر پہلے جیسا ہو جائے۔

چرڈ نے اپنی تمام جائیداد ولیم کے نام چھوڑی تھی۔ اس کے اکیس سال کی عمر کو پہنچنے تک سب کچھ ایک ٹرسٹ کی صورت میں رہنا تھا۔ وصیت کے مطابق کین اینڈ کا بوٹ کی صدارت اسے صرف اہلیت کی بنیاد پر مل سکتی تھی۔ ولیم کو اس ایک شرط نے ہمبیز کیا..... کیونکہ باقی ہر چیز پر تو اس کا پیدائشی حق تھا۔ این کو پانچ لاکھ ڈالر نقد اور ایک لاکھ ڈالر سالانہ ملنا تھے۔ دوسری شادی کی صورت میں، سالانہ رقم خود بخود ڈرک جاتی۔ اس کے علاوہ اسے بیکن ہل والا مکان، ساحلی بنگلہ اور کیپ کوڈ کی طرف ایک چھوٹا سا جزیرہ بھی ملا۔ جزیرہ اس کے مرنے کی صورت میں خود بخود ولیم کا ہو جاتا۔ دونوں خواتین کو ڈھائی ڈھائی لاکھ ڈالر اور چرڈ کی ناگہان موت کی صورت میں، ولیم کی تربیت کی ذمے داری ملی۔ فیملی ٹرسٹ کی نگرانی بینک کے سپرد تھی..... اور وہ ولیم کے گاڈ فادر زاور گاڈ مڈر ٹرسٹی تھے۔ ٹرسٹ کی سالانہ آمدنی کی سال بہ سال محفوظ سرمایہ کاری کی جاتا تھی۔ ولیم کی دادی اور نانی کو سنبھالنے میں ایک سال لگ گیا۔ وہ وقت، این پر بھی کڑا تھا۔ اس کی عمر صرف 28 سال تھی۔ این کے برعکس بوڑھی خواتین اپنا دکھ ولیم سے چھپاتی تھیں۔ رفتہ رفتہ ولیم اُن کی اس بات سے چڑنے لگا۔

”آپ کو میرے ڈیڈی یاد نہیں آتے؟“ وہ دادی کین کو نیلی نیلی آنکھوں سے گھورتا۔ یہ آنکھیں، دادی کین کو بیٹے کی یاد دلاتی تھیں۔

”ہاں میرے بچے..... وہ یاد آتا ہے لیکن ہم ہر وقت تو افسوس نہیں کر سکتے۔“
 ”لیکن میں چاہتا ہوں کہ ہم سب ہمیشہ انہیں یاد رکھیں..... ہمیشہ۔“ ولیم کی آواز چننے لگتی۔
 ”ولیم..... اب میں تم سے اس طرح بات کروں گی، جیسے بڑے لڑکوں سے کی جاتی ہے۔ ہم اسے ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ لیکن اسے خراج تحسین پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ

اس کے سر دہاتھوں سے این جاگ گئی۔ وہ مطمئن تھی کیونکہ بچہ بالکل ٹھیک تھا۔ اس نے روم سروں کو تاشے کا آرڈر دیا اور دونوں ماں بیٹے نے ناشتہ! ستر ہی میں کیا۔ رہتے رہتے وہ تاشے بات بھی پسند نہ کرتا۔ ناشتے کے ساتھ اخبار بھی تھی۔ ولیم کئی دن سے کھانے کو ترسا ہوا تھا۔ وہ ناشتے پر ٹوٹ پڑا۔ این، ٹائمر کی سرخیوں سے الجھ گئی۔ ”ممی..... وہ دیکھیے ڈیڈی کے جہاز کی تصویر!“ ولیم خوش سے چیخا۔ ”لیکن ممی..... اس کا کیا مطلب ہے؟ کے..... لے..... ممی۔“

اُس نے بچے کے لفظ پڑھا۔

این نے چوک کر دیکھا۔ اخبار کے آدھے صفحے پر ٹھیک جہاز کی تصویر چھپی ہوئی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ اپنے اکلوتے بچے کو سینے سے چٹائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ ننھے ولیم کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔ این جانتی تھی کہ اُن سے وہ ہستی چھن گئی ہے۔ جسے وہ دونوں ہی دُنیا میں سب سے زیادہ چاہتے تھے۔

اسٹوارٹ کے والد سر کیمبل جہاز کے حادثے کی خبر سننے ہی رٹھ پہنچے۔ وہ این کے منتظر تھے۔ این اپنے سوئٹ میں، وہ واحد گھر پرے رنگ کا لباس منتخب کر رہی تھی، جو اس کے ٹرک میں موجود تھا۔ ولیم اب بھی یہ سوچ کر الجھ رہا تھا کہ کیمبلی کا کیا مطلب ہے۔ وہ اپنی عمر سے زیادہ عقلمند ہونے کے باوجود تباہی کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا تھا۔ این نے سر کیمبل سے کہا کہ وہ ولیم کو اس سانحے کے بارے میں بتادیں۔

ولیم نے وہ منحوس خبر سننے کے بعد صرف اتنا کہا۔ ”میں ان کے ساتھ جانا چاہتا تھا..... لیکن کسی نے مجھے جانے ہی نہیں دیا۔“ وہ بالکل نہیں رویا۔ اسے یقین تھا کہ دُنیا کی کوئی طاقت اس کے باپ سے جیت نہیں سکتی..... اُسے ہلاک نہیں کر سکتی۔ وہ یقیناً بچنے والوں میں ہوں گے۔

سر کیمبل نے اس قدر ضبط اور اعتماد کسی اتنے چھوٹے بچے میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ولیم کو یہ اعتماد چرڈ کین سے ملا ہے..... پھر امریکہ سے، بچنے والے خوش نصیبوں کی فہرست آگئی۔ این نے اُسے کئی کئی مرتبہ چیک کیا۔ لیکن اُن میں چرڈ کین کا نام نہیں تھا۔ ایک ہفتے بعد ولیم نے بھی امید کا دامن چھوڑ دیا۔ این واپسی کا سفر بحری جہاز سے نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن ولیم مصر تھا۔ سفر کے دوران، وہ تمام وقت عرشے پر بیٹھا، سمندر کی لہروں کو کھوجتا رہا۔ ”دیکھ لیتا ممی..... کل میں انہیں تلاش کر لوں گا۔“ ہر روز وہ یہی جملہ دہراتا۔ ابتدا میں اس کا لہجہ پر یقین تھا۔ پھر دیر سے دیر سے اس کے الفاظ میں کھوکھلا پن آتا گیا۔

”ولیم۔ میرے بیٹے..... کوئی شخص تین ہفتے سمندر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ این نے اُسے سمجھایا۔

تو قحط پوری کی جائیں جو اس نے ہم سے وابستہ کی تھیں۔ تم اب اس گھرانے کے سربراہ ہو اور ساری دولت تمہاری ہے۔ تمہیں خود کو اس کا اہل ثابت کرنا ہے۔ تمہیں اس دولت کو بڑھانا ہے۔“

ولیم نے کوئی جواب نہ دیا لیکن اسے زندگی کا محرک سیرا گیا تھا۔ وہ دادی اور تانی کا مشورہ مانتا۔ اس نے اپنا ڈھک چھپانا سیکھ لیا۔ پھر وہ تندی سے حصولِ تعلیم میں مصروف ہو گیا۔ وہ اپنے آپ سے اس وقت مطمئن ہوتا جب دادی کین متاثر نظر آتیں۔ یوں ہر مضمون میں وہ سب سے آگے تھا لیکن ریاضی میں تو وہ اپنی عمر سے بھی کہیں آگے تھا۔ وہ ماں سے قریب تر ہو گیا۔ گھر سے باہر کا ہر شخص اس کے نزدیک مشکوک تھا۔ یوں وہ تنہائی پسند ہو گیا۔ ولیم کی ساتویں سالگرہ پر بوڑھی خواتین نے طے کیا کہ اب اسے دولت کی اہمیت سے آگاہ کرنے کا وقت آگیا ہے۔ انہوں نے اسے ہر ہفتے ایک ڈالر جیب خرچ دینا شروع کر دیا۔ لیکن ولیم ایک ایک سینٹ کا حساب رکھتا۔ اس نے پچانوے سینٹ کا ایک لیجر تزیں کیا۔ یہ رقم اس کے ہفتہ وار جیب خرچ میں سے کاٹ لی گئی۔ ولیم کے اخراجات میں باقاعدگی تھی۔ وہ پچاس سینٹ کی سرمایہ کاری کرتا، بیس سینٹ خرچ کرتا، دس سینٹ خیرات کرتا اور بیس سینٹ آڑے وقتوں کے لیے محفوظ رکھتا۔

دونوں خواتین ہر سہ ماہی پر اس لیجر کا جائزہ لیتیں۔ لیجر کے ساتھ ولیم انہیں رقم کے لین دین کی مفصل تحریری رپورٹ بھی پیش کرتا۔ پہلی سہ ماہی کے دوران اس نے نئی قائم شدہ بوائے اسکاؤٹس تنظیم کو ایک ڈالر بیس سینٹ دیے اور چار ڈالر بچائے۔ بچت کے سلسلے میں اس نے دادی کین سے درخواست کی کہ وہ رقم کے گاؤ فارور، بچے پی مورگن کے بینک میں جمع کرا دی جائے۔ یہ اس کی پہلی سرمایہ کاری تھی۔ تین ڈالر آٹھ سینٹ اس نے خرچ کیے تھے اور ایک ڈالر ریزرو میں تھا۔ بوڑھی خواتین کو اس کی کارکردگی نے بہت متاثر کیا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ تربیت و شوار ثابت نہیں ہوگی۔ ولیم کین ہر اعتبار سے رچھڑکین کا جانشین ثابت ہو رہا تھا۔ اسکول میں ولیم نے محدود سے چند دوست بنائے۔ وہ شرمیلا تھا اور گلہنا ملنا پسند نہیں کرتا تھا۔ یہ بات ان کے لیے باعثِ تشویش تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کا بیٹا عام انسانوں کی طرح خوش و خرم رہے۔ اسے لیجر اور سرمایہ کاری والا پروگرام پسند نہیں آیا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ بچہ، بوڑھے مشیروں کی بجائے ہم عمر دوستوں میں اٹھے بیٹھے، کپڑوں کا ستیاناس کرے اچھل کود کرے اور چھلے ہوئے گھٹنے لے کر گھر آئے۔ لیکن ولیم کا لباس ہمیشہ بے داغ رہتا تھا۔ وہ ہسپن کے ساتھ زندگی گزارنا سیکھ رہا تھا۔ لیکن این اپنی ماں اور ساس کو یہ سب کیسے سمجھاتی۔ وہ تو صرف ولیم کو دیکھتی تھیں۔ اس کی سنی تھیں، جیسے دنیا میں اس کے سوا، ان کے لیے کوئی اور موجود نہ ہو۔

نویس سالگرہ پر ولیم نے اپنا لیجر دوسرے سالانہ معائنے کے لیے دادی کی خدمت میں

پیش کر دیا۔ سبز لیجر گزشتہ دو سال میں پچاس ڈالر سے زائد بچت کی نشاندہی کر رہا تھا۔ ولیم نے بڑے فخر سے دونوں خواتین کو ایک مخصوص اندراج دکھایا۔ اس نے عظیم سرمایہ دار کے مرنے کی خبر سننے ہی اپنی رقم بے پی مورگن کے بینک سے نکھولی تھی۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ اس کے باپ کی موت کے بعد اس کے بینک کے شیئرز کی قیمتیں گر گئی تھیں۔ تین ماہ بعد اس نے اپنی رقم پھر اسی بینک میں جمع کرا دی۔ اس وقت تک لوگوں کو یہ یقین آچکا تھا کہ کمپنی، مرنے والے انسان سے بھی بڑی ہے۔ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بوڑھی خواتین بے حد متاثر ہوئیں۔ انہوں نے ولیم کو پرانی سائیکل بیچ کر نئی سائیکل خریدنے کی اجازت دے دی۔ ولیم نے اپنے سرمائے سے اسٹینڈر رائل کمپنی کے حصص خریدنے کو کہا۔ اس کا خیال تھا کہ اسٹینڈر رائل کے حصص کی قیمت میں اضافہ ہونے والا ہے۔

اکیسویں سالگرہ تک وہ اپنی رقم کا باقاعدہ حساب رکھتا رہا۔ اس وقت اگر دونوں بوڑھی خواتین زندہ ہوتیں تو دائیں جانب والے کالم میں، اٹاٹے کی سرخی کے نیچے آخری اندراج دیکھ کر بے حد خوش ہوتیں۔



زندہ بچنے والوں میں صرف لاڈیک ہی ایسا تھا، جو زیر زمین کوٹھریوں سے خوب واقف تھا۔ آزادی کے دنوں میں لیون کے ساتھ آٹھ چھوٹی کھیلے ہوئے اس نے بے شمار خوش گوار ساعتیں اُن سگی کوٹھریوں میں گزاری تھیں۔ انہیں کوٹھریاں کہنا زیادتی تھی۔ بہر حال، وہاں مجموعی طور پر دو منزلوں پر چار سگی کمرے تھے۔ دو کمرے زمین کی سطح پر تھے۔ ان میں ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا تھا۔ روشنی آنے کا واحد ذریعہ وہ جنگلا تھا، جو خاصی بلندی پر نصب تھا۔ کوئی پانچ قدم نیچے دو مزید کمرے تھے۔ نچلے کمروں میں روشنی اور ہوا بہت کم تھی۔ لاڈیک نے بیرن کے لیے بالائی حصے والا چھوٹا کمرہ منتخب کیا۔ بیرن وہاں خاموش بیٹھا، خلا میں موجود کسی غیر مرئی چیز کو گھورتا رہتا۔ پھر لاڈیک نے فلورینا کو بیرن کی خدمت اور نگہداشت پر مامور کر دیا۔ لاڈیک وہ واحد ہستی تھا، جو بیرن کے کمرے میں ٹھہرنے کی جرأت کرتا تھا۔ چنانچہ ملازمین نے اس کا حکم ماننا شروع کر دیا۔ نو سال کی عمر میں لاڈیک، ساتھی قیدیوں کے معاملات اور معمولات کا نگران بن گیا۔ وہ خانے کی حدود میں وہ ان کا آقا تھا۔ اس نے باقی ماندہ ملازمین کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ان کی آٹھ آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی مقرر کر دی۔ یوں اس نے شفٹ سسٹم کو فروغ دیا۔ پہلے آٹھ گھنٹے اوپری کمروں میں، تاکہ روشنی، ہوا، کھانا اور ورزش میسر آ سکے۔ دوسرے شفٹ، محل پر قابض جرمینوں کی خدمت گزاری کے لیے آخری شفٹ نچلے کمرے میں سونے کے لیے مخصوص کر دی۔ بیرن اور فلورینا کے سوا کسی کو معلوم نہیں تھا کہ لاڈیک خود کب سوتا ہے۔ وہ ہر شفٹ کے اختتام پر موجود ہوتا۔ تاکہ کسی بھی طرح کی بد نظمی نہ ہو۔ کھانا ہر

بارہ گھنٹے بعد تقسیم ہوتا۔ پہرے دار ہمیشہ بکری کا دودھ، سیاہ روٹی، باجرہ..... اور کبھی کبھی اخروٹ دیتے۔ لاڈ ایک اخروٹ کو ہمیشہ اٹھائیس حصوں میں تقسیم کرتا اور ہمیشہ بیرن کو دودھ دیتا، اس طرح کہ بیرن کو پتہ بھی نہ چلتا اور ملازمین کو احساس تک نہ ہوتا کہ ایک نو سالہ بچان پر حکمرانی کر رہا ہے۔ ہر شفٹ کے خاتمے پر لاڈ ایک، بیرن کے پاس جاتا۔ اس کی خواہش ہوتی کہ بیرن اس سے کچھ کہے..... لیکن بیرن کے ہونٹوں پر خاموشی کے تالے پڑے رہے۔

بیرن نے قید کے دوران کبھی زبان نہیں کھولی تھی۔ اس کی داڑھی بڑھ کر سینے تک آ پہنچی تھی۔ اس کے چوڑے چکلے کا ندھے جھلنے لگے تھے۔ چہرے پر وقار کی جگہ، بے بسی نظر آتی تھی۔ لاڈ ایک اپنے محبوب آقا کی آواز سننے کو ترس گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے شاید اب وہ بیرن کی آواز کبھی نہیں سن سکے گا۔ بالآخر اس نے بیرن کی اس آنکھی خواہش کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اور بیرن کی موجودگی میں خود بھی خاموش رہنے لگا۔

آزادی کے دنوں میں تیزی سے گزرتے ہوئے لمحے لاڈ ایک کو گزشتہ روز کے بارے میں سوچنے کی مہلت نہیں دیتے تھے۔ اب یہ حال تھا کہ پتہ ہی نہ چلتا تھا، کتنا عرصہ بیت گیا ہے۔ ہر چیز جیسے ٹھہر گئی تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ قید ہوئے کتنا عرصہ گزر چکا ہے۔ کھانے کی آمد اور اندھیرے اُجالے کی آنکھ پھولی سے پتہ چلتا تھا کہ مزید بارہ گھنٹے گزر گئے ہیں..... لیکن بارہ گھنٹے کے ان وقفوں کی کتنی کہاں تک یاد رکھی جاسکتی تھی۔ پھر جنگلے پر برف جمے گی..... پھر برف پگھل جاتی..... موسم بدلتا..... یوں لاڈ ایک فطرت سے ہم آہنگ ہو گیا طویل راتوں کے دوران اُسے موت کی وہ بو تنگ کرتی۔ جو چاروں کمروں میں رچ گئی تھی۔ کبھی کبھی صبح کی دُھوپ یا ٹھنڈی ہوا اس بو کو ہلکا کر دیتی۔ بارش بھی ایک بڑی نعمت تھی۔ ایک روز بارش کے بعد اوپری کمرے کے فرش پر جمع ہونے والا پانی سے لاڈ ایک اور فلورینا نے فائدہ اٹھایا۔ اس روز طوفانی بارش ہوئی تھی، اس لیے اتنا پانی جمع ہو گیا تھا وہ جسم کی صفائی کر سکتے تھے۔ انہیں احساس ہی نہیں ہوا کہ بیرن کس قدر دلچسپی سے لاڈ ایک کو دیکھ رہا ہے۔ لاڈ ایک نے اپنی قمیص اتار دی تھی..... اور جانوروں کی طرح پانی میں لوٹیں لگاتے ہوئے اپنے جسم کو رگڑ رہا تھا۔ اچانک بیرن نے لاڈ ایک کو پکارا۔ وہ آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ ”لاڈ ایک، یہاں آؤ۔“

لاڈ ایک اتنے عرصہ بعد بیرن کی آواز سن کر بھونچکا رہ گیا۔ اسے شک ہونے لگا کہ کہیں وہ بھی اسی دیوانگی کا شکار تو نہیں ہو گیا، جو حال ہی میں دو ملازمین کو چاٹ چکی تھی۔

”یہاں آؤ لڑکے۔“ بیرن نے اُسے پھر پکارا۔

اس بار لاڈ ایک خوفزدہ سے انداز میں بیرن کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ بیرن نے ٹٹولنے

والے انداز میں اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”یہ تمہارے سینے پر صرف ایک ہی گھنٹی کیوں ہے؟“

”یہ پیدائشی ہے جناب۔ میری ماں کہتی تھی کہ یہ خدا کی نشانی ہے۔“

”بے وقوف عورت.....“ بیرن بڑبڑایا۔ ”یہ تمہارے باپ کی نشانی ہے، بیٹے۔“ پھر وہ

گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ لاڈ ایک ساکت کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد بیرن نے سر اٹھایا اور نرم لہجے میں بولا۔ ”بیٹھ جاؤ۔“

لاڈ ایک بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہوئے اس کی نظر بیرن کے خاندانی نقری نگن پر پڑی، جواب بھی بیرن کی کلائی میں جھول رہا تھا..... لیکن اب وہ بہت ڈھیلا ہو گیا تھا۔ ”میں نہیں جانتا کہ جرمن ہمیں یہاں کب تک قید رکھیں گے۔“ بیرن نے کہنا شروع کیا۔ ”پہلے میں سمجھتا تھا کہ یہ جنگ محض چند ہفتوں میں ختم ہو جائے گی لیکن میں غلطی پر تھا۔ شاید یہ جنگ بہت طول پکڑے گی۔ چنانچہ اپنے وقت کو مناسب طور پر استعمال کرنا چاہئے..... خاص طور پر اس صورت میں کہ میری زندگی اختتام کو پہنچ رہی ہے۔“

”نہیں..... ایسا نہ کہئے۔“

بیرن نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے روک دیا۔ ”جبکہ تمہاری زندگی کا ابھی آغاز ہو رہا ہے۔ چنانچہ تمہاری تعلیم کا سلسلہ پھر شروع ہوگا۔ میں تمہیں پڑھاؤں گا۔“

یوں لاڈ ایک کو ایک نیا ٹیوٹر مل گیا۔ لیکن اس کے پاس کتابیں نہیں تھیں۔ انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جو کچھ بیرن بولتا، لاڈ ایک اسے دُہرایا۔ بیرن نے اسے عظیم شعرا کے کلام سے روشناس کرایا۔ جغرافیہ اور ریاضی کے علاوہ بیرن نے اسے چار زبانیں، روسی، جرمن، فرانسیسی اور انگریزی سکھائیں۔ لیکن لاڈ ایک کو حسب سابق تاریخ میں سب سے زیادہ لطف آتا تھا پولینڈ کی سو سالہ تاریخ ایک کچلی ہوئی قوم کی تاریخ تھی۔ لاڈ ایک کا خواب تھا کہ کبھی پولینڈ متحد ہو کر آزادی حاصل کر سکے گا۔ بیرن ہر روز اسے اپنے خاندان کی تاریخ سے بھی روشناس کراتا تھا۔ وہ دن لاڈ ایک کے لیے بے حد خوش گوار اور پر مسرت تھا..... قید کے باوجود!

تہ خانے کے دروازے پر پہرے داروں کی ڈیوٹی ہر چار گھنٹے بعد تبدیل ہوتی تھی۔ ان کی باہمی گفتگو سے لاڈ ایک کو جنگ کی صورت حال سے متعلق نامکمل معلومات حاصل ہوتی تھیں۔ جن سے وہ نتائج اخذ کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ قیدیوں کے لیے تہ خانے سے نجات کی واحد صورت موت ہے۔ کبھی کبھی وہ سوچتا کہ اس کی عمر اسی تہ خانے میں گزر جائے گی۔ بیرن کی سماعت اور بینائی دیرے دیرے زائل ہو رہی تھی۔ اس کے باوجود اس نے لاڈ ایک کی تعلیم کا سلسلہ

جاری رکھا۔ دوسری طرف یہ خانے کی فضا بے حد غیر صحت مند ہو گئی تھی۔ کبھی کبھی پہرے دار فلوریٹا کو ریت سے بھری ایک بالٹی دے دیتے۔ وہ ریت فلوریٹا آلائش پر ڈال دیتی۔ چند روز تک بدبو اور تعفن کافی حد تک کم ہو جاتا۔ کیزے کوڑے، غذا کی تلاش میں، یہ خانے میں ریگتے اور اپنے پیچھے بیماریوں کے جراثیم چھوڑ جاتے۔ لاڈیک کا جی ہمیشہ مبتلا تھا۔ وہ صاف ستھری زندگی کو ترس گیا تھا۔ نہانا ایک ایسی متروک عیاشی تھی، جسے وہ اب صرف یاد ہی کر سکتا تھا۔ 1918ء کے موسم بہار تک قیدیوں کی تعداد 26 سے گھٹ کر 15 رہ گئی۔ بیرن اب بھی سب کا حاکم اور لاڈیک اس کا نائب تھا۔ لاڈیک کو سب سے زیادہ ترس فلوریٹا پر آتا تھا، جواب بیس سال کی ہو چکی تھی وہ زندگی سے مایوس ہونے کے باوجود جینے کے لیے مجبور تھی اسے یقین تھا کہ ساری زندگی کی شمع یہ خانے میں پگھل کر ختم ہو جائے گی۔ لاڈیک اس کی موجودگی میں کبھی ناامیدی ظاہر نہیں کرتا تھا حالانکہ اس وقت اس کی عمر صرف بارہ سال تھی۔

موسم خزاں کی ایک شام فلوریٹا بوڑے کمرے میں اس کے پاس آئی۔ ”بیرن تمہیں بلا رہے ہیں۔“ اُس نے کہا۔

لاڈیک جلدی سے اٹھا۔ اس نے کھانے کی تقسیم کا کام ایک ملازم کے سپرد کیا اور بوڑھے بیرن کے پاس جا پہنچا۔ بیرن شدید تکلیف میں مبتلا تھا۔ وہ ڈھانچہ بن کر رہ گیا تھا۔ بیرن نے پانی طلب کیا۔ فلوریٹا پانی لے آئی۔ پانی پی کر بیرن نے ایک طویل سانس لی اور گویا۔ لیکن نقاہت کی وجہ سے اُسے بولنے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ ”لاڈیک..... تم اتنی اموات دیکھ چکے ہو کہ ایک اور موت تمہیں خوف زدہ نہیں کر سکے گی۔ مجھے اعتراف ہے کہ..... اب زندگی سے موت کی صورت فرار، مجھے دلکش لگتا ہے۔“

”نہیں جناب، ایسا نہ کہیں۔“ لاڈیک نے چیخ کر کہا اور بے تاب ہو کر زندگی میں پہلی مرتبہ بیرن سے لپٹ گیا۔ ”ہم جیتنے والے ہیں جناب۔ یہ حوصلہ ہارنے کا وقت نہیں۔ کڑا وقت تو ہم جمیل چکے ہیں۔ پہرے داروں کا کہنا ہے کہ جنگ ختم ہونے والی ہے اور جلد ہی ہم آزاد ہو جائیں گے۔“

”یہ تو کئی مہینوں سے کہا جا رہا ہے لیکن مجھے یقین نہیں آتا۔ ویسے بھی میں اُس دنیا میں جینا پسند نہیں کروں گا، جو یہ لوگ تخلیق کر رہے ہیں۔“ بیرن نے کہا..... پھر وہ چند لمحے روتے ہوئے لاڈیک کو دیکھتا رہا۔ ”بیٹے، میرے بٹرا اور ملازم کو بلا لاؤ۔“ چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے کہا۔ لاڈیک کی سمجھ میں کچھ نہ آیا..... لیکن اس نے بیرن کی ہدایت پر عمل کیا۔ چند لمحے بعد دونوں ملازم، بیرن کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ اب بھی اپنی وردیوں میں تھے..... لیکن وردیوں کے رنگ اڑ گئے تھے اور وہ جھیتروں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔

”کیا وہ آگئے؟“ بیرن نے لاڈیک سے پوچھا۔

”جی ہاں جناب۔“ لاڈیک نے جواب دیا۔ پہلی مرتبہ راستے اندازہ ہوا کہ بیرن بیٹائی

سے محروم ہو چکا ہے۔

”انہیں قریب لاؤ تاکہ میں انہیں چھو کر دیکھ سکوں۔“ بیرن نے کہا۔

لاڈیک انہیں بیرن کے نزدیک لے گیا۔ بیرن نے اُن کے چہرے کو چھوا..... ”بیٹھ جاؤ

لڈوک اور الفانسو..... تم میری آواز سن رہے ہو؟“ بیرن کے لہجے میں دبدبہ تھا۔

”جی ہاں جناب۔“

”میرا نام بیرن روئسکی ہے۔“

”ہم جانتے ہیں جناب۔“

بیرن نے کہا۔ ”میں مرنے والا ہوں۔“

موت اتنی ارزاں ہو چکی تھی کہ وفادار ملازم احتجاج بھی نہ کر سکے۔

”میرے پاس کاغذ نہیں ہے کہ میں اپنی وصیت مرتب کر سکوں۔ چنانچہ میں تم دونوں کو

گواہ بنا کر وصیت کر رہا ہوں۔ یہ پولینڈ کے قدیم قانون کے عین مطابق ہے۔ تم سمجھ رہے ہو نا۔“

”جی ہاں۔“ وفادار ملازم بولے۔

”میرا پہلا بیٹا لیون مر چکا ہے۔ اب میں اپنی تمام جائیداد لاڈیک کو دے دوں گا۔ نام چھوڑ رہا

ہوں۔“ بیرن نے کہا..... لاڈیک ششدر رہ گیا۔ ”ثبوت کے طور پر میں اپنا خاندانی ننگن اسے دے

رہا ہوں۔“ بوڑھے بیرن نے اپنی کلائی سے ننگن اتارا اس نے لاڈیک کے سینے پر ہاتھ پھیرا تاکہ

تصدیق کر سکے وہ لاڈیک ہی ہے۔ پھر اس نے ننگن، لاڈیک کی کلائی میں ڈال دیا۔

رات لاڈیک، بیرن سے لپٹ کر روتا رہا..... نہ جانے کس وقت اسے احساس ہوا کہ

بیرن کا دل خاموش ہو چکا ہے۔ صبح پہرے دار بیرن کی لاش لے گئے۔ لاڈیک کو اجازت دی گئی کہ

وہ اسے اس کے بیٹے، لیون کی قبر کے برابر دفن کر دے۔ قبر لاڈیک نے خود کھودی۔ جب وہ بیرن کو

قبر میں اتارا رہا تھا تو اچانک بیرن کی قمیص سرک گئی۔ لاڈیک پھٹی پھٹی آنکھوں سے مردہ بیرن کے

سینے کو دیکھتا رہ گیا۔ بیرن کی ایک چھاتی گھنڈی سے محروم تھی۔



بارہ سالہ لاڈیک کو ورثے میں ساٹھ ہزار ایکڑ زمین ایک محل، دو مکانات، ستائیس کانچ،

بے شمار قیمتی تصاویر اور بے حساب زیورات ملے۔ لیکن وہ زیر زمین چھوٹے سے کمرے میں رہنے پر

مجبور تھا۔ اس روز سے تمام ملازمین نے اسے اپنا آقا تسلیم کر لیا۔ حالانکہ اس کی مملکت چار زیر زمین

کمروں تک محدود تھی۔ اس کی رعایا میں تیرہ ملازمین تھے..... اور اسے محبت کرنے کے لیے صرف فلوریٹا میسر تھی..... وہی اس کی ماں تھی، وہی بہن تھی اور وہی دوست بھی تھی۔

1918ء کے اواخر تک زندگی تکلیف دہ معمولات کے مطابق بسر ہوتی رہی۔ پھر ایک روز قیدیوں کو گولیوں کی گھن گرج اور چیخ و پکار سنائی دی۔ لاڈلیک کو یقین ہو گیا کہ پولینڈ فوج اسے آزاد کرانے کے لیے آگئی ہے۔ اور اب وہ جائداد حاصل کر سکے گا، جس کا وہ قانونی طور پر مستحق تھا۔ جرمن پہرے دار نہ خانے کے کہنی دروازے سے ہٹ گئے۔ لیکن قیدی دم سادھے بیٹھے رہے۔ لاڈلیک اٹھا اور اپنی کلائی کے ننگن کو گھماتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ اپنے محسنوں کی آمد کا منتظر تھا۔ لیکن جرمنوں کو شکست دینے والے وہ زبان بول رہے تھے، جس سے وہ بچپن ہی سے واقف تھا..... وہ جرمنوں سے کہیں زیادہ اُن لوگوں سے خوف زدہ رہتا تھا۔ وہ رُوسی تھے۔ لاڈلیک کو دیگر قیدیوں سمیت کھینٹ کر باہر نکالا گیا۔ پھر سرسری معائنے کے بعد انہیں دوبارہ نہ خانے میں پھینک دیا گیا۔ فاقین کو علم نہیں تھا کہ اس وسیع و عریض محل کا مالک وہ بارہ سالہ لڑکا ہے۔ لاڈلیک کو پتہ چلا کہ بندر بانٹ کے نتیجے میں پولینڈ کا وہ حصہ رُوس کو مل گیا ہے۔ اس کے باوجود اس کے دل میں آزادی کی امید کا چراغ روشن تھا..... لیکن نہ خانے میں دوراتیں گزارنے کے بعد وہ اُمید بھی دم توڑ گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ غلامی کا ایک دور انہیں دوسرے دور کو سوپ کر رخصت ہو گیا ہے۔ دروازے پر اب بھی پہرے دار موجود تھے۔ بس وردیاں بدل گئی تھیں زبان بدل گئی تھی..... لیکن قیدیوں کی تقدیر نہیں بدلی تھی۔ رُوسی، جرمنوں سے زیادہ سخت اور ظالم تھے۔

تیسری صبح اُن سب کو کھینٹے ہوئے قلعے کے سامنے والے گھاس کے میدان میں پہنچا دیا گیا۔ صبح کی نانائوس دھوپ نے ان کی آنکھیں چندھیا دیں۔ ان میں سے دو ملازم ڈھیر ہو گئے۔ لاڈلیک کو بھی دھوپ گراں گزر رہی تھی۔ وہ اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔ سپاہیوں نے اُن سب کو دریا میں اتر کر خود کو صاف ستھرا کرنے کا حکم دیا۔ لاڈلیک نے تقریبن ننگن اپنے کپڑوں میں چھپا کر رکھ دیا اور دریا کی طرف بڑھ گیا۔ کمزوری کی وجہ سے اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ وہ پانی میں کود گیا۔ پانی بے حد ٹھنڈا تھا۔ اس کی سانسیں رُکنے لگیں۔ لیکن اس کی جلد کے لیے پانی کا لمس بے حد خوش گوار تھا۔ وہ ہانپتا کاہنپتا پانی سے باہر آیا تو اس نے کچھ پہرے داروں کو عجیب نگاہوں سے فلوریٹا کی طرف دیکھتے پایا۔ فلوریٹا دریا کے پانی سے اپنا آپ صاف ستھرا کر رہی تھی۔ اور سپاہی اس کی طرف اشارے کر کے ہنس رہے تھے۔ پھر ایک بد شکل پہرے دار نے فلوریٹا کا ہاتھ پکڑ کر پانی سے باہر کھینچ لیا۔ وہ پہرے دار پر جھپٹا اور اس کے پیٹ میں ٹکرماری۔ پہرے دار لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اس دوران ایک دوسرے سپاہی نے لایک کو پیچھے سے پکڑ کر اسے بے بس کر دیا۔ دوسرے سپاہی بھی اس

طرف متوجہ ہو گئے۔ لاڈلیک کو بے بس کرنے والا سپاہی وحشیانہ انداز میں قہقہے لگا رہا تھا۔ دوسرے سپاہیوں کے بے رحمانہ ہنرے، لاڈلیک کے وجود میں سینکڑوں جہنم دہکا رہے تھے۔ "غیرت مند ہے۔" کسی نے کہا۔ "قوم کی آبرو بچانے آیا تھا۔"

لاڈلیک کو بے بس کرنے والے نے اسے ایک ایسی جگہ کھڑا کر دیا، جہاں سے فلوریٹا کی بے بسی کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ فلوریٹا کے حلق سے ایسی فلک شکاف چیخ نکلی، جو لاڈلیک کی سماعت کے لیے بالکل نئی چیز تھی۔ دوسرے سپاہی ہنستے رہے، باتیں کرتے رہے..... فلوریٹا کی چیخیں، دل چیر دینے والی تھیں..... لیکن شاید وہ پتھروں کا..... بے حس لوگوں کا ٹولہ تھا۔ لاڈلیک پر غصے اور نفرت کا زلزلہ طاری تھا۔ وہ خود کو چھڑانے کے لیے دیوانگی کی حدود کو پہنچ گیا لیکن سپاہی کی گرفت بہت سخت تھی۔ پہلا سپاہی دریا کی طرف چلا گیا لیکن فلوریٹا کا عذاب ختم نہیں ہوا۔ یوں لگتا تھے جیسے ہر سپاہی اپنی جھولی میں انگارے بھر کر لا رہا ہو اور ان انگاروں کو فلوریٹا پر پھینک دیتا ہو۔

لاڈلیک بے بسی سے وہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ اس نے آنکھیں بند نہیں کیں۔ وہ یہ منظر ہمیشہ یاد رکھنا چاہتا تھا۔ فلوریٹا سولہ سپاہیوں کے پھینکے ہوئے انگاروں میں دفن ہو کر مر گئی تو بیشتر سپاہی ہنستے ہوئے، دریا کی طرف بڑھ گئے تھے۔ لاڈلیک کو چھوڑ دیا گیا تو وہ پاگلوں کی طرح فلوریٹا کی طرف لپکا۔ اس نے دو ملازمین کی مدد سے فلوریٹا کو اٹھایا اور دریا کے کنارے لے آیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ اس نے اپنی جیکٹ اتار کر اپنی مردہ بہن..... ماں..... دوست اور غم گسار کو کفن پہنایا..... پھر مردہ فلوریٹا کی سرد پیشانی چوم لی..... وہ اس کی زندگی کا پہلا بوسہ تھا..... موت کا بوسہ! اس کے بعد وہ اُسے بیرن اور لیون کی قبروں کی طرف لے گیا۔ اس نے بیرن کی قبر کے برابر فلوریٹا کے لیے قبر کھودنا شروع کر دی۔ قبر مکمل ہو گئی تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ لاڈلیک نے تدفین کے بعد قبر پر لکڑی کی صلیب لگا دی اور قبروں کے درمیان ڈھیر ہو گیا۔ مردہ عزیزوں اور دوستوں کے درمیان سونا کتنا اچھا لگتا ہے! وہ ایسے سویا، جیسے اب کبھی آنکھ کھول کر اس بے رحم دنیا کو دیکھنا نہ چاہتا ہو۔



ستمبر میں ولیم، سائر اکیڈمی واپس چلا گیا۔ اسے اپنی کلاس کے لڑکوں میں مسابقت کے لیے کوئی میسر نہیں آتا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے سے سینئر طلباء سے مقابلہ کرنے لگا۔ وہ جو کام بھی شروع کرتا اسے اکتھا تک پہنچاتا۔ اس کے اپنے طبقے کے لڑکے تحریک سے محروم تھے۔ البتہ نچلے طبقے کے لڑکے بہت زیادہ محنت کرتے تھے۔ 1915ء میں سائر اکیڈمی میں ماچس کے لیبل جمع کرنے کا خطبہ شروع ہوا۔ ولیم خاموشی سے تماشا دیکھتا رہا چند روز کے اندر اندر عام سے لیبل کی قیمت دس سینٹ تک پہنچ گئی۔ ولیم نے صورت حال کا جائزہ لیا اور طے کیا کہ وہ لیبل جمع کرنے کی بجائے ان کا ڈیلر بننا پسند

کرے گا۔ ہفتے کے روز وہ یوسٹن میں تمباکو کی سب سے بڑی ڈکان پر گیا۔ وہاں وہ ماچس بنانے والی فیکٹریوں کے نام اور پتے نوٹ کرتا رہا۔ ان میں غیر ملکی فیکٹریاں بھی شامل تھیں۔ اس نے بیرون ممالک فیکٹریوں کے پتے بالخصوص نوٹ کیے، جو جنگ میں شریک نہیں تھے۔ پھر اس نے لفافے، خط لکھنے کے کاغذ اور ڈاک کے ٹکٹوں پر پانچ ڈالر خرچ کیے۔ اس کے بعد اس نے ہر فیکٹری کے چیئر مین یا صدر کے نام ایک ذاتی خط لکھا۔ بہت سادہ سا خط تھا۔

”جناب چیئر مین یا جناب صدر، مجھے ماچس کے لیبل جمع کرنے کا بہت شوق ہے مگر میں تمام لیبل خرید نہیں سکتا کیونکہ مجھے ہر ہفتے صرف ایک ڈالر جیب خرچ ملتا ہے۔ میں تین سینٹ کا ڈاک ٹکٹ ارسال کر رہا ہوں تاکہ آپ کو اس مشغلے کے سلسلے میں میری سنجیدگی کا یقین ہو جائے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو زحمت دی۔ لیکن آپ ہی کا نام ایسا تھا کہ خط لکھنے کی ترغیب دیتا تھا۔“

آپ کا دوست ولیم (عمر نو سال)

نوٹ: آپ میری پسندیدہ ترین شخصیتوں میں سے ایک ہیں۔

تین ہفتے کے اندر اندر پچیس فیصد خطوں کے جوابات موصول ہوئے اور اس کے پاس 178 قسم کے لیبل جمع ہو گئے۔ تقریباً ہر جگہ سے اس کا تین سینٹ کا ٹکٹ واپس کر دیا گیا تھا۔ ولیم کو اس بات کی توقع بھی تھی۔ اگلے سات روز میں، اسکول کی حدود میں ولیم، ماچس کے لیبلوں کی مارکیٹ کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اس دوران وہ یہ بھی دیکھتا رہا کہ خریداروں کا رجحان کیا ہے۔ اس نے بھانپ لیا کہ لڑکے صرف خوبصورت لیبل خریدتے ہیں۔ انہیں لیبل کی انفرادیت یا کم یا بیش سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اس نے لیبلوں کے تبادلے کا سلسلہ بھی شروع کر دیا، اور عام لڑکوں سے عام لیبل کے عوض انوکھے لیبل حاصل کر کے یہ انوکھے لیبل خوش ذوق لڑکوں کو منہ مانگی قیمت پر فروخت کیے۔ مزید دو ہفتے بعد اُسے اندازہ ہو گیا کہ مارکیٹ اپنی اتہا کو پہنچ گئی ہے۔ پندرہ دن بعد اسکول کی چھٹیاں ہونے والی تھیں۔ اس نے اندازہ لگا یا کہ اب لیبلوں میں دلچسپی ختم ہونے والی ہے۔ اس نے معمولی لاگت کے پنڈ آؤٹ چھپوائے اور فردا فردا ہر لڑکے تک پہنچا دیے۔ پنڈ آؤٹ میں اعلان کیا گیا تھا کہ وہ 211 لیبلوں پر مشتمل اپنا تمام اشاک نیلام کرنا چاہتا ہے۔

نیلام، بیچ کے وقفے کے دوران واش روم میں ہوا اور وہاں ہاکی کے بیچ سے زیادہ ہجوم تھا۔ ٹکٹ 57 ڈالر 32 سینٹ میں بک گئے۔ یعنی ولیم کو اپنی بنیادی سرمایہ کاری پر 52 ڈالر اور 32 سینٹ کا منافع ہوا۔ اس نے 25 ڈالر 2½ فی صد منافع کی شرح پر بینک میں جمع کرادیے، مگر ہر ڈالر کا کسیرہ خریدا، پانچ ڈالر والی ایم سی کو عطیہ دیا، جو ان دنوں مہاجرین کی امداد کے لیے کام کر رہی تھی۔ اس کے علاوہ اسنے ماں کے لیے پھول خریدے۔ اس کے باوجود اس کی جیب میں چند ڈالر موجود تھے۔

چھٹیوں سے پہلے ہی لیبلوں کا خط یک دم ختم ہو گیا۔ یہ پہلا موقع تھا، جب ولیم ٹاپ مارکیٹ سے اچانک باہر نکل آیا تھا۔

چھٹیوں کے دوران ولیم سوچتا رہا کہ اُسے اپنے 25 ڈالر پر 2½ سے بہتر منافع حاصل کرنا چاہیے۔ یوں وال اسٹریٹ جرنل اس کی زندگی میں داخل ہوا۔ اس نے دادی کے توسط سے شیئرز خریدا۔ چونکہ ماچس کے لیبلوں سے کمایا ہوا تقریباً آدھا منافع ان شیئرز کی نذر ہو گیا تھا اس لیے ولیم نے پھر بھی وال اسٹریٹ جرنل پر انحصار نہیں کیا۔ اس نے ایسٹریک تعطیلات کے دوران یہ کھوئی ہوئی رقم واپس لینے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے آتے ہی ان تقریبات کی فہرست تیار کی جن میں شمولیت کے سلسلے میں اس کی ماں اصرار کر سکتی تھی۔ یوں اسے اندازہ ہو گیا کہ اس کے پاس فرصت کے صرف چودہ دن ہوں گے۔ اس نے تمام شیئرز بیچ دیے تو صرف بارہ ڈالر اسکے ہاتھ آئے۔ اس نے لکڑی کا ایک چھلا ساختہ، پہیوں کے دو سیٹ، ایک ایکسل اور سی خریدی۔ اس خریداری میں پانچ ڈالر خرچ ہوئے۔ پھر اس نے ایک پرانا سوٹ پہنا سر پر مزدوروں والی ٹوپی رکھی اور لوکل ریلوے اسٹیشن کی طرف چل دیا۔

وہ اسٹیشن کے باہر کھڑا ہو گیا۔ وہ صورت سے خود کو بھوکا اور تھکا ماندہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ منتخب مسافروں کو بتاتا کہ یوسٹن کے بیشتر اچھے ہوٹل اسٹیشن سے قریب ہی ہیں، چنانچہ انہیں ٹیکسی کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ ان کا سامان ہتھ گاڑی پر رکھ کر ہوٹل پہنچا دے گا اور ٹیکسی والے کے کرائے کا پانچواں حصہ وصول کرے گا۔ ساتھ ہی انہیں وہ پیدل چلنے کے فوائد بھی گنواتا رہتا۔ یوں چھ گھنٹے کام کر کے وہ اوسطاً چار ڈالر کمائے گا۔

تعطیلات ختم ہونے سے پانچ روز پہلے تک وہ نہ صرف پچھلا نقصان برابر کر چکا تھا بلکہ مزید دس ڈالر بھی ہاتھ آ گئے تھے۔ لیکن انہی دنوں اسے ایک مسئلہ کا سامنا کرنا پڑ گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور اس کے خلاف ہونے لگے۔ ولیم نے پیش کش کی کہ اسے اپنی ٹرائی کی رقم واپس مل جائے تو وہ یہ دھندا ترک کر دے گا۔ اس نے تجویز پیش کی کہ ہر ٹیکسی والا اسے پچاس سینٹ ادا کر دے تو وہ اس مقام سے

ہٹ جائے گا۔ اس طرح اسے ساڑھے آٹھ ڈالر مزید ملے۔ ٹیکسی ڈرائیوروں کو ٹرائی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو صرف اس سے پچھا چھڑانا چاہتے تھے لہذا وہ ٹرائی ساتھ لے آیا وہ پھر ٹیکس مل جائے ہوئے اس نے یہ ٹرائی اپنے سے دو سال سینئر ایک کلاس فیلو کے ہاتھ پانچ ڈالر میں فروخت کر دی۔ چھٹی کے آخری روز اس نے تمام رقم $2\frac{1}{2}$ فی صد منافع شرح پر بینک میں جمع کرادی۔ اب وہ مطمئن تھا کہ اس کی رقم بڑھتی رہے گی۔

بحری جہاز لوئیسانا، کی غرقابی، اور اپریل 1917ء میں صدر ولسن کا جرموں کے خلاف اعلان جنگ، اس پر اثر انداز نہ ہو سکا۔ امریکہ کو کوئی شکست نہیں دے سکتا، اس نے اپنی ماں کو یقین دلایا۔ اپنا یقین ثابت کرنے کے لیے اس نے لبرٹی بانڈز میں دس ڈالر کی سرمایہ کاری بھی کر دی۔ گیارہویں سالگرہ کے موقع پر اس کے لجر میں منافع کے کالم کے نیچے 412 ڈالر کی رقم درج تھی۔ اس موقع پر اس نے اپنی دادی اور نانی کی دو خوبصورت بروچ اور ماں کو فاؤنٹین پین تھے میں پیش کیا۔ فاؤنٹین پین پارک تھا۔ جب کہ بروچ اس نے ایسے ڈبوں میں پیک کئے تھے جو جیولری اسٹور کے عقب میں ایک کوڑے دان سے تلاش بسیار کے بعد برآمد ہوئے تھے۔ وہ ان بوڑھی خواتین کو دھوکا نہیں دینا چاہتا تھا لیکن اس نے ماچس کے لیبلوں کے معاملے میں اچھی پینلنگ کی اہمیت بھانپ لی تھی۔ لہذا اس تجربے کو آزمائے بغیر نہ رہ سکا۔ توقع کے مطابق بوڑھی خواتین تحفہ پار فخر سے پھولی نہ سائیں۔

ولیم بارہ سال کا ہوا تو دونوں خواتین نے فیصلہ کیا کہ آنجمانی رچرڈ کے پروگرام کے مطابق وقت آگیا ہے کہ ولیم کو سینٹ پال اسکول میں داخل کروا دیا جائے۔ ولیم نے اسکول میں ریاضی کی بدولت پہلی پوزیشن اور وظیفہ حاصل کیا تھا۔ یوں اس نے تین سو ڈالر سالانہ اخراجات بچائے تھے۔ ولیم نے وظیفہ قبول کر لیا، لیکن دادی نے وہ رقم کسی غریب طالب علم کو دینے کے لیے واپس کر دی۔ این کے لیے ولیم کے نیو ہمشائر جانے کا تصور روح فرسا تھا لیکن دونوں بوڑھی خواتین مصرح تھیں۔ اس کے علاوہ این کو احساس تھا کہ یہ رچرڈ کی خواہش تھی۔ اس نے ولیم کے تمام کپڑے اپنے ہاتھ سے سیے، بیج خود کاڑھے حتیٰ کہ سامان کی پینلنگ میں بھی کسی ملازم کو شریک نہیں کیا ولیم جانے لگا تو این نے پوچھا کہ اسے جیب خرچ کے لیے کتنی رقم درکار ہوگی۔

”مجھے رقم کی ضرورت نہیں۔“ ولیم نے ماں کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ این اس کی دوری کو کتنا زیادہ محسوس کرے گی۔ اس نے اپنا سوٹ کیس اٹھایا اور کار کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے بیٹھے ہی شو فرنے روڑز راس آگے بڑھا دی۔ اس نے ایک بار بھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔ این ہاتھ ہلاتی رہی..... ہلاتی رہی اور جب کار نظروں سے اوجھل ہو گئی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رہا

پڑی۔ ولیم بھی روتا چاہتا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کا باپ زندہ ہوتا تو اس بات کو کبھی پسند نہ کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

نئے اسکول میں ولیم کو یہ بات بہت انوکھی لگی کہ وہاں کسی کو کسی کی پروا نہیں تھی۔ وہ کون ہے اور کس کا بیٹا ہے، اس بات کی کسی کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہاں کوئی اسے پرستائیں نظروں سے نہیں دیکھتا تھا۔ ایک لڑکے نے اس کا نام پوچھا، تکلیف دہ بات یہ ہوئی کہ وہ اس کا نام سن کر ذرا بھی متاثر نہیں ہوا کچھ لڑکوں نے اسے بل کہہ کر پکارنا چاہا لیکن ولیم نے ٹوک دیا اور انہیں بتایا کہ اس کے باپ کا نام رچرڈ تھا تاہم کسی نے کبھی اسے ڈک کہہ کر نہیں پکارا۔

ولیم کی نئی مملکت ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جس میں بک شیلف، دو میز، دو کرسیاں، دو بیڈ اور ایک آرام دہ کاؤچ تھی۔ وہ اس مملکت کا بلا شرکت غیرے مالک نہیں تھا۔ ماتھیو نامی ایک لڑکا اس کا روم میٹ تھا۔ ولیم کی طرح ماتھیو بھی نیو یارک کے ایک بینکار کا بیٹا تھا۔ وہ جلد ہی اسکول کے معمولات کا عادی ہو گیا۔ تمام طلباء ساڑھے سات بجے کمرہ طعام میں ناشتہ کرتے..... دو سو میں لڑکے! خاصی دھیکھا شقی ہوتی۔ پھر وہ چرچ چلے جاتے۔ اس کے بعد لچ سے پہلے پچاس پچاس منٹ کے تین پریڈ ہوتے۔ دو پریڈ لچ کے بعد ہوتے۔ آخر میں موسیقی کا پریڈ ہوتا، جو ولیم کو پسند نہیں تھا کیونکہ وہ سر میں گانہیں سکتا تھا۔ اسے کوئی ساز بجانے کا شوق بھی نہیں تھا، البتہ موسم خزاں میں فٹ بال اور سرمایش ہاکی اور اسکواش ضرور کھیلتا تھا۔ موسم بہار میں کشتی رانی اور ٹینس اس کے مشاغل ہوتے۔ ریاضی کا لچر ہفتے میں تین مرتبہ خاص طور پر اسے پڑھاتا۔

پہلے ہی سال اس نے خود کو وظیفہ کا اہل ثابت کر دیا۔ تمام مضامین میں، وہ کلاس کے نمٹنے والے طلباء میں شامل تھا۔ ریاضی میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ریاضی میں اس کے بعد کلاس کا سب سے اچھا طالب علم ماتھیو تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ ولیم کا روم میٹ تھا۔ جلد ہی ولیم اپنی قابلیت اور ایک چھوٹے سرمایہ کار کی حیثیت سے مشہور ہو گیا۔ یوں تو پہلی سرمایہ کاری تباہ کن ثابت ہوئی تھی لیکن اس نے حوصلہ نہ ہارا۔ بارہ سال کی عمر میں اس نے اپنے طور پر سرمایہ کاری کے خاصے تجربے کر ڈالے۔ اس نے اپنے حصص کی خرید و فروخت کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا تھا۔ ہر مہینے کے اختتام پر وہ اپنے اقدامات کا تنقیدی جائزہ لیتا۔ وہ بڑی کمپنیوں میں کبھی سرمایہ کاری نہ کرتا، بلکہ چھوٹی اور گمنام کمپنیوں کو ترجیح دیتا۔ اس سرمایہ کاری سے ولیم چار نتائج حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اپنے محدود سرمایے میں قدرے اضافہ، کاروباری شعور، مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ سے واقفیت اور عمیق مشاہدہ..... وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔ روز بروز سرمایہ کاری کی تکنیک بہتر ہوتی چلی گئی کسی شیئر کی قیمت ڈگنی ہوتے ہی وہ

ہو گیا۔ این اس کی کار کو دور ہوتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتی تھی۔ اگلی صبح ہنری نے اُسے فون کیا تو اسے حیرت سے زیادہ خوشی ہوئی۔ ہنری پیر کی شام اسے موسیقی کی ایک محفل میں لے جانا چاہتا تھا۔ این نے ہائی بھری۔

آئندہ چند روز کے دوران این کو خود اپنے رویے پر تشریح ہونے لگی۔ وہ بڑی بے قرار رہی۔ اسے پیر کے دن کا انتظار کر رہی تھی۔ پیر کی شام این کے لیے بے حد خوبصورت ثابت ہوئی تمام وقت ہنری اس کا ہاتھ تھامے رہا۔ رچرڈ کی موت کے بعد ولیم کے سوا اسے کسی کا لمس میسر نہیں آیا تھا۔ چنانچہ ہنری کے ہاتھ کا لمس اسے بے حد خوشگوار لگا۔ اسے وقت گزرنے کا احساس بھی نہ ہوا۔ ہنری، این کو کبھی ہنساتا اور کبھی رلاتا۔ وہ ہارورڈ کے دلچسپ قصبے سنا کر این کو ہنسنے پر مجبور کرتا تو جنگ کے دلدوز واقعات سنا کر اسے رلاتا۔ این جانتی تھی کہ ہنری کی عمر اس سے کم ہے۔ لیکن ہنری کے انداز کی پختگی کے سامنے وہ خود کو بچہ سمجھنے لگتی تھی۔

اس کے بعد ان کی شامیں، ایک ساتھ گزرنے لگیں۔ ملی سارے بوشن میں ڈیجیکس مارتی پھری کہ اُن دونوں کو یکجا کرانے کا سہرا اسی کے سر ہے۔ موسم گرما میں این اور ہنری کی مگنی کا اعلان سوائے ولیم کے کسی کے لیے حیران کن ثابت نہ ہوا۔ ولیم نے ہنری کو پہلی ہی ملاقات میں ناپسند کیا تھا اور این انہیں ملوا کر پچھتاتی تھی۔ ولیم نے ہنری کے دوستانہ رویے کے جواب میں سرد مہری کا مظاہرہ کیا تھا۔ این نے اس کے رویے کو حاسدانہ سمجھ کر فطری قرار دیا اور ہنری کو یقین دلایا کہ وقت کے ساتھ ساتھ ولیم کا رویہ تبدیل ہو جائے گا۔

رچرڈ کین کی بیوہ این، اکتوبر میں مسز ہنری بورن بن گئی۔ ولیم بیماری کا بہانہ بنا کر شادی میں شریک نہیں ہوا۔ بوڑھی خواتین شادی میں شریک تو ہوتیں، لیکن ان کے انداز سے ناپسندیدگی چھپی نہ رہ سکی۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ ہنری عمر میں این سے چھوٹا تھا۔ ”اس شادی کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔“ دادی کین نے شادی کے بعد تبصرہ کیا۔

نویا ہوتا جوڑا اپنی مومن منانے کے لیے یونان روانہ ہو گیا۔ اور وہ دسمبر کے دوسرے ہفتے، بوشن واپس آ گئے۔ ولیم کمرس کی تعطیلات کے لیے گھر آیا تو اُسے یہ دیکھ کر چنی صدمہ ہوا کہ مکان کی آرائش یکسر تبدیل ہو گئی ہے۔ اب وہ مکان اس کے باپ رچرڈ کین کی یاد نہیں دلاتا تھا ہنری کے دیے ہوئے کمرس کے..... تحائف کے باوجود ولیم کا رویہ مزید خراب ہوتا گیا۔ یہ تحائف اس کے نزدیک رشوت تھے۔ ہنری نے ولیم کے رویے پر دم سادھ لیا اور این ڈکھی ہو گئی۔ اسے افسوس ہوا کہ اس کے شوہر نے ولیم کا دل چیتنے کی اتنی بھرپور کوششیں نہیں کیں جتنی اسے کرنی چاہیے تھیں۔

ولیم کو گھر کاٹنے کو دوڑتا تھا۔ چنانچہ وہ زیادہ تر وقت گھر سے باہر گزارنے لگا۔ این اس سے

اپنے آدھے شیئرز بیچ دیتا تھا۔ گویا باقی ماندہ شیئرز منافع میں شمار ہوتے تھے۔ اس نے کوڈک، ایسٹ مین اور آئی بی ایم جیسی کمپنیوں کو اُن کے آغاز ہی میں اہمیت دی۔ اس نے پہلا ڈاک کمپنی کے شیئرز بھی خریدے۔ اس کا خیال تھا کہ یہ کاروبار جلد ہی ترقی کرے گا، اس سے اس کی کاروباری بصیرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جب کہ اس کی عمر صرف بارہ سال کی تھی۔

اسکول میں اپنے پہلے سال کے اختتام پر، وہ اسکول کے آدھے سے زیادہ لڑکوں، بلکہ چند لڑکوں کے والدین کا بھی، کاروباری مشیر بن چکا تھا، اپنی ان کامیابیوں پر وہ بہت خوش تھا۔ ادھر اس کی ماں، بیٹے کی دوری سے بے حد اداں تھی۔ تنہائی اسے ستا رہی تھی۔ اس کی سماجی زندگی بوڑھی ماں اور بوڑھی ساس تک محدود تھی۔ اس کی عمر تیس سال تھی لیکن اب وہ پہلے جیسی حسین نہیں رہی تھی۔ تنہائی سے اکتا کر اس نے اپنے پرانے دوستوں جان اور ملی سے ملنا جلنا شروع کر دیا۔ ملی، ولیم کی گاڑی میں بھی تھی۔ وہ اسے کثرت سے اپنے ہاں مدعو کرنے لگی۔ وہ کوشش کر رہی تھی کہ کسی طرح این کے لیے کوئی مناسب ساتھی تلاش کر دے۔ این اس کی کوششوں پر دل ہی دل میں ہنس دیتی۔ پھر ولیم موسم سرما کی چھٹیاں گزارنے گھر آ گیا تو این کے وہ دن بہت اچھے گزرے۔

ولیم کی واپسی کے بعد این ایک روز ملی کے ہاں مدعو تھی۔ اس روز ملی کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں این کی ملاقات ہنری بورن سے ہوئی۔ ہنری کا قد چھ فٹ سے کچھ لگتا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں اور بال سیاہ تھے، اور وہ بے حد خوبصورت تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہنری نے شکاگو کی ایک اسٹیٹ ایجنسی میں کام کیا تھا۔ جنگ کے دوران اس نے جرمنوں کے خلاف لڑنے کا ارمان بھی پورا کیا تھا۔ اس نے این کو دوران جنگ..... پیش آنے والے بے شمار واقعات سنائے۔ رچرڈ کی موت کے بعد جان اور ملی نے ان کو اس طرح کھل کر ہنسنے نہیں دیکھا تھا۔ ان دونوں نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور زیر لب مسکرا کر رہ گئے۔ کھانے کے بعد ہنری نے این کو لفٹ کی پیش کش کی۔ جسے این نے قبول کر لیا۔

”جنگی ہیرو کی حیثیت سے اپنے وطن واپس آنے کے بعد اب تمہارا کیا کرنے کا ارادہ ہے۔“ این نے راستے میں پوچھا۔

”خوش قسمتی سے میرے پاس تھوڑی سی رقم ہے۔ سوچتا ہوں اسٹیٹ ایجنسی ہی کھول لوں۔“

”شکاگو واپس جانے کا ارادہ نہیں؟“

”نہیں۔ وہاں جا کر کیا کروں گا۔ میرے والدین مر چکے ہیں اور میں بالکل تنہا ہوں۔

مجھے از سر نو زندگی شروع کرنا ہے۔“

کچھ پوچھتی تو وہ کوئی جواب نہ دیتا۔ کمرس کی پھٹیاں ختم ہوتے ہی دلیم نے سکون کا سانس لیا۔ دوسری طرف بھری بھی مطمئن ہو گیا۔ البتہ اس نے خود کو چکی کے دو پاٹوں کے درمیان یہ احساس کر رہی تھی۔

”اٹھو..... لڑکے، اٹھو۔“ ایک سپاہی نے لاڈیک کی پسیلوں میں رائفل کی نال چبھوتے ہوئے کہا۔ لاڈیک بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے اجنبی نگاہوں سے اپنی بہن، لیون اور بیرن کی قبروں کو دیکھا اور جب وہ سپاہی کی طرف مڑا تو اس کی آنکھوں میں کوئی آنسو نہیں تھا۔

میں زندہ رہوں گا۔ تم مجھے نہیں مار سکو گے۔“ اس نے پولش زبان میں کہا۔ ”یہ میرا گھر ہے میری دھرتی ہے تم..... تم مداخلت کا رہو۔“

سپاہی نے اس کے منہ پر تھوکتے ہوئے اسے لان کی طرف دھکیل دیا جہاں ملازمین نگلی جسموں کی طرح کھڑے تھے۔ انہوں نے قیدیوں کا سالباں پہن رکھا تھا جس پر نمبر لکھے ہوئے تھے۔ لاڈیک انہیں دیکھ کر لرز گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ سپاہی اسے ایک طرف لے گیا۔ جہاں ایک تیز دھار چاقو کی مدد سے اس کے سر کے بال موٹہ دیے گئے پھر اسے قدیوں والا لباس پہنے کا حکم دیا گیا۔ لاڈیک کسی نہ کسی طرح تقریبن نگلن چھپانے میں کامیاب رہا۔ پھر وہ اپنے ملازمین کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔ اب وہ سب اپنے ناموں سے محروم تھے۔ اور صرف نمبر ہی ان کی پہچان تھے۔ معا ایک عجیب سی آواز سنائی دی۔ لاڈیک نے چار پہیوں والی ایک عجیب سی گاڑی آتے دیکھی۔ اس کو گھوڑے یا تیل نہیں کھینچ رہے تھے۔ تمام قیدی حیرت اور بے یقینی سے گاڑی کو دیکھنے لگا۔ گاڑی ان کے قریب آ کر رُک گئی۔ سپاہی قیدیوں کو دھکیلتے ہوئے لے گئے اور انہیں گاڑی پر چڑھا دیا۔ گاڑی گھوم کر واپس چل دی۔ لاڈیک ٹرک کے عقبی حصے میں بیٹھا تھا۔ وہ الوداعی نگاہوں سے کل کو نظروں سے اوجھل ہوتے دیکھتا رہا۔

گاڑی، انہیں سلوٹم کی طرف لے جا رہی تھی۔ اگر لاڈیک کو اور فکریں لاحق نہ ہوتیں تو وہ یقیناً یہ سوچ کر پریشان ہوتا کہ یہ گاڑی چل کیسے رہی ہے۔ چند میل آگے جانے کے بعد گاڑی ٹرک گئی اور انہیں اتار دیا گیا۔ یہ مقامی ریلوے اسٹیشن تھا۔ لاڈیک یہاں صرف ایک بار آیا تھا..... لیون کے ساتھ، بیرن کو لینے! اس وقت گاڑی نے انہیں سیلوٹ کیا تھا..... لیکن اس وقت وہ قیدی تھے۔ انہیں کھانے میں سیاہ روٹی، گوبھی کا شوربہ اور بکری کا دودھ دیا گیا۔ لاڈیک نے اس بار بھی انچارج کی حیثیت سے کام سنبھال لیا اور کھانے کو چودہ افراد کے درمیان تقسیم کیا۔ اس رات وہ تاروں بھرے آسمان کے نیچے زمین پر سوئے۔ تہ خانے کی شب بسر کی کے مقابلے میں وہ رات گویا انہوں نے جنت میں بسر کی۔

صبح ہو گئی۔ لاڈیک نے ملازمین کو ورزش کرائی۔ لیکن وہ چند ہی منٹ میں ڈھیر ہو گئے۔

ان میں گیارہ مرد اور دو عورتیں تھیں۔ گھنٹوں گزر گئے۔ اور ٹرین نہ آئی۔ پھر ٹرین آئی کبھی تو چند فوجیوں کو اتار کر چلی گئی لاڈیک اور اس کے ساتھیوں کی وہ رات بھی پلیٹ فارم پر گزری۔ لاڈیک ستاروں کی چادر اوڑھے لیٹا رہا اور فرار کے بارے میں سوچتا رہا۔ اسی رات ایک ملازم نے فرار کی کوشش کی تو اسے گولی مار دی گئی۔ لاڈیک خوفزدہ ہو گیا۔ زندگی، بہر حال آزادی سے، قیمتی تھی۔ اگلی صبح کسی نے اس واقعے کا تذکرہ نہیں کیا۔ وہ سب ملازم کی لاش سے نظریں چرا رہے تھے جواب بھی ریل کی پٹریوں کے درمیان پڑی تھی۔ وہ بیرن کا بیٹا تھا..... بیرن کی لاڈیک کے حق میں وصیت کا گواہ۔ گویا موت نے ایک اہم گواہ کو چاٹ لیا تھا۔

تیسرے روز شام کو ایک ٹرین آئی۔ اس میں وہ ڈبے لگے ہوئے تھے جن میں مولیٰ لے جائے جاتے ہیں۔ ہر ڈبے میں لوگ بھرے ہوئے تھے۔ لاڈیک کو وہ سب اپنے ہی جیسے دکھائی دے رہے تھے۔ لاڈیک اور اس کے ساتھیوں کو بھی ایک ڈبے میں دھکیل دیا گیا اور سفر شروع ہو گیا ہر تین ڈیوں کے لیے ایک گاڑی مقرر تھا، جو درمیان والے ڈبے کی چھت پر بیٹھا رہتا تھا۔ سفر کے دوران وقتاً فوقتاً فاری آوازیں لاڈیک کو بتاتی رہیں کہ فرار کی کوشش مخدوش ثابت ہوگی۔ ٹرین ایک اسٹیشن پر رُکی، جہاں انہیں کھانا دیا گیا..... پھر سفر شروع ہوا تو ٹرین تین دن تک کسی اسٹیشن پر نہ رُکی کچھ قیدی بھوک سے دم توڑ گئے انہیں چلتی ٹرین سے نیچے پھینک دیا گیا پھر ٹرین رُکی تو دو روز تک رُکی رہی اسے گزرنے والی دوسری ٹرینوں کو راستہ دیتا تھا جن میں فوجی بھرے ہوئے تھے۔ لاڈیک فرار ہونے کے لیے بے تاب تھا، لیکن تین وجوہ کے تحت اس نے خود کو روک رکھا۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ اب تک کوئی شخص فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ دوسرے ریل کی پٹری کے دونوں جانب حد نظروں تک دیرانے ہی دیرانے تھے۔ تیسرے اسے ان لوگوں کے تحفظ کا خیال تھا، جو اس پر انحصار کرتے تھے۔ لاڈیک ہی انہیں کھانا دیتا..... اور وہی انہیں زندہ رہنے کی ترغیب دلاتا تھا۔ وہ سب سے کم عمر تھا لیکن زندگی پر اس کا یقین پختہ تھا۔ رات کو سخت سردی ہوتی تھی۔ وہ سب ڈبے کے فرش پر ایک دوسرے سے چپک کر لیٹ جاتے تھے ایک دوسرے کے جسم سے گرمی ملتی رہے۔ روٹ بدلنا اس وقت تک ممکن نہ ہوتا جب تک سب اس بات پر متفق نہ ہوتے۔ لاڈیک محافطوں کی تبدیلی سے وقت کا اندازہ لگاتا تھا کبھی کسی جسم پر بے حس و حرکت ہونے کا گمان ہوتا تو وہی محافط کو مٹا کر دیتا۔ پھر اس بد نصیب قیدی کو چلتی ٹرین سے نیچے پھینک دیا جاتا۔ وہ آزادی کی انتہا تھی۔ گاڑی احتیاطاً لاش کے سر میں دو چار گولیاں بھی اتار دیتے کہ اگر یہ حرکت فرار ہونے کے لیے کی گئی ہو تو ناکام ثابت ہو۔

ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر گاڑی رُکی تو کچھ اور قیدی لاڈیک کے ڈبے میں ٹھونس دیے

گئے یہ لوگ روک زبان بولتے تھے۔ ان کا لیڈر لاڈلیک ہی کا ہم عمر تھا۔ لاڈلیک اور اس کے دس ساتھی جن میں ایک عورت تھی، نئے آنے والوں کی طرف سے شکوک تھے۔ انہوں نے ڈبے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ کئی دن دونوں گروہ ایک دوسرے سے لاتعلقی رہے۔ ایک رات لاڈلیک ڈبے کے فرش پر لیٹا ستاروں کو دیکھ رہا تھا کہ اسے نقل و حرکت کے احساس نے چونکا دیا۔ دوسرے گروہ کا لیڈر ہاتھ میں رسی کا پھندا لیے ڈبے قدموں لاڈلیک کے ایک ساتھی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر اُس نے وہ پھندا الفانس کی گردن میں ڈال دیا۔ لاڈلیک کو اندازہ ہو گیا کہ اگر وہ تیزی سے اٹھا تو لڑکا دالہاں بھاگ جائے گا چنانچہ وہ پیٹ کے بل رینگتے ہوئے، دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ لاڈلیک کے ساتھی اسے اپنے سامنے سے گزرتے ہوئے دیکھتے رہے..... لیکن کوئی کچھ نہ بولا۔ قریب پہنچ کر لاڈلیک لڑکے پر جھپٹ پڑا اور اس سے اگلے ہی لمحے ڈبے میں موجود سب لوگ جیسے بیدار ہو گئے، لیکن الفانس ساکت پڑا تھا۔

لاڈلیک کا حریف نسبتاً زیادہ توانا اور پھر تیز تھا۔ لیکن لاڈلیک نے اسے ابتدا ہی میں دبا لیا تھا۔ وہ حشیانہ انداز میں لڑتے رہے اور گارڈ قہقہے لگاتے رہے، حتیٰ کہ وہ شرطیں بھی لگانے لگے۔ پھر ایک گارڈ لڑائی میں جان نہ بڑی دیکھ کر بیزار ہو گیا تو اس نے ایک خنجر ڈبے کے فرش پر پھینک دیا۔ دونوں خنجر پر جھپٹے لیکن لاڈلیک کا حریف خنجر تک پہلے پہنچا۔ اس کے ساتھی تالیاں بجانے لگے۔ لڑکے نے خنجر لاڈلیک کی ٹانگ میں جھونک دیا۔ پھر اس نے خنجر کھینچ کر دوسرا وار کیا۔ دوسری مرتبہ خنجر لاڈلیک کے کان کے قریب سے گزرتا ہوا ڈبے کے فرش میں پیوست ہو گیا۔ وہ اسے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا کہ لاڈلیک اس کے پیٹ میں ٹھوکر مارنے میں کامیاب ہو گیا ذرا سی مہلت ملی تو اس نے بچی سمی قوت مجتمع کر کے لڑکے کو ایک طرف اچھال دیا۔ پھر لاڈلیک نے خنجر پکڑا اور لڑکے پر چھا گیا۔ خنجر لڑکے کی شہ رگ میں پیوست ہوا تو وہ چیخ بھی نہ سکا۔ لاڈلیک نے اسے اٹھایا اور ڈبے کے باہر پھینک دیا۔ پھر وہ لنگڑاتا ہوا الفانس کی طرف بڑھا اور جھک کر اس کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ اس کا دوسرا گواہ بھی مر چکا تھا۔ اب کون یقین کرے گا کہ وہ ہیرن رونسکی کا وارث ہے؟ اب زندگی میں کیا رہ گیا ہے؟ وہ گھٹنوں کے بل جھک گیا اور خنجر ہاتھ میں لے کر بلند کیا، خنجر کا رخ اس کے پیٹ کی طرف تھا۔ اسی وقت ایک گارڈ ڈبے میں دو آیا۔ اس نے لاڈلیک کے ہاتھ سے خنجر چھین لیا۔ ”نہیں احق۔“ وہ غرایا۔ ”ہمیں کمپ میں کام کرنے کے لیے آدمی درکار ہیں۔“

لاڈلیک نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔ پہلی مرتبہ اسے اپنی ٹانگ میں درد کا احساس ہوا۔ اس رور اُس نے اپنا ترکہ تو مٹوا دیا تھا لیکن اب وہ پورے ڈبے کا لیڈر بن گیا تھا۔ اس کی مملکت وسیع ہوئی تھی۔ اب اس کی رعایا بیس افراد پر مشتمل تھی۔ لاڈلیک کو ان کی زبان جو روسی اور

پولش کا مرکب تھی، سیکھنے میں زیادہ وقت نہ لگا۔ اسی دوران اسے یہ پتہ چل گیا کہ ٹرین انہیں کہاں لے جا رہی ہے۔ لاڈلیک اب عوامی روسی زبان بڑی روانی سے بولنے لگا تھا۔ آخر کار تین ماہ اور تین ہزار سے زائد میل کی مسافت طے کر کے وہ ارلنگک جا پہنچے۔ وہاں ریلوے اسٹیشن ختم ہو جاتی تھی۔

انہیں ٹرین سے اُتار کر کھانا کھلایا گیا پھر گرم جوتے اور کپڑے دیے گئے لیکن سردی ان کپڑوں کے مقابلے میں کہیں شدید تھی۔ اس کے بعد خود کار گاڑیاں آجھنپیں۔ ان کے ہاتھ زنجیروں سے باندھ دیے گئے پھر وہ پیدل بھی چلتے رہے۔ بارہ گھنٹے پیدل چلنے کے دوران انہیں صرف دو گھنٹے آرام کرنے کا وقت ملا۔ اس طرح تین دن گزر گئے۔ لاڈلیک کو یقین ہونے لگا کہ وہ مرجائے گا۔ انہیں دو وقت کھانا ملتا۔ جب وہ کافی سفر کر چکے اور فرار کا کوئی امکان باقی نہ رہا تو اُن کی زنجیریں کھول دی گئیں۔ اب وہ برف میں گڑھے کھودتے اور ان گڑھوں میں سو جاتے تھے تاکہ اُن کے جسم نسبتاً گرم رہیں۔ وہ دن بڑا اچھا ہوتا جب انہیں کسی جنگل میں پڑاؤ ڈالنا ہوتا۔ لفظ قیش کے نئے نئے مفہیم سامنے آرہے تھے۔ وہ چلتے رہے..... مجسم جھیلوں اور دریاؤں سے گزرتے رہے۔ ہوا سرد سے سرد تر ہوتی جا رہی تھی۔ دوسری طرف لاڈلیک کی زخمی ٹانگ کی تکلیف میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ جلد ہی اس تکلیف کے سامنے، سردی میں ٹھہرنے کی اذیت، بے حقیقت ہو کر رہ گئی۔ دور دور تک زندگی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ لاڈلیک جانتا تھا کہ ایسے میں فرار اُسے زندگی ہی سے آزادی دلا سکتا ہے۔ بوڑھے اور بیمار لوگ مرنے لگے۔ مرنے والوں کو وہیں برف کے سینے پر چھوڑ دیا جاتا۔ بچنے والے شمال کی طرف بڑھتے رہے۔ رفتہ رفتہ لاڈلیک وقت کے احساس سے بھی محروم ہو گیا۔ ہر رات، شب ببری کے لیے گڑھا کھودتے ہوئے اسے احساس ہوتا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر کھود رہا ہے۔

این مستقبل کی طرف سے فکر مند تھی۔ ازدواجی زندگی کے ابتدائی چند ماہ بے حد خوشوار تھے۔ بس تشویش کی ایک ہی بات تھی اور وہ ہنری کے لیے ولیم کی ناپسندیدگی تھی، جو دن بدن بڑھتی جا رہی تھی..... دوسری طرف ہنری ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا تھا۔ اس نے اب تک کوئی کام شروع نہیں کیا تھا۔ ہنری کا کہنا تھا کہ وہ سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہتا ہے۔ این جب بھی اصرار کرتی، وہ کہتا کہ وہ مستقبل کے سلسلے میں جلد بازی سے کام لینا نہیں چاہتا۔ یہی بات ان کے پہلے جھگڑے کا نقطہ آغاز ثابت ہوئی۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اسٹیٹ ایجنسی کیوں نہیں کھول لیتے۔“ این نے کہا۔ ”جب کہ یہ تمہاری خواہش بھی ہے۔“

”ہر کام مناسب وقت پر ہی اچھا لگتا ہے۔ آج کل اس کا دوبار میں مندی ہے۔“

”ایک سال ہو گیا ہے تمہیں یہ کہتے ہوئے۔ میرے خیال میں تو یہ مندی ہمیشہ ہی رہے گی۔“

”بات یہ ہے کہ کامیابی کے لیے سرمایہ بہت ضروری ہے۔ اگر تم مجھے کچھ رقم قرض دو تو میں کل ہی کام شروع کر دوں۔“

”ناممکن، رچرڈ کی وصیت کے مطابق میرا الائنس اسی روز بند ہو گیا تھا، جب میں نے تم سے شادی کی تھی۔ میرے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔“

”میرا کام کسی حد تک چل ہی جائے گا۔“ ہنری نے بے نیازی سے کہا۔ ”اور پھر تمہارا قیمتی لڑکا..... اس کے ٹرسٹ میں دو کروڑ ڈالر کی رقم موجود ہے۔“

”تمہیں کیسے معلوم ہوا؟“ این نے اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کمال ہے این..... میں تمہارا شوہر ہوں۔ تمہارے گھر میں کوئی بن بلایا مہمان تو نہیں ہوں۔“

”تمہاری رقم کہاں گئی؟ تم نے تو بتایا تھا کہ تمہارے پاس اتنی رقم موجود ہے کہ تم اپنا

کاروبار شروع کر سکتے ہو۔“

”تمہیں شروع ہی سے علم تھا کہ میں رچرڈ کی طرح دولت مند نہیں ہوں..... اور این ایک وقت تھا جب تم نے کہا تھا کہ تمہیں اس کی کوئی پروا بھی نہیں۔ تم نے کہا تھا، ہنری، اگر تم بالکل تلاش ہو، تب بھی میں تم سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔“ ہنری نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

این رونے لگی۔ ہنری اُسے دلاسا دیتا رہا۔ شام تک وہ اس مسئلے پر غور و فکر اور باتیں

تے رہے۔ پھر این کو احساس ہونے لگا کہ اس کا رویہ نامناسب تھا۔ کوئی اچھی بیوی ایسا طرز عمل

نہیں کر سکتی۔ یہ بھی حقیقت تھی کہ اس کے پاس ہنری کی ضرورت سے کہیں زیادہ رقم موجود تھی۔

یادہ اپنے شوہر پر اعتبار نہیں کر سکتی۔ اسے اعتبار کرنا چاہیے۔ اس نے خود کو سمجھانے کی کوشش کی۔

پنچانچہ اس نے ہنری کو بوسٹن میں فرم قائم کرنے کے لیے ایک لاکھ ڈالر دے دیے ایک مہینے کے اندر

بوسٹن کے فیشن اسٹیل علاقے میں اپنا شاندار دفتر..... قائم کر لیا۔ جلد ہی وہ کاروباری اور سیاسی حلقوں

میں خوب گھل مل گیا اس کا یہ نیا حلقہ باتیں بنانے کا ماہر تھا۔ این کو ان سب بالوں کا کوئی شعور نہیں تھا

وہ مطمئن تھی کہ ہنری خوش ہے اور کامیابی کی طرف گامزن ہے۔



ولیم اب چودہ سال کا تھا۔ وہ سینٹ پال میں اس کا تیسرا سال تھا۔ وہ اہلیت کے اعتبار

سے اپنی کلاس میں چھٹے نمبر پر تھا، جب کہ ریاضی میں سب سے آگے تھا۔ اس کے علاوہ وہ مباحثوں

میں بھی حصہ لے رہا تھا اور تیزی سے مقبول ہو رہا تھا۔ وہ ہر ہفتے ماں کو خط لکھتا اور اپنی تعلیمی سرگرمیوں

کے بارے رپورٹ پیش کرتا لیکن خط ہمیشہ مسز رچرڈ کین کے نام ہوتا۔ گویا اس نے ماں کو مسز ہنری

تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ این کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ بیٹے سے اس سلسلے میں کیسے بات

کرے۔ وہ جبریں کو بڑی احتیاط سے لیز بکس سے خط لکاتی تاکہ اس پر ہنری کی نظر نہ پڑے۔ اسے

توقع تھی کہ ولیم آہستہ آہستہ ہنری کو پسند کرنے لگے گا لیکن جلد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ شخص اس کی

خام خیالی ہے۔ یہ اندازہ اس نے ولیم کے ایک خط سے لگایا جس میں اس نے اجازت طلب کی تھی

کہ وہ گرمیوں کی تعطیلات اپنے دوست ماتیو کے ساتھ گزارنا چاہتا ہے۔ این کو بہت دکھ ہوا لیکن

مسئلے کا آسان حل بھی یہی تھا چنانچہ اس نے ولیم کو اجازت دے دی۔ تکلیف دہ بات یہ ہوئی کہ ہنری

کے نزدیک بھی یہ ایک معقول فیصلہ تھا۔

ولیم اور ہنری کے دلوں میں نفرت پھٹی رہی..... آہستہ آہستہ، لیکن مسلسل..... ولیم کی سمجھ

میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ خدا کا شکر ادا کرتا تھا کہ ہنری اس سے ملنے اسکول نہیں آتا۔ وہ

نہیں چاہتا تھا کہ اسکول کے ساتھی، اس شخص کو اس کی ماں کے ساتھ دیکھیں، جو اس کا باپ نہیں

تھا..... یہی اذیت کم نہیں تھی کہ وہ بوسٹن میں، اس کے گھر میں رہتا ہے۔

ماں کی شادی کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ولیم آنے والی تعطیلات سے خوفزدہ تھا۔ وہ ماتیو

کے درمونت میں واقع اس کے گھر چلا گیا۔ دوران سفر ماتیو نے پوچھا کہ سینٹ پال سے فارغ

ہونے کے بعد اس کا کیا ارادہ ہے۔

”اسکول چھوڑتے وقت میں ٹاپ پر ہوں گا..... اس کے علاوہ میں ریاضی کا پرائز جیت

چکا ہوں گا۔“ ولیم نے بغیر ہچکچائے جواب دیا۔

”تم اس بات کو اتنی اہمیت کیوں دیتے ہو؟“

”یہ وہ کام ہیں، جو میرے ڈیڑی نے کیے تھے میں بھی کرنا چاہتا ہوں۔ جب تم اپنے

ڈیڑی سے آگے نکل جاؤ گے، تب میں تمہیں اپنے باپ سے ملواؤں گا۔“

”ولیم یہ سن کر مسکرا دیا۔

دونوں لڑکوں نے چار پر لطف ہفتے ساتھ گزارے۔ شطرنج سے لے کر امریکن فٹ بال

تک کوئی کھیل انہوں نے نہیں چھوڑا۔ مہینے کے اختتام پر وہ نیویارک گئے۔ ماتیو کے سب گھر والے

ساتھ تھے۔ ماتیو کی بارہ سالہ بہن سوزن، بھائی کو ’موئے‘ کے نام سے پکارتی تھی۔ ولیم کو اس پر بہت

ہنسی آتی تھی کیونکہ ماتیو دھان پان سال کا تھا جب کہ خود سوزن موٹی تھی۔

”کوئی یقین کر سکتا ہے کہ سوزن میری بہن ہے۔“ ماتیو نے چڑ کر کہا۔

”نہیں.....“ ولیم نے مسکراتے ہوئے سوزن کی طرف دیکھا۔ ”یہ تم سے اتنی زیادہ

خوبصورت ہے کہ تمہاری بہن نہیں لگتی۔“

اگلی صبح طلوع آفتاب سے پہلے ہتھوڑے کا شور سنائی دیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ قیدیوں کے لیے بیدار ہونے کا حکم تھا۔ وہ بالکل ویسا ہی گھنٹہ تھا جیسے عموماً اسکول میں لٹکائے جاتے ہیں۔ کھڑکی کے دونوں طرف ہالا جما ہوا تھا۔ لاڈیک کو یقین ہو گیا کہ جلد ہی یہ شدید سردی اس کی جان لے لے گی۔ ناشتہ ایک بے حد سرد ہال میں کیا گیا۔ ناشتہ باسی مچھلی کے شوربے پر مشتمل تھا۔ جس میں گو بھی کے پتے تیر رہے تھے۔ نئے قیدیوں نے مچھلی کی ہڈیاں میز پر تھوک دیں جب کہ تجربہ کار قیدی سوائے برتنوں کے سب کچھ چٹ کر گئے۔ ناشتے کے بعد انہیں کام سونپے گئے۔ لاڈیک کو لکڑیاں کاٹنے کا کام دیا گیا، اسے سات میل دور ایک جنگل میں پہنچا دیا گیا اور اس کے لیے یومیہ کام

تشویش لہجے میں پوچھا۔

”تم روی زبان بول سکتے ہو؟“ ڈاکٹر نے اس کی بات کا جواب دیے بغیر پوچھا۔

”جی ہاں جناب۔“

”تمہاری ٹانگ تو ٹھیک ہو جائے گی لڑکے، البتہ لنگ رہ جائے گا۔ لیکن ٹانگ ٹھیک ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ تمہیں یہیں گھسٹ گھسٹ کر مرنے ہے۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”نہیں ڈاکٹر، میں یہاں سے فرار ہونا چاہتا ہوں، میں پولینڈ جاؤں گا۔“

ڈاکٹر نے تیز لگا ہوں سے اُسے دیکھا۔ ”آواز دھمی رکھو! حق۔ اب تک تمہیں اندازہ ہو جانا چاہیے کہ یہاں سے فرار ہونا ممکن نہیں ہے میں پندرہ برس سے یہاں ہوں اور کوئی دن ایسا نہیں گزرا جب میں نے فرار ہونے کے متعلق نہ سوچا ہو لیکن یہ ممکن نہیں ہے کوئی شخص یہاں سے فرار ہو کر زندہ نہیں رہا۔ یہاں فرار ہونے کے متعلق گفتگو کرنا بھی جرم ہے اور سزا..... دس روز کی قید تہائی۔ وہاں پر تیسرے روز کھانا ملتا ہے۔ تم اسٹوڈ بھی تیسرے ہی روز جلا سکو گے..... اور وہ بھی اس لیے کہ دیواروں پر جمی ہوئی برف پگھل سکے۔ اگر تم وہاں سے زندہ بچ کر واپس آ گئے تو ہمیشہ اپنی قسمت پر رشک کیا کرو گے، کیا سمجھ؟“

”دیکھ لیتا میں یہاں سے فرار ہو جاؤں گا.....“ لاڈیک نے بوڑھے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ اس کے لہجے میں ایک عزم تھا۔

ڈاکٹر مسکرایا۔ ”میرے دوست! یہ بات کبھی زبان پر نہ لانا..... ورنہ وہ تمہیں ختم کر دیں گے۔ اب جاؤ..... اور ہاں اپنی ٹانگ کے بارے میں رپورٹ کرنا نہ بھولنا۔“

لاڈیک معمول کے مطابق جنگل چلا گیا، لیکن ٹانگ کی تکلیف اتنی شدید تھی کہ کام کرنا دوبھر ہو گیا۔ اگلی صبح ڈاکٹر نے پھر اس کی ٹانگ کا معائنہ کیا۔

”زخم اور خراب ہو گیا ہے۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”لڑکے تمہاری عمر کیا ہے؟“

”میرا خیال ہے میں تیرہ سال کا ہوں۔“ لاڈیک بولا۔ ”یہ کون سا سن ہے؟“

”1919ء۔“ ڈاکٹر نے جواب دیا۔

”اور آپ کی کیا عمر ہے؟“

ڈاکٹر نے لڑکے کی نیلی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کی نگاہوں میں حیرت تھی۔ ”اڑتیس سال۔“

”اوہ میرے خدا!“ لاڈیک ششدر رہ گیا۔

”پندرہ سال کی قید کے بعد تمہارا بھی یہی حال ہوگا۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”آپ یہاں کیوں ہیں؟ اتنے عرصے میں انہوں نے آپ کو آزاد کیوں نہیں کیا؟“

”مجھے 1904ء میں ماسکو میں پکڑا گیا تھا اسی سال میں تعلیم مکمل کی تھی۔ میں نے فرانسیسی

سائنس خانے میں ملازم تھا۔ انہوں نے مجھے جاسوس قرار دے کر ماسکو جیل بھیج دیا۔ مجھے وہ جیل جنہم معلوم ہوتی تھی۔ لیکن یہاں آ کر پتہ چلا کہ جیل تو مقابلتہ جنت تھی۔ اب تو فرانسیسی بھی مجھے فراموش کر چکے ہیں۔ کمپ نمبر 201 میں قید کی مدت پوری کرنے کا دستور نہیں۔ میں مرکز ہی آزاد ہو سکوں گا۔“

”نہیں ڈاکٹر، امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔“ لاڈیک نے اسے سمجھایا۔

”امید؟ اسے تو میں نے برسوں پہلے خیر باد کہہ دیا تھا۔ میں تمہارے سلسلے میں امید کی تجدید کر سکتا ہوں لیکن وعدہ کرو کہ اپنا ارادہ کسی کے سامنے زبان پر نہیں لاؤ گے۔ یہاں ایسے قیدی بھی ہیں، جو ایک روٹی یا ایک کبیل کے لیے خبری کر سکتے ہیں۔ لاڈیک..... میں تمہاری ڈیوٹی ایک ماہ کے لیے کچن پر لگا رہا ہوں۔ اس عرصے میں تمہاری ٹانگ بچ سکتی ہے۔ میں تمہاری ٹانگ کا ٹٹا پسند نہیں کروں گا۔ یہاں پورے آلات بھی دستیاب نہیں ہیں۔“ ڈاکٹر نے ایک خم دار چاقو کو دیکھتے ہوئے کہا۔

لاڈیک کا نپ کر رہ گیا۔

ڈاکٹر نے ایک پرچی پر لاڈیک کا نام لکھ لیا۔ اگلی صبح لاڈیک نے کچن میں رپورٹ کی، جہاں اسے برتن دھونے اور کھانا پکانے میں مدد کرنے کے کام پر مامور کر دیا۔ دن بھر کمزیاں کاٹنے اور کپڑاڑی چلانے کے مقابلے میں وہ ایک خوشگوار تبدیلی تھی۔ اس کے علاوہ سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ اسے بہتر کھانا ملنے لگا۔ چاہوں کے قریب رہ کر سردی سے بڑی حد تک نجات مل گئی۔ ایک بار تو اسے نصف انڈا بھی میسر آ گیا۔ لاڈیک کا زخم آہستہ آہستہ ٹھیک ہونے لگا لیکن چال کا لنگ باقاعدگی اختیار کرتا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر جدید قسم کی دواؤں اور طبی سہولتوں کے بغیر ہی اس کے علاج پر بھرپور توجہ دے رہا تھا۔ دن گزرتے گئے۔ لاڈیک، اور ڈاکٹر کے درمیان دوستی کا رشتہ استوار ہو گیا۔ لاڈیک، ڈاکٹر کے لیے مستقبل کی جوان امید کی حیثیت اختیار کر گیا۔ ہر صبح وہ مختلف زبانوں میں گفتگو کرتے۔ لیکن ڈاکٹر کو اپنی مادری زبان فرانسیسی سب سے زیادہ پسند تھی۔

”سات روز بعد تمہیں اپنی پرانی ڈیوٹی پر واپس جانا ہوگا۔“ ایک صبح ڈاکٹر نے کہا۔ ”میری بات غور سے سنو۔ میں نے تمہارے فرار کا منصوبہ تیار کر لیا ہے۔“

”میرے لیے نہیں ڈاکٹر..... ہمارے لیے کہو۔“

”نہیں، صرف تم جاؤ گے۔ میں اتنے طویل سفر کا تحمل نہیں ہو سکتا۔ یہ فرار میرا پندرہ سال پرانا خواب ہے۔ اس کی تعبیر میرے لیے نہیں بلکہ تمہارے لیے ہے۔ میرے اطمینان کے لیے تمہاری کامیابی ہی کافی ہے۔ تم پہلے آدمی ہو جس سے مل کر مجھے کامیابی کا یقین ہوتا ہے صرف تم ہی کامیاب ہو سکتے ہو۔“

لاڈیک زمین پر بیٹھا بڑی خاموشی سے ڈاکٹر کا منصوبہ سنتا رہا۔

”میں نے گزشتہ پندرہ سال میں بڑی پیش رفت سے دوسروں کی ترقی کیے ہیں۔ روی اپنے قیدیوں کو اور ٹائم نہیں دیتے۔ یہ رقم میں نے دواؤں کی ایک شیشی میں چھپا رکھی ہے۔ جاتے وقت مجھ سے رقم لے لیتا۔ میں اسے تمہارے لباس میں سی دوں گا۔“

”کیسا لباس؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟“

”میرے پاس ایک سوٹ اور قمیص بھی ہے۔ یہ لباس بارہ سال پہلے میں نے ایک پہرے دار سے حاصل کیا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب مجھے زندگی اور فرار، دونوں پر یقین تھا۔ سوٹ پرانا سی لیکن تمہارے کام آئے گا۔“

لاڈیک حیران رہ گیا۔ دوسروں، ایک سوٹ اور ایک قمیص..... وہ ڈاکٹر کی پندرہ برس کی کمائی تھی، جسے وہ ایک لمحے میں قربان کر رہا تھا۔ یہ لاڈیک کی زندگی کا انٹ لمحہ تھا۔

”آئندہ جمعرات کو تمہیں پہلا اور شاید آخری مناسب موقع میسر آسکتا ہے۔“ ڈاکٹر نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”اس روز ٹرین نئے قیدیوں کو لے کر آئے گی..... ایسے موقع پر کچن سے چار آدمی پہرے داروں کے ساتھ کھانے کے ٹرک پر جاتے ہیں۔ میں نے سینئر باورچی سے بات کر لی ہے۔ وہ تمہیں ٹرک پر بھیج دے گا۔ کچھ دواؤں کے بدلے یہ سودا مہنگا نہیں ہے جب ٹرک واپس آئے گا تو تم ٹرک پر نہیں ہو گے اسٹیشن پہنچنے کے بعد قیدیوں کی ٹرین کا انتظار کرنا۔ ٹرین آجائے اور قیدی اتر جائیں تو ریلوے لائن پار کر کے ماسکو جانے والی ٹرین میں بیٹھ جانا۔ ماسکو والی ٹرین قیدیوں کی ٹرین کی آمد سے پہلے روانہ نہیں ہوگی۔ کیونکہ پٹری صرف ایک ہے۔ دعا کرنا کہ پہرے دار سینکڑوں نئے قیدیوں کی طرف متوجہ رہیں۔ تمہاری کامیابی کا انحصار صرف اسی بات پر ہے۔ ایک مرتبہ تم ماسکو جانے والی ٹرین میں بیٹھ گئے تو سمجھ لینا بیڑا پار ہے۔ ایک بات یاد رکھنا، اگر انکی نظر پڑ گئی تو وہ بلا تامل تمہیں گولی مار دیں گے..... پندرہ سال پہلے، جب میں یہاں آیا تھا تو میں نے یادداشت کے سہارے ماسکو سے ترکی تک راستے کا ایک نقشہ بنایا تھا۔ ممکن ہے اب کچھ تبدیلیاں ہو گئی ہوں لیکن یہ نقشہ بہر حال تم ساتھ رکھنا تمہارے کام آئے گا۔ خیال رکھنا کہ کہیں روس، ترکی پر بھی تو قابض نہیں ہو گیا ہے روسیوں کی ہوس ملک گیری کی کوئی حد نہیں ہے۔“ ڈاکٹر دواؤں کے کیبنٹ کی طرف بڑھا۔ اس نے ایک بوتل نکالی جس میں بھورے رنگ کا سفوف بھرا ہوا تھا۔ اس نے وہ بوتل کھول کر اس میں سے ایک کاغذ نکالا۔ گزشتہ برسوں نے روشنائی کو دھندلا..... دیا تھا کاغذ پر اکتوبر 1944 کی تاریخ تحریر تھی۔ اس میں ماسکو سے اوڈیسا اور اوڈیسا سے ترکی تک کا راستہ دکھایا گیا تھا۔ یعنی آزادی سترہ سو میل کے فاصلے پر لاڈیک کی منتظر تھی۔

”تمام جتنے، ہر صبح تمہیں میرے پاس آنا ہوگا۔ ہم منصوبے کی تفصیلات دہراتے رہیں گے تاکہ تمہیں اندازہ ہو جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ قسمت کی خرابی سے قطع نظر تمہیں ناکام نہیں ہونا چاہیے اور ہماری تیاری میں کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے۔“

اب لاڈیک ہر رات جاگتا رہتا۔ وہ منصوبے کی جزئیات ذہن نشین کرتا رہتا۔ ہر صبح ڈاکٹر سے اس کی منصوبے کے سلسلے میں گفتگو ہوتی۔ بدھ کی شام ڈاکٹر نے نقشہ تہ کیا اور اسے بھی پچاس روپے والے چارنوٹوں کے ساتھ سی دیا۔ لاڈیک نے قیدیوں والا لباس اتار کر ڈاکٹر کا سوٹ پہنا اور سوٹ کے اوپر قیدیوں والا لباس پہن لیا۔ اسی دوران ڈاکٹر کی نظریں کنگن کے کنگن پر پڑ گئی جو کنگن کے اوپر پھنسا ہوا تھا۔

”یہ کیا ہے؟“ ڈاکٹر نے پوچھا۔ ”بے حد خوب صورت ہے۔“

”یہ میرے باپ کا تحفہ ہے۔“ لاڈیک نے فخریہ لہجے میں کہا۔ ”آپ رکھ لیں۔ یہ آپ کو یاد دلانا رہے گا کہ میں آپ کا کس قدر مشکور ہوں۔“ اس نے کنگن اتار کر ڈاکٹر کی طرف بڑھا دیا۔ ڈاکٹر چند لمحے کنگن کو دیکھتا رہا پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ ”ہرگز نہیں۔ یہ خاندانی امانت ہے۔ تمہارا باپ یقیناً کوئی بڑا آدمی رہا ہوگا۔“ ڈاکٹر نے کنگن لاڈیک کی کلائی میں ڈال دیا۔ پھر بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ ”خدا تمہاری مدد کرے لاڈیک۔“ اس نے لرزیدہ آواز میں کہا۔ ”میری دعا ہے کہ آئندہ ہماری ملاقات کبھی نہ ہو۔“

وہ ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ پھر لاڈیک اپنے کیمین میں لوٹ آیا۔ اس نے دعا کی کہ کاش اس کیمین میں یہ اس کی آخری رات ہو۔ اس رات وہ بالکل نہیں سویا۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں پہرے دار اس کے لباس کے نیچے سوٹ کی جھلک نہ دیکھ لیں۔ صبح گھنٹہ بجتے ہی وہ باہر نکل آیا اور کچن کا رخ کیا۔ ٹرک کے آتے ہی سینئر باورچی نے لاڈیک کو ٹرک کی طرف دھکیل دیا۔ چار منتخب قیدیوں میں لاڈیک سب سے کم سن تھا۔ ”اسے کیوں بھیج رہے ہو؟“ ایک پہرے دار نے اعتراض کیا۔ ”اسے تو یہاں آئے ہوئے ایک سال بھی نہیں ہوا ہے۔“

لاڈیک کا جسم سرد پڑ گیا اور دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ کیا منصوبہ ابتدا سے پہلے ہی ناکام ہو جائے گا۔ وہ کانپ کر رہ گیا۔

”یہ بہت اچھا باورچی ہے۔“ سینئر باورچی نے جواب دیا۔ ”اس نے ایک بیرن کے قلعے میں تربیت پائی ہے۔ پہرے داروں کو ہمیشہ اچھا باورچی ملتا چاہیے۔“

”ہاں، یہ بات تو ہے۔“ پہرے دار نے دانت نکال دیے۔ پھر وہ لاڈیک کی طرف متوجہ ہوا۔ ”چلو، جلدی کرو۔“

چاروں قیدی ٹرک پر سوار ہوئے اور قافلہ فوراً ہی روانہ ہو گیا۔

سفر بڑی سست رفتاری سے طے ہو رہا تھا۔ لیکن لاڈ ایک مطمئن تھا کہ اسے پیدل نہیں چاہیے۔ لاڈ ایک بڑی تندہی سے کھانا پکانے میں جتا رہا۔ سفر کے دوران اس نے چیف کلک کے ہاں کسی سے بات نہیں کی۔

ارکسک پہنچنے میں انہیں سولہ دن لگے۔ ماسکو جانے والی ٹرین اسٹیشن پر پہلے ہی کھڑی تھی۔ صرف قیدیوں والی ٹرین کی آمد کا انتظار تھا۔

لاڈ ایک ساتھی قیدیوں کے ساتھ پلیٹ فارم پر ایک طرف بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھی کسی چیز میں بھی دل چسپی نہیں لے رہے تھے۔ لیکن لاڈ ایک بڑی دل چسپی سے گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ بالآخر اس نے دوسرے پلیٹ فارم پر پہنچنے کے لیے ایک مناسب راستہ منتخب کر لیا۔ ”کیا تم فرار ہونے کے چکر میں ہو؟“ اچانک چیف کلک نے پوچھا۔

لاڈ ایک اس بار بھی کچھ نہ بولا۔ چیف کلک نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے اس تیرہ سالہ لڑکے کو بغور دیکھا، پھر اس نے خود ہی اثبات میں سر ہلا دیا۔ ”خدا تمہاری مدد کرے۔ میں کوشش کروں گا کہ انہیں کم از کم دو دن تک تمہاری کمی کا احساس نہ ہو۔“ اس کے لہجے میں خلوص تھا۔

کچھ دیر بعد آنے والی ٹرین کی جھلک دکھائی دی لاڈ ایک کے اعصاب تن گئے۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ نظریں سپاہیوں پر جمی ہوئی تھیں جن کی نقل و حرکت میں تیزی آگئی تھی۔ ٹرین رُک گئی تو سینکڑوں تھکے ہارے قیدی پلیٹ فارم پر آئے۔ ان کی حالت بہت خستہ تھی۔ جلد ہی اسٹیشن پر ہنگامہ ہوا و مشور شروع ہو گیا۔ تمام پہرے دار پوری طرح قیدیوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لاڈ ایک تیزی سے پلیٹ فارم سے اُترا اور گاڑی کے نیچے سے گزرتا ہوا دوسری ٹرین میں چڑھ گیا۔ ٹرین میں کسی نے خصوصیت سے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ لاڈ ایک نے بیت الخلاء کا رخ کیا پھر خود کو اندر بند کر لیا اور دل ہی دل میں دعا کرنے لگا۔ ہر لمحہ اسے دھڑک لگا رہا کہ بیت الخلاء کے دروازے پر دستک ہونے والی ہے۔ ٹرین کے حرکت میں آنے تک ہر لمحہ اس کے لیے قیامت خیز ثابت ہوا۔ حالاں کہ یہ وقفہ صرف سترہ منٹ پر محیط تھا۔

ٹرین چلتے ہی اس نے ایک طویل اور اطمینان بخش سانس لی۔ دور ہوتا ہوا اسٹیشن لمحہ بہ لمحہ مختصر ہوتا نظر آ رہا تھا۔ لاڈ ایک مزید کچھ دیر بیت الخلاء میں بیٹھا رہا۔ اب وہ الجھن میں تھا کہ اس کا آئینہ اقدام کیا ہونا چاہیے۔ اچانک کسی نے بیت الخلاء کا دروازہ پیٹ ڈالا۔ لاڈ ایک پریشان ہو گیا کون ہو سکتا ہے۔ اس نے سوچا۔ گاڑی بکٹ کلکریا..... کوئی سپاہی ہر صورت میں اس کے لیے خطرہ ہی خطرہ تھا۔ اس کے سارے جسم سے ٹھنڈا پسینہ پھوٹ پڑا۔ دروازے کو پیٹنے جانے کا سلسلہ زور و شور سے جاری تھا۔

ہنری نے دوسری مرتبہ این کے سامنے دست سوال دراز کیا تو این کو شدید ذہنی جھک لگا۔ ”تمہاری رقم محفوظ رہے گی۔“ ہنری نے کہا۔ ”یقین نہ آئے تو این لائڈ سے پوچھ لو۔ اس سے زیادہ تمہارے مفادات کا خیال کون رکھ سکتا ہے۔“ لیکن ڈھائی لاکھ۔

”ذخیرہ یقین کرو، یہ دولت کمانے کا سنہری موقع ہے۔ دو سال کے اندر اندر تمہاری رقم ڈگنی ہو جائے گی۔“ ہنری نے کہا۔

خاصی تلخ و ترش گفتگو کے بعد این نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس نے اپنا اکاؤنٹ چیک کیا۔ اب اس میں صرف ایک لاکھ بیس ہزار ڈالر تھے۔ لیکن یہ بات اطمینان بخش تھی کہ ہنری کے ملاقاتیوں کا سلسلہ بڑھتا جا رہا تھا۔ جائیداد کے کام میں تعلقات کی بہر حال اہمیت ہوتی ہے۔ اسے ٹھیک ٹھاک کام بھی مل رہا تھا۔ این نے سوچا کہ اس سلسلہ میں این لائڈ سے بھی بات کر لی جائے..... لیکن پھر خود ہی اس خیال کو مسترد کر دیا۔ وہ کسی پر یہ تاثر نہیں چھوڑنا چاہتی تھی کہ اسے اپنے شوہر پر اعتبار نہیں ہے۔ ویسے بھی یقینی کامیابی کا امکان نہ ہونے کی صورت میں ہنری اس سے یہ کیسے کہہ سکتا تھا کہ این لائڈ سے پوچھ لو۔

این ڈاکٹر میکزی سے بھی ملتی رہی اور اس سے بچے کے امکان پر گفتگو کرتی رہی۔ لیکن ڈاکٹر نے اسے صاف لفظوں میں بتا دیا کہ ماں بننے کی کوشش اس کے لیے مہلک ثابت ہوگی۔ این نے اس معاملے میں اپنی ماں اور ساس سے بھی مشورہ کیا۔ لیکن وہ ڈاکٹر کے فیصلے سے متفق تھیں۔ ویسے بھی وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ہنری کی اولاد، کین فیملی کی دولت پر دعویٰ کر کے ولیم کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا کر دے۔ حالانکہ اس کا کوئی امکان نہیں تھا۔ تھک ہار کر این نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ولیم اس کی پہلی اور آخری اولاد رہے گا ہنری کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ بہت برہم ہوا۔ اس کا کہنا تھا کہ رچرڈ اگر زندہ ہوتا تو این کم از کم ایک کوشش کیے بغیر نہ رہتی۔ این سوچتی رہ گئی کہ اس کی زندگی میں آنے والے دوسرے ایک دوسرے سے کتنے مختلف ہیں۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس نے کس طرح ان دونوں ہی سے محبت کی۔ تاہم اس نے ہنری کو تسلی دینا چاہی۔ ساتھ ہی وہ ہنری کی کاروباری کامیابیوں کے لیے بھی دعا کرتی رہی۔ تاکہ اس کا دھیان کاروبار کی طرف مرکوز رہے۔ گزشتہ چند ہفتوں میں اس کی معروضیات بہت بڑھ گئی تھیں..... اور وہ بہت دیر سے گھر آنے لگا تھا۔

اکتوبر میں انہوں نے اپنی شادی کی دوسری سالگرہ منائی۔ اسی دوران این کو مکنا م خطوط موصول ہونے لگے کہ ہنری دوسری عورتوں میں دل چسپی لینے لگا ہے۔ وہ ایک خاص خاتون پر ضرورت سے کچھ زیادہ ہی ملحق ہے۔ خط لکھنے والے نے نیچے اپنے نام کی جگہ صرف دوست لکھا

تھا..... لیکن دوست نے اس خاص خاتون کا نام ظاہر نہیں کیا تھا۔ شروع میں تو این نے بڑی بے پروائی سے وہ خطوط جلا دیے۔ اس سلسلے میں اُس ہنری سے بھی بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ جب ہنری نے اس سے مزید ڈیڑھ لاکھ طلب کئے، تب بھی وہ اس سے اس موضوع پر بات نہ کر سکی۔

”اگر مجھے فوری طور پر رقم نہ ملی تو سارے کیے کرایے پر پانی پھر جائے گا۔“ ہنری نے اہمیت جتائی۔

”لیکن ہنری..... تمہیں یہ رقم دینے کے بعد میرے پاس کچھ بھی نہیں بچے گا۔“

”دولاکھ کا یہ مکان ہے۔“ ہنری نے کہا۔ ”تم اسے رہن رکھوا سکتی ہو۔“

”یہ مکان ولیم کا ہے۔“

”ولیم..... ولیم، ولیم۔“ ہنری نے پاؤں جٹختے ہوئے کہا۔ ”ہمیشہ میری کامیابی کے راستے

میں یہی ایک نام آتا ہے۔“ یہ کہہ کر وہ باہر چلا گیا۔

وہ آدھی رات کو واپس آیا..... اور اس نے بڑے نرم لہجے میں این کو بتایا کہ اسے رقم نہیں چاہیے۔ اسے کاروبار کا خسارہ منظور ہے لیکن وہ این کو گنوا پسند نہیں کرے گا۔ این کو اس کی باتوں نے مطمئن کر دیا۔ اس نے صبح خود ہی ڈیڑھ لاکھ ڈالر کا چیک لکھ کر اس کے حوالے کر دیا۔ اب وہ بالکل قلاش تھی لیکن اسے کوئی پروا نہیں تھی کیونکہ ہنری کی کامیابی کچھ زیادہ دور نہیں تھی۔ تاہم وہ سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ اتفاق سے ہنری نے اتنی ہی رقم طلب کی ہے، جتنی اس کے پاس موجود تھی۔

اگلے ماہ اسے پتہ چلا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ ڈاکٹر میکنزی پریشان ہو گیا..... لیکن اس نے کوشش کی کہ اس کی پریشانی عیاں نہ ہونے پائے۔ دونوں بوزمی خواتین یہ اطلاع سن کر دہل گئیں۔ ہنری البتہ بہت خوش تھا۔ اس نے این سے کہا کہ یہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے۔ وہ اتنا خوش تھا کہ اسپتال کا ونگ بنوانے پر بھی آمادہ ہو گیا جس کا وعدہ آنجنابی رچرڈ نے کیا تھا۔

ولیم کو ماں کے خط کے ذریعے یہ اطلاع ملی تو وہ سارا دن چپ چاپ رہا۔ وہ اس سلسلے میں اپنے عزیز ترین دوست ماتھیو سے بھی بات نہیں کر سکتا تھا۔ ہفتے کی اس نے اسکول سے چھٹی لی اور بوسٹن پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے اپنے اکاؤنٹ سے ایک سو ڈالر نکلائے اور جفرسن اسٹریٹ میں کوہن کے دفتر جا پہنچا۔ کوہن اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ”یہ پہلا موقع ہے کہ کوئی سولہ سالہ لڑکا میرا موکل بننا چاہتا ہے۔“ اس نے کہا۔ ”یہ میرے لیے ایک نیا تجربہ ہے کین۔“ کین کا نام لیتے ہوئے اس کے ذہن میں رچرڈ کین کی یاد تازہ ہو گئی۔ ”تمہارا باپ ہمارے جیسے لوگوں کے لیے نہایت مہربان تھا۔“

”جی ہاں..... وہ ذہین لوگوں کے قدر دان تھے۔ وہ آپ کی فرم کی خدمات حاصل کیا

کرتے تھے۔ میں نے ان کی زبان سے بارہا آپ کا نام سنا۔ اسی لیے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں نے آپ کو متنب کیا ہے نہ کہ آپ نے مجھے.....“

کوہن کو اندازہ ہو گیا کہ ولیم کو سولہ سالہ موکل سمجھنا حماقت ہے۔ ”جی ہاں، آپ رچرڈ کین کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے عمر کے کھپے سے مستثنیٰ ہیں۔ بتائیے میں آپ کی کیا ختم کر سکتا ہوں۔“ اس مرتبہ اس کے لہجے میں احترام تھا۔

”آپ کو میرے لیے تین سوالوں کا جواب حاصل کرنا ہے۔“ ولیم نے کہا۔ ”پہلی بات تو یہ کہ اگر میری ماں، مسز ہنری کسی بچے کو جنم دیتی ہے تو کیا اس بچے کا میری جائداد پر کوئی حق ہے، دوسری یہ کہ میری ماں کے شوہر ہونے کی حیثیت سے، ہنری کا بھی میری جائداد پر کوئی حق بنتا ہے۔ تیسری بات یہ کہ مجھے کس عمر میں یہ حق حاصل ہوگا کہ میں ہنری کو اپنے لوگوں برگ والے مکان سے بے دخل کر سکوں۔“

اس دوران کوہن کا قلم سامنے رکھے ہوئے پیڈ پر چلتا رہا۔ ولیم نے سو ڈالر میز پر رکھ دیے۔ وکیل چند لمحے بڑی بے یقینی سے نوٹوں کو دیکھتا رہا۔ اس کے انداز میں چٹکچاہٹ تھی، لیکن پھر اس نے نوٹ اٹھائے اور انہیں گنتا شروع کر دیا۔

”اخراجات کی پروا نہ کریں مسز کوہن۔“ ولیم نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔ ”ہارڈ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد تو مجھے خصوصاً ایک اچھے وکیل کی ضرورت ہوگی۔“

”گویا آپ کو ہارڈ میں داخلہ مل چکا ہے میری طرف سے دلی مبارکباد قبول کریں، مسز کین مجھے امید ہے میرے بیٹے کو بھی داخلہ مل جائے گا۔“

”مجھے ابھی تو نہیں البتہ دو سال بعد داخلہ ضرور مل جائے گا۔“ ولیم نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”میں ایک ہفتہ بعد پھر بوسٹن آؤں گا، لیکن یہ معاملہ میرے اور آپ کے درمیان ہے۔ اس سلسلے میں اگر میں نے کسی تیسرے فرد سے ایک لفظ بھی سن لیا تو وہ میرے اور آپ کے کاروباری تعلق کا آخری دن ہوگا۔ خدا حافظ۔“

کوہن جواباً اسے خدا حافظ بھی نہیں کہہ سکا۔ ولیم اس سے پہلے ہی دروازہ کھول کر جا چکا تھا۔



باہر نکلو۔“ کسی نے روسی زبان میں چیخ کر کہا۔ لہجہ بہت خراب تھا۔ لاڈیک کے سامنے دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ کھڑکی میں سے تو کوئی چھ سالہ بچہ بھی نہیں گزر سکتا تھا۔ زیادہ دیر بیت الجلا میں بند رہ کر وہ دوسرے مسافروں کو اپنی طرف منکوح کر سکتا تھا۔ اس نے جلدی سے قیدیوں والا لباس اتارا اور گھڑی بنا کر کھڑکی سے باہر اچھال دیا۔ پھر کوٹ کی

”ٹھہرو، ٹھہرو۔“ جوا ری نے اُسے پکارا۔ ”چلو پچاس روپل ہی سہی۔“

لاڈیک نے پتلون کی جیب سے پچاس روپل کا نوٹ نکال کر جوا ری کی طرف بڑھا دیا۔ جوا ری نے اپنا کوٹ اُتار کر اُسے دے دیا۔ کوٹ لاڈیک کے لیے بہت بڑا تھا اور تقریباً فرش کو چھو رہا تھا۔ تاہم متروک فیشن کے اس سوٹ کو چھپانے کے لیے انتہائی مناسب تھا کوٹ پہننے کے بعد وہ چند لمحوں میں جوا ری کو دیکھتا رہا جو فوراً ہی پھر جوا کھیلنے بیٹھ گیا تھا۔ اور بیٹھے ہی پھر ہارنے لگا تھا۔ اس جوا ری سے لاڈیک نے دو سبق سیکھے۔ پہلا..... جب تک کھیل اور غیر معمولی مہارت حاصل نہ ہو، جوا کھیلنے کبھی نہ بیٹھو۔ دوسرا..... ایک حد مقرر کر لو اور اس سے آگے کبھی نہ کھیلو۔

وہ اس ڈبے سے نکل آیا۔ بڑے کوٹ کی موجودگی میں وہ خود کو نسبتاً زیادہ محفوظ سمجھنے لگا تھا۔ اس نے پوری ٹرین کا جائزہ لیا۔ یوں وہ اور پر اعتماد ہو گیا۔ ڈبے صرف دو طرح کے تھے۔ عام کلاس..... جس میں لوگ یا تو کھڑے تھے یا پھر چوبی نشستوں پر بیٹھے تھے۔ دوسرے خاص ڈبے تھے، جن میں گدی والی سیٹیں تھیں۔ خاص ڈبے بھی کچھ بھرے ہوئے تھے..... لیکن ایک ڈبہ ایسا بھی تھا جس میں صرف ایک خاتون سفر کر رہی تھیں۔ وہ ادھیڑ عمر کی قدرے فربہ اندام عورت تھی۔ اس نے نیلا لباس پہن رکھا تھا اور اس کے سر پر اسکارف تھا۔ اس نے مسکرا کر لاڈیک کی طرف دیکھا۔ اس حوصلہ افزائی نے لاڈیک کو ڈبے میں داخل ہونے پر مجبور کر دیا۔

”کیا میں بیٹھ سکتا ہوں۔“ اس نے پوچھا۔

”ضرور بیٹھو۔“ خاتون نے کہا اور لاڈیک کو بغور دیکھنے لگی۔ جوا با لاڈیک نے بھی خاتون پر تفصیلی نگاہ ڈالی اور پھر ڈبے کا جائزہ لینے لگا۔ عورت کی فربہ گواہ تھی کہ اسے پیٹ بھر کھانا میسر آتا ہے۔ اس کے سیاہ بال اور بھوری آنکھیں ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ کسی زمانے میں حسین بھی رہی ہوگی۔ ریک پر دو بیک رکھے تھے۔ لاڈیک خود کو بڑھال محسوس کرنے لگا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ کاش اسے سونے کا موقع مل جائے۔ ”کہاں جا رہے ہو؟“ خاتون نے پوچھا۔

سوال اس قدر اچانک تھا کہ پہلے تو لاڈیک گنگ سا ہو کر رہ گیا۔ پھر اس نے تیزی سے کوئی جواب سوچنے کی کوشش کی۔ ”ماسکو۔“ بالآخر اس نے جواب دیا۔

”میں بھی وہیں جا رہی ہوں۔“

لاڈیک نے چونک کر خاتون کو دیکھا۔ وہ چھپتے لگا کہ اس نے اس ڈبے کا رخ ہی کیوں کیا تھا، اور اگر کیا بھی تھا تو اس عورت سے بات کرنے کی کیا تک تھی۔ ڈاکٹر نے اسے تنبیہ کی تھی کہ کسی سے گفتگو نہ کرنا۔ کسی پر بھروسہ نہ کرنا۔ لیکن عورت ایک سوال کرنے کے بعد خاموش ہو گئی۔ چنانچہ وہ قدرے مطمئن ہو گیا۔ ابھی اس کا اعتماد بحال ہو ہی رہا تھا کہ ٹکٹ کلکسر نازل ہو گیا۔ لاڈیک

جیب سے بیٹ نکالا اور اسے سر پر رکھ لیا۔ اس کے بعد اس نے دروازہ کھول دیا۔ ایک مسافر تیزی سے اندر آگیا۔ اندازت پہنچتا تھا کہ حاجت نے اسے بری طرح بے چھن کر رکھا ہے۔ اس نے دروازہ بند کرنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی۔ لاڈیک بوکھلا کر باہر نکل آیا۔

راہ داری میں نکلنے ہی اسے تنہا اور نمایاں ہونے کے احساس نے آیا۔ اس کا سوٹ متروک فیشن کا تھا۔ وہ فوری طور پر دوسرے ہیٹ الخلا کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ بالآخر اسے ایک ہیٹ الخلا خالی مل ہی گیا۔ اس نے اندر سے چھتی چڑھائی، پھر کوٹ کی آستین والی سلائی اڈھڑ کر نوٹ نکالے اور تین نوٹ کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ کر ایک نوٹ پتلون کی جیب میں ٹھونس لیا۔ اس کے بعد وہ باہر نکل آیا۔ اب اسے کسی ایسے ڈبے کی تلاش تھی جو کچھ زیادہ ہی پر نجوم ہوتا کہ وہ غیر نمایاں رہے۔ ڈبے میں کچھ لوگ سکھ اچھالنے والا جوا کھیل رہے تھے۔ محل میں لاڈیک اس کھیل میں ہمیشہ لیون کو شکست دیتا رہا تھا۔ اس کا کھیلنے کو جی چاہا، لیکن اس میں قیادت یہ تھی کہ وہ اس طرح خود کو نمایاں کر لیتا۔ کھیل جاری رہا۔ اور اس دوران لاڈیک کھیل سے متعلق اپنی یادیں ہی تازہ کرتا رہا، حتیٰ کہ وہ اپنے دو سو روپل داؤ پر لگانے پر تیار ہو گیا۔ یہ خواہش زور پکڑے پکڑے ناقابل ممانعت ہو گئی۔ ایک شخص جو خاصی رقم ہار چکا تھا، جمائی لینے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ”قسمت نے تمہارا ساتھ نہیں دیا۔“ لاڈیک نے اس سے کہا۔ اسے اپنی آواز خود بھی اجنبی لگی۔ ٹرین پر سوار ہونے کے بعد یہ اس کا پہلا جملہ تھا۔

”قسمت کی بات نہیں۔“ جوا ری نے کراہتے ہوئے کہا۔ ”میں ان سب کو لوٹ لیتا لیکن میری جیب خالی ہو گئی۔“

”اپنا کوٹ بچو گے؟“ لاڈیک نے پوچھا۔

وہ جوا ری، مسافروں میں واحد آدمی تھا، جس کے جسم پر پرانا لیکن بے حد گرم کوٹ تھا۔ اس نے بغور لاڈیک کی طرف دیکھا۔ ”تمہارے سوٹ کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ تم میرے کوٹ خریدنے کی اہلیت نہیں رکھتے ہو، میں اس کے 75 روپل لوں گا۔“

”میں چالیس دے سکتا ہوں۔“

”ساتھ۔“

”پچاس۔“

”نہیں ساتھ سے کم میں نہیں دوں گا۔“ جوا ری اڑ گیا۔ ”یہ سو روپل کا کوٹ ہے۔“

”کبھی رہا ہوگا۔“ لاڈیک نے بے نیازی سے کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اندرونی جیب سے نوٹ نکال کر خرانا ٹھیک نہیں۔ اس طرح لوگ اس کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔ ”میں پچاس روپل دے سکتا ہوں اور بس.....“ یہ کہہ کر لاڈیک وہاں سے ہٹنے لگا۔

جانتا ہے۔ تم میرے ساتھ زیادہ محفوظ رہو گے..... تمہارے پاس شناختی کاغذات ہیں؟“
”نہیں..... وہ کیسے ہوتے ہیں؟“

”انقلاب کے بعد ہر شہری کے لیے شناختی کاغذات جاری کیے گئے ہیں۔ ان کاغذات میں ان کی رہائش اور کام کے متعلق تفصیل لکھی جاتی ہے۔ یہ کاغذات نہ دکھائے جائیں تو آدمی کو بغیر کسی جرم کے جیل بھیج دیا جاتا ہے، جہاں اس کی پوری زندگی گزر جاتی ہے۔ خاتون..... قدرے توقف کے بعد پھر گویا ہوئیں۔“ ماسکو پہنچ کر میرے قریب رہنا اور اپنا منہ سختی سے بند رکھنا، ورنہ.....“
”آپ بہت مہربان ہیں۔“ لاڈیک نے کہا۔ لیکن اس کا لہجہ شک آمیز تھا۔

”زار کی موت کے بعد ہم میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔ میں خوش نصیب تھی کہ میری شادی اس دور کے موزوں آدمی سے ہوئی۔“ خاتون نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ ”اس وقت روس میں بشمول سرکاری افسروں کے کوئی بھی شخص ایسا نہیں جو گرفتاری یا موت سے خوفزدہ نہ ہو..... تمہارا نام کیا ہے؟“
”لاڈیک۔“ اس نے جواب دیا۔

”اچھا نام ہے۔ اب یوں کرو، کہ سو جاؤ۔ تم بہت بڑا حال دکھائی دے رہے ہو۔ جب کہ سفر بہت طویل ہے۔“ خاتون نے کہا۔

لاڈیک لیٹنے ہی سو گیا۔ کئی گھنٹے بعد وہ جاگا باہر اندھیرا چھا چکا تھا۔ وہ ممنونیت آمیز نگاہوں سے مہربان خاتون کو دیکھتا رہا۔ خاتون اسے دیکھ کر مسکرائی۔ جواباً وہ بھی مسکرا دیا۔ لیکن وہ اب بھی خائف تھا کہ خاتون اس کے بارے میں کسی افسر کو نہ بتا دے۔ کیا پتہ وہ ایسا کر بھی چکی ہو۔ آخر وہ اتنی دیر سوتا رہا تھا۔ خاتون نے ایک بیگ میں سے کھانے کا پیکٹ نکالا اور لاڈیک کو کھانے کی دعوت دی، جسے لاڈیک نے بلا جھج قبول کر لیا۔ اگلے اسٹیشن پر کچھ مسافر اتر گئے۔ خاتون بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”میرے پیچھے آؤ۔“ اس نے کہا۔

لاڈیک اس کے پیچھے پلیٹ فارم پر اتر گیا۔ اس کا دل اندیشوں کے بوجھ تلے لرز رہا تھا۔ خاتون نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ اب ایک ایسی ماں نظر آ رہی تھی، جو اپنے 13 سالہ بیٹے کے ساتھ طویل سفر کر رہی ہو۔ وہ لاڈیک کا ہاتھ تھام کر خواتین والے ٹائیلز کی طرف لے گئی۔ اندر پہنچنے کے بعد اس نے ٹل کھول دیا۔ پانی پتلی سی دھار کی صورت میں نمودار ہوا لیکن وہ بہت گدلا تھا۔ خاتون نے پانی کی رنگت دیکھ کر برا سامنہ بنایا لیکن لاڈیک کمپ کے پانی سے آشنا تھا۔ اسے وہ گدلا پانی بھی نعمت غلطی محسوس ہوا۔ خاتون تو لیا بھگو کر اس کے زخم دھونے لگی۔ ٹانگ کا زخم دیکھ کر اس کے حلق سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ لاڈیک منہ بھیچے کھڑا رہا۔ زخموں پر ہرلس آگ کا سا کام کر رہا تھا۔ لاڈیک کے لیے

ایک بار پھر پسینے میں تر ہو گیا۔ ٹکٹ کلکٹر نے خاتون سے ٹکٹ طلب کیا پھر وہ لاڈیک کی طرف متوجہ ہوا۔ ”ٹکٹ دکھائیے کامریڈ۔“ اس نے مہذب انداز میں کہا۔

”لاڈیک کا ہاتھ کوٹ کی جب کی طرف بڑھا لیکن اس کی زبان پر تالے پڑ گئے تھے۔
”یہ میرا بیٹا ہے۔“ خاتون نے جانے کیوں بول پڑی۔

ٹکٹ کلکٹر نے پہلے تو خاتون کو اور پھر لاڈیک کو دیکھا۔ پھر اس نے بڑے احترام سے خاتون کے سامنے سر کو خم کیا اور ڈبے سے نکل گیا۔

لاڈیک ممنون نگاہوں سے خاتون کی طرف دیکھنے لگا۔ ”شکریہ خاتون۔“ چند لمحے بعد اس نے باقت تمام کہا۔

”میں نے تمہیں قیدیوں والی ٹرین کے نیچے سے نکل کر آتے دیکھا تھا۔“ خاتون نرم لہجے میں بولی..... لاڈیک لرز کر رہ گیا۔ راز فاش ہو چکا تھا۔ ”لیکن میں کسی کو نہیں بتاؤں گی بیٹے، میرا کزن ایسے ہی کسی کمپ میں قید کاٹ رہا ہوگا۔ میں ہی نہیں۔ ہر شخص خوفزدہ ہے ہر شخص جانتا ہے کہ وہ کسی بھی وقت خود کو ایسے ہی کسی کمپ میں پاسکتا ہے۔ خیر چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اس کوٹ کے نیچے کیا پہن رکھا ہے؟“

لاڈیک سوچ میں پڑ گیا کہ کوٹ کے بٹن کھول کر دکھائے یا ڈبہ چھوڑ کر بھاگنا بے سود تھا۔ اس طرح اسے نجات نہیں مل سکتی تھی۔ آہستہ آہستہ اس نے کوٹ کے بٹن کھول دیے۔

”بہت خوب، مجھے خدشہ تھا کہ کہیں نیچے قیدیوں والا لباس نہ ہو۔“ خاتون نے سکون کا سانس لیا..... ”قیدیوں والے لباس کا تم نے کیا کیا؟“

”باہر پھینک دیا تھا۔“
”کاش وہ لباس انہیں جلدی نہ ملے۔“ خاتون نے پر غلوس لہجے میں کہا۔ ”ماسکو میں کوئی

ہے تمہارا۔“
لاڈیک نے پھر ڈاکٹر کی نصیحت پر غور کیا۔ کسی پر اعتبار نہیں کرنا..... لیکن اس عورت پر اعتبار کرنا اس کی مجبوری تھی۔ ”میرا کوئی ٹھکانہ نہیں۔“ وہ بڑبڑایا۔

”تو جب تک تمہیں کوئی ٹھکانہ نہیں ملتا میرے ساتھ قیام کرو۔“ عورت نے جیش کش کی۔

”میرا شوہر ماسکو میں اسٹیشن ماسٹر ہے۔ یہ ڈبہ سرکاری ملازمین کے لیے مخصوص ہے تم کسی غلطی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ پہلی ہی غلطی تمہیں واپس کمپ پہنچا دے گی۔“

لاڈیک ہتھک فل کر رہ گیا۔ ”تو کیا میں اس ڈبے سے نکل جاؤں۔“
”نہیں..... اب تو ٹکٹ کلکٹر تمہیں دیکھ چکا ہے۔ اور وہ تمہیں میرے بیٹے کی حیثیت سے

چھین روکنا دشوار ہو گیا۔ حالاں کہ خاتون نے اپنا ہاتھ بہت نام رکھا تھا۔ ”گھر چل کر میں ان کی ڈریسنگ کمر میں گئی۔“ خاتون نے کہا۔ ”اس وقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ پھر خاتون کی نظر نفرتی نگاہ پر پڑ گئی۔ اس نے نگاہ پر کندہ تحریر کا جائزہ لیا اور بولی۔ ”یہ تمہارا ہے؟ کہاں سے چرایا؟“

لاڈیک کا چہرہ تنہا تھا۔ اسے توہین کا احساس ہوا۔ ”میں چور نہیں ہوں۔ یہ میرے باپ نے اپنی موت سے قبل مجھے دیا تھا۔“

لاڈیک کو خاتون نے بغور دیکھا۔ پھر اس کی آنکھوں میں ایک مختلف تاثر نظر آیا، وہ خوف تھا یا احترام..... لاڈیک یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ خاتون نے سر جھکا لیا اور بولی۔ ”لاڈیک بیٹے بھٹا رہنا، اس کے لیے تو کوئی تمہاری جان بھی لے سکتا ہے؟“

لاڈیک نے سر کو تھپہیں جنبش دی اور پھر وہ ٹائیلٹ سے نکل کر اپنے ڈبے میں واپس آگئے۔ ٹرین مزید ایک گھنٹہ کی رہی۔ لاڈیک اس دوران دم سادھے بیٹھا رہا۔ ٹرین حرکت میں آئی تب کہیں اس نے سکون کا سانس لیا۔

ٹرین کو ماسکو پہنچنے میں بارہ دن لگے۔ جب بھی کوئی نیا ٹکٹ کلکٹر آیا۔ پہلا ڈرامہ نسبتاً بہتر تاثر سے ڈھرایا جاتا۔ لاڈیک معصوم لڑکا نظر آنے کی کوشش کرنے لگتا اور خاتون ایک مہربان ماں کا کردار نبھانے لگتی۔ ہر ٹکٹ کلکٹر خاتون کے سامنے احترام سے سر خم کرتا اور ڈبے سے نکل جاتا۔

لاڈیک یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ روس میں اسٹیشن ماسٹر کا عہدہ بہت اہم ہوتا ہے۔ ماسکو تک ایک ہزار میل کا سفر ختم ہوا تو لاڈیک خاتون پر اعتماد کرنے لگا تھا، بلکہ اب تو وہ اس کا گھر دیکھنے کے لیے بھی بے تاب ہو رہا تھا۔ ٹرین ماسکو پہنچی تو شام ہو چکی تھی۔ لاڈیک نے اس سے پہلے کوئی بڑا شہر نہیں دیکھا تھا۔ جب کہ اس وقت وہ روس کے دار الحکومت میں سانس لے رہا تھا..... موہوم سے خدشات نے اسے گھیر لیا۔ وہاں اتنے سارے لوگ تھے..... اور اتنی بہت سی سستوں میں چل رہے تھے۔ وہ بے چین ہو گیا۔ خاتون نے اسکی گھبراہٹ محسوس کر لی۔ ”خاموشی سے میرے پیچھے چلتے رہو۔ ہیٹ ہرگز نہ اتارنا۔“ خاتون نے اسے سمجھایا۔

لاڈیک نے ڈبے کے ریک سے خاتون کے بیگ اتارے، ہیٹ کو کچھ اور نیچے کھینچا اور خاتون کی تقلید میں پلیٹ فارم پر اتر آیا۔ باہر نکلنے کے لیے تنگ سے دروازے پر لوگوں کا جھوم تھا۔ دروازے کے ارد گرد جنگلے تھے ہر شخص کے ہاتھ میں اس کے شناختی کاغذات تھے۔ جنگلے کے پاس پہنچتے پہنچتے لاڈیک کا دل تیز رفتاری کے تمام ریکارڈ توڑ چکا تھا۔

گاڑی نے خاتون کے کاغذات بے حد سرسری انداز میں دیکھے۔ ”کامریڈ۔“ اس نے آہستہ سے کہتے ہوئے سیلوٹ مارا..... پھر وہ لاڈیک کی طرف متوجہ ہوا۔

”میرا بیٹا ہے۔“ خاتون نے کہا۔

”بہت بہتر کامریڈ۔“ گاڑی نے دوبارہ سیلوٹ کیا۔

لاڈیک ماسکو میں داخل ہو چکا تھا۔

خاتون پر مکمل اعتماد کے باوجود، باہر نکلتے ہی لاڈیک کا جی چاہا کہ بھاگ کھڑا ہو۔ لیکن ڈیڑھ سو روبل میں وہ کتنے دن گزار سکتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اس خاتون کے ساتھ کچھ دن گزارنے میں کوئی مضائقہ نہیں بعد میں کسی بھی وقت وہاں سے کھسکا جاسکتا ہے..... اسٹیشن کے باہر ایک کبھی انہیں گھر لے جانے کے لیے موجود تھی۔

لاڈیک، خاتون کے گھر پہنچا تو اسٹیشن ماسٹر وہاں موجود نہیں تھا۔ خاتون نے جلدی جلدی لاڈیک کے لیے بستر لگا دیا۔ پھر پانی گرم کر کے ٹب بھرنے کے بعد لاڈیک کو غسل کرنے کا حکم دیا۔ چار سال کے عرصے میں وہ لاڈیک کا پہلا غسل تھا۔ صابن جیسی نعمت کو تو وہ اس عرصے میں بھول ہی چکا تھا۔ اس کی جلد جگہ جگہ سے چٹخی ہوئی تھی۔ پانچ منٹ کے اندر اندر ٹب میں موجود پانی کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ تب لاڈیک کو ٹھیک سے اندازہ ہوا کہ وہ کس قدر غلیظ رہا تھا۔ جہاں زندگی لگی ہوئی تلواریں کے نیچے گزرتی ہو، وہاں غلاط کی پروا بھی کون کرتا ہے..... خاتون نے ٹب دوبارہ بھر دیا۔ ٹب سے نکلنے کے بعد خاتون نے اس کے زخموں پر مرہم لگایا۔ اس دوران خاتون کی نظر اس کے گھنڈی سے محروم سینے پر پڑ گئی۔ لاڈیک نے جلدی جلدی خاتون کا لایا ہوا گاؤن پہن لیا۔ پھر مہربان خاتون اسے کچن میں لے گئی۔ جہاں عمدہ اور لذیذ کھانا لاڈیک کا منتظر تھا۔ وہ برسوں کے کسی بھوکے کی طرح کھانے پر ٹوٹ پڑا۔ کھانے کے بعد خاتون نے لاڈیک کو ہدایت کی کہ وہ اپنے بستر پر جا کر آرام کر لے۔ ”میں چاہتی ہوں کہ تمہارے بارے میں اپنے شوہر سے بات کر لوں۔“ خاتون نے کہا۔ ”اس سے پہلے تمہاری ملاقات ٹھیک نہیں۔“

لاڈیک نے تعمیل کی اور بستر پر لیٹ کر دعا مانگتا رہا کہ مہربان خاتون کا شوہر اسے اپنے گھر ٹھہرنے کی اجازت دے دے۔ بستر پر دراز ہو کر اسے ایک عجیب سے احساس نے گھیر لیا۔ وہ خود بے حد صاف ستھرا تھا۔ بستر بے داغ تھا..... گدا بے حد نرم تھا..... یہی حال بچے کا بھی تھا۔ یہ شدید اجنبیت کا احساس تھا۔ اگر وہ بہت زیادہ تھکا ہوا نہ ہوتا تو اس قدر صاحب بستر پر سونا اس کے لیے ناممکن ہوتا۔ لیکن جسکں ہر احساس پر حاوی آگئی۔ اس نے تکیہ نیچے پھینک دیا اور نرمی و صفائی جیسی اجنبی تجددوں کے باوجود اسے نیند آگئی۔

چند گھنٹے بعد تیز آواز میں گفتگو کرنے کی وجہ سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ آوازیں کچن کی طرف سے آرہی تھیں۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر سویا ہے۔ تاہم باہر اندھیرا ہو چکا تھا۔ وہ بستر

سے اتر..... اور دبے قدموں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دوروازہ کھولا اور کچن سے آنے والی آوازیں سننے لگا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ تیز دھڑکنے والی کے بارے میں ہوا کی خبر ہے۔ وہ فوراً زندہ ہو گیا۔ شاید مہربان خاتون کا شوہر نا مہربان ثابت ہو رہا تھا..... شاید وہ اس کے بارے میں تجویز کرنے کے لیے بیوی سے جھگڑ رہا ہے.....



ولیم ٹھیک سات روز بعد دوبارہ کوہن کے دفتر میں داخل ہوا۔ ”ہیلو مسٹر کین۔“ کوہن نے بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ ”آپ کی آمد میرے لیے باعث مسرت ہے۔ کافی منگواؤں۔“ ”جی نہیں۔ شکریہ۔“ ولیم نے جواب دیا۔ ”کوکا کولا؟“

اس بار ولیم نے جواب بھی نہیں دیا۔

”اوہ آپ کا روباری گفتگو کے لیے بے چین ہیں، کوہن کے لہجے میں پشیمانی تھی۔“ ٹھیک ہے، مسٹر کین، میں نے آپ کے معاملات کے متعلق خاصی تفتیش کی ہے جو معاملات خالص طبی نوعیت کے نہیں تھے، ان کے لیے تو میں نے ایک قابل اعتماد ایجنسی کی خدمات حاصل کی تھیں۔ میرا خیال ہے، میں آپ کے تمام سوالوں کے جوابات حاصل کر چکا ہوں۔ آپ کے پہلے سوال کا جواب نفی میں ہے۔ مسٹر ہنری کی اولاد کو آپ کے ٹرسٹ سے کچھ نہیں مل سکتا۔ البتہ آپ کی ماں اپنے حصے کے پانچ لاکھ ڈالر اس کے نام کر سکتی ہیں۔“ کوہن نے نظریں اٹھا کر ولیم کو دیکھا اور اپنی بات جاری رکھی۔ ”یہ بات شاید آپ کے لیے دل چسپی کا باعث ہو کہ آپ کی ماں گزشتہ ڈیڑھ سال میں یہ تمام رقم بینک سے نکلوا چکی ہیں مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ رقم کہاں خرچ ہوئی۔ ممکن ہے کہ انہوں نے کسی اور بینک میں اکاؤنٹ کھول لیا ہو۔“

ولیم کے چہرے پر حیرت کا شدید تاثر ابھرا۔ کوہن نے پہلی مرتبہ اسے ضبط سے محروم ہوتے دیکھا تھا۔

”نہیں..... یہ وجہ نہیں ہو سکتی۔“ ولیم نے جلد ہی خود پر قابو پایا۔ اب اس کے انداز میں پھر اعتماد تھا۔ ”وہ رقم صرف ایک شخص کے ہاتھ چڑھ گئی ہے۔“

وکیل چند لمحوں خاموش رہا۔ اس کا خیال تھا کہ ولیم کچھ اور بھی کہے گا لیکن اس نے خود کو سنبھال لیا اور خاموش ہی رہا۔ بالآخر کوہن نے سلسلہ کلام جوڑا۔ ”آپ کے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ مسٹر ہنری کسی بھی اعتبار سے آپ کے جائیداد کے حق دار نہیں ہو سکتے۔ آپ کی والدہ کو آپ کے ٹرسٹ کے دوسرے دو اراکین ایلن اور..... ملی ہیں۔ اکیس سال کی عمر میں سب کچھ آپ کے

ہاتھوں میں ہوگا۔“ کوہن نے پھر نظریں اٹھا کر ولیم کی طرف دیکھا..... لیکن ولیم کا چہرہ بے تاثر تھا۔ اب کوہن پانچ چہرے کا مفہوم سمجھنے لگا تھا، چنانچہ اس نے بات جاری رکھی۔ ”تیسرا جواب یہ ہے، مسٹر ولیم کہ آپ مسٹر ہنری کو اس وقت تک مکان سے بے دخل نہیں کر سکتے، جب تک کہ وہ آپ کی ماں کا شوہر ہے اور ان کے ساتھ قیام پذیر ہے۔ ماں کی موت کے بعد مکان خود بخود آپ کے نام ہو جائے گا، اس وقت آپ اسے نکال سکیں گے۔ میرا خیال ہے مسٹر ولیم کہ آپ میرے کام سے مطمئن ہوں گے۔“

”شکریہ مسٹر کوہن۔“ ولیم نے کہا۔ ”میں آپ کی کارکردگی اور رازداری سے بے حد خوش ہوں۔ اب آپ اپنے بل کے بارے میں بتادیں۔“

”کام تو سو ڈالر سے زیادہ کا تھا مسٹر کین، لیکن مستقبل کے تعلقات کے پیش نظر.....“ ”نہیں مسٹر کوہن۔ یہ انداز مجھے پسند نہیں ہے۔ آپ وہ فیس طلب کریں جو عام موکلوں سے طلب کرتے ہیں۔ یہ بتائیے میں آپ کو ادھر کیا پیش کروں؟“

کوہن چند لمحوں سوچتا رہا پھر بولا۔ ”عام حالات میں ہم دوسو بیس ڈالر طلب کرتے ہیں۔“ ولیم نے اپنی جیب سے بیس ڈالر والے چھ نوٹ نکالے اور وکیل کی طرف بڑھا دیے۔ اس مرتبہ وکیل نے نوٹ گننے کی زحمت نہیں کی۔

”میں اس تعاون پر آپ کا شکریہ گزار ہوں مسٹر کوہن۔“ ولیم نے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ ہم آئندہ بھی ملتے رہیں گے، خدا حافظ۔“

”خدا حافظ مسٹر کین۔“ مجھے آپ کے والد کے ساتھ زیادہ کام کرنے کا موقع نہیں ملا، تاہم آپ کو دیکھتے ہوئے سوچتا ہوں، کاش ایسا ہوا ہوتا۔“

ولیم مسکرا دیا۔ ”شکریہ جناب۔“ اس نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔



این، آنے والے نئے مہمان کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ ان دنوں وہ بہت جلد تھک جاتی تھی۔ وہ ہنری سے اکثر پوچھتی کہ کاروبار کیسا جا رہا ہے؟ ہنری ہمیشہ اسے آنے والی کامیابیوں کی نوید سناتا لیکن تفصیلات سے کبھی آگاہ نہ کرتا۔ اچانک ہی ایک صبح گمناں خطوط کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ اس مرتبہ گمناں خطوط تفصیلات پر مبنی تھے۔ ہنری کس تاریخ کو، کس وقت اور کس عورت سے ملا۔ این وہ خطوط فوراً جلا دیتی۔ وہ نام اور مقام بھی یاد رکھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس بات پر یقین نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اس کا شوہر بے وفائی کا مرتکب ہو رہا ہے..... اور وہ بھی ان دنوں جب وہ اس کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ وہ اس خیال سے بھل گئی کہ کوئی عورت، ہنری کے نظر انداز

کرنے کی وجہ سے اس کی دشمن ہو گئی ہے۔

دوبندیں ساون کی
مہری سانس لی۔

خطوط موصول ہوتے رہے۔ ہر بار کچھ نئے ناموں کا اضافہ ہو جاتا۔ لیکن اب وہ خط اب اس کے اعصاب پر سوار ہونے لگے تھے۔ وہ کسی سے اس مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتی تھی، لیکن سوال یہ تھا کہ وہ کس سے بات کرے۔ اس کی ماں اور ساس تو ویسے ہی ہنری کی مخالف تھیں۔ ایلن لائڈز مسائل کو سمجھ ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ جردی زندگی گزار رہا تھا۔ ولیم سے بھی بات نہیں کی جاسکتی تھی کیونکہ وہ ابھی بچہ ہی تھا۔ کوئی بھی تو نہیں تھا جس سے دل کا حال کہہ سکتی۔ اس نے سوچا کہ کسی باہر نفسیات سے رجوع کرے۔ لیکن ذاتی مسائل اجنبیوں کے سامنے رکھنا خاندانی روایت کے خلاف تھا۔۔۔۔۔۔ پھر ایک دن پانی سر سے گزر گیا۔ پھر کا وہ دن این کے لیے بے حد پریشان کن تھا۔ اس روز اسے تین خط ملے۔ تینوں خط پریشان کن تھے۔ پہلا خط ولیم کا تھا۔ مزرچرڈ لین کے نام۔ اس نے حسب سابق گرمیوں کی چٹیاں اٹھیو کے ساتھ گزارنے کی اجازت طلب کی تھی۔ دوسرا خط ایلن لائڈز کی طرف سے تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ بینک فون کر کے اس سے ملاقات کا وقت طے کر لے۔ ایلن نے زندگی میں صرف ایک مرتبہ این کو خط لکھا تھا۔ وہ بھی تعزیتی خط تھا۔ جو رچرڈ کی موت کے سلسلے میں لکھا گیا تھا۔ این پریشان ہو گئی اُسے ڈر تھا کہ اس بار بھی ایلن کا خط کسی بری خبر کے سلسلے میں ہی ہو سکتا ہے۔ تیسرا خط سب سے اذیت ناک تھا۔ وہ گنام خط تھا اور اس میں اطلاع دی گئی تھی کہ ہنری ملی پریسٹن سے محبت کرتا ہے۔ ملی جو این کی عزیز ترین سہیلی تھی اور جس نے این کو ہنری سے ملوایا تھا، جو ولیم کی گاڈ مامی تھی۔

این نے سب سے پہلے بینک فون کیا۔ ”ایلن..... تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو؟“ اُس نے ایلن لائڈز سے رابطہ طے ہی کیا۔

”ہاں مائی ڈیر۔ کچھ بات کرنا ہے۔ کب وقت نکال سکتی ہو؟“

”کوئی بری خبر ہے؟“

”ارے نہیں، لیکن میں فون پر بات کرنا نہیں چاہتا۔ بہر حال، پریشانی کی کوئی بات نہیں۔

میرے ساتھ لچ کر سکتی ہو؟“

”ضرور ایلن۔“

”تو ایک بیجے ٹرنر میں ملو۔ خدا حافظ ایلن۔“

اس وقت دس بجے تھے۔ این، ملی پریسٹن کے متعلق سوچنے لگی۔ کیا خط والی بات میں صداقت ہو سکتی ہے؟ لیکن وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکی۔ اس کی طبیعت بھی گری گری سی تھی۔ وہ خوف زدہ ہو گئی۔ ابھی سے یہ حال ہے تو بچے کی ولادت پر کیا ہوگا؟ اس نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا اور

دوبندیں ساون کی
مہری سانس لی۔

ایلن لائڈز مقررہ وقت پر این کی پیشوائی کے لیے موجود تھا۔ وہ اسکا ہاتھ تھام کر اسے کارز کی میز کی طرف لے گیا۔ ”بچہ کب متوقع ہے؟“ اُس نے پوچھا۔

”ابھی تین ماہ باقی ہیں۔“ این نے جواب دیا۔

”کوئی پیچیدگی تو نہیں۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے.....“

”ڈاکٹر ہر ہفتے میرا معائنہ کرتا ہے۔“ این نے اُس کی بات کاٹ دی۔ ”وہ میرے بلڈ پریشر کی وجہ سے پریشان ہے، لیکن میں فکر مند نہیں ہوں۔“

”مجھے خوشی ہے ڈیر۔ ویسے تم بہت تھکی تھکی لگ رہی ہو۔ اپنا خیال رکھو۔“ ایلن نے شفقت آمیز لہجے میں کہا۔ ”خیر..... تو اس وقت مجھے تمہارا مشورہ درکار ہے۔“

این پریشان ہو گئی۔ معاملہ مشورے کا نہیں ہو سکتا تھا۔ ایلن بہت مہربان آدمی تھا، اسی لیے یہ ظاہر کر رہا تھا، جیسے وہ خود کسی مسئلے سے دو چار ہے۔ حالانکہ وہ معاملہ برعکس تھا۔ این خاموشی سے خنجر رہی کہ ایلن حریف کچھ کہے۔

”ہنری کا کاروبار کیسا چل رہا ہے؟“ کچھ توقف کے بعد ایلن نے پوچھا۔

”مجھے معلوم نہیں۔ میں نے مردوں کے کاروباری معاملات میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔ تم تو جانتے ہی ہو۔ بات کیا ہے؟ کوئی تشویش ناک بات ہے؟“

”نہیں، نہیں۔“ ایلن نے جلدی سے کہا۔ ”تمہیں معلوم ہے کہ ہنری اسپتال کی تعمیر کے بڑے ٹیکے کے حصول کی کوشش کر رہا ہے۔ میں تو صرف اس لیے پوچھ رہا تھا کہ ہنری نے حال ہی میں بینک سے پانچ لاکھ ڈالر کا قرضہ طلب کیا ہے۔“

این ششدر ہو گئی۔ وہ منہ سے کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

”میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں حیرت ہوئی ہے۔“ ایلن نے کہا۔ ”اسٹاک کے جائزے سے پتہ چلا ہے کہ تمہارے اثاثہ میں ہزار ڈالر ہے جب کہ تمہارے اکاؤنٹ پر سترہ ہزار ڈالر کا اور ڈرافٹ دیا جا چکا ہے۔“

این کھانا بھول گئی۔ اُسے انداز نہیں تھا کہ اُس کی مالی حالت اس قدر درگم ہو گئی ہے۔ ایلن اسے پریشان دیکھ کر خود بھی پریشان ہو گیا۔

”لیکن میں نے اس سلسلے میں بات کرنے کے لیے تمہیں لچ پر مدعو نہیں کیا ہے۔“ اُس نے تسلی دی۔ ”بینک تمہارے اکاؤنٹ پر عمر بھر اور ڈرافٹ دے سکتا ہے۔ ولیم کا ٹرسٹ سالانہ دس لاکھ

ڈالر کا منافع حاصل کر رہا ہے۔ اس لیے تمہارے اور ڈرافٹ کی کوئی اہمیت نہیں۔ بلکہ ان پانچ لاکھ ڈالر کی بھی اہمیت نہیں جو ہنری طلب کرتا ہے۔ بشرطیکہ ولیم کی سرپرست کی حیثیت سے تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہو۔“

”مجھے نہیں معلوم تھا کہ ولیم کے ٹرسٹ پر میرا بھی کچھ اختیار ہے۔“

”اصل پر رقم پرتو واقعی نہیں ہے۔ لیکن اس پر حاصل ہونے والے سود کی سرمایہ کاری کے سلسلے میں تم، میں اور ملی پریسٹن اختیار رکھتے ہیں۔ منافع کا روشن امکان ہو تو ہم سرمایہ کاری کر سکتے ہیں۔ اگر تم اجازت دو تو ولیم کے ٹرسٹ کا چیز میں ہونے کی حیثیت سے میں ہنری کے کاروبار میں پانچ لاکھ ڈالر کی سرمایہ کاری کی منظوری دے سکتا ہوں۔ ملی پہلے ہی مجھے مطلع کر چکی ہے کہ وہ اس سرمایہ کاری کے حق میں ہے۔ اگر تم اور ملی اس سرمایہ کاری کے حق میں ہو تو میری رائے کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔“

”ملی منظوری دے چکی ہے؟“ این کے لہجے میں حیرت تھی۔

”ہاں..... کیا اُس نے تمہیں مطلع نہیں کیا؟“

این چند لمحے خاموش رہی۔ ”تمہاری کیا رائے ہے؟“ بالآخر اُس نے پوچھا۔

”میں نے ابھی تک ہنری کی کمپنی کے حسابات چیک نہیں کیے ہیں۔ ویسے بھی اس کا اکاؤنٹ ہمارے بینک میں نہیں ہے۔ یعنی میں کمپنی کی مالی حالت سے لاعلم ہوں۔“

”تمہیں معلوم ہے کہ میں گزشتہ اٹھارہ ماہ میں ہنری کو اپنے اکاؤنٹ سے پانچ لاکھ ڈالر دے چکی ہوں۔“

”میں بڑے اور اہم اکاؤنٹس سے بے خبر نہیں رہتا۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ رقم تم نے ہنری کے لیے نکلوائی ہے۔ بہر حال، وہ تمہاری رقم تھی۔ میں تمہیں روک تو نہیں سکتا تھا۔“ این نے کہا۔ ”لیکن ٹرسٹ کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر تم ہنری کی کمپنی میں سرمایہ کاری کے حق میں ہو تو مجھے ہنری کی کمپنی کے حسابات چیک کرنا ہوں گے۔ رچرڈ نے ولیم کی طرف سے قرض دینے کا اختیار نہیں دیا ہے۔ صرف سرمایہ کاری کی جاسکتی ہے۔ میں ہنری کو یہ سب کچھ بتا چکا ہوں۔ اس کے علاوہ ولیم خود بھی اپنے ٹرسٹ میں دلچسپی لیتا ہے۔ اُسے ہر سرمایہ کاری کے بارے میں پتہ ہوتا ہے۔ لہذا اُسے اس کا علم بھی ہو جائے گا۔ یہ بھی بتادوں کہ اپنی سولہویں سالگرہ کے بعد سے ولیم خود بھی سرمایہ کاری کے سلسلے میں تجاویز پیش کرتا رہا ہے۔ پہلے تو میں نے اس کی تجاویز میں زیادہ دلچسپی نہیں لی تھی، لیکن پھر میں اُن کا احترام کرنے پر مجبور ہو گیا، تمہارا بیٹا زبردست کاروباری سوجھ بوجھ رکھتا ہے۔“

”لیکن اس سے پہلے ولیم کے ٹرسٹ کے سلسلے میں مجھ سے کبھی مشورہ نہیں لیا گیا؟“ این

نے کہا۔

”تمہیں ہر سہ ماہی کے اختتام پر مفصل رپورٹیں موصول ہوتی رہی ہوں گی۔ تمہیں حق حاصل ہے کہ تم کسی بھی سرمایہ کاری پر اعتراض کر دو۔“ این نے کہا اور جیب سے ایک کاغذ نکال لیا۔ ”بینک میں ولیم کے دو کروڑ دس لاکھ ڈالر اس کی 21 ویں سالگرہ تک کے لیے جمع ہیں۔ اس رقم سے ساڑھے چار فیصد سالانہ کے حساب سے ہر تین ماہ بعد سود ملتا ہے۔ اس سود سے ہم سرمایہ کاری کرتے ہیں..... حصص خریدتے ہیں۔ ماضی میں، ہم نے کبھی کسی پرائیویٹ کمپنی میں سرمایہ کاری نہیں کی۔ تم یہ سن کر حیران ہو گی کہ اب ہم پچاس فیصد سرمایہ کاری ولیم کے مشوروں کے مطابق کرتے ہیں۔ اس سال تو ولیم نے ہمارے ڈائریکٹر برائے سرمایہ کاری، سائنس سے رولس رائس کار کی شرط لگائی ہے کہ اُس کی مجوزہ سرمایہ کاری زیادہ منافع بخش ثابت ہوگی۔“

”اور اگر وہ شرط پار گیا تو دس ہزار ڈالر کی رولس رائس کیسے دے گا۔ اکیس سال کا ہونے تک اسے ٹرسٹ سے تو کچھ بھی نہیں ملے گا۔“ این پریشان ہو گئی۔

”یہ تو مجھے نہیں معلوم..... لیکن اتنا جانتا ہوں کہ اس کے پاس رقم ہوگی، تبھی اُس نے شرط لگائی ہوگی، تم نے حال ہی میں اُس کا وہ مشہور زمانہ لہجہ بھی دیکھا ہے؟“

”نہیں..... مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ سلسلہ اب بھی چل رہا ہے۔“

”چل رہا ہے..... اور چلتا رہے گا۔ تمہیں معلوم ہے، اُس کا ذاتی اکاؤنٹ نیو یارک کے لیسٹرز بینک میں ہے۔..... اور وہ لوگ دس ہزار ڈالر سے کم رقم کا کھاتہ قبول ہی نہیں کرتے۔“

این سوچ میں پڑ گئی۔ ”تمہیں پتہ ہے، بارہویں سالگرہ کے بعد سے، اُس نے مجھ سے، کبھی ایک پتی تک نہیں لی اور یہ بھی بتادوں کہ وہ ہنری کی کمپنی میں پانچ لاکھ ڈالر کی سرمایہ کاری ہرگز نہیں کرے گا۔“

”ان دونوں کی آپس میں نہیں بنتی؟“ این نے پوچھا۔

”ذرا بھی نہیں بنتی۔“

”مجھے انہوں ہوا یہ سن کر..... اگر ولیم اُس کی مخالفت پر اتر آیا تو چھبیدیاں پیدا ہوں گی۔ مجھے علم ہے کہ ولیم ٹرسٹ کے سلسلے میں اپنی قانونی پوزیشن معلوم کرنے کے لیے ایک وکیل سے رابطہ قائم کر چکا ہے حالانکہ وہ، یہ بات ہم سے بھی معلوم کر سکتا تھا۔“

”میرے خدا..... ابھی سے یہ حال ہے۔“ الفاظ کے برعکس این کا لہجہ فخریہ تھا۔ ”میں سوچتی ہوں، تیس سال کی عمر میں اُس کا کیا حال ہوگا۔“

”دیکھو..... اگر وہ کسی حسین لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو گیا تو وہ رچرڈ کی طرح خاصا تبدیل ہو

جائے گا تمہیں معلوم ہے، رچرڈ کی سب سے بڑی قوت تم تھیں۔“

”تم مجھے بتا رہے ہو ایلن۔“ ایلن نے محبوب لہجے میں کہا۔ ”ہاں، تو اس معاملے کو فی الحال بالکل نہیں جاسکتا۔ میرا خیال ہے، پہلے میں ہنری سے بات کر لوں۔“

”بالکل ٹالا جاسکتا ہے۔“ ایلن نے ویٹر کو میز صاف کرنے اور کافی لانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اور ہاں ایلن..... اپنا خاص خیال رکھو۔ تم بہت قیمتی ہو۔“



ایلن گھروٹ آئی۔ اب وہ باقی دونوں خطوط کے بارے میں سوچ کر فکر مند ہو رہی تھی۔ بہر حال، اُس نے فیصلہ کر لیا کہ ولیم کو تعطیلات، ماتیو کے ساتھ گزارنے کی اجازت دینے ہی میں بہتری ہے۔ اس فیصلے کے بعد مسئلہ صرف ہنری اور ملی کے تعلقات کا رہ گیا۔ وہ آنجنائی رچرڈ کی پسندیدہ کرسی میں بیٹھی باہر دیکھتی رہی۔ وہ سوچتی رہی۔ فیصلہ کرنا اس کے لیے کبھی آسان کام نہیں رہا تھا..... لیکن وہ ایک بار فیصلہ کرتی تو اس پر سختی سے کاربند رہتی تھی۔

ہنری اس شام خلاف معمول جلدی گھر آ گیا۔ ایلن سوچنے لگی کہ اس کی بھی کوئی وجہ ہوگی..... اور پھر جلد ہی وجہ اُس کے سامنے آ گئی۔

”میں نے سنا ہے کہ آج تم نے ایلن لائڈ کے ساتھ لُچ کیا ہے۔“ ہنری نے چھوٹے ہی پوچھا۔

”کس سے سنا؟“

”ہر طرف میرے جاسوس موجود ہیں۔“ ہنری نے ہنستے ہوئے کہا۔

”ہاں..... ایلن نے مجھ مدعو کیا تھا۔ وہ ولیم کے ٹرسٹ سے تمہاری کمپنی میں پانچ لاکھ

ڈالر کی سرمایہ کاری کے سلسلے میں میری رائے جاننا چاہتا تھا۔“

”پھر تم نے کیا جواب دیا؟“ کوشش کے باوجود ہنری اپنی بے چینی چھپانہ پایا۔

”میں نے اس سے کہا کہ پہلے تم سے بات کروں گی۔ ہنری..... تم نے باضابطہ درخواست دینے سے پہلے مجھے کیوں نہیں بتایا۔ یوں کم از کم ایلن میری حیرت سے لطف انداز تو نہ ہوتا۔“ ایلن کے لہجے میں خشکی تھی۔

”تم میرے کاروباری معاملات میں کبھی دلچسپی ہی نہیں لیتیں۔ اور پھر مجھے یہ بات بھی درخواست دینے کے بعد معلوم ہوئی کہ تم، ایلن لائڈ اور ملی پر یسٹن ٹرسٹی ہو۔“

”یہ بات تمہیں کیسے معلوم ہوئی جب کہ میں خود اس بات سے بے خبر تھی؟“

”مجھے ملی نے یہ بات بتائی تھی۔ ملی میرے حلق میں دوٹ دینے کے لیے تیار ہے۔ اگر تم

بھی ہامی بھرتو تو کام ہو جائے گا۔“

اس دہشت لٹی کا تذکرہ بھی ایلن کو برا لگا۔ تاہم اُس نے اپنے تاثرات چھپا لیے۔ ”میرا خیال ہے، ہمیں ولیم کے ٹرسٹ سے لاتعلقی رہنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے آج تک ٹرسٹ میں دلچسپی نہیں لی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ سرمایہ کاری کے معاملات میں حصہ لوں۔ یہ بینک ہی کا درد سر رہے تو اچھا ہے۔“

”لیکن اس میں ولیم کا فائدہ ہے۔ مجھے اسپتال کا ٹھیکہ ملنے والا ہے۔ بہت بڑا ٹھیکہ ہے۔“ ایلن نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہوگا؟

”ایلن نے کوئی خیال ظاہر نہیں کیا۔ تاہم اُس نے کہا تھا کہ اس ٹھیکے میں معقول منافع کا امکان ہے۔“

”اور یہ بات درست ہے۔“

”لیکن وہ پہلے تمہاری کمپنی کے حسابات چیک کرنا چاہتا ہے۔ وہ یہ بھی پوچھ رہا تھا کہ میں نے اپنے پانچ لاکھ ڈالر کہاں خرچ کیے۔“

”میرے نہیں ڈیر، ہمارے..... اور جب اُن کا پھل سامنے آئے گا تو تم حیران رہ جاؤ گی۔ بہر حال، میں کل صبح اپنے حسابات ایلن کو بھجوا دوں گا۔ یقین کرو..... وہ میرے کاروبار سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔“

”کاش ایسا ہی ہو۔ اسی میں ہم دونوں کی بہتری ہے۔ بہر حال، ایلن کی رائے بہت اہم ہے۔ تم جانتے ہو، میں اس پر کتنا انحصار کرتی ہوں۔“

”ہاں..... لیکن مجھ پر نہیں کرتیں۔“

”نہیں ہنری..... میرا یہ مطلب نہیں.....“

”ارے..... میں تو مذاق کر رہا تھا۔ ویسے میرا خیال ہے، سب سے زیادہ قابل انحصار ہستی خاندانی کی ہوتی ہے۔“

ایلن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ”میں کرتی ہوں۔ اپنی ذاتی رقم کے معاملے میں مجھے کوئی پروا نہیں تھی۔ یہ معاملہ ٹرسٹ کا ہے..... اور ان دنوں میری طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔“

ہنری کا انداز یک لخت تبدیل ہو گیا۔ ”میں جانتا ہوں ڈیر۔ اسی لیے تمہیں اپنے کاروباری مسائل سے دور رکھتا ہوں۔ دیکھو تم جلدی سو جاؤ، میں کھانا باہر کھالوں گا۔ ابھی مجھے دفتر جانا ہے تاکہ حسابات کی فائلیں مکمل کر کے رکھ دوں۔ کل فائلیں ایلن کا بھجوانا ہیں۔“

ایلن سعادت مندی سے خواب گاہ میں چلی گئی۔ لیکن جھکن کے باوجود اُس نے سونے کی

کوشش نہیں کی۔ وہ ایک ناول لے کر بیٹھ گئی۔ اُسے معلوم تھا کہ ہنری کو اپنے آفس پہنچنے میں پندرہ منٹ لگتے ہیں۔ ہنری کے جانے کے بیس منٹ بعد اُس نے اُس کے دفتر کا نمبر ڈائل کیا۔ گھنٹی بج رہی لیکن کسی نے ریسپونڈ نہ اٹھایا۔ بیس منٹ بعد این نے دوبارہ رنگ کیا۔ پھر وہ بیس بیس منٹ کے وقفے سے مسلسل رنگ کرتی رہی، لیکن ہنری دفتر پہنچا ہی نہیں تھا۔

ہنری آدھی رات کے بعد گھر لوٹا تو این کو جاگتا پا کر بے حد خفا ہوا۔ وہ اُس وقت بھی ناول پڑھ رہی تھی۔

”تمہیں میرے انتظار میں اتنی دیر نہیں جاگنا چاہیے تھا۔“ ہنری نے محبت آمیز لہجے میں کہا۔ ”مجھے توقع سے زیادہ دیر تک رُکنا پڑ گیا۔ بہر حال میں نے فائلیں مکمل کر لی ہیں۔“

”آفس میں اتنی رات تک تنہا بیٹھے ہوئے تو بڑی بوریت ہوتی ہوگی؟“ این نے پوچھا۔ ”ارے نہیں، کام میں پتہ ہی نہیں چلتا۔“ ہنری نے بستر پر بیٹھے ہوئے کہا۔ ”ویسے ٹیلی فون کی گھنٹی مسلسل ڈسٹرب نہ کرے تو کام خوب ہوتا ہے اور رات کے وقت فون بھی سو جاتا ہے۔“ اگلے ہی لمحے ہنری سوچکا تھا۔ این بے چینی سے پہلو بدلتی رہی۔ ہنری جھوٹ بول رہا تھا۔ اب کل صبح اُسے اپنے دوسرے فیصلے پر عمل کرنا تھا۔



ہنری کے دفتر جاتے ہی این اخبار لے کر بیٹھ گئی۔ ویسے اب اُسے اس بات پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہنری دفتر جاتا ہے۔ اخبار میں وہ چھوٹے اشتہارات کا کالم دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے فون اٹھایا اور جنوبی بوسٹن میں کسی سے ملاقات کا وقت طے کیا۔ بارہ بجنے میں کچھ منٹ باقی تھے کہ وہ جنوبی بوسٹن پہنچی۔ وہ وہاں پہلی بار آئی تھی۔ وہاں وہ بوسیدہ عمارتوں کو دیکھ کر متحیر ہوتی رہی۔ اگر یہ ضرورت نہ پڑتی تو شاید اُسے مرتے دم تک پتہ نہ چلتا کہ بوسٹن کا ایک حصہ اتنا پس ماندہ بھی ہے۔ گندے چوڑی زینے چڑھ کر وہ ایک دروازے تک پہنچی، جس پر گلین رکارڈو۔ پرائیویٹ سراغ رساں، کی تختی لگی ہوئی تھی۔ این نے دروازے پر دستک دی۔

”آجائیے۔ دروازہ کھلا ہوا ہے۔“ اندر سے کسی نے پکارا۔

این اندر داخل ہوئی۔ ایک شخص ڈیسک کے عقب میں بیٹھا سگار پی رہا تھا۔ این کو دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور سگار منہ سے گر گیا۔ اُس نے جلدی سے سگار اٹھا کر خود کو سنبالنے کی کوشش کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ قیمتی فر کے کوٹ میں لمبوس کوئی خاتون اُس کے دفتر میں داخل ہوئی تھی۔ ”صبح بخیر۔“ اُس نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”میں گلین رکارڈو ہوں۔ تشریف رکھیے۔ آپ شاید مسز ہنری ہیں؟“

”جی ہاں۔“

”فرمائیے، مسئلہ کیا ہے؟“ رکارڈو نے بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ پھر اُس نے نوٹ بک اور پنسل سنبالی۔

”آپ کا کتا..... قیمتی زیورات..... یا شوہر..... کیا چیز کم ہوئی ہے؟“

”مسٹر رکارڈو پہلے میں مکمل رازداری کی یقین دہانی چاہوں گی۔“

”جی..... یہ تو کہنے کی بات ہی نہیں۔ ہمارا بنیادی کام رازداری برتنا ہی ہے۔“

این چند لمحے سوچتی رہی، پھر بولی۔ ”مجھے گناہم خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ ان میں الزام لگایا جاتا ہے کہ میرے شوہر کے، میری ایک قریبی سہیلی کیساتھ ناجائز تعلقات ہیں۔ میں جانا چاہتی ہوں کہ وہ خط بھیجے والا کون ہے۔ میں یہ بھی جانا چاہتی ہوں کہ میرے شوہر پر یہ الزام درست ہیں یا غلط۔“ یہ کہنے کے بعد این کو احساس ہوا کہ اُس کے سینے پر سے کوئی بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا ہے۔

”ٹھیک ہے۔ شوہر کے متعلق معلوم کرنا تو کوئی بڑی بات نہیں۔“ رکارڈو نے کہا۔ ”البتہ خط بھیجنے والے کے متعلق معلوم کرنا آسان نہیں۔ آپ نے وہ خط تو محفوظ رکھے ہیں نا؟“

”صرف آخری خط میرے پاس۔“

رکارڈو نے ایک سر آہ بھری اور این کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا۔ این نے ہچکچاتے ہوئے بیگ سے خط نکالا اور اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیا۔

”آپ بے فکر رہیں مادام۔“ رکارڈو نے اس کی ہچکچاہٹ بھانپتے ہوئے کہا۔ ”اس کے بغیر میں ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔“

رکارڈو نے تین چار بار خط پڑھا، پھر بولا۔ ”کیا ہمیشہ خط ایسے ہی ٹائپ میں..... اور ایسے ہی لفاظی میں آتے ہیں؟“

”ہاں..... میرا یہی خیال ہے۔“

”اگلا خط آئے تو ذرا غور سے جائزہ.....“

”کیا ضروری ہے کہ آئندہ بھی خط آئے؟“ این نے پوچھا۔

”جی ہاں، یقیناً آئے گا۔ اسے محفوظ رکھیے گا۔“ رکارڈو نے پراعتماد لہجے میں کہا۔ ”اب مجھے اپنے شوہر کے متعلق تفصیل سے بتائیے۔ اُن کی کوئی تصویر ہے آپ کے پاس؟“

این نے بیگ کھول کر ہنری کی ایک پرانی تصویر نکالی اور رکارڈو کی طرف بڑھا دی۔

”یہ تصویر کب کی ہے؟“

”پانچ سال پرانی ہے۔ اس وقت میرے شوہر فوج میں تھے۔“

اس کے بعد رکارڈو ہنری کے روزمرہ معمولات کے متعلق سوال کرتا رہا۔ دیگر سوالات کا جواب دیتے ہوئے این کو پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ وہ اپنے شوہر کی عادات اور اُس کے ماضی کے متعلق زیادہ نہیں جانتی۔

”مادام، یہ معلومات ناکافی ہیں۔ تاہم میں سر توڑ کوشش کروں گا۔ میری فیس دس ڈالر یومیہ ہوگی۔ دیگر اخراجات علیحدہ۔ ایک ہفتے کے بعد میں تحریری رپورٹ پیش کروں گا۔ آپ کو دو ہفتے کی فیس پیشگی ادا کرنا ہوگی۔ پلیز۔“ رکارڈو نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

این نے بیک سے سوڈا والے دو نوٹ نکالے اور رکارڈو کی طرف بڑھا دیے۔ رکارڈو نے ساٹھ ڈالر واپس دے دیے۔

”مسٹر رکارڈو، آپ کو اتوار کے دن بھی کام کرنا ہوگا۔“

این نے دل ہی دل میں حساب لگاتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں مادام..... رپورٹ کے لیے آئندہ ہفتے بھی وقت مناسب رہے گا؟“

این نے اثبات میں سر ہلایا اور کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔



”تم احمق ہو۔“ مردانہ آواز میں شدید غصے کا تاثر تھا۔ ”معلوم ہے، اگر تم پکڑی جاتیں تو کیا حشر ہوتا۔ تمہیں بھی کمپ میں بھیج دیا جاتا۔“

”لیکن پیٹر..... تم اسے دیکھتے۔ وہ بے حد خوفزدہ تھا۔“ عورت کی جانی پہچانی آواز سنائی دی۔

”چنانچہ تم نے اپنا اور میرا بیڑہ غرق کرنے کی ٹھان لی۔ اُسے کسی نے دیکھا تو نہیں؟“

”نہیں۔“ عورت نے جواب دیا۔

”خدا کا شکر ہے۔ اب اس سے پہلے کہ کوئی دیکھے، اسے پہلی فرصت میں یہاں سے رخصت کر دو۔ اپنی بچت کی یہی صورت ہے۔“

”لیکن پیٹر، وہ بے چارہ جائے گا کہاں؟ اُس کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے اور پھر مجھے ہمیشہ سے بیٹے کی آرزو رہی ہے۔“

”مجھے اس سے غرض نہیں۔ بس، ہمیں اُس سے بچھا چمڑانا ہے۔“

”لیکن پیٹر، وہ شاعری خاندان کا آدمی ہے۔ اس کا باپ بیرن تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک طلائی ننگن“

”تم نے تو ڈوبی دیا۔ جاتی ہو، ہمارے لیڈر شاعری خاندان کے کتنے خلاف ہیں۔ اب تو پیپر پڑھیں نہیں ٹوٹے گی۔ انہیں پہنچا دیا تو ہمیں گولی سے آزاد رہیں گے۔“

”پیٹر..... ہمیں ہمیشہ سے بیٹے کی آرزو رہی ہے۔ کیا ہم اس آرزو کے لیے ایک بار خطرہ مول نہیں لے سکتے؟“

”تم لے سکتی ہو، میں نہیں۔ اسے فوراً یہاں سے جانا ہوگا۔“

”لاڈیک سے اور کچھ نہ سنا گیا۔ مہربان عورت نے اُس کے ساتھ بھلائی کی تھی۔ اس کا وہ کم از کم یہ صلہ تو دے سکتا تھا کہ خاموشی سے، جدھر سینگ سائیں، نکل کھڑا ہو۔ وہ کمرے میں واپس آیا۔ اُس نے جلدی جلدی کپڑے پہنے، آرام دہ بستر کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ ابھی وہ کھڑکی کی چٹنی گرا بھی نہیں پایا تھا کہ کمرے کا دروازہ دھماکے سے کھلا اور انٹین ماسٹر کمرے میں داخل ہوا، وہ منہنی تھا اور اس کا قد لاڈیک کے برابر ہی تھا۔ ایک سفید جھالر کے سوا اُس کا سر بالوں سے یکسر محروم تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ہیرا فین لیپ تھا۔ وہ کھڑا لاڈیک کو دیکھے جا رہا تھا جواب میں لاڈیک نے بھی اسے گھورتا شروع کر دیا۔

”نیچے چلو۔“ انٹین ماسٹر نے حکمانہ لہجے میں کہا۔

لاڈیک ہچکچایا لیکن پھر اُس کے پیچھے چل پڑا۔ وہ دونوں کچن میں پہنچے تو مہربان خاتون میز سے سر نکالے رو رہی تھی۔

”اب غور سے میری بات سنو لڑکے.....“

”اس کا نام لاڈیک ہے۔“ عورت نے اپنے شوہر کی بات کاٹ دی۔

”سنو لڑکے..... تم ہمارے لیے وبال ہو۔“ مرد نے عورت کی سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ ”میں چاہتا ہوں کہ جلد از جلد تم سے نجات حاصل کر لوں۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اس سلسلے میں، میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔“

”مدد؟“ لاڈیک نے بڑی حیرت سے اُسے دیکھا۔

”ہاں، میں تمہیں ٹرین کا ٹکٹ دوں گا۔ تم کہاں جانا چاہتے ہو؟“

”میں اوڈیا جاؤں گا۔“ لاڈیک نے بلا جھجک کہا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ اوڈیا کہاں ہے۔ اسے تو صرف کمپ کے ڈاکٹر کا نقشہ یاد تھا..... اور اوڈیا کی اہمیت یاد تھی۔

”اوڈیا..... جہاں جرم کی پرورش ہوتی ہے۔ بے شک، وہ تمہارے لیے موزوں ترین مقام ہے۔“ انٹین ماسٹر نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ”وہاں تم جیسے بہت سے ہوں گے۔ وہاں تمہاری خوب گزرے گی۔“

”چیز، اسے یہیں رکھ لو نا۔ میں اس کا خیال رکھوں گی۔ یہ ہمارا بیٹا ہے۔“

”ہرگز نہیں۔“

”لیکن یہ پکڑا جائے گا۔“ عورت نے احتجاج کیا۔

”میں اسے اوڈیا کے لیے درکنگ پاس بھی دوں گا۔“ یہ کہہ کر اسٹیشن ماسٹر لاڈلیک کی طرف مڑا۔ ”اور ایک بارٹرین میں بیٹھنے کے بعد مجھے ماسکو میں تمہاری صورت نظر آئی تو میں تمہیں جیل میں سڑا دوں گا۔“

وہاں سے تم کیمپ واپس بھیج دیے جاؤ گے۔“ اسٹیشن ماسٹر نے کلاک پر نظر ڈالی۔ گیارہ بج کر پانچ منٹ ہوئے تھے۔ وہ اپنی بیوی کی طرف مڑا۔ ”ایک ٹرین رات بارہ بجے اوڈیا کے لیے روانہ ہو۔ نے والی ہے۔ میں اسے خود اسٹیشن چھوڑ کر آؤں گا تاکہ اس کا ماسکو سے ٹکنا یقینی ہو جائے۔ لڑکے۔۔۔۔۔ سامان نامی ہے تمہارے پاس؟“

لاڈلیک نفی میں جواب دینے والا تھا کہ خاتون نے بہت تیزی سے کہا۔ ”ہاں۔۔۔۔۔ میں ابھی اس کا سامان تیار کرتی ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ اوپر چلی گئی۔

لاڈلیک اور اسٹیشن ماسٹر ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔ خاتون خاصی دیر میں واپس آئی۔ اس کے ہاتھ میں براؤن کاغذ کا ایک بڑا سا پارسل تھا۔ جو ربن سے بندھا ہوا تھا۔ لاڈلیک نے حیرت سے اسے دیکھا۔۔۔۔۔ پھر وہ احتجاج کرنے ہی والا تھا کہ اس کی نظریں مہربان خاتون سے ملیں۔ خاتون کی نگاہوں میں خوف تھا البتہ۔ ”شکریہ۔“ لاڈلیک اس کے سوا کچھ نہ کہہ سکا۔

”یہ پی لو۔“ خاتون نے سوپ کا بڑا سا پیالہ لاڈلیک کی طرف بڑھایا۔

لاڈلیک نے بھوک نہ ہونے کے باوجود نہایت سعادت مندی سے خاتون کی بات مان لی۔ اُس نے جلدی سے پیالہ خالی کر دیا۔ وہ خاتون کے لیے مزید کوئی دشواری کھڑی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ”جانور کہیں کا۔“ اسٹیشن ماسٹر نے اُس کی بے صبری پر نفرت آمیز لہجے میں تبصرہ کیا۔

لاڈلیک نے بڑی نفرت سے اُس شخص کو دیکھا۔ اُسے عورت پر ترس آ رہا تھا۔ اتنی مہربان عورت، اتنے سفاک شوہر کے ساتھ کیسے گزر سکتی ہوگی۔

”چلو لڑکے۔۔۔۔۔ جلدی کرو۔ میں نہیں چاہتا کہ ٹرین تمہارا بوجھ اٹھائے بغیر چلے جائے۔“ اسٹیشن ماسٹر نے کہا۔

لاڈلیک، اُس کے پیچھے کچن سے نکال آیا۔ عورت کے نزدیک سے گزرتے ہوئے اُس نے چٹکیاٹھ کے باوجود نرمی سے اُس کا ہاتھ چھوا۔ خاتون کا رد عمل بھی صرف محسوس کرنے کی چیز تھا۔ اُن کے درمیان ایک لفظ کا تبادلہ بھی نہیں ہوا۔ الفاظ اُن کے جذبات کے اظہار کا حق ادا کر بھی نہیں

سکتے تھے۔

اسٹیشن پہنچ کر اسٹیشن ماسٹر نے اوڈیا کا ٹیکٹر ٹھٹھٹ لاڈلیک کے سوائے کر دیا۔

”اور پاس؟“ لاڈلیک کے لہجے میں سرکشی تھی۔

اسٹیشن ماسٹر نے جیب سے ایک فارم نکالا اور جلدی سے اُس پر دستخط کر کے اُسے لاڈلیک کی طرف بڑھا دیا۔ وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ لاڈلیک نے گزشتہ چار برس میں آنکھوں کا یہ تاثر ہزاروں بار دیکھا تھا۔ وہ ایک بزدل کی آنکھیں تھیں۔۔۔۔۔ خوفزدہ آنکھیں!

لاڈلیک کا گزشتہ چار برس میں اس آواز اور اس لہجے میں بھی ان گنت بار واسطہ پڑا تھا۔ اس نے نظریں اٹھائیں اور چاہا کہ کچھ کہے۔۔۔۔۔ لیکن اسٹیشن ماسٹر جا چکا تھا۔ لاڈلیک نے قریب سے گزرتے ہوئے لوگوں کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہی آنکھیں۔۔۔۔۔ وہی خوف! دُنیا میں کوئی اس زنجیر سے آزاد بھی ہے؟“ اُس نے سوچا۔ پھر وہ اُس تنگ داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا، جس کے اطراف میں جنگل تھے۔۔۔۔۔ اور جس سے گزر کر وہ ماسکو میں داخل ہوا تھا۔ اس بار وہ پر اعتماد تھا۔ اُس نے گاڑ کو اپنا پاس دکھایا اور اسٹیشن کی حدود میں داخل ہو گیا۔ چند لمبے بعد وہ ٹرین میں سوار ہو چکا تھا۔ ماسکو میں اس کا قیام بے حد مختصر تھا۔۔۔۔۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ اس شہر کو کبھی نہیں بھلا سکے گا۔ اُسے خاتون کی محبت اور شفقت ہمیشہ یاد رہے گی۔۔۔۔۔ وہ خاتون جس کا اُسے نام بھی معلوم نہیں تھا۔ وہ مہربان لیکن بے نام خاتون اُس کے ذہن میں، اُس کے دل میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔



لاڈلیک جنرل کلاس میں سفر کر رہا تھا۔ اوڈیا، ماسکو سے ساڑھے آٹھ سو میل کے فاصلے پر تھا۔ لاڈلیک نے ڈاکٹر کے دیے ہوئے نقشے کو جیب میں رکھا اور جوار یوں کی طرف متوجہ ہو گیا، جو سکے اچھالنے والا کھیل کھیلنے میں مصروف تھے۔ لاڈلیک کھیل کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جلد ہی اُس نے دیکھ لیا کہ ایک آدمی مسلسل کھیل رہا تھا۔ لاڈلیک اُسے بغور دیکھتا رہا۔ پھر اُسے پتہ چل گیا کہ وہ شخص بے ایمانی کر رہا ہے۔

لاڈلیک نے اپنا رخ بدلا۔ اب وہ اُس شخص کے سامنے تھا لیکن اب وہ اُس شخص کی بے ایمانی پکڑنے سے قاصر تھا۔ وہ آگے بڑھا۔۔۔۔۔ اور اُس نے جوار یوں کے گھیرے میں اپنے لیے جگہ بنائی اور کھیلنے بیٹھ گیا۔ وہ شرط کے معاملے میں بے ایمان جوار ی کی تھلید کرتا رہا۔۔۔۔۔ اور جیتتا رہا۔ بے ایمان جوار ی نے بھی یہ بات بھانپ لی۔ لیکن اس نے نظریں اٹھا کر لاڈلیک کو نہیں دیکھا۔ اگلے اسٹیشن تک پہنچتے پہنچتے لاڈلیک چودہ روپے جیت چکا تھا۔ اگلے اسٹیشن پر اس نے ایک سیب اور ایک پیالی سوپ پر دو روپے خرچ کر دیئے۔ وہ خوش تھا کہ اسے دوران سفر رقم ہٹانے کا نسخہ مل گیا ہے۔ وہ دل

ہی دل میں خوش ہوتا ٹرین پر سوار ہونے لگا۔ پیٹ بھی بھر چکا تھا، لیکن وہ آخری سیزمی پر پہنچا تھا کہ اس نے ایک جھٹکے سے اُسے ایک کونے میں اچھال دیا۔ ابھی وہ سنبھل بھی نہیں پایا تھا کہ کسی نے اس کا ہاتھ کھینچ کر مرزا اور اُس کے چہرے کو ڈبے کی چوٹی دیوار کے ساتھ رگڑ ڈالا۔ اس کی ناک سے خون جاری ہو گیا۔ ساتھ ہی اُسے یہ احساس بھی ہوا کہ اُس کے کان کے اوپر چاقو کی نوک رکھی ہوئی ہے۔

”میری آواز سن رہے ہو لڑکے؟“ کسی نے درشت لہجے میں پوچھا۔

”جی..... جی..... جی ہاں۔“

”اب اگر تم میرے ڈبے میں آئے تو میں تمہارا کانٹا نکال دوں گا۔ سمجھو؟“

”جی..... سمجھ گیا۔“

چاقو کی نوک اُس کے کان میں چھپی..... اور اگلے ہی لمحے اُسے احساس ہوا کہ اُس کی گردن پر خون بہہ رہا ہے۔

”یہ تمہیں یقین دلانے کے لیے ہے کہ میں محض دھمکی نہیں دے رہا ہوں۔“ اس کے ساتھ حملہ آور کا گھٹنا تیزی سے حرکت میں آیا اور پوری قوت سے لاڈیک کے پہلو سے ٹکرایا۔ لاڈیک ڈھیر ہو گیا۔ پھر حملہ آور نے اُس کی جیب سے تمام رقم نکال لی۔ ”میرا خیال ہے، یہ میری رقم ہے۔“ حملہ آور نے کہا۔

لاڈیک کی ناک اور کان کی لو سے خون بہہ رہا تھا۔ چند لمحے بعد اُس نے ہمت کر کے آنکھیں کھولیں۔ کاریڈور خالی تھا۔ جواری جا چکا تھا۔ لاڈیک نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اُس سے اٹا نہ گیا۔ کچھ دیر تک وہ اسی حال میں پڑا رہا۔ پھر بڑی مشکل سے وہ اٹھا اور ٹرین کے افتادہ حصے کی طرف چل دیا۔ وہ جواری سے دور ہی رہنا چاہتا تھا۔ وہ ایک ایسے ڈبے میں جا گھسا، جہاں زیادہ عورتیں اور بچے تھے۔ وہ وہاں فرش پر لیٹ کر بے سدھ ہو گیا۔ چند لمحے بعد وہ سوچا تھا۔

اگلے اسٹیشن پر لاڈیک ٹرین سے نہ اترا۔ اُس نے خاتون کا دیا ہوا براؤن پارسل کھولا۔ اس میں سیب تھے، روٹی تھی، اخروٹ تھے۔ اس کے علاوہ دو قبیلے، ایک پتلون اور جوتوں کی ایک جوڑی تھی۔ لاڈیک کو مہربان خاتون پر پیار آ گیا۔ اولاد سے محروم وہ عورت متا کے جذبے سے کما قدر سرشار تھی..... اور اسے کیا شوہر ملا تھا!

لاڈیک نے پیٹ بھرا اور دوبارہ سو گیا۔

پانچ دن اور چھ رات کے سفر کے بعد ٹرین اوڈیسا کے اسٹیشن پر پہنچ گئی۔ ایک بار پھر اُسے چیکنگ کے مرزے سے گزرنا پڑا، لیکن گاڑی نے اُس پر دوسری نظر بھی نہ ڈالی۔ اس بار ضروری کاغذات موجود تھے لیکن وہ تنہا تھا۔ اُس کے کوٹ میں ڈیڑھ سو روپے موجود تھے۔ اور وہ انہیں محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔

وہ دن بھر قہبے میں مارا مارا پھرتا رہا تاکہ جگہ سے کچھ آشنائی ہو جائے۔ چلتے چلتے وہ بندرگاہ تک پہنچ گیا۔ دیر تک وہ کنگر میں سمندر کو حیرت سے دیکھتا رہا۔ اُس نے حیرت کی زبانی سمندر کا تذکرہ سنا تھا لیکن سمندر کبھی دیکھا نہیں تھا۔ وہ محبت آمیز لگا ہوں سے سمندر کو نکلتا رہا۔ وہ سمندر ہی اُس کی آزادی کا راستہ تھا..... وہی اُسے روس کی حدود سے نکالنے والا تھا۔

سورج غروب ہوتے ہی اُسے شب بسر کرنے کا فیصلہ ہو گیا۔ وہ ایک ذیلی سڑک پر چل دیا۔ کوٹ اُس نے کندھے پر ڈالا ہوا تھا اور براؤن پارسل اُس کی بغل میں دبا ہوا تھا۔ چلتے چلتے وہ ایک رنگ آلود ریلوے لائن کے پاس پہنچا، جس پر ایک بوگی کھڑی تھی، اُس نے بوگی کے اندر جھانکا۔ اندر اندر ہیرا تھا..... اور خاموشی تھی۔ اُس نے اپنا پارسل ڈبے میں اچھالا اور پڑھ کر، ایک کونے میں، سونے کے ارادے سے جا لیٹا۔ ابھی اس کا سر ڈبے کے چوٹی فرش سے ٹکا بھی نہیں تھا کہ کوئی اچھل کر اُس کے سینے پر سوار ہو گیا۔ دو ہاتھ اُس کے گلے پر جم گئے۔ اُس کے لیے سانس لینا بھی دشوار ہو گیا۔

”کون ہو تم؟“ حملہ آور نے اُس سے پوچھا۔ ڈبے کی نیم تاریکی میں لاڈیک نے دیکھا کہ وہ ایک لڑکا ہے۔ وہ اُس کا ہم عمر ہی رہا ہوگا۔

”میں لاڈیک ہوں۔“

”کہاں سے آئے ہو؟“

”ماسکو سے۔“ لاڈیک کے منہ سے سلونم کا نام نکلتے نکلتے رہ گیا۔

”ماسکو والے..... تم یہاں، میرے ڈبے میں نہیں سو سکتے۔“

”سوری..... مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہاں تم رہتے ہو۔“ لاڈیک نے کہا۔

”کچھ رقم ہے تمہارے پاس؟“ لاڈیک کے حلق پر لڑکے کے ہاتھ کا دباؤ اور بڑھ گیا۔

”تھوڑی سی ہے۔“

”کتنی؟“

”سات روپے۔“

”مجھے دے دو۔“

لاڈیک نے اور کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ ساتھ ہی لڑکے نے بھی ایک ہاتھ اُس کے اور کوٹ کی جیب میں ڈال دیا۔ لاڈیک کے حلق پر دباؤ کم ہو گیا تھا۔ لاڈیک بجلی کی سی تیزی سے اپنے گھٹنے کو حرکت میں لایا۔ اُس کا گھٹنا لڑکے کے پیٹ پر پڑا۔ لڑکا ڈکراتا ہوا دوسری طرف جا پڑا۔ لاڈیک اچھل کر اس پر حملہ آور ہوا۔ اس نے لڑکے کے جسم پر ایسی ایسی جگہ ضربیں لگائیں، جو

مفتی سے ایک تاریکی اُڑائی..... پھر اشال والے سے کچھ کہا..... اور آہستہ آہستہ بھاگنے لگا۔ پھر اُس نے پلٹ کر لاڈلیک کی طرف دیکھا، جو بھول گیا تھا کہ اسے شور چنانا ہے لیکن شور چانے کی نوبت ہی نہ آئی۔ اشال والے نے خود ہی معاملہ بھانپ لیا اور لڑکے کے پیچھے دوڑنے لگا۔ وہاں ہر شخص کی توجہ لوہے کی طرف تھی۔ چنانچہ لاڈلیک تیزی سے آگے بڑھا..... اور اس نے تین تاریکیاں، ایک سیب اور ایک آلو اٹھا کر اپنے اوپر کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ گھبراہٹ میں وہ یہی کچھ اٹھا سکا۔ دوسری طرف اُس کے ساتھی نے پلٹ کر تاریکی اشال والے کی طرف اچھال دی۔ اشال والے نے تاریکی کو کچھ کیا اور لڑکے کو برا بھلا کہتا۔ اشال کی طرف پلٹ گیا۔

خوشی خوشی کے مارے پھولا نہیں سارا رہا تھا کہ اچانک کسی نے اس کے کندھے پر مضبوطی سے ہاتھ رکھ دیا۔ لاڈلیکے کے ہوش اُڑ گئے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو اس کی جان میں جان آئی۔ وہ اس کا ساتھی تھا۔ ”اے، ماسکو والے..... تم نے کچھ کیا بھی یا صرف تماشہ دیکھتے رہے؟“ اُس نے طنز لہجے میں پوچھا۔

لاڈیک نے ہنستے ہوئے جیب سے مالِ غنیمت نکال کر اُسے دکھلایا۔ لڑکا بھی اُس کی ہنسی میں شامل ہو گیا۔

”تمہارا نام کیا ہے؟“ لاڈیک نے اُس سے پوچھا۔

”اسٹیفن۔“ لڑکے نے جواب دیا۔

”چلو ایک بار اور ہاتھ کی صفائی رکھائیں۔“

”اے ماسکو! نے..... زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش نہ کرو۔ اس اسکیم پر دوبارہ عمل کرنا ہے تو بازار کے اُس سرے پر جانا ہوگا..... اور ایک گھنٹہ انتظار کرنا ہوگا۔ تمہیں معلوم ہے، تم اس وقت ایک پروفیشنل کے ساتھ کام کر رہے ہو۔ اس کے باوجود ذہن میں رکھنا کہ پکڑے بھی جاسکتے ہو۔“

وہ دونوں بازار کے آخری حصے کی طرف چل دیے۔ اسٹیفن مجھوم مجھوم کر چل رہا تھا۔ لاڈیک بڑی حسرت سے اُس کی چال کو دیکھ رہا تھا۔ اپنے لنگ کا احساس اور شدید ہو گیا تھا۔ وہ خریداری کرنے والوں کے درمیان کھل مل گئے۔ پھر اسٹیفن نے فیصلہ کیا کہ اب میدانِ عمل میں آنے کے لیے مناسب وقت ہے۔ اُنہوں نے آزمودہ ترکیب پر مزید دو بار عمل کیا۔ پھر وہ اپنی قیام گاہ..... یعنی ریل کے متروک ڈبے کی طرف لوٹ آئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے اپنی فتوحات کا جائزہ لیا۔ چھ تارنگیاں، پانچ سیب، تین آلو، ایک خوبانی، اخروٹ، بادام اور پستے..... اور پھر انعام خصوصی ایک عدد خربوزہ۔ اسٹیفن کو زندگی میں کبھی اتنی بڑی جیب میسر ہی نہیں آئی تھی۔ اسے لاڈیک کے اوپر کوٹ پر رشک آ رہا تھا۔

لڑکے کے تصور سے بھی باہر تھیں۔ صورتِ حال تبدیل ہو چکی تھی۔ لڑکا لاڈلیک کی ٹکڑا تھا ابھی نہیں۔ چارہ سب دھانگڑا ہے۔

”ٹھیک ہے۔ اُس کو نے میں چلے جاؤ اور وہیں ٹھہرے رہو۔“ لاڈیک نے کہا۔ ”اگر کوئی حرکت کی تو جان سے مار دوں گا۔“

”میں..... میں سمجھ گیا۔“ لڑکے نے کراہتے ہوئے کہا اور دوسرے کو نے کی طرف چل دیا۔ وہاں پہنچ کر وہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ لاڈلیک اپنی جگہ چوکتا بیٹھا رہا۔ چند لمحے بعد اُس نے اطمینان کا سانس لیا اور لیٹ گیا۔ لیٹتے ہی اُسے نیند آگئی۔

وہ سوکراٹھا تو صبح کی دھوپ متروک ڈبے کی درزوں سے در آئی تھی۔ لاڈلیک نے اپنی حریف کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی سو رہا تھا۔

”اے..... یہاں آؤ۔“ لاڈلیک نے تحکمانہ انداز میں اُسے پکارا۔

لڑکے نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔

”یہاں آؤ۔“ لاڈیک نے دُہرایا۔ اس بار آواز زیادہ بلند تھی۔

لڑکا اٹھا..... اور اُس کے پاس آگیا۔ لاڈیک نے اُسے بغور دیکھا۔ عمر میں تو وہ اس کے برابر ہی تھا لیکن اُس کا قد لاڈیک سے کم از کم ایک فٹ زیادہ ہوگا۔

”پہلے ہوگی کام کی بات۔“ لاڈیک نے کہا۔ ”کھانے کے سلسلے میں کہا کرتے ہو؟“

”میرے پیچھے پیچھے آؤ۔“ لڑکے نے کہا اور اچھل کر ڈبے سے اتر گیا۔ لاڈلیک لنگڑا تا ہوا اُس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ جلد ہی وہ دونوں بازار میں پہنچ گئے۔ بازار ایشیائے خور و نوش سے بھرے ہوئے تھے۔ پھل، بزریاں، اخروٹ..... وہاں ہر چیز وافر مقدار میں موجود تھی۔ لاڈلیک کو یہ افراط دیکھے ہوئے مدتیں ہو گئی تھیں۔ اُس نے صرف بیرون کے محل میں ایسی افراط دیکھی تھیں۔

”اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔“ لڑکے نے پر اعتماد انداز میں کہا۔ ”میں کارروالے اسٹال پر جاؤں گا اور وہاں سے ایک نارنگی چراؤں گا۔ پھر میں بھاگوں گا۔ تم شور مچا دینا۔ چور..... چور..... پکڑو..... پکڑو..... اسٹال والا میرے پیچھے بھاگے گا۔ اس دوران تم اپنی جیبیں بھر لیتا۔ زیادہ لالچ نہ کرنا۔ اتنا لینا کہ ایک وقت کے لیے کافی ہو۔ پھر یہیں واپس آ جانا۔ سمجھ گئے؟“

”سمجھ گیا۔“

”چلو اب خود کو ثابت کرو ماسکو والے۔“ لڑکے نے زہرے لے لہجے میں کہا اور آگے بڑھ

گیا۔ لاڈلیک پرستائش نگاہوں سے اُس کی مشاطی دیکھتا رہا۔ لڑکے نے کارزار اشال پر پہنچ کر بڑی

میں تمہاری مدد کروں گا میں معلوم کر سکتا ہوں کہ کون سا جہاز کہاں سے آیا ہے۔
”یہ کیسے بتا چلے گا کہ ترکی کون سا جہاز جا رہا ہے؟“ لاڈیک نے پوچھا۔

”یہ میں جو سے معلوم کروں گا۔ بس اسے ایک روئل دینا ہوگا۔“

”میں شرط لگا سکتا ہوں کہ اس میں تمہارا حصہ بھی ہوگا۔“

”بہت تیز ہو گئے ہو۔“ اسٹیفن نے پرستاش لہجے میں کہا۔ ”ہاں..... آدھا روئل میرا

ہوگا۔ آؤ میرے ساتھ۔“

وہ دونوں گودی کے افتادہ حصے کی طرف بڑھ گئے۔ لاڈیک دوسرے لڑکوں کو رشک آمیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، وہ گودی پر قلائیں بھرتے پھر رہے تھے۔

اسٹیفن ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہو گیا۔ کمرے میں گرد آلود کتابوں اور نظام اوقات کے پرانے نقشوں کا ڈھیر تھا۔ لاڈیک کو کمرہ خالی نظر آرہا تھا۔ اچانک کتابوں کے ڈھیر کے عقب سے کسی کی آواز سنائی دی۔ ”کیوں آئے ہو؟ میرے پاس ضائع کرنے کے لیے وقت نہیں ہے۔“
”مجھے کچھ معلومات درکار ہیں۔“ اسٹیفن نے کہا۔ ”یہ بتاؤ، ترکی جانے والا جہاز کب روانہ ہوگا۔“

”پہلے پیسے نکالو۔“ اس بار کتابوں کے مینار کے عقب سے ایک سر اُبھر آیا۔ وہ ایک جھریوں والا چہرہ تھا۔ سر پر ملاحت جھمی ٹوپی تھی۔ وہ لاڈیک کو بغور دیکھ رہا تھا۔
”یہ ایک بڑا عظیم ملاح رہ چکا ہے۔“ اسٹیفن نے سرگوشی میں لاڈیک کو بتایا، لیکن آواز اتنی بلند تھی کہ جو تک پہنچ جائے۔

”مکے سے کام نہیں چلے گا۔ روئل نکالو۔“

”لاڈیک..... جو کہ روئل کا دیدار کرادو۔“

لاڈیک نے سکہ جو کی طرف بڑھایا، جسے جونے تیزی سے جھپٹ لیا۔ پھر اس نے کاغذات کے انبار میں سے سبز رنگ کا ایک ٹائم ٹیبل نکالا۔ ہر طرف گرد اڑنے لگی۔ جو خود بھی کھانسنے لگا۔ وہ چند لمبے ٹائم ٹیبل کی ورق گردانی کرتا رہا۔ ”زیبا آنے والی جہرات کو کوئلہ اٹھانے کے لیے آرہا ہے۔ غالباً ہفتے کے روز وہ ترکی کے لیے روانہ ہوگا۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے، جسے کی رات ہی روانہ ہو جائے۔ جہاز برتھ نمبر 17 پر لنگر انداز ہوگا۔“

”شکر یہ ایک دانت والے۔“ اسٹیفن نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

جو گھونسنہ تان کر اُس کے پیچھے لپکا..... لیکن لاڈیک اور اسٹیفن کمرے سے نکل چکے تھے۔

آئندہ تین روز انہوں نے معمول کے مطابق بسر کیے۔ وہ پھل چرا کر پیٹ بھرتے، جہاز

”اچھا ہے۔“ لاڈیک نے آلو میں دانت گاڑتے ہوئے کہا۔

”ہرے..... تو جھکے سمیت کھانا چاہو گے؟“

”جہاں میں رہا ہوں وہاں جھکے بھی بہت بڑی نعمت ہوتے تھے۔“

اسٹیفن پرستاش نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔

”ایک مسئلہ اور ہے۔“ لاڈیک نے کہا۔ ”رقم کیسے حاصل کی جائے؟“

”اے ماسکو والے..... تم ایک ہی دن میں سب کچھ حاصل کر لینا چاہتے ہو۔ خیر۔ اس

کے لیے بندرگاہ پر کام کرنا ہوگا۔“

”مجھے دکھاؤ۔“ لاڈیک نے کہا۔ ”کیا کام ہے؟“

”انہوں نے آدھے پھل کھائے اور آدھے ڈبے میں چٹائی کے نیچے چھپا دیئے۔ پھر اسٹیفن، لاڈیک کو بندرگاہ لے لیا۔ وہاں لاڈیک نے بڑے بڑے جہاز دیکھے تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ بیرون جہازوں کا تذکرہ کرتا رہا تھا لیکن اتنے بڑے جہازوں کا تو لاڈیک نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

”وہ بڑا جہاز دیکھو، ہرے رنگ کا۔“ اسٹیفن نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں گینگ پلینک کے نیچے سے ٹوکری بھر غلہ اٹھانا ہوگا، میزمری چڑھنا ہوگی اور غلے کی ٹوکری غلے کے ڈھیر پر خالی کرنا ہوگی۔ چار پھیروں کی اجرت ایک روئل ملے گی۔ گنتی آتی ہے نا..... کیونکہ انچارج بہت خبیث ہے۔ پھیروں میں ہیرا پھیری کرتا ہے اور دوسروں کی خون پسینے کی کمائی اپنی جیب میں ڈال لیتا ہے۔“
وہ دونوں شام تک مزدوری کرتے رہے۔ ان دونوں نے مل کر شام تک چھپیں روئل کما لیے۔ قیام گاہ واپس پہنچ کر انہوں نے چوری کے مال سے ڈنر اڑایا..... اور ہنسی خوشی سو گئے۔ اگلی صبح بھی لاڈیک ہی پہلے بیدار ہوا۔ اسٹیفن جاگا تو لاڈیک کمپ والے ڈاکٹر کے دیے ہوئے نقشے میں الجھا ہوا تھا۔

”یہ کیا ہے؟“ اسٹیفن نے پوچھا۔

”یہ روس سے باہر نکلنے کا راستہ ہے۔“

”تمہیں روس چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے جب کہ تمہیں مجھ جیسا ساتھی مل گیا ہے؟“

”نہیں..... مجھے ترکی جانا ہے۔ وہاں میں پہلی بار خود کو آزاد انسان محسوس کروں گا۔“

اسٹیفن تم بھی میرے ساتھ چلو نا۔“

”اوڈیا میرا گھر ہے۔ میں اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ میری عمر یہیں گزری ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ اچھی جگہ ہے لیکن تمہارے ترکی سے بہر حال اچھی ہوگی۔ اگر تم فرار ہونا چاہتے ہو تو

بانوں کا تانتا بندھ گیا۔ کچھ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ وہ کہاں سے آرہے ہیں۔ بس وہ اچانک نمودار ہوتے اور اُس کی ٹانگیں بھینچوڑنے لگتے۔ وہ بڑی جسامت والے چوہے تھے اور بھوک سے چناب ہو رہے تھے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ لاڈلیک کو پتہ چلا کہ پوہوں کی آنکھیں سرخ ہوتی ہیں۔ وہ لوگوں کے ڈھیر پر اوپر چڑھا اور ڈھلکا تھوڑا سا اٹھا دیا۔ جیسے ہی ڈھوپ اندر آئی..... چوہے کو نے کھدروں کی طرف لپکے۔ اسی وقت جہاز حرکت میں آیا اور لاڈلیک ایک جھلکے سے ٹینک میں لڑھک گیا۔ اندھیرا ہوتے ہی چوہے پھر اپنی پناہ گاہوں سے نکل آئے۔ لاڈلیک تیزی سے انہیں ٹھوس کوئلے مارنے میں مصروف ہو گیا، لیکن وہ تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ ہر چند منٹ بعد لاڈلیک ٹینک کا ڈھلکا ہٹاتا..... صرف روشنی ہی اُس کی مدد کر سکتی تھی، لیکن وہ تمام وقت ڈھلکا اٹھا کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ اندھیرا ہوتے ہی چوہے پھر حملہ آور ہو جاتے تھے۔

دو دن اور تین راتیں اسی حال میں گزریں۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوسکا۔ جہاز قحطیہ پہنچ کر لنگر انداز ہوا تو جہاز کے خلاصیوں نے ٹینک کا ڈھلکا ہٹا دیا۔ لاڈلیک کوئلے ہی کی رحمت اختیار کر چکا تھا۔ اگر وہ گھنٹوں سے فنوں تک لبوہان نہ ہوتا تو شاید خلاصی اسے دیکھ بھی نہ پاتے۔ خلاصیوں نے کھینچ کھانچ کر اُسے باہر نکالا۔ اُس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی لیکن اُس کی ٹانگیں اُس کا بوجھ نہ سہا سکیں۔ وہ عرشے پر ہی ڈھیر ہو گیا۔

ولیم نے ٹرسٹ کی سہ ماہی رپورٹ دیکھی تو اُسے یقین نہ آیا۔ ٹرسٹ نے اُس کے سوتیلے باپ ہنری کی فرم میں پانچ لاکھ ڈالر کی سرمایہ کاری کی تھی! ولیم کے نزدیک وہ بہت منحوس دن تھا۔ اُس روز اس کا حساب کاٹھیٹ تھا۔ سینٹ پال میں چار تعلیمی سالوں کے دوران یہ پہلا موقع تھا کہ ولیم فرسٹ نہ آسکا ماتیو لیٹر فرسٹ آیا تھا۔

”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ ماتیو نے ولیم سے پوچھا۔
ولیم نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس شام ایلن لائڈ کے گھر فون کیا۔ ایلن کو کوئی حیرت نہ ہوئی کیونکہ ایلن اسے ولیم اور ہنری کے تعلقات کے بارے میں بتا چکی تھی۔
”ولیم، کیا حال ہے۔ اسکول کے معاملات کیسے چل رہے ہیں؟“ ایلن نے پوچھا۔
”سب ٹھیک ٹھاک ہے جناب۔“ ولیم نے جواب دیا۔ ”لیکن میں نے اس سلسلے میں فون نہیں کیا ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔“ کہو..... میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“

”میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں..... کل شام۔“

پر غلہ لاتے اور اپنے بنگلے یعنی ریل کے تہاڑے میں ٹھاٹ سے سوتے جمہرات کے دن جہاز کی اُڑ سے قبل اسٹیفن، لاڈلیک کو قائل کر چکا تھا کہ ترکی جانے کے مقابلے میں اوڈیسا میں قیام بہتر رہے گا۔
لاڈلیک کو یہ نئی زندگی اچھی لگتی تھی..... لیکن روسیوں کا خوف اُس کی زندگی کا سب سے اہم عنصر تھا۔
اس وقت وہ دونوں مرتبہ نمبر 17 پر لنگر انداز ہونے والے عظیم الشان جہاز کو حیرت اور احترام سے دیکھ رہے تھے۔

”میں جہاز پر پہنچوں گا کیسے؟“ لاڈلیک نے پرتشویش لہجے میں پوچھا۔

”بڑی آسان بات ہے۔“ اسٹیفن نے بے پروائی سے کہا۔ ”ہم مزدوری کریں گے۔ جہاز پر کوئلہ لادیں گے۔ جب کوئلہ لد جائے گا تو تم جہاز میں کہیں چھپ جانا۔ میں تمہاری ٹوکری اٹا کر نیچے آ جاؤں گا۔“

”اور میری اجرت ہضم کر جاؤ گے تم؟“

”ظاہر ہے۔ تمہاری مدد کرنے کا کچھ تو صلہ ملنا چاہیے مجھے۔“ اُس نے مسکرا کر کہا۔

”اگلی صبح وہ جہاز پر کوئلہ لانے میں جت گئے۔ شام تک دونوں کا برا حال ہو گیا، لیکن ابھی آدھا کوئلہ لدنا باقی تھا۔ اس رات وہ بڑی گہری نیند سوئے کیونکہ تھکن بہت زیادہ تھی۔ اگلی صبح انہوں نے پھر کام شروع کر دیا۔ دوپہر تک تقریباً تمام کوئلہ ادا جا چکا تھا۔ اسٹیفن نے لاڈلیک کو ٹھوکا دیا۔

”اگلے پھیرے میں، پارنٹر۔“ اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

”اگلے پھیرے میں لاڈلیک نے اس بے تحاشا گہرے ٹینک میں کوئلہ اٹھایا۔ ٹوکری ایک طرف پٹنی اور ٹینک میں چھلانگ لگا دی۔ اسٹیفن نے اس کی ٹوکری اٹھائی اور واپس چل دیا۔ ”الوداع میرے دوست، گڈ لک۔“ اس نے جیج کر کہا۔

لاڈلیک جلدی سے ٹینک کی دیواری طرف ہو گیا۔ اوپر سے کوئلہ اب بھی پھینکا جا رہا تھا۔ ٹینک کی فضا گرد و کی وجہ سے مسموم ہو گئی تھی۔ لاڈلیک کے منہ میں، ناک میں، پیچھے پردوں میں گرد بھر گئی تھی۔ اسے سان لینا بھی وہ بھر ہو رہا تھا۔ وہ کھانسن بھی نہیں سکتا تھا کہ اس طرح جہاز کا عملہ اُس کی موجودگی سے آگاہ ہو جاتا۔ عین اس وقت جب معاملہ اس کی برداشت سے باہر ہونے والا تھا، ٹینک کا ڈھلکا بند کر دیا گیا۔ لاڈلیک نے سکون کا سان لیا اور اطمینان سے کھانسنے لگا۔ اس وقت کھانسنے بھی اس کے لیے بہت بڑی عیاشی تھی۔

چند لمحے ایک اور افتاد نازل ہوئی۔ کسی نے اُس کی پٹنڈی میں کاٹا تھا۔ اُسے انداز ہو گیا کہ اس بار اُس کا سابقہ کس مخلوق سے پڑا ہے۔ خوف کے مارے اُس کے ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے۔ اُس نے کوئلہ اٹھا کر ملحوں چوہے کو مارا..... لیکن اسی وقت دوسرا چوہا نازل ہو گیا۔ اُس کے بعد تو میز

”آپ میرے ٹرسٹ سے کسی ایسی کمپنی میں پانچ لاکھ ڈالر کیسے لگا سکتے ہیں، جس کا تعلق کسی بھی طرح ہنری سے رہا ہو۔“ ولیم نے اچانک کہا۔

شاٹ کھینچے ہوئے، ایلن کا ہاتھ بہک گیا۔ وہ بہت خراب ٹاٹ تھا۔ اس کے برٹس ولیم نے بہت خوبصورت ڈرائیو کیا تھا۔

”ولیم، تمہیں معلوم ہے، میرے علاوہ دو ٹرسٹیوں کے ووٹ اور بھی ہیں۔“ ایلن نے کہا۔

اس کے علاوہ فی الوقت ٹرسٹ کے سلسلے میں تم کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ 21 ویں سالگرہ پر البتہ سب کچھ تمہارا ہوگا۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہمارا اس مسئلے پر تبادلہ خیال غیر ضروری ہے۔“

”میں قانونی پوزیشن سے آگاہ ہوں جناب، لیکن آپ کے علاوہ دونوں ٹرسٹیوں کے ہنری کے ساتھ تعلق ہیں، ایک کے جائز اور دوسری کے ناجائز!“

ایلن لائڈ دہل کر رہ گیا۔

”ایسا لگتا ہے کہ بوشن میں آپ واحد آدمی ہیں، جو میرے سوتیلے باپ کے ملی پریسٹن کے ساتھ معاشرے سے بے خبر ہیں۔“ ولیم نے مزید کہا۔

ایلن لائڈ خاموش رہا۔

”میں یہ یقین دہانی چاہتا ہوں کہ آپ کا ووٹ میرے حق میں ہے۔“ ولیم نے مزید کہا۔ ”اور آپ میری ماں کو اس سرمایہ کاری کے خلاف سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ خواہ اس کے لیے آپ کو میری ماں کو ہنری اور ملی کے..... تعلقات کے بارے میں بتانا پڑے۔“

اس بار ایلن کا شاٹ اور زیادہ خراب تھا۔ ولیم کے شاٹ نے گیند آدھے راستے میں پہنچا دی تھی۔ ایلن نے دوسرا شاٹ لگایا..... اور گیند ایک جھاڑی میں پہنچ گئی۔

”بہت مشکل فرمائش کر رہے ہوڑ کے۔“ ایلن نے کہا۔

”آپ کو اعزاز نہیں کہ مجھے آپ کی مدد حاصل نہ ہوئی تو میں کتنا بڑا اقدام اٹھاؤں گا۔“

”میرا خیال ہے، رچرڈ زندہ ہوتا تو تمہارے الفاظ کو..... اور تمہارے لہجے کو پسند نہ کرتا۔“

”اس سے پہلے ہی وہ ہنری جیسے آدمی کو ناپسند کر چکے ہوتے۔“ ولیم نے سخت لہجے میں کہا۔

ایلن نے شاٹ لگایا..... اور گیند سوراخ سے چارٹ دور سے نکل گئی۔

”یہ بھی بتا دوں کہ ڈیڈی کی وصیت کی ایک شق یہ بھی ہے۔ اگر ٹرسٹ کسی ذاتی کمپنی میں سرمایہ کاری کرے تو رازداری کے ساتھ..... ایسے کہ کمپنی کے مالک کو اس بات کا علم نہ ہو کہ سرمایہ کاری ٹرسٹ نے کی ہے۔“ ولیم نے کہا۔ ”میری ڈیڈی نے ایک بینکار کی حیثیت سے عمر بھر اس اصول کی پاسداری کی۔ یوں انہوں نے فیملی ٹرسٹ کو ہمیشہ بینک سے الگ رکھا۔“

”کل اتوار ہے ولیم۔“

”جی ہاں..... میں صرف اتوار کے دن ہی اسکول سے آ سکتا ہوں۔ آپ جس جگہ جہاں کہیں، میں آ جاؤں گا، لیکن یہ بات میری ماں کے من میں نہیں آئی چاہیے۔“

”لیکن ولیم.....“

”میں آپ کو یاد دلا دوں جناب کہ ٹرسٹ کی طرف سے کسی پرائیویٹ کمپنی میں..... خصوصاً میرے سوتیلے باپ کی کمپنی میں سرمایہ کاری غیر قانونی نہیں، لیکن غیر اخلاقی ضرور ہے۔ ولیم کا لہجہ سرد تھا۔

ایلن لائڈ چند لمبے خاموش رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ولیم کو فون پر ہی مطمئن کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ ملاقات نہ جانے کیا رنگ لائے، لیکن ولیم کے لہجے میں کوئی بات تھی، جس سے پتہ چڑھا کہ وہ ملاقات کیے بغیر نہیں رہے گا۔ ”ٹھیک ہے ولیم۔ ایک بجے دوپہر میں مٹ کلب میں ملوں گا۔“

”بہت شکریہ جناب۔“ ولیم نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

ایلن نے دانستہ، ملاقات کے لیے مٹ کلب کا انتخاب کیا تھا۔ ولیم نے کلب پہنچنے سے پہلے لنگ کیا پھر گولف کھیلنے کی فرمائش کی۔

”مجھے خوشی ہوگی بیٹے۔ تین بجے کھیلیں گے۔“

ایلن کو حیرت ہوئی کیونکہ ولیم نے کھانے دوران ہنری کے مسئلے پر بات نہیں کی۔ اس کے برعکس وہ ملکی سیاست پر اظہار خیال کرتا رہا۔ ایلن نے اعزازہ لگایا کہ ولیم نے ہنری والے معاملے کو لپٹ جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

لنگ کے بعد انہوں نے کافی پی..... اور پھر وہ دونوں پہلی ٹی کی طرف بڑھ گئے۔

”نور کاٹوں والا کھیلیں گے جناب؟“ ولیم نے پوچھا۔

”کھیل لیں گے لیکن کیوں؟“ ایلن کے لہجے میں حیرت تھی۔

”ڈس ڈالنی سوراخ کیسا رہے گا؟“

ایلن لائڈ چند لمبے ہچکچایا، پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ ولیم گولف کا بہت اچھا کھلاڑی ہے۔

پہلے سوراخ کا کھیل خاموشی سے ہوا۔ ایلن نے چار شاٹ میں گیند سوراخ میں پہنچائی جب کہ ولیم کو پانچ شاٹ لگانا پڑے۔ ایلن نے دوسرے اور تیسرے سوراخ کا کھیل بھی بہ آسانی جیت لیا۔ اب وہ خود کو مطمئن اور پرسکون محسوس کر رہا تھا۔

چوتھے سوراخ کا کھیل شروع ہونے تک وہ کلب سے آدھا میل دور آچکے تھے۔

”لیکن تمہاری ماں کا خیال ہے کہ گھر کے فرد کے لیے یہ اصول توڑا جاسکتا ہے۔“ ایلن نے کہا۔

”جسکے لیے، اس کے نیچے میں نہیں سرخسہ پھینکنا پڑے۔“

”ایسا نہیں ہو سکتا جناب۔“

”ذرا سوچو کہ اس پر عمل کرنے سے تمہاری ماں پر کیا اثر پڑے گا۔“

”میری ماں اپنے پانچ لاکھ ڈالر گنوا چکی ہے۔ کیا یہ کافی نہیں ہے۔ میں اپنے پانچ لاکھ ڈالر کیوں گنواؤں؟“

”لیکن ولیم، امکانات یہ ہیں کہ سرمایہ کاری منفعہ بخش ثابت ہوگی۔ تاہم ابھی مجھے ہنری کی کمپنی کے حسابات کا جائزہ لینا ہے۔“

”یقین کیجئے جناب، وہ میری ماں کی تمام رقم اڑا چکا ہے۔ اس کے پاس اب صرف 33,412 ڈالر رہ گئے ہیں۔ میری تجویز ہے کہ آپ ہنری کے پس منظر کے متعلق بھی تحقیق کریں۔

اس کے دوست، کاروباری رفیق کون لوگ رہے ہیں۔ یہ بھی بتادوں کہ وہ عادی جواری ہے۔“

اس بار ایلن کے شاٹ نے گینڈ کو جھیل میں پھینک دیا۔ کوئی اناڑی بھی اتنی نااہلی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا۔ ”تمہیں کیسے پتہ چلا ولیم؟“ ایلن نے پوچھا۔ ویسے اُسے یقین تھا کہ ولیم کو یہ

معلومات تمہاس کو بہن کے ذریعے ملی ہوں گی۔

”میں یہ بتانا ضروری نہیں سمجھتا جناب۔“

ایلن نے بھی اسے بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ اُسے معلوم ہے۔ تڑپ کا اکا ہاتھ میں ہونا ضروری ہے۔ ”اگر تمہاری اطلاعات درست ہیں تو میں تمہاری ماں کو سمجھاؤں گا کہ یہ سرمایہ کاری مناسب نہیں ہوگی۔ یہ میرا فرض ہوگا کہ میں ہنری سے بھی کھل کر بات کر لوں۔“

”ٹھیک ہے جناب۔“

اس بار ایلن کا شاٹ نسبتاً بہتر تھا۔

”یہ بھی بتادوں کہ ہنری کو اسپتال کے ٹھیکے کے لیے پانچ لاکھ ڈالر درکار نہیں ہیں۔ بلکہ اسے کھانا گوشت ایک پرانا قرضہ چکانا ہے۔ میرا خیال ہے، آپ اس بات سے بھی بے خبر ہوں گے۔“

ولیم نے مزید کہا۔

ایلن خاموش رہا۔ ویسے وہ درحقیقت بے خبر تھا۔

کھیل ختم ہونے تک ایلن اٹھ سوراخ پیچھے تھا۔ اُس نے زندگی میں کبھی اتنا برا اور بے خبر نہیں کھیلا تھا۔

”کوئی اور دھماکا؟“ ایلن نے ولیم سے پوچھا۔

”میرا خیال ہے، پہلے آپ شاٹ کھیل لیں۔“ ولیم نے ہنسنے ہوئے کہا۔

ایلن نے سوچا کہ اب لڑکا ڈیگ مار رہا ہے۔ ”نہیں، پہلے تم دھماکا کرو۔“ اس نے کہا۔

”تو نیچے۔ اسپتال کا ٹھیکہ ہنری کو ہرگز نہیں ملے گا۔ کیونکہ وہ افسران کو رشوت دیتا رہا ہے۔ اُس کی کمپنی کو فاسٹ لسٹ سے خارج کر دیا گیا ہے۔ ٹھیکہ کرک اینڈ کارٹر کمپنی کو ملے گا۔ یہ آخری

اطلاع خفیہ ہے۔ خود کرک اینڈ کارٹر والے بھی اس سے بے خبر ہیں۔“

ایلن نے آخری شاٹ بھی بہت خراب لگایا۔ جواب میں ولیم نے گیند سوراخ میں ڈال دی۔ ایلن نے بڑی گرم جوشی سے، اُس سے ہاتھ ملا یا۔

”شکریہ جناب..... میرا خیال ہے میں آپ سے 90 ڈالر وصول کرنے کا حق دار ہو گیا ہوں۔“

ایلن نے جیب سے بٹوہ نکالا اور اس میں سے سو ڈالر کا نوٹ نکال کر ولیم کی طرف بڑھایا۔ ”ولیم۔“ اس نے کہا۔ ”میرے خیال میں وقت آ گیا ہے کہ تم میرے ساتھ آپ جناب کرنا

چھوڑ دو۔ میرا نام ایلن ہے۔“

”شکریہ ایلن۔“ ولیم نے اسے دس ڈالر واپس دیتے ہوئے کہا۔



بہر کی صبح ایلن بینک پہنچا تو ڈینی طور پر خاصا پریشان تھا۔ اس نے پانچ منیجرز کو فوراً اس کام میں لگا دیا کہ وہ ولیم کے الزامات کے متعلق تحقیق کریں۔ اُس نے ان سب کو ہدایت کی تھی کہ وہ اپنی رپورٹ مکمل راز داری کے ساتھ صرف اُس کو پیش کریں۔ اُسے خدشہ تھا کہ ولیم کے الزامات درست ثابت ہوں گے اور ہنری کے ساتھ ساتھ این کی پوزیشن بھی خراب ہوگی۔ بدھ تک پانچوں رپورٹیں اُس کی میز پر موجود تھیں۔ تمام منیجرز نے ولیم کے نکتہ نظر کی تائید کی تھی، لیکن انہوں نے بعض جزئیات کی تصدیق کے سلسلے میں مہلت طلب کی تھی۔ ایلن نے فیصلہ کیا کہ این کو قبل از وقت پریشان کرنا نامناسب ہوگا۔ ٹھوس شواہد کے بغیر وہ این سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس رات ہنری نے اپنے گھر ڈر پارٹی کا اہتمام کیا تھا۔ ایلن نے فیصلہ کیا کہ وہ ہنری کی فرم میں سرمایہ کاری کے سلسلے میں این کو مشورہ دے گا کہ وہ غلط سے کام نہ لے۔

ایلن پارٹی میں پہنچا تو این کو دیکھ کر اسے شدید ذہنی تکلیف ہوئی۔ این بے حد تھکی تھی اور غصا نظر آ رہی تھی۔ پھر اسے این کے ساتھ تنہائی میں بات کرنے کا موقع مل ہی گیا۔

”آمد کا شکریہ ایلن۔“ این نے کہا۔ ”میں جانتی ہوں کہ تم بے حد مصروف آدمی ہو۔“

”لیکن میں تمہاری پارٹی تو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔“ ایلن نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ ”اور ہاں تم

نے سرمایہ کاری والے مسئلے پر بھی سوچا؟“

”مجھے وقت ہی نہیں ملا۔ ویسے حسابات کی کیا پوزیشن ہے؟“

”ٹھیک ہے..... لیکن ہمیں صرف ایک سال کے حسابات دیے گئے ہیں ہمیں خصوصی اکاؤنٹس سے مدد لینا ہوگی۔“

اس دوران کچھ اور لوگ این کی طرف آگئے تھے۔ ایلن خاموشی سے، وہاں سے کھٹک لیا۔ پارٹی میں سیاستدان اور سرکاری افسر بڑی تعداد میں شریک تھے۔ ایلن کو خدشہ محسوس ہونے لگا کہ ٹھیکے کے سلسلے میں ولیم کی مطومات درست ثابت نہیں ہو سکیں گی، لیکن ٹھیکے کے سلسلے میں ٹاؤن ہال کا فیصلہ اگلے ہفتے سامنے آنے والا تھا۔ اسی وقت صحیح صورت حال سامنے آسکے گی۔

پارٹی کے دوران این نے ہنری اور ملی پر خاص نظر رکھی۔ بظاہر ان کے درمیان کوئی خاص تعلق نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہنری، ملی سے زیادہ اس کے شوہر کو توجہ دے رہا تھا۔ این سوچنے لگی کہ وہ خواہ مخواہ ہی شک میں مبتلا ہو گئی ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اگلے روز وہ رکارڈ کو فون کر کے تفتیش کا سلسلہ منسوخ کرا دے گی۔

پارٹی تاخیر سے ختم ہوئی۔ این نے لباس تبدیل کیا اور خواب گاہ میں آگئی۔

”ڈیر..... ایلن سے کچھ بات ہوئی؟“ ہنری نے اس سے پوچھا۔

”ہاں، ہوئی ہے حسابات کی چیکنگ کے لیے بینک نے ایک اکاؤنٹس کی خدمات حاصل کر لی ہے۔ بینک کا یہی طریق کار ہے۔“

”ہرگز نہیں۔ یہ سب کچھ ولیم کے اشارے پر ہو رہا ہے۔ تم نہیں سمجھتیں۔“

”تم یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو؟“

”اتوار کو ولیم گولف کلب میں ایلن سے ملنے آیا تھا۔ ایلن نے یہ بات تمہیں نہیں بتائی؟“

”نہیں، مجھے یقین نہیں آتا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ولیم بوشن آئے اور مجھ سے ملے بغیر جا جائے۔ ہنری، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔“

”ڈیر..... گولف کلب میں سینکڑوں افراد نے انہیں ایک ساتھ دیکھا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے، ولیم اتنی دور سے ایلن کے ساتھ گولف کھیلنے کے لیے آیا ہوگا۔ نہیں ڈیر، میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ یہ قرضہ میرے لیے بہت اہم ہے ورنہ میں اسپتال کے ٹھیکے سے محروم ہو جاؤں گا ایک ہفتے کے اندر اندر مجھے رقم نہ ملی تو میں ٹاؤن ہال والوں پر اپنی مالی اہلیت ثابت نہیں کر سکوں گا۔ سمجھیں؟“

میں نا اہل قرار پاؤں گا..... محض اس لیے کہ ولیم کو میری اور تمہاری شادی ناپسند تھی۔ پلیز این..... کل ہی ایلن کو فون پر کہہ دو کہ وہ مجوزہ رقم میرے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر دے۔“

ہنری کے لہجے میں اتنی تندہی تھی کہ این چکرا گئی۔ ”نہیں ہنری، کل تو ممکن نہیں۔ مجھے تک انتظار کرلو۔“ اس نے کہا۔ ”کب تو میں بہت عسوف ہوں گی۔“

ہنری نے بڑی کوشش کر کے خود کو سنبھالا۔ ”مجھے بھی آنجنابانی رچرڈ کی طرح اپنے بچے کے مستقبل کی فکر ہے۔“

وہ بولا۔

اگلی صبح این کافی دیر تک خود سے لڑتی رہی۔ لیکن بالآخر اس نے ٹیکسی پکڑی اور رکارڈو کے دفتر پہنچ گئی۔ اس نے دروازے پر دستک دی اور پھر اندر داخل ہو گئی۔

”آہ..... مسز ہنری، تشریف رکھیے۔“ رکارڈو نے کہا۔ این بیٹھ گئی۔ ”میرے پاس آپ کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔“

این کا دل ڈوبنے لگا۔

”گزشتہ ایک ہفتے میں مسز ہنری کسی عورت سے نہیں ملے۔“

”لیکن آپ تو کہہ رہے تھے کہ اچھی خبر نہیں۔“ این نے حیرت سے کہا۔

”جی ہاں۔ اس کا مطلب ہے، آپ کو طلاق کے لیے بنیاد نہیں مل سکے گی۔“

”کمال ہے۔ آپ نے تو مجھے بہت اچھی خبر سنائی ہے۔“ این نے طمانیت آمیز لہجے میں کہا۔ ”بس مسز رکارڈو، اب مزید تفتیش کی ضرورت نہیں رہی۔ مجھے یقین ہے کہ تم دوسرے ہفتے بھی ایسی کوئی بات نہیں دیکھ سکو گے۔“

”لیکن مسز ہنری..... ایک ہفتے میں سامنے آنے والے نتائج پر انحصار نہیں کیا جاسکتا۔“ رکارڈو کے لہجے میں احتجاج تھا۔

”ٹھیک ہے مسز رکارڈو۔ آپ اپنا کام جاری رکھیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ کوئی متقی نتیجہ نہیں نکلے گا۔“ این نے پراعتماد لہجے میں کہا۔

”کچھ بھی ہو، مجھے تو اپنا فرض نبھانا ہے۔ میں آپ سے دو ہفتے کی پیشگی فیس وصول کر چکا ہوں۔“ اس لمحے، پہلی بار این کو وہ شخص بہت اچھا لگا۔ وہ حرام خوری کا قائل نہیں تھا۔

”اور خطوط کے سلسلے میں کیا رہا؟“ این نے پوچھا۔

”میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ گمنام خطوط لکھنے والوں کا سراغ لگانا دشوار ہوتا ہے۔ بہر حال میں کوشش کر رہا ہوں۔ آئندہ ہفتے اسی وقت میں آپ کو رپورٹ پیش کر دوں گا۔“

این، رکارڈو کے دفتر سے نکلی تو بہت خوش اور مطمئن تھی۔



این نے اس رات ہنری کو بتایا کہ وہ قرض کے سلسلے میں مثبت فیصلہ کر چکی ہے۔ ہنری یہ

سن کر بہت خوش ہوا۔ اُس نے فوراً این کی طرف کاغذات بڑھا دیے، جن پر این کو دستخط کرنا تھا۔ این سوچ میں پڑ گئی۔ ہنری نہ جانے کب سے کاغذات تیار کیے بیٹھا تھا۔ ٹی پر پین پیپے کی کاغذات پر دستخط کر چکی تھی۔ اس کے ذہن میں پھر شکوک سر اُبھارنے لگے۔ لیکن اُس نے جلدی ہی اُن شکوک کو ذہن سے جھٹک دیا۔

اگلی صبح ایلن نے اُسے فون کیا تو وہ اُس کی توقع کر رہی تھی۔

”این، اس معاملے کو جمعرات تک ٹال دو۔ اُس وقت تک ہمیں پتہ چل جائے گا کہ ٹھیکرے ملا ہے۔“ ایلن کے لہجے میں التجا تھی۔

”نہیں ایلن، یہ ممکن نہیں۔ ہنری کو فوری طور پر رقم کی ضرورت ہے۔ اسے ٹاؤن ہال والوں پر اپنی مالی اہلیت ثابت کرنا ہے، ورنہ ٹھیکرے اُسے نہیں مل سکے گا اور تمہیں دو ٹریسٹوں کی تائید حاصل ہو چکی ہے۔“

”اس صورت میں بینک ہنری کو رقم دینے کی بجائے ٹاؤن ہال والے ہماری ضمانت بلا چوں و چرا قبول کر لیں گے۔ بہر حال، ابھی تک میں کہنی کے حسابات کو پوری طرح پڑنا نہیں کر سکا ہوں۔“

”اوہ۔ لیکن تمہیں ولیم کے ساتھ لُنج کے لیے تو بہر حال فرصت مل گئی تھی۔“

دوسری طرف ایک لمبے خاموشی رہی۔ پھر ایلن کی آواز سنائی دی۔ ”این، میں.....“

”کوئی تاویل مت پیش کرو۔ جب تم ہماری پارٹی میں آئے تھے تو مجھے یہ بات بتا سکتے تھے۔ لیکن تم نے نہیں بتایا۔ البتہ تم نے مجھے مشورہ دیا کہ میں جلد بازی سے کام نہ لوں۔“

”این، مجھے افسوس ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم اس کا غلط مطلب لو گئی۔ لیکن یقین کرو، میں نے بلا وجہ یہ سب کچھ نہیں کیا۔ تم کہو تو میں آکر وضاحت سے تمہیں سب کچھ سمجھا دوں۔“

”نہیں، ایلن، تم مجھے مطمئن نہیں کر سکتے۔ تم میرے شوہر کے خلاف سازش کر رہے ہو۔ تم اُسے اپنی اہلیت ثابت کرنے کا موقع نہیں دینا چاہتے۔ لیکن میں اسے یہ موقع فراہم کروں گی۔“ یہ کہہ کر این نے ریسپور رکھ دیا۔ وہ مطمئن تھی۔ ایک دفاع دار بیوی اپنے شوہر کے لیے یہی کچھ کر سکتی ہے۔ اسے اپنے شوہر پر شک ہی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس نے شک کیا تھا لیکن اب تلانی کے لیے بھی تیار تھی۔

ایلن نے دوبارہ فون کیا۔ لیکن این نے ملازمہ سے کہلوادیا کہ وہ باہر گئی ہوئی ہے۔ ہنری واپس آیا تو این نے اسے یہ سب احوال سنا دیا۔ ہنری بہت خوش ہوا۔

”اب تم دیکھنا۔“ اس نے کہا۔ ”اس کے اچھے نتائج نکلیں گے۔ جمعرات کی صبح ٹھیکرے مل جائے گا۔ اس وقت تک ایلن کو نظر انداز کرنا ہی بہتر ہے۔ بعد میں بات برابر کر لیں گے۔ اب

کرتے ہیں کہ جمعرات کو ٹرین میں لُنج پارٹی ترتیب دے لیتے ہیں۔“

این مسکرائی اور رضامند ہوئی۔ اسے یاد تھا کہ جمعرات کو بارہ بجے اسے رکارڈ سے بھی ملنا ہے۔ اس روز ایلن مسلسل فون کرتا رہا..... اور خادمہ مسلسل اسے ٹرغاتی رہی۔ کاغذات پر دو ٹریسٹوں کے دستخط موجود تھے، لہذا وہ ادائیگی، چوبیس گھنٹے سے زیادہ نہیں روک سکتا تھا۔ ہنری کے نام پانچ لاکھ ڈالر کا چیک جاری ہوتے ہی، ایلن نے ولیم کو ایک طویل خط لکھا۔ اسے احساس تھا کہ وہ اصول رازداری کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو رہا ہے۔

ولیم اسکول میں ماتیمو کے ساتھ ناشتہ کر رہا تھا۔ کہ اسے ایلن لائنڈ کا خط ملا۔ وہ جمعرات کی صبح تھی۔

جمعرات کی صبح بیکن ہل میں ناشتہ تو معمول کے مطابق تھا لیکن ہنری کی چنی اور عصی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اُس نے ٹاؤن ہال کے ایک اہلکار کو ٹیلی فون کیا۔ اُسے بتایا گیا کہ کامیاب پارٹی کا نام دس بجے نوٹس بورڈ پر لگا دیا جائے گا۔ این، ریکارڈ سے ملنے کے لیے بے چین تھی۔ اُسے ایک دن میں دو فتوحات حاصل ہونے والی تھیں۔ اس بات کا ثبوت کہ ہنری بے وفائیں ہے اور ہنری کا کاروباری زندگی کا شاندار نقطہ آغاز۔ وہ بہت خوش تھی۔ لیکن دوسری طرف ہنری کے ہاتھ بری طرح لڑ رہے تھے۔

”آج تمہاری کیا مصروفیات ہیں؟“ ہنری نے پوچھا۔

”کوئی خاص نہیں۔ بس تمہاری کامیابی کی خوشی میں دیا جانے والا لُنج میری واحد مصروفیت ہے۔ ہنری..... تم اسپتال میں بچوں کا ونگ بنا سکتے ہو..... رچرڈ کی یادگار کے طور پر؟“ این نے پوچھا۔

”رچرڈ کی یادگار نہیں ڈیزر۔ وہ میری کامیابی کا سنگ میل ہوگا۔“ ہنری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”وہ ونگ تم سے منسوب ہوگا..... مزرا این ہنری ونگ۔“

”کتنا اچھا خیال ہے۔“ این نے بے حد خوش ہو کر کہا۔ ”اور ہاں..... آج مجھے ڈاکٹر میکزی کے پاس چیک اپ کے لیے جانا ہے۔ تمہیں یہ کب پتہ چلے گا ڈیزر کہ ٹھیکرے؟“

”جس کلرک سے میں نے ابھی بات کی ہے، وہ بہت پر یقین ہے۔ لیکن سرکاری اعلان دس بجے ہوگا۔“ ہنری نے جواب دیا۔

”ہنری، پہلا کام یہ کرنا کہ فون کر کے ایلن کو یہ خبر سنا دینا۔ گزشتہ ہفتے، میں نے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا ہے۔ اب میں احساس جرم کا شکار ہو رہی ہوں۔“ این نے کہا۔

”احساس جرم کا کیا سوال ہے۔ اُسے ولیم سے ملاقات کے بارے میں تمہیں بتانا چاہیے تھا۔“

”وہ وضاحت کرنا چاہتا تھا ہنری، لیکن میں نے اُسے موقع ہی نہیں دیا۔“

”ٹھیک ہے۔ میں محض تمہاری ٹوٹ کے لیے اسے مٹانے کی کوشش کر دوں گا۔ اچھا..... اب مجھے چاہیے۔“ اُس نے ہنری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”گڈ لک ہنری۔“

”شکریہ میں ایک بجے رات میں تمہارا انتظار کروں گا۔ خدا حافظ ڈیر۔“



ایلن لائڈ کے سامنے ناشتہ رکھا تھا لیکن اُس نے ناشتے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ وہ تو اخبار کے مطالعے میں غرق تھا۔ ایک چھوٹی سی خبر اس کی توجہ کا مرکز تھی، جس کی رو سے اسپتال کے ٹھیکے کے سلسلے میں کامیاب پارٹی کے نام کا اعلان دس بجے صبح ہونا تھا۔

ایلن فیصلہ کر چکا تھا کہ اگر اسپتال کا ٹھیکہ ہنری کو نہ ملا..... اور ولیم کے تمام دعوے درست ثابت ہوئے تو اسے کیا قدم اٹھانا ہے۔ اسے یقین تھا کہ اگر آج صبح اس قسم کی صورت حال سے دوچار ہوتا تو وہ بھی یہی فیصلہ کرتا۔ اُسے تو ہر حال میں بینک کے مفادات کو پیش نظر رکھنا تھا۔ ہنری کے مالی معاملات سے متعلق تازہ ترین معلومات مایوس کن تھیں۔ ہنری جوئے کے سلسلے میں بہت مقروض تھا۔ دوسری طرف بینک سے جاری کردہ پانچ لاکھ ڈالر ہنری کی فرم کے اکاؤنٹ میں نہیں پہنچے تھے۔

ایلن لائڈ نے صرف مالے کا جوس پیا اور باقی ناشتہ ویسے کا ویسا ہی چھوڑ دیا۔ پھر وہ ہاؤس سے معذرت کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ پیدل ہی بینک کی طرف چل دیا۔ وہ بے حد خوشگوار ن تھا۔



”ولیم، آج شام ٹینس کھیلنے کا موڈ ہے؟“ ماتیو لیسٹر نے ولیم سے پوچھا۔ اس وقت ولیم، ایلن لائڈ کی طرف سے موصول ہونے والا خط دوسری بار پڑھ رہا تھا۔

”کیا کہا تم نے؟“ ولیم نے پوچھا۔

”یار، بہرے ہو گئے ہو کیا؟“ ماتیو جھلا گیا۔ ”میں پوچھ رہا تھا کہ کیا تم آج شام ٹینس کورٹ میں میرے ہاتھوں اپنی درگت بنوانا پسند کرو گے۔“

”نہیں ماتیو۔ آج شام میں یہاں موجود نہیں ہوں گا۔ مجھے کئی اہم کام کرنا ہیں۔“

”اوہ..... مجھے تو احساس ہی نہیں تھا کہ آج تمہیں پھر وائٹ ہاؤس کا پر اسرار اور خفیہ دورہ کرنا ہے۔ صدر مملکت تم سے مالی معاملات پر مشورہ طلب کریں گے بلکہ ممکن ہے، وہ تمہیں وزیر خزانہ

بنانے کے سلسلے میں غور کر رہے ہوں۔ اُن کی پیشکش تمہیں منظور ہے بشرطیکہ انارنی جنرل کا عہدہ عالی مرتبت تجھے لیسٹر کو پیش کیا جائے۔“ ماتیو نے مضحکہ اڑایا۔ لیکن ولیم پر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ اب بھی ایلن کے خط میں کھویا ہوا تھا۔

”مجھے احساس ہے کہ میں اچھی کامیڈی نہیں کر سکا ہوں۔ لیکن پھر بھی تمہیں ازراہ دوست نوازی کم از کم مسکراتا چاہیے۔“ ماتیو نے کہا۔ پھر اُس نے بڑے غور سے ولیم کو دیکھا۔

”ماتیو، مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔“ ولیم نے خط کو لفافے میں رکھتے ہوئے کہا۔

”کیا یہ خط میری بہن کی طرف سے آیا ہے؟“ ماتیو نے پر تشویش لہجے میں پوچھا۔

”مذاق مت کرو ماتیو۔ اگر تمہارے باپ کا بینک لوٹا جا رہا ہو تو کیا تم اُس وقت بھی اسی طرح مذاق کرو گے؟“

ماتیو کو احساس ہو گیا کہ معاملہ سنجیدہ ہے۔ وہ خود بھی سنجیدہ ہو گیا۔ ”نہیں، اس صورت میں، میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں؟“ اس نے کہا۔

”بس پھر یہاں سے نکلو میں تمہیں تفصیل سے بتانا چاہتا ہوں۔“



ایلن دس بج کر کچھ منٹ پر گھر سے نکلی۔ اُس کا ارادہ شاپنگ کے بعد رکارڈو کے دفتر جانے کا تھا وہ باہر نکلی ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔ خادمہ نے ٹیلی فون ریسیو کیا، پھر کمر کی سے جھانکا اور فیصلہ کیا کہ مالک اتنی دور جا چکی ہے کہ اب بلانا مناسب نہ ہوگا۔ اگر ایلن وہ فون خود ریسیو کر لیتی تو اسے پتہ چل جاتا کہ اسپتال کا ٹھیکہ ملے گا ہے۔ لیکن وہ تو اس وقت پر فیوم خرید رہی تھی۔ وہ رکارڈو کے آفس پہنچی تو بارہ بج چکے تھے۔

”مسٹر رکارڈو..... میں لیٹ تو نہیں ہوں؟“

”تشریف رکھیے۔“ رکارڈو نے کہا۔ لیکن وہ بہت ناخوش نظر آ رہا تھا۔ اُس نے ایک فائل کھولی اور اس میں سے کچھ کاغذات نکالے۔ ”تو مسز ہنری، ہم گناہ خطوط سے بات شروع کرتے ہیں۔ ٹھیک ہے نا؟“ اُس نے پوچھا۔

”ٹھیک ہے۔“

”وہ خطوط آپ کو مسز روبی فلاور نے بھیجے تھے۔“

”وہ کون ہے..... اور اس نے وہ خط کیوں بھیجے؟“ ایلن کے لہجے میں بے تابی تھی۔

”وہی وجہ ہے جس کے تحت وہ آپ کے شو پر مقدمہ کر رہی ہے۔“

”چلیں..... یہ معہ تو حل ہوا۔ وہ انتقام لینا چاہتی ہے۔ کتنی رقم کا دعویٰ کر رہی ہے وہ؟“

”معاملہ قرض کا نہیں ہے مسز ہنری۔“

”تو پھر جھگڑا کیا ہے؟“

”رکارڈو اٹھ کھڑا ہوا۔“ کیس وعدہ خلافی کا ہے خاتون۔“ اُس نے جواب دیا۔

”کیسی وعدہ خلافی؟“

”آپ سے ملنے سے پہلے آپ کے شوہر نے مسز روبی سے منگنی کی تھی۔ پھر بغیر کسی کے منگنی توڑ دی۔“

”اور اب وہ ہنری سے دولت اٹھنا چاہ رہی ہوگی؟“

”ایسا نہیں ہے۔ مسز روبی بھی کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہ آپ کی پلہ تو نہیں ہیں لیکن اُن کے آجمنائی شوہر نے اُن کے لیے بہت کچھ چھوڑا ہے۔“

”..... اُس کی عمر کیا ہوگی؟“

رکارڈو نے فائل میں لگے ہوئے کاغذات پر نظر ڈالی۔ ”53 سال۔“ اُس نے جواب دیا۔

”میرے خدا..... وہ بے چاری تو مجھ سے نفرت کرنے پر مجبور ہے۔“

”جی ہاں۔ خیر، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اب میں آپ کو آپ کے شوہر کی دُسرگریوں کے بارے میں بتاؤں۔“

این کی حالت غیر ہوگئی۔ اب وہ یہاں آکر پچھتا رہی تھی وہ کچھ نہیں جانتا چاہتی تھی۔ اُس کا جی چاہا کہ اٹھ کر بھاگ جائے، لیکن اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ وہ خالی خالی نظروں سے رکارڈو کو دیکھتی رہی، جو پھر فائل پر جھک گیا تھا۔

”گزشتہ پچھتے مسز ہنری دوبار، تین تین گھنٹے تک مسز ملی پریشن کے ساتھ رہے۔“

”اس سے تو کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ وہ ایک اہم مالی دستاویز کے سلسلے میں ملے ہوں گے۔“

یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں۔“

”وہ دونوں بار لائل اسٹریٹ کے ایک چھوٹے سے ہوٹل میں ملے تھے۔“ ریکارڈو نے کہا۔ ”تہا کمرے میں..... وہ ہوٹل میں داخل ہوئے تو ایک دوسرے کی بانہوں میں تھے اور قہقہے لگ رہے تھے۔ واپسی میں بھی یہی کیفیت تھی۔ میرے پاس تصویریں موجود ہیں۔“

”ان تصویروں کو پھاڑ دو۔“

”جو آپ کا حکم مادم۔ لیکن ابھی میری رپورٹ مکمل نہیں ہوئی ہے۔ مسز ہنری، ہارڈن کبھی نہیں پڑے، نہ ہی وہ کبھی فوج میں رہے ہیں۔ ہارڈن میں اس نام کا ایک شخص تھا لیکن اس کا نام پانچ فٹ پانچ انچ تھا اور اس کا تعلق الباماس تھا۔ وہ 1917ء میں فوت ہوا۔ ہمیں یہ بھی علم ہو گیا۔“

کہ آپ کے شوہر اپنی عمر جتنی ظاہر کرتے ہیں، درحقیقت ان کی عمر اس سے کم ہے۔ ان کا اصل نام وینز ٹوٹنا ہے اور وہ.....“

”میں مزید کچھ نہیں سننا چاہتی۔“ این نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

”میں سمجھتا ہوں مسز ہنری کہ اس وقت آپ کی کیا کیفیت ہوگی مجھے انفس ہے کہ میزی قہقہے آپ کے لیے اتنے آزار کا باعث ثابت ہوئی۔ لیکن کیا کروں..... میرا پیشہ ہی ایسا ہے.....“

مسٹر رکارڈو، اس میں تمہارا کیا قصور ہے۔“ این نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ”مجھے کتنی رقم اور ادا کرنی ہے؟“

”دو پچھتے کی فیس تو آپ پہلے ہی دے چکی ہیں۔ بتایا جات کی مد میں 73 ڈالر اور عنایت کر دیں۔“

این نے سوڈا الرکانوٹ اُس کی طرف بڑھایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

”باقی پیسے تو لے لیں۔“

این نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے مسز ہنری؟“ رکارڈو نے پرتشویش لہجے میں پوچھا۔

”میں ٹھیک ہوں۔“ این نے جھوٹ بولا۔

”حکم کریں تو میں آپ کو گھر چھوڑ آؤں؟“

”شکریہ مسٹر رکارڈو میں خود چلی جاؤں گی۔“

ریکارڈو بڑی افسردہ نگاہوں سے اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ دل ہی دل میں اپنے پیسے پر لعنت بھیج رہا تھا اس نے کیسی معصوم عورت کو دکھائی کر دیا تھا۔

این نے سیڑھیوں پر رُک کر ریلنگ کا سہارا لیا۔ اُس کا جی متلا رہا تھا۔ جیسے تیسے وہ نیچے اُترتی۔ ٹیکسی روک کر عقیقی نشست پر بیٹھی۔ تہائی میسر آتی ہی ضبط کا بند ٹوٹ گیا وہ رونے لگی۔ اور روتی ہی رہی۔ گھر پہنچ کر اُس نے ٹیکسی والے کی ادائیگی کی اور سیدھے اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ تاکہ ملازم اسے روتا نہ دیکھ سکیں۔

وہ بیڈ روم میں داخل ہوئی تو فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اُس نے ریسیور اٹھا لیا۔

”مجھے مسز کین سے بات کرنی ہے۔“

این نے ایلن لائڈ کی آواز پہچان لی۔ ”ہاں ایلن..... میں بول رہی ہوں۔“ اس نے کہا۔

”ماں..... کیا بات ہے ماں؟“ ولیم نے بے تاب ہو کر پوچھا۔
 این نے آنکھیں کھول دیں..... اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ولیم کو تنکے لگی۔ ”رچرڈ..... خدا کا شکر ہے، تم واپس آ گئے۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔“ اُس نے کہا۔
 ”میں ولیم ہوں۔“ ماں۔“

این کی نگاہیں لڑکھڑا گئیں۔ ”رچرڈ..... اب مجھ میں طاقت نہیں رہی۔ مجھے اپنی غلطیوں کا ضیاع بھگتنا ہوگا۔ مجھے معاف.....“ اس کی آواز ڈوب گئی۔ دوسرا دورہ شدید تر ثابت ہو رہا تھا۔
 ”کیا ہو رہا ہے ماں؟ کیا بات ہے؟“ ولیم کے لہجے میں بے بسی تھی۔
 ”میرا خیال ہے بچہ.....“ خادمہ نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔
 ”جلدی سے ڈاکٹر میکزی کو فون کرو۔“ ولیم نے خادمہ کو ہدایت کی اور خود دروازے کی طرف لپکا۔ ”ماتھیو..... جلدی اور آؤ ماتھیو۔“ اس نے پکار کر کہا۔
 ”چند لمحوں بعد ماتھیو بھی بیڈروم میں پہنچ گیا۔“

”ماں کو کار میں پہنچانا ہے۔ میری مدد کرو۔“ ولیم کے لہجے میں بے تابی تھی۔
 ماتھیو جبک گیا۔ اُن دونوں نے بڑی آہستگی سے این کو اٹھایا اور نیچے لے آئے۔ این شدید تکلیف میں تھی اور بری طرح سسک رہی تھی۔ این کو کار کی عقبی نشست پر لٹا کر ولیم نے ماتھیو کو دین رکنے کے لیے کہا اور خود فون کی طرف دوڑ پڑا۔ خادمہ نمبر ملا چکی تھی۔۔
 ”ڈاکٹر میکزی؟“ ولیم نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

”بول رہا ہوں۔ آپ کون ہیں؟“
 ”میرا نام ولیم کین ہے جناب۔ آپ شاید مجھ سے واقف نہیں ہوں گے۔“
 ”ارے نہیں نوجوان..... تمہاری تو ولادت ہی میرے ہاتھوں ہوئی تھی۔ کہو، کیسے فون کیا؟“
 ”میری ماں شاید زچگی کے آخری مرحلے میں ہے میں انہیں اسپتال لارہا ہوں۔“
 ”ٹھیک ہے ولیم۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ڈاکٹر نے اسے تسلی دی۔“ میں تمہارا منتظر ہوں۔“ اتنی دیر میں میں تمام انتظامات کر لوں گا۔“

”شکریہ جناب۔“ ولیم نے کہا۔ ”لیکن اُن پر دورہ سا پڑا ہوا ہے۔ کیا وہ نارمل ہیں؟“
 ڈاکٹر کے جسم میں سردلہری دوڑ گئی۔ وہ جواب دیتے ہوئے ہنچکپایا۔ ”نہیں..... نارمل تو نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔ تم انہیں جلد از جلد یہاں لے آؤ۔“
 ولیم نے فون رکھا اور دوڑتا ہوا باہر نکل آیا۔

وہ اسپتال پہنچے تو ایک نرس اسٹریچر کے ساتھ اُن کی منتظر تھی۔ انہوں نے این کو اسٹریچر پر

”این..... مائی ڈیر۔ آج صبح مجھے اس اطلاع سے ڈکھ پہنچا۔ مجھے افسوس ہے۔“
 ”تمہیں کیسے پتہ چلا ایلن؟ تمہیں کس نے بتایا؟“
 ”سٹی ہال والوں نے مجھے فون پر بتایا تھا۔ میں نے تمہیں فون کیا۔ پتہ چلا کہ تم دوسرے پہلے ہی شاپنگ کرنے نکلے ہو۔“

”اودہ میرے خدا..... میں تو ٹھیکے کے بارے میں بھول ہی گئی تھی۔“ این نے کہا۔ ”ہاں ہال والوں نے تمہیں کیا بتایا ایلن؟“ اب اسے سانس لینا بھی دو بھر ہو رہا تھا۔
 ”این..... تم ٹھیک تو ہو این۔“ ایلن لائڈ کے لہجے میں تشویش تھی۔ اُس نے فون پر این کا اکھڑتی سانسوں کی آواز سن لی تھی۔

”میں ٹھیک ہوں۔“ این نے جواب دیا۔ ”ہاں..... تو سٹی ہال والوں نے کیا بتایا تمہیں؟“
 ”ٹھیک کرک اینڈ کارڈ کو دیا گیا ہے۔ ہنری کی فرم کا نام تو زیر غور تین فرموں میں بھی شامل نہیں تھا۔ میں جب سے مسلسل اسے فون کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ لیکن وہ دفتر پہنچا ہی نہیں ہے۔ تمہیں معلوم ہے، وہ کہاں لے گا؟“
 ”نہیں..... مجھے علم نہیں۔“

”ڈیر این..... تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ کہو تو میں آ جاؤں؟“
 ”نہیں ایلن شکریہ۔ اور ہاں ایلن، میں تم سے اپنے رویے پر معافی چاہتی ہوں۔ اُر رچرڈ زندہ ہوتا تو اس حرکت پر مجھے کبھی معاف نہ کرتا۔“
 بے وقوف نہ بنو این۔ برسوں کی دوستی اتنی سی بات پر خطرے میں نہیں پڑتی۔ مجھے کوئی ملال نہیں ڈیر۔“

ایلن کے مہربان لہجے نے این کو اور توڑ ڈالا۔ ”ایلن..... دروازے پر کوئی ہے۔ اچھا حافظ۔“ اُس نے ٹالنے کے لیے کہا۔ وہ کسی بھی لمحے پھوٹ پھوٹ کر رونے والی تھی۔
 ”این، اپنا خیال رکھو۔“ ایلن نے کہا۔ ”اور کوئی فکر نہ کرنا۔ بینک ہر طرح سے تمہارے لیے حاضر ہے۔ تم کسی بھی ضرورت کے تحت مجھے فون کر سکتی ہو۔“

این نے ریسپورر رکھ دیا..... اب سانس لینا نامکن ہو رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ فرش پر پڑے گئی۔
 چند لمحوں بعد خادمہ نے دستک دی۔ پھر دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ ولیم اس کے پیچھے کھڑا تھا ہنری سے شادی کے بعد اب تک اس نے اپنی ماں کے بیڈروم میں قدم تک نہیں رکھا تھا۔

خادمہ اور ولیم، دونوں این کی طرف لپکے۔ این کا جسم بری طرح لرز رہا تھا۔ اُسے ان کی موجودگی کا احساس بھی نہیں تھا۔ اُس کے منہ سے جھاگ نکل رہے تھے۔ پھر دورے کی کیفیت ختم ہو گئی۔ اب وہ سسک رہی تھی۔

میں کی طرح لگ گیا تھا۔“ اُس کے لہجے میں بے پناہ نفرت تھی۔

ڈالا اور میٹرٹی وارڈ کی طرف لے چلے۔ وارڈ کے دروازے پر ڈاکٹر میکزی ان کا منتظر تھا۔ این کو اندر لے جایا گیا۔ ولیم اور ماتیو باہر رہ گئے۔ وہ دونوں بیچ پر بیٹھے خاموشی سے انتظار کرتے رہے۔ اندر سے خوفناک جھین سنائی دے رہی تھیں۔ ایسی جھین انہوں نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں سنی تھیں۔ اس کے بعد مہیب تر خاموشی چھا گئی۔ زندگی میں پہلی بار ولیم خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ انہیں وہاں بیٹھے ہوئے ایک گھنٹے سے زیادہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے آپس میں بھی کوئی بات نہیں کی۔ پھر ڈاکٹر میکزی آپریشن روم سے باہر آیا۔ وہ بے حد متعطل نظر آ رہا تھا۔ اس نے ماتیو کو دیکھا۔ ”ولیم تم ہو؟“ اُس نے پوچھا۔ دونوں لڑکے اُنکھ کھڑے ہوئے۔

”نہیں جناب۔ ولیم میں ہوں۔“

ڈاکٹر نے ولیم کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”ولیم، مجھے افسوس ہے۔ میں تمہاری ماں کو نہیں بچا سکا۔ لڑکی بھی مردہ پیدا ہوئی ہے۔“

”ہم نے انہیں بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن بچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔“ ڈاکٹر نے افسردہ لہجے میں کہا۔ ”میں نے انہیں سمجھایا تھا کہ زچگی ان کے لیے محدود ثابت ہوگی۔ لیکن انہوں نے میری بات نہ مانی۔ مان لی ہوتی تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔“

ولیم کی ٹانگیں اس کا بوجھ نہ سہا سکیں۔ وہ بیچ پر لڑھک گیا۔

ڈاکٹر کے الفاظ ولیم کی سماعت پر نقش ہو گئے تھے وہ تنگ بیٹھا تھا۔ وہ کیسے مر سکتی ہیں؟ چند لمحوں بعد اس کے منہ سے نکلا۔ ”آپ نے انہیں کیوں مرنے دیا۔“

ڈاکٹر بیچ پر اُن کے درمیان بیٹھ گیا۔ ”انہوں نے میری بات نہیں مانی۔“ اُس نے دُہرایا۔ ”تمہارے سوتیلے باپ کو میری بات پر کبھی یقین نہیں آیا۔ گزشتہ ناکام زچگی کے دوران تمہاری ماں کا ہائی بلڈ پریشر مسئلہ بن گیا تھا۔ اسی کی بنیاد پر میں نے انہیں سمجھایا تھا کہ زچگی ان کے لیے مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔ اُس کے باوجود وہ ٹھیک ٹھاک جاری تھی۔ لیکن آج جب تم انہیں لائے تو نہ جانے کیوں۔۔۔۔۔ ان کا بلڈ پریشر بہت زیادہ ہو گیا تھا۔“

ولیم نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ ماتیو نے اُسے سہارا دیا۔ وہ دونوں کاریڈور میں دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ڈاکٹر ان کے پیچھے تھا۔

وہ دونوں، دروازے تک پہنچ گئے تو ڈاکٹر نے کہا۔ ”یہ ایک غیر معمولی بات ہے۔۔۔۔۔ بلڈ پریشر کا اس طرح، اچانک بڑھ جانا۔۔۔۔۔ پھر انہوں نے مداخلت بھی نہیں کی۔ ایسا لگتا ہے، جیسے وہ کسی بڑی پریشانی سے دوچار تھیں۔۔۔۔۔ جیسے وہ جینا ہی نہیں چاہتی تھیں۔“

ولیم نے آنسوؤں میں تر چہرہ اٹھایا۔ ”وہ پریشانی سے دوچار نہیں تھیں۔۔۔۔۔ انہیں ایک شخص

دونوں لڑکے گھر پہنچے تو انہوں نے ایلن لائڈ کو ڈرائنگ روم میں موجود پایا۔ وہ اُن دونوں کو دیکھ کر اُنکھ کھڑا ہوا۔ ”ولیم۔۔۔۔۔ میں قصور وار ہوں۔ میں نے قرض کی منظوری دی تھی۔“ اس نے کہا۔ ولیم اسے دیکھتا رہا۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔

”میرا خیال ہے، اب اس بات کی کوئی اہمیت نہیں جناب۔“ ماتیو نے کہا۔ ”ابھی کچھ دیر پہلے زچگی کے دوران ولیم کی ماں کا انتقال ہو گیا ہے۔“

ایلن کا چہرہ سپید پڑ گیا۔ اس نے بڑی تیزی سے منہ پھیرا۔ دونوں لڑکوں نے اس سے پہلے کسی بڑے کو اس طرح روتے نہیں دیکھا تھا۔ ”یہ میرا قصور ہے۔“ ایلن لائڈ نے شکستہ لہجے میں کہا۔ ”میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میں نے اسے حقائق سے باخبر نہیں رکھا۔ میری محبت نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اسے تکلیف دہ حقائق سے دور رکھوں۔ میں اسے ٹوٹے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔“

ایلن کی اذیت کے احساس نے ولیم کو سنبھالا دیا۔ ”نہیں ایلن، تمہارا کوئی قصور نہیں۔“ اس نے مستحکم لہجے میں کہا۔ ”میں جانتا ہوں۔“ جو کچھ تمہارے بس میں تھا، تم نے کیا۔ اور اب۔۔۔۔۔ اب مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔“

ایلن بھی قدرے سنبھل گیا۔ ”ہنری کو تمہاری ماں کی موت کا علم ہے؟“ اس نے پوچھا۔ ”مجھے معلوم نہیں۔۔۔۔۔ اور مجھے اس کی کوئی پروا بھی نہیں۔“

”میں سرمایہ کاری کے سلسلے میں اس سے بات کرنے کے لیے سارا دن کوشش کرتا رہا ہوں، لیکن میرا اس سے رابطہ نہ ہو سکا۔ وہ اپنے دفتر میں نہیں پہنچا ہے۔“

”جلد یا بدیر، وہ آئے گا ضرور۔“

”ایلن کے جانے کے بعد ولیم اور ماتیو ڈرائنگ روم میں بیٹھے رہے۔ رات گزر گئی۔ وہ اُنکھ رہے تھے۔ صبح چار بجے کے بعد ولیم کو کسی کاری آواز نے چونکا دیا۔ ولیم کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ ماتیو بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔ انہوں نے کھڑکی سے دیکھا۔ ہنری کار سے اتر رہا تھا۔ اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ تھی اور ہاتھ میں شراب کی بوتل۔

ہنری اندر داخل ہوا۔ دونوں لڑکوں کو دیکھ کر اس نے حیرانہ انداز میں پلکیں جمے کائیں۔ ”جہیں تو اسکول میں ہونا چاہیے تھا۔“ وہ ولیم پر غرایا۔ ”مجھے این کی ضرورت ہے، تمہاری نہیں۔ این کہاں ہے؟“

”وہ مر گئیں۔“ ولیم نے بڑی سادگی سے کہا۔

ہنری احمقوں کی طرح ولیم کو دیکھتا رہا۔ اس کی نگاہوں نے ولیم کے ضبط کا بندھن دیا۔ ”تم اس وقت کہاں تھے جب میری ماں کو تمہاری، اپنے شوہر کی ضرورت تھی۔“ ولیم چاہا۔

ہنری کھڑا جھوٹا رہا۔ وہ بدست تھا۔ ”اور میرا بچہ؟“ اُس نے پوچھا۔

”وہ پیٹ میں ہی مر چکا تھا۔۔۔۔۔ بلکہ مر چکی تھی۔“

ہنری کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بہہ نکلے۔ وہ ڈکھ کے آنسو بہتے۔۔۔۔۔ نٹے میں آنکھوں سے بہنے والا پانی تھا۔ اُس نے کبھی کوئی کام ڈھنگ سے نہیں کیا۔ میرا بچہ بھی ضائع کر دیا اس پھو ہڑ عورت نے۔“

اب ولیم غم و غصے سے غمگین ہو چکا تھا۔ ”بکواس مت کرو۔ اپنے اور اپنے بچے متعلق ہی نہ سوچتے رہو۔“ وہ چلایا۔ ”تم جانتے تھے، ڈاکٹر میکینزی نے انہیں منع کیا تھا کہ وہ بچے کے مرحلے سے بچیں۔“

”تم اپنے کام سے کام رکھو، وہ میری بیوی تھی۔“

”اور اُس کی دولت سے تمہیں خصوصی دلچسپی تھی۔“

”دولت۔۔۔۔۔ ہاں، تمہیں تو قلع اسی بات کا تھا کہ اس کی دولت سے تم کیوں محروم رہے۔“ اٹھو۔۔۔۔۔ کھڑے ہو جاؤ۔“ ولیم نے دانت بھیج کر کہا۔

ہنری اٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن بوتل اُس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گئی۔ شراب فرش پر پھیل گئی۔ ہنری نے ٹوٹی ہوئی بوتل اٹھائی اور لڑکھڑاتا ہوا ولیم کی طرف بڑھا۔ انداز جارحانہ تھا۔ ولیم اٹھا جبکہ کھڑا ہا جبکہ ماتھو نے بوتل ہنری کے ہاتھ سے جھپٹ لی۔ ولیم نے ماتھو کو درمیان سے ہٹایا اور ہنری کی طرف بڑھ گیا۔ اب ان دونوں کے چہروں کے درمیان چند انچ کا فاصلہ تھا۔

”میری بات سنو۔۔۔۔۔ اور ذرا غور سے سنو۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر یہاں سے دفغان ہو جاؤ۔ اگر تم زندگی میں کبھی دوبارہ مجھے نظر آئے تو میں تمہارے متعلق تفتیش شروع کر دوں گا۔ اگر تم نے میری ہدایت پر عمل کیا تو میں پانچ لاکھ ڈالر کی سرمایہ کاری والا معاملہ بھی نہیں اٹھاؤں گا۔ بس اب دفع ہو جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں تمہیں قتل ہی کر دوں۔“

دونوں لڑکے اسے جاتا دیکھتے رہے۔ وہ غصے میں تھا۔۔۔۔۔ اور رو بھی رہا تھا۔

اگلی صبح ولیم بینک پہنچا۔ اسے فوراً ہی جیڑ مین کے دفتر میں پہنچایا گیا۔ ایلن لائڈ، کاغذات اپنے بریف کیس میں رکھنے میں مصروف تھا۔ اس نے نظریں اٹھا کر ولیم کو دیکھا اور بغیر کہے کاغذ کا ایک پرزہ ولیم کی طرف بڑھا دیا۔ ولیم نے اسے پڑھا۔ وہ بینک کے جیڑ مین کی جیٹ

سے ایلن لائڈ کا استعفا تھا۔

”آپ اپنی سیکرٹری کو بلائیں گے؟“ ولیم نے کہا۔

ایلن نے ہنر دیا۔ چند لمبے بعد اس کی سیکرٹری کمرے میں آگئی۔ صبح بخیر مسٹر کین۔“ اس نے ولیم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”آپ کی والدہ کی نواقص موت پر مجھے بہت ڈکھ ہے۔“

”شکریہ۔“ ولیم نے کہا۔ ”یہ استعفا کسی کی نظر سے گزرا تو نہیں ہے؟“ اُس نے پوچھا۔

”نہیں جنتاب۔“

”بس پھر اسے بھول جاؤ۔ اس کے متعلق کسی سے کبھی تذکرہ نہ کرنا۔ سمجھیں۔“ ولیم نے کہا۔ متوسط العمر سیکرٹری نے سولہ سالہ لڑکے کی نیلی آنکھوں میں جھانکا۔ اسے رچ ڈکین یاد آ گیا۔ اس کے انداز میں احترام نظر آیا۔ ”بہت بہتر مسٹر کین۔“ اس نے کہا اور دروازہ کھول کر کمرے سے نکل گئی۔

ایلن لائڈ نے ولیم کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”ایلن اس وقت کین اینڈ کا بوٹ کو نئے جیڑ مین کی ضرورت نہیں۔ تم نے جو کچھ کیا، ان حالات میں میرے ڈیڈی بھی اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تھے۔“

”بات اتنی آسان نہیں ہے۔ ایلن نے کہا۔

وہ بات اتنی ہی آسان ہے۔ اس سلسلے میں ہم اس وقت گفتگو کریں گے، جب میں اکیس سال کا ہو جاؤں گا اس وقت تک تم اس بینک کو چلاؤ گے اور میں تمہارا شکر گزار رہوں گا۔ ہنری والا معاملہ ختم سمجھو۔ اس معاملے پر بینک سے باہر کہیں کوئی بات نہ ہو۔ یہ بینک کا اندرونی معاملہ ہے۔ باہر کے کسی آدمی کے علم میں نہیں آنا چاہیے۔“ یہ کہہ کر ولیم نے ایلن کا استعفا پھاڑا۔۔۔۔۔ اور اس کے پرزے آتش دان میں پھینک دیے۔ پھر اس نے ایلن کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ”ایلن، اب میری کوئی ٹیلی نہیں ہے۔۔۔۔۔ سوائے تمہارے۔ خدا کے لیے میرا ساتھ نہ چھوڑنا۔“

ولیم، بیکن ہل واپس پہنچا۔ بلڈ نے اسے مطلع کیا کہ دادی کین اور نانی کا بوٹ ڈرائنگ روم میں اس کے فکٹر ہیں۔ وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو دونوں خواتین اس کی پیشوائی کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پہلی بار ولیم کو احساس ہوا کہ اب وہ کین فیملی کا سربراہ ہے۔

دو دن بعد اولڈ نارتھ چرچ میں این کی آخری رسومات ہوئیں۔ تدفین کے موقع پر صرف قریبی گھریلو دوست موجود تھے۔ البتہ ہنری کی عدم موجودگی معنی خیز تھی۔ تدفین کے بعد

آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرتا رہا۔ اسے یہ اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ وہ اُس وقت کس ملک میں موجود ہے۔ وہ اپنی اور اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ باہر اسے بازار نظر آیا۔ وہ بازار اوڈیسا کے بازار سے مختلف نہیں تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہاں لوگوں نے سفید لمبے لمبے چٹے پہنے ہوئے تھے اور ان کی جلد کی رنگت اتنی صاف نہیں تھی، جتنی کہ اوڈیسا میں دیکھنے میں آتی تھی۔ انہوں نے رنگ برنگے ہیٹ پہنے ہوئے تھے وہاں عورتیں بھی قمیضیں لیکن وہ باپردہ تھیں اور اُن کی آنکھوں کے سوا جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آ رہا تھا لاڈیک اُن سب کو خریداری کرتے ہوئے دیکھتا رہا پھر لاڈیک کی نظر عمارت کی دیوار کے ساتھ ایک سر بلند اٹنی میٹر پر پڑی۔ وہ کھڑکی سے ہٹا۔ اُس نے دروازہ بند کر کے اپنی چیزیں اکٹھی کیں اور کپڑے بدلنے میں مصروف ہو گیا۔ اس کے کپڑے کوٹلوں کی وجہ سے بالکل سیاہ ہو رہے تھے۔ کپڑے بدل کر وہ کھڑکی کی طرف آیا۔ اگلے ہی لمحے وہ اس میٹر کی مدد سے اتر رہا تھا نیچے آتے ہی اُسے جو پہلا احساس ہوا، وہ ناقابل برداشت گرمی کا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کاش اور کوٹ سے نجات مل جائے۔

نیچے اترتے ہی اُس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن اُس کی ٹانگیں کمزور ہو چکی تھیں چنانچہ وہ آہستہ چلنے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے ایک بار بھی پلٹ کر اسپتال کی عمارت کی طرف نہیں دیکھا۔ جلد ہی وہ خریداری کرنے والے ہجوم میں کھو گیا۔

ڈکانوں پر کھانے پینے کی اشیاء دیکھ کر اُس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ کچھ خریدنے سے پہلے اُس نے کوٹ کو دائیں جانب سے ٹولا، جہاں رقم ہونا چاہیے تھی۔ لیکن رقم نہیں تھی۔ اس کے علاوہ اس کا نفرتی نگن بھی غائب تھا۔ شاید ڈاکٹر نے اس کی رقم اور نگن بھی غائب کیا تھا۔ شاید ڈاکٹر نے اس کی رقم اور نگن ہتھ لیا تھا۔ اس نے سوچا کہ واپس جا کر اپنی چیزیں طلب کرے۔ لیکن پھر اس نے سوچا کہ پہلے کچھ کھا لیا جائے۔ اُس نے اپنی جیبیں ٹولیں۔ بالآخر اسے تین نوٹ اور چند سکہ مل گئے۔ نفرتی نگن بھی جب ہی میں موجود تھا۔ اس نے نگن کلائی میں ڈالا اور بازو تک پہنچا دیا۔ اس نے دکان سے ایک نارنگی اور کچھ اخروٹ اٹھائے۔ ڈکان والے نے اُس سے کچھ کہا، جسے وہ مطلق نہ سمجھ سکا تاہم اُس نے پچاس روپے کا نوٹ ڈکاندار کی طرف بڑھا دیا۔ ڈکاندار نے نوٹ کو دیکھا، ایک زوردار قہقہہ لگایا اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے۔ ”اللہ تیری شان۔“ اُس نے چیخ کر کہا۔ اور لاڈیک کے ہاتھ سے نارنگی اور اخروٹ چھین لیے۔ پھر اُس نے ہاتھ کے اشارے سے لاڈیک کو دفع ہو جانے کو کہا۔ لاڈیک مایوس ہو کر وہاں سے ہٹ آیا۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ وہاں صرف زبان ہی کا نہیں، کرنسی کا اختلاف بھی موجود ہے۔ روس میں وہ غریب تھا۔ لیکن یہاں وہ بالکل ہی ثار تھا۔ یعنی اسے نارنگی جراتا ہوگی۔ اُس نے سوچا کہ پڑ گیا تو نارنگی ڈکاندار کو واپس

سگوکاروں نے ولیم سے رکی تعزیت کی۔ بوڑھی دادی اور نانی، ولیم کے پیچھے خاموش کھڑی تھیں۔ وہ اپنی اولاد کی اولاد کو آخر آئینہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ ولیم زندگی کے اس بحران میں بھی سر بلند تھا۔ بادکار تھا۔

سب کے رخصت ہونے کے بعد ولیم، ایلن لاڈ کو چھوڑنے اس کی کار تک آیا۔ اس نے چیزیں سے ایک التجا کی۔ جس نے چیزیں کو بہت بڑی خوشی دی۔

”ایلن، تم جانتے ہو کہ میری ماں نے اسپتال میں بچوں کا دنگ تعمیر کرنا چاہتی تھیں۔ میرے باپ کی یادگار کے طور پر۔ میں چاہتا ہوں کہ اُن کی اس خواہش کا احترام کیا جائے۔“

لاڈیک کو ہوش آیا تو سفید کوٹ میں ملبوس تین افراد اُس کا معائنہ کر رہے تھے۔ وہ کسی اجنبی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ لاڈیک سوچتا رہ گیا کہ دنیا میں کتنی بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ وہ اپنی دانست میں تمام اہم زبانیں سیکھ چکا تھا۔ اس کے باوجود اس کا سابقہ ایک اجنبی زبان سے پڑ رہا تھا۔

لاڈیک نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اُسے لیٹنے پر مجبور کر دیا۔ پھر اُن میں سے ایک نے لاڈیک کو اسی اجنبی زبان میں مخاطب کیا۔ لاڈیک کے پلے کچھ نہ پڑا۔ اس کے مخاطب نے روسی زبان میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ لاڈیک نے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ روسی زبان بول کر روس واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس کے بعد ڈاکٹر نے جرمن زبان کا سہارا لیا۔ لاڈیک کو اندازہ ہو گیا کہ اس کی جرمن ڈاکٹر کے مقابلے میں بہتر ہے۔

”تم جرمن بول سکتے ہو؟“ ڈاکٹر نے پوچھا۔

”جی ہاں۔“

”گو یا تم روسی نہیں ہو؟“

”نہیں۔“

”تو تم روس میں کیا کر رہے تھے؟“

”میں وہاں قید تھا۔“

”اوہ۔“ ڈاکٹر نے کہا اور پھر تفتیش کے نتائج سے اپنے ساتھیوں کو آگاہ کرنے لگا۔

پھر ایک نرس آئی اور اس نے لاڈیک کی چیخوں کی پردا کیے بغیر اس کے زخموں کی صفائی شروع کر دی۔ اُس نے لاڈیک کے زخموں پر مرہم لگایا اور اسے سونے کی ہدایت کر کے رخصت ہو گئی۔ دوسری بار لاڈیک کی آنکھ کھلی تو وہ کمرے میں اکیلا تھا۔ وہ دیر تک چھت کو مگھورتا رہا۔ اور

کر دے گا۔ یہ سوچ کر وہ بازار کے آفتادہ سرے کی طرف چل دیا۔ لیکن وہ پر اعتماد نہیں تھا۔ وہ اسٹیفن کی طرح تیزی سے بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔ بہر حال اُس نے واردات کے لیے آخری بھاگ کو منتخب کیا۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ اُسے کوئی نہیں دیکھ رہا ہے۔ تو اُس نے ناگہانی اٹھائی اور بھاگ کھڑا ہوا۔ اچانک کچھ لوگ چیخے..... اور پھر جیسے تمام شہر اُس کے تعاقب میں لگ گیا۔ وہ زیادہ دور نہ جاسکا۔ ایک بھاری بھر کم آدی نے عقب سے اُس پر چھلانگ لگائی..... اور اُسے گرا دیا۔ چھ سات آدی اُسے کھینٹتے ہوئے دُکان تک واپس لے آئے۔ وہاں ایک پولیس والا موجود تھا۔ اُس کے اور دُکاندار کے درمیان چند مکالموں کا تبادلہ ہوا۔ پھر پولیس مین لاڈیک سے مخاطب ہوا..... لیکن لاڈیک اُس کی بات نہ سمجھ سکا۔ پولیس مین نے کندھے جھٹکے اور لاڈیک کو کان سے تمام کراہک طرف لے چلا۔ لوگ نفرت آمیز لہجوں میں لاڈیک پر چیخ رہے تھے۔ کچھ نے تو اُس پر تھوک بھی دیا۔ لاڈیک کو پولیس اسٹیشن لے جا کر ایک زیر زمین کوٹھری میں پھینک دیا گیا۔ کوٹھری میں بیس بچپس مجرم پہلے ہی سے موجود تھے۔ لاڈیک کو اُنہوں نے کوئی اہمیت نہیں دی۔ خود لاڈیک نے بھی ان سے بات کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ دیوار سے ٹک لگا کر بیٹھ گیا۔

ایک دن..... اور ایک رات، اُس کی خبر بھی نہیں لی گئی۔ اسے کھانا بھی نہ ملا۔ اُس پر تم، کوٹھری کی بدبو..... اُٹیوں کے مارے اُس کا برا حال ہو گیا۔ اُس کے ذہن میں اپنے محل کے تہ خانے کی یاد تازہ ہو گئی۔ اگلی صبح دو گاڑز اسے کھینٹتے ہوئے بالائی ہال میں لے گئے۔ وہاں اسے چند قیدیوں کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا۔ وہ سب ایک ہی رسی سے باندھ دیے گئے۔ رسی ہر قیدی کی کمر کے گرد باندھی گئی تھی۔ یوں انہیں قطار کی صورت باہر لایا گیا۔ سڑک پر بہت سے لوگ جمع تھے۔ لاڈیک کو ایسا ناگہانہ جیسے وہ قیدیوں کی آمد کے منتظر ہوں۔ وہ سب لوگ قیدیوں کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ مارکٹ اسکوائر میں پہنچ کر قیدیوں کو روک دیا گیا۔ پہلے قیدی کو رسی کی بندش سے آزاد کر کے اسکوائر کے وسط میں لے جایا گیا۔ لوگ حلق چھاڑ کر چیخنے لگے۔

لاڈیک بڑی بے یقینی سے دیکھتا رہا۔ پہلا قیدی اسکوائر کے وسط میں پہنچا تو گاڑز نے ایک جھٹکے سے اُسے گٹھنوں کے بل جھکا دیا۔ اور ایک دیو قامت آدی نے جس کے ہاتھوں میں تلوار تھی، قیدی کو لکڑی کے بھاری گٹھے پر باندھ دیا۔ پھر اُس نے تلوار بلند کی اور پوری قوت سے قیدی کی کلائی پر وار کیا۔ پہلے دار میں قیدی کی انگلیاں کٹ گئیں۔ قیدی نے ایک خوفناک چیخ ماری۔ جلاد کا ہاتھ دوبارہ حرکت میں آیا۔ اس بار کلائی ہی نشانہ بنی تھی۔ لیکن وار اب بھی اوچھا پڑا تھا۔ ہاتھ کلائی سے کٹ کر علیحدہ نہیں ہو سکا تھا۔ قیدی کی کلائی سے خون بہہ بہہ کر ریتیلی زمین میں جذب ہو رہا تھا۔

لاڈیک لاڈیک کی طرف آیا۔ اس نے لاڈیک کا پچاس روپل میں خریدا ہوا اور کوٹ ایک طرف اچھال دیا۔ پھر اس نے لاڈیک کی قمیص کی آستین اُپر چڑھائی اور لاڈیک کو کھینٹنے لگا۔ لاڈیک نے بہت ہاتھ پیر چلائے لیکن گاڑز اور اس کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ گاڑز نے اسکوائر کے وسط میں لے جا کر لاڈیک کو گراپا اور بڑی تیزی سے اُس کی کلائی تسمے میں جکڑ دی۔ جلاد کی تلوار بلند ہو چکی تھی..... اور اب لاڈیک آنکھیں بند کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

وہ دہشت کے عالم میں آنکھیں بند کیے اس اذیت ناک لمحے کا منتظر تھا۔ اچانک اس نے نقری نگن کھنٹی پر سے پھسل آیا۔ اس کی کٹک..... اور پھر مجھے کی سرگوشیاں سنائی دیں۔ جلاوٹ کا ہاتھ اڑ گیا۔ اس نے جھک کر نگن کا معائنہ کیا۔ لاڈیک نے آنکھیں کھول دیں جلاوٹ نے اس کے ہاتھ۔ نگن اتارنے کی کوشش کی لیکن تھکے کی وجہ سے نہ نکال سکا۔ پھر وردی میں ملبوس ایک شخص دوڑا آیا۔ اس نے نگن کی عبارت پر نظر ڈالی۔ پھر وہ تیز قدموں سے ایک اور شخص کی طرف گیا، جو اپنے انداز سے بڑا افسر معلوم ہو رہا تھا۔ وہ بڑا افسر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا لاڈیک کی طرف چلا آیا۔ گوارڈز پر رکھی ہوئی تھی۔ مجمع شور مچا رہا تھا کہ سزا پر جلدی سے عمل درآمد کیا جائے۔ افسر نے بھی نگن اتارنے کی کوشش کی لیکن تھکے نے اجازت نہیں دی..... افسر تھکے کوٹنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس نے چیخ کر لاڈیک سے کچھ کہا۔ لاڈیک نے پولش میں جواب دیا کہ وہ اس کی بات نہیں سمجھ سکتا۔

افسر بڑبڑاتا نظر آیا۔ اس نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور چیخ کر کہا: "اللہ! پھر وہ دونوں یورپی اشخاص کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دونوں ہاتھ چلا چلا کر ان سے کچھ کہتا رہا۔ لاڈیک دل ہی دل میں خدا سے دعا کرتا رہا۔ دونوں یورپین اب بھی لاڈیک کو دیکھے جا رہے تھے لاڈیک با تالی سے اپنا سر ہلانے لگا۔ پھر پہلا یورپین افسر کے ساتھ لاڈیک کی طرف بڑھا۔ لاڈیک کے پاس آ کے اس نے نقری نگن تھا اور اس پر کندہ عبارت پر نظر ڈالی لاڈیک منتظر تھا۔ وہ خود پانچ زبان بول سکتا تھا اور دعا کر رہا تھا کہ اسے ان میں سے کسی زبان میں مخاطب کیا جائے۔ یورپین افسر کی طرف مڑا اور اسی اجنبی زبان میں مخاطب ہوا تو لاڈیک کو بے حد مایوسی ہوئی۔ دوسری طرف تماشاخیوں نے اس پر گلے سڑے پھل پھینکا شروع کر دیے۔ افسر، یورپین کی بات سنتے ہوئے اٹھان میں سر ہلا رہا تھا۔ یورپین اپنی بات مکمل کر کے لاڈیک کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم انگریزی بول سکتے ہو؟" یورپین نے پوچھا۔

لاڈیک نے سکون کی سانس لی۔ "جی ہاں جناب۔" "لیکن میں پولش ہوں۔" اس نے کہا۔

"یہ نقری نگن تمہیں کہاں سے ملا؟"

"یہ میرے والد کا ہے جناب۔ وہ پولینڈ میں جرمینوں کی قید کے دوران موت سے بچا ہوا۔"

مجھے بعد میں روسیوں نے گرفتار کر کے روس بھیج دیا۔ میں وہاں سے ایک بحری جہاز پر ہوا۔ مجھے بھوک لگی تھی لیکن ڈکاندار روٹل کا نوٹ قبول نہیں کر رہا تھا۔ مجبوراً مجھے ایک نارنگی چاہنا پڑی۔

میں..... میں، جناب اب بھی بہت بھوکا ہوں۔"

انگریز اٹھا اور اس نے پراعتاد لہجے میں افسر سے کچھ بات کی۔ افسر نے جلاوٹ سے کچھ کہا۔

جلاوٹ بڑی بے یقینی سے افسر کو دیکھتا رہا۔ افسر نے اس بار زیادہ بلند آواز اور سخت لہجے میں کچھ کہا۔

نہ بچھڑاتے ہوئے لاڈیک کا ہاتھ تھکے کی بندش سے آزاد کر دیا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" انگریز نے لاڈیک سے کہا۔ "جلدی کرو، کہیں یہ اپنا فیصلہ نہ بدل دیں۔" لاڈیک نے اپنا کوٹ اٹھایا اور انگریز کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ مجمع اب مصلحانہ نعرے لگا رہا تھا۔ لیکن جلد ہی دوسرا قیدی اسکوائر کے وسط میں پہنچا دیا گیا..... اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ انگریز، لاڈیک کو مجھے سے نکال لایا۔ اسی وقت اس کا ساتھی بھی آپہنچا۔ "کیا ہو رہا ہے ایڈورڈ؟" اس نے پوچھا۔

"یہ لڑکا پولش ہے..... اور روس سے فرار ہوا ہے۔ میں نے افسر سے کہا کہ یہ انگریز ہے اور ہم اس کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔ اب ہم اسے سفارت خانے لے چلیں گے۔ دیکھیں گے کہ اس کی کہانی سچ ہے یا جھوٹ۔"

لاڈیک ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ مجھے کا شورا بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ جلد ہی وہ تینوں ایک بڑی سرمئی عمارت تک پہنچ گئے۔ دروازے پر برطانوی سفارت خانہ کے خوش کن الفاظ دھک رہے تھے۔ اس عمارت میں داخل ہوتے ہی لاڈیک کو تحفظ کا احساس ہونے لگا۔ وہ ایک طویل ہال سے گزرے، جہاں فوجیوں کی بے شمار تصاویر آویزاں تھیں۔ اچانک نہ جانے کہاں سے ایک سپاہی نمودار ہوا اور اس نے لاڈیک کے عین کولیوٹ کیا۔

کارپول اسمتھ، اس لڑکے کو غسل خانے کا راستہ دکھاؤ۔ پھر اسے کھانا کھلاؤ اور اس کے بعد اسے میرے دفتر میں لے آنا۔"

"بہتر جناب۔" کارپول نے کہا..... اور پھر سیلیوٹ کیا۔

لاڈیک کارپول کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ گرم پانی اور صابن سے نہاتے ہوئے اسے مہربان روی خاتون یاد آگئی اگر اس کا شوہر آڑے نہ آتا تو اس نے لاڈیک کو اپنا بیٹا بنایا ہوتا۔ سپاہی نے دستک دی۔ اس وقت تک لاڈیک کپڑے بدل چکا تھا، جو اسے کارپول نے فراہم کیے تھے۔

اس بار کارپول اسے کچن میں چھوڑ گیا۔ باورچن گلابی رنگت والی ایک فربہ اندام عورت تھی۔ اس کے انداز میں گرم جوشی تھی۔

"ہیلو..... تمہارا نام کیا ہے؟" باورچن نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"لاڈیک۔"

"تو لاڈیک، مجھے محسوس ہو رہا ہے تمہیں اس وقت شدید بھوک لگ رہی ہے۔ میں ابھی تمہیں گرم گرم سوپ اور چائپ دیتی ہوں۔ آخر تمہیں مسٹر ایڈورڈ کا سامنا کرنا ہے۔ ایک بات یاد رکھنا،

مسٹر ایڈورڈ صرف زبان کے کڑوے ہیں۔ انگریز ہونے کے باوجود اندر سے وہ بہت نرم آدمی ہیں۔"

”تو کیا آپ انگریز نہیں ہیں؟“ لاڈیک کے لہجے میں حیرت تھی۔

”نہیں، میں اسکاٹے ہوں، ہم لوگ تو جرمنوں سے بڑھ کر ان سے نفرت کرتے ہیں۔“
 باورجن نے ہنستے ہوئے کہا۔ پھر اُس نے بھاپ اڑاتے سوپ کا ایک بڑا پیالہ لاڈیک کے سامنے رکھ دیا۔ سوپ بہت لذیذ تھا۔ لاڈیک نے مستقبل کے اندیشے بالائے طاق رکھے اور کھانے پر ٹوٹ پڑا۔
 کچھ دیر بعد کارپورل پھر نازل ہوا۔ ”کھانا کھا لیا لڑکے؟“ اُس نے پوچھا۔

”جی ہاں..... شکریہ۔“

”چلو..... پھر چل دو۔ مسٹر ایڈورڈ تمہارے منتظر ہوں گے۔“

لاڈیک نے دل کی گہرائیوں سے باورجن کا شکریہ ادا کیا اور کارپورل کے ساتھ کچن سے نکل آیا۔ کارپورل ایک دروازے کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ اُس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔
 ”اندر آ جاؤ۔“ کسی نے کہا۔

کارپورل نے دروازہ کھولا اور سیلوٹ جھاڑ دیا۔ ”لڑکا..... حاضر ہے جناب۔“ اُس نے کہا۔
 ”شکریہ کارپورل..... اب ایسا کرو کہ مسٹر گرانٹ کو بھی بھیج دو۔“

لاڈیک کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا محسن ڈیک کے عقب میں بیٹھا تھا۔ اُس نے لاڈیک کو سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود اپنے سامنے رکھے کاغذات کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لاڈیک بڑا سے دیکھتا رہا۔ چند منٹ بعد مسٹر ایڈورڈ کا ساتھی جو بازار میں اُن کے ساتھ تھا، کمرے میں داخل ہوا۔
 ”شکریہ گرانٹ..... پلیز بیٹھ جاؤ۔“ ایڈورڈ نے ساتھی کو دیکھا۔ پھر وہ لاڈیک کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ”ہاں لڑکے..... اب اپنے متعلق تفصیل سے بتاؤ..... سچ سچ..... سمجھ رہے ہونا؟“ اُن نے کہا۔

”جی ہاں جناب۔“ لاڈیک نے کہا۔ پھر اُن نے اپنی رام کہانی شروع کر دی۔ شروع میں اس کے دونوں سامعین کی آنکھوں میں الجھن اور بے یقینی کا تاثر تھا۔ وہ کہیں کہیں اسے ٹوکتے، اُس سے سوال کرتے اور اس کا جواب سن کر ایک دوسرے کو دیکھتے اور سر کو تھیمی جنبش دیتے۔ لاڈیک کا پیش ایک گھنٹے تک ہوتا رہا۔

”میرا خیال ہے گرانٹ کہ ہمیں پولش سفارت خانے کو مطلع کرنا چاہیے یہ لڑکا درحقیقت

ان کی ذمہ داری ہے۔“ لاڈیک کے خاموش ہوتے ہی ایڈورڈ نے کہا۔

”درست ہے۔“ گرانٹ نے جواب دیا۔ ”آج یہ لڑکا بال بال بچا ہے۔“

”آپ نے مجھے بچایا کیسے؟“ لاڈیک نے ایڈورڈ سے پوچھا۔

”میں نے اُن سے کہا کہ مسلمانوں کی بات اور ہے۔ میں انہیں کسی انگریز کا ہاتھ نہ

کاٹنے دوں گا۔“

”نہ ادا شکریہ ہے۔“ لاڈیک نے کمر دروازہ میں کیا۔

”بالکل ٹھیک بہر حال، میرا نام ایڈورڈ ہے۔“ ایڈورڈ نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”آج رات تم یہاں گزار سکتے ہو۔ کل ہم تمہیں، تمہارے لوگوں میں پہنچا دیں گے۔“ یہ کہہ کر اُس نے ایک بٹن دبایا۔ فوراً ہی کارپورل حاضر ہو گیا۔

”کارپورل، لاڈیک کو اس کے کمرے میں لے جاؤ۔ صبح اسے ناشتہ کرانا اور نو بجے تک میرے پاس لے آنا۔“ ایڈورڈ نے حکیمانہ انداز میں کہا۔

”ٹھیک ہے جناب..... چلو لڑکے..... ذیل کرو۔“

لاڈیک کارپورل کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ اسے اپنے محسنوں کا شکریہ تک ادا کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ بہر حال، کارپورل اسے ایک چھوٹے سے صاف سترے کمرے میں لے آیا۔
 لاڈیک نے کپڑے بدلے..... نکیہ فرش پر پھینکا اور نرم و آرام دہ بستر پر لیٹتے ہی سو گیا۔ آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔ کارپورل بھی آ گیا تھا۔

”اٹھو لڑکے۔ جلدی کرو۔ تیار ہو جاؤ۔“

لاڈیک جلدی سے کپڑوں کی طرف لپکا۔

”کیا کرتے ہو؟“ کارپورل چلایا۔ ”پہلے ہاتھ منہ دھو لو۔“ اُس وقت اس کی نظر لاڈیک کی متاثرہ ٹانگ پر پڑ گئی۔ ”اے..... یہ کیا ہے؟“

”کچھ..... کچھ نہیں۔“ لاڈیک نے جلدی سے رخ بدل لیا۔

”میں تین منٹ بعد واپس آؤں گا۔“ کارپورل نے کہا۔ ”مجھے تیار ملنا۔“

لاڈیک نے جلدی جلدی ہاتھ منہ دھو کر کپڑے پہنے۔ کارپورل آیا اور اسے اپنے ساتھ مسٹر ایڈورڈ کے کمرے کی طرف لے گیا۔ ایڈورڈ نے بوے پر تپاک انداز میں لاڈیک کا خیر مقدم کیا۔

”صبح بخیر جناب۔“ لاڈیک نے شائستہ لہجے میں کہا۔

”صبح بخیر لاڈیک۔“ ایڈورڈ نے جواب دیا۔ ”تم نے ناشتہ کر لیا؟“

”نہیں جناب۔“

”کیوں؟“ ایڈورڈ نے کارپورل سے پوچھا۔

”جناب یہ دیر تک سوتا رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ آپ کے پاس ٹھیک وقت پر لے آؤں۔“

”کچھ کر کارپورل، لڑکے کے لیے سیب کا جوس ہی لے آؤ۔“ ایڈورڈ کا لہجہ نرم تھا۔

”بہتر جناب۔“

”میں پولینڈ واپس جا کر اپنی جائداد حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“ لاڈیک نے کہا۔

”پولینڈ؟ وہاں اب کیا رکھا ہے۔ پولش اور روسی فوجوں کے درمیان اب بھی جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ مزاحمت جاری ہے۔ کوئی اچھی امید رکھنا محض حماقت ہوگی۔ پولینڈ میں اب کچھ نہیں رکھا بیٹے۔ بہتر ہے کہ انگلینڈ یا امریکہ میں نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرو۔“

”لیکن میں پولش ہوں۔ میں انگلینڈ یا امریکہ نہیں جانا چاہتا۔

”لاڈیک، تم کہیں بھی چلے جاؤ، رہو گے پولش ہی..... لیکن زندگی کے بارے میں انسان

کا نکتہ نگاہ حقیقت پسندانہ ہونا چاہیے۔ تمہاری زندگی کا تو ابھی آغاز بھی نہیں ہوا ہے۔“

لاڈیک نے مایوسی سے سر جھکا لیا۔ کیا اتنی تلخیص اٹھا کر بھی وہ وطن واپس نہیں جاسکے گا؟

اُس نے بڑی مشکل سے اپنے آنسو روکے، جو آنکھوں سے بہہ نکلنے کے لیے بے تاب تھے۔

پال زیوسکی نے بے حد شفقت سے اُس کے کندھے پر ہتھی دی۔ ”تم خوش نصیب ہو بیٹے

کہ اُس جہنم سے زندہ نکل آئے ہو۔ زندگی کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے تمہیں فقط اپنے دوست ڈاکٹر کو یاد

رکھنا ہوگا، جس نے فرار ہونے میں تمہاری مدد کی تھی۔“

لاڈیک خاموش رہا۔

”اب سب کچھ بھول جاؤ۔ صرف مستقبل پر نظر رکھو۔“ قونصل نے مزید کہا۔ ”لاڈیک،

ممکن ہے، تمہیں اپنی زندگی ہی میں پولینڈ کا عروج دیکھنے کا موقع مل جائے۔ میں بڑی جرأت سے

یہ بات کہہ رہا ہوں۔ حالانکہ اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔“

لاڈیک اب بھی خاموش رہا۔

”فیصلہ کرنے میں جلد بازی کی کوئی ضرورت نہیں۔“ پال زیوسکی نے مشفقانہ انداز میں کہا۔

”تم جب تک چاہو، یہاں ٹھہر سکتے ہو۔ مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کرتے ہی مجھے آگاہ کر دیتا۔“

لاڈیک قسطنطنیہ میں اٹھارہ ماہ رہا۔ پولش سفارتخانہ اس کی واحد پناہ گاہ تھا۔ جلد ہی وہ پولش سفیر پال زیوسکی سے بے تکلف ہو گیا۔ لاڈیک اس کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ سفیر محسوس کرنے لگا کہ اب لاڈیک اُس کے لیے ناگزیر ہو گیا ہے۔ لاڈیک ہفتے میں ایک بار برطانوی سفارت خانے جاتا۔ اسکاٹش باورجن سے اس کی خاصی دوستی ہو گئی تھی۔

اُن دنوں سلطنت عثمانیہ انتشار سے دو چار تھی۔ اسلامی قوانین کو آہستہ آہستہ غیر موثر بنایا جا رہا تھا ہر شخص کے ہونٹوں پر مصطفیٰ کمال کا نام تھا۔ اندرونی تبدیلی کے اس احساس نے لاڈیک کو سب سے جھین کر دیا۔ اُسے بیرن اور وہ تمام لوگ یاد آنے لگے، جن سے اُس نے محبت کی تھی۔ روس میں وہ

ایڈورڈ لاڈیک کو لے کر سفارت خانے کے دروازے کی طرف چل دیا۔ اس نے راز رکھی تھی۔ احاطے میں ایک کار اُن کی منتظر تھی۔ لاڈیک کو افسوس ہو رہا تھا کہ وہ برطانوی سفارت خانے سے رخصت ہو رہا ہے۔ برسوں میں، تحفظ کا اتنا مکمل احساس کہیں اور نہیں مل سکا تھا۔ وہ رہا تھا کہ اب خدا جانے، کتنے برس بعد ایسا آرام وہ بستر نصیب ہوگا۔

اسی وقت کار پورل سب کا جوس لے آیا۔ جوس کاغذ کے گلاس میں تھا۔ گلاس لاڈیک تھا کہ کار پورل جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔

کار سڑک پر چوٹی کی رفتار سے ریک رہی تھی۔ ترک لوگ سڑک کے بیچ میں چلنے کی عادی تھے۔ گرمی بہت شدید تھی۔ کار کے تمام شیشے اترے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود لاڈیک پورل میں نہار نہا تھا۔ ویسے بھی وہ کار میں ڈبک کر بیٹھا تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ کوئی اسے پہچان کر ہاتھ کاٹنے سزا پر عمل نہ کر بیٹھے۔

کار پولش قونصل کی عمارت کے سامنے رکی۔ عمارت بہت چھوٹی سی تھی۔ لاڈیک کو اہر عمارت نے خاصا مایوس کیا۔

کار پورل نے اتر کر دروازے پر دستک دی۔ ایک پستہ قامت شخص نے دروازہ کھولا۔ اس وقت مسٹر ایڈورڈ اور لاڈیک بھی کار سے اتر آئے تھے۔ پستہ قامت شخص پولش زبان میں بات کر رہا تھا۔ برسوں بعد لاڈیک نے مادری زبان سنی تھی۔ شروع میں تو اُس کی سمجھ میں کچھ آیا ہی نہیں، مگر وہ سمجھ گیا۔ اُس نے بھی رواں پولش میں اپنے بارے میں وضاحت کی۔

پستہ قامت شخص اب مسٹر ایڈورڈ کی طرف متوجہ ہوا۔ ”تشریف لائیے مسٹر ایڈورڈ۔“ اُن نے شستہ انگریزی میں کہا۔ ”آپ نے خود زحمت کی۔ یہ ہمارے لیے اعزاز ہے۔“

اُن دونوں کے درمیان چند رسمی الفاظ کا تبادلہ ہوا۔ پھر مسٹر ایڈورڈ اور کار پورل واپسی کے لیے پلٹ گئے۔ لاڈیک بے حد مدنیت سے مسٹر ایڈورڈ کو دیکھتا رہا۔ لفظ شکریہ اس کے جذبات کے اظہار کے لیے ناکافی تھا۔ جاتے جاتے ایڈورڈ نے لاڈیک کے سر پر بڑی محبت سے ہاتھ بھرا۔ پھر وہ رخصت ہو گئے۔ ”گڈ لگ لاڈیک۔“ یہ اُن کے الوداعی الفاظ تھے۔

اُن کے جانے کے بعد پولش قونصل نے خود کو لاڈیک سے متعارف کرایا۔ اُس کا پال پال زیوسکی تھا۔ لاڈیک کو ایک بار پھر اپنی چپٹا سنا پڑی۔ اس بار زیادہ دشواری اس لیے نہ ہوئی کہ زبان انگریزی نہیں بلکہ پولش تھی۔ پال زیوسکی خاموشی سے سنتا رہا۔ وہ افسردہ نظر آ رہا تھا۔ ”لڑکے..... تم نے اتنی کم عمری میں اتنی مصیبتیں جھیل لیں۔“ بالآخر اُس نے کہا۔ ”اب بتاؤ کہ ہم تمہاری کیا خدمت کر سکتے ہیں؟“

میں اُسے مناسب ترین غذا میسر آئی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید وہ اس مرحلے سے سرخرو ہو کر بھی نہ جبرتا۔ بالآخر اُسے عرشے پر جانے کی اجازت مل گئی۔ جہاز میں تین طرح کے کپارٹمنٹ تھے۔ مردوں کے عورتوں کے اور شادی شدہ افراد کے کپارٹمنٹ..... لاڈلیک تیزی سے مردوں والے کپارٹمنٹ کی طرف چل دیا۔ جہاں اچھی خاصی تعداد میں پولش لوگ موجود تھے۔ وہاں اپنی برتھ خیمیں..... اوپر تلے چار برتھ۔ ہر برتھ پر چٹائی اور ایک ہلکا کمبل موجود تھا۔ یہ دیکھ کر لاڈلیک کو کوئی پریشانی نہ ہوئی کہ وہاں نکلی نہیں ہے۔ اس نے اپنے لیے ایک برتھ منتخب کر لی۔ اوپری برتھ پر ایک لڑکا تھا جو اُس کا ہم عمر معلوم ہوتا تھا۔

”میں لاڈلیک کو کبھی ہوں۔“ اُس نے اپنا تعارف کرایا۔

”میں جوزی نواک ہوں۔ میرا تعلق وارسا سے ہے۔“ لڑکے نے پولش زبان میں کہا ”میں قسمت آزمائی کے لیے امریکہ جا رہا ہوں۔“ یہ کہہ کر اُس نے لاڈلیک کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ جہاز کے نکلنے کے بعد وقت ان دونوں نے ساتھ ہی گزارا۔ دونوں تنہائی کے مارے ہوئے تھے۔ اور ایک دوسرے کی رفاقت اُن کے لیے نعمت غیر مترقبہ تھی۔ وہ اپنے اپنے تجربات سناتے رہے۔ جوازی، لاڈلیک سے بے حد متاثر ہوا۔ لاڈلیک کا پس منظر اُس کے لیے بے حد پرکشش تھا۔ بیرن کا بیٹا..... بیرن کے ملازم کی جھوپڑی میں پرورش، جرمینوں اور روسیوں کی قید کے تجربے، سائبریا سے فرار، پھر نفرتی کنگن کی وجہ سے ہاتھ کٹنے کے مرحلے سے نجات..... جوزی کے لیے یہ ایسے تجربات تھے، جو انسان کو ایک عمر گزارنے پر ہی حاصل ہوتے ہیں۔ وہ لاڈلیک کے خاندانی کنگن کو دیکھتا رہا۔ لاڈلیک رات بھر اپنی کہانی سناتا رہا اور جوزی خاموشی سے سنتا رہا۔

اگلی صبح بلیک ایر اپنے سفر پر روانہ ہوا۔ لاڈلیک اور جوزی ریلنگ کے ساتھ کھڑے قطاریہ کو آہٹائے باسفورس کے نیلے پانیوں کے عقب میں معدوم ہوتا دیکھتے رہے پھر بحری سفر کے سلسلے میں ابکائیوں کا آغاز ہوا اور ٹائلٹ میں لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ کھانا وہ لوگ جہاز کے کمرہ طعام میں کھاتے تھے، جہاں صفائی کا فہدان تھا۔ کمرے میں لمبی لمبی میزیں تھیں۔ کھانا گرم سوپ، آلو، مچھلی، ابلے ہوئے گوشت اور گوہی پر مشتمل ہوتا تھا۔ لاڈلیک روس میں اس سے بھی بدتر کھانا کھا چکا تھا لیکن اب وہ اچھی غذا کا عادی ہو گیا تھا۔ پال زیوکی نے اُسے خشک غذا دی تھی۔ یوں وہ حتی الامکان جہاز کے ناقص کھانے سے بچتا رہا۔ وہ جوزی کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیتا تھا۔

تیسرے روز کھانے کے وقت جوزی کمرے میں آیا تو اُس کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی۔ جوزی نے بتایا کہ لڑکی کا نام زافیا ہے۔ اس سے پہلے لاڈلیک نے کبھی کسی لڑکی پر دوسری نظر نہیں ڈالی تھی لیکن وہ زافیا کو بار بار دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔ نجائیوں کیوں اُسے دیکھ کر لاڈلیک کو فکوریتا یاد آتی

لوگ اُسے زیادہ یاد نہیں آئے تھے کیونکہ وہاں صرف اپنی ہٹا کے لئے جدوجہد اس کے پیش نظر تھی۔ یہاں..... ترکی میں تو وہ لوگ تیار رہتے تھے اُس کے قصور میں چلے آتے تھے کبھی کبھی وہ بہت خوشام آتے۔ لیون دریا میں نہا رہا ہوتا۔ فلورینا اُس کی باتیں بڑی توجہ سے سن رہی ہوتی۔ بیرن چہرے ہا فخر و مباہات کا تاثر سجائے پولینڈ کی تاریخ سن رہا ہوتا..... پھر اچانک ہی یہ چہرے لرزتے، تھر تھرتھارتے اور عدم وجود میں تحلیل ہو جاتے، کبھی وہ چہرے اذیت سے دو چار نظر آتے اور لاڈلیک کو دکھی کر دیتے اُسے مردہ لیون..... اذیت میں مبتلا خون میں نہائی ہوئی فلورینا اور بیتائی سے محروم بیرن نظر آتا۔ وہ دل مسوس کر رہ جاتا۔

لاڈلیک نے اب یہ حقیقت تسلیم کر لی تھی کہ کبھی اپنے وطن واپس نہیں جاسکے گا۔ وہاں اب رکھا ہی کیا تھا۔ اس کے پیارے مرکب چکے تھے۔ اب تو اُسے بس ایک ہی خیال ستاتا تھا..... اُسے زندگی میں کچھ کرنا ہے..... پھر واپس اپنے وطن جانا ہے۔ اس مقصد کے لیے امریکہ موزوں ترین مقام تھا۔ پال زیوکی امریکہ کے متعلق گفتگو کرتا تو لاڈلیک کو ایسا لگتا جیسے وہ کسی نئی دنیا کا تذکرہ کر رہا ہو۔ امریکا کا نام سن کر ہی اُس کے دل میں امید جاگ اُٹھتی کہ وہ کسی دن بڑا آدمی بن کر اپنے وطن لوٹ سکے گا۔ پھر پال زیوکی نے اُس کے امریکہ جانے کا بندوبست کر دیا۔ لیکن جانے کے خواہش مند افراد کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ لاڈلیک کو طویل انتظار کرنا پڑا۔ ایسا لگتا تھا کہ سارا مشرقی یورپ، امریکہ جانے پر قتل گیا ہو۔

1921ء کے موسم بہار میں لاڈلیک، بلیک ایر و نامی بحری جہاز پر سوار ہوا۔ اس کا سامان ایک سوٹ کیس میں بند تھا۔ پال زیوکی نے اسے ضروری کاغذات فراہم کر دیے تھے۔ وہ اُسے الوداع کہنے کے لیے بندرگاہ پر بھی آیا۔ جہاز پر سوار ہونے سے پہلے اس نے لاڈلیک کو محبت سے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ ”جاؤ لڑکے..... تم ہمیشہ خدا کی امان میں رہو۔“

جہاز پر سوار ہوتے ہی لاڈلیک کو اوڈیسا سے قطاریہ تک کا اذیت ناک سفر یاد آیا تو وہ کانپ گیا۔ لیکن اس بار جہاز پر کوئے نہیں تھے۔ ہر طرف انسان ہی انسان نظر آ رہے تھے۔ اُن میں ہر رنگ اور ہر نسل کے لوگ موجود تھے۔ عرشے پر ایک افسر نے اُس کے کاغذات چیک کیے۔ ”مٹھوک تھا کیونکہ اس کے خیال میں لاڈلیک ترکی میں بحری فوجی بھرتی سے بچنے کے لیے فرار ہوا تھا۔ لیکن پال زیوکی کے دیے ہوئے کاغذات ہر اعتبار سے مکمل تھے۔ کچھ لوگوں کو جہاز سے اتار بھی دیا گیا۔ لیکن خوش قسمتی اور پال زیوکی کی مہربانی سے لاڈلیک اُن میں شامل نہیں تھا۔

اُس کے بعد طبی معائنہ کیا گیا کہ مسافر کسی متعدی بیماری کا شکار تو نہیں۔ لاڈلیک دل و جان میں اُن اٹھارہ مہینوں کو دعائیں دیتا رہا جو اُس نے پولش سفارت خانے میں گزارے تھے، جن

تھی۔ لاڈیک کا شدت سے جی چاہا کہ اُسے چھو کر دیکھے۔ لڑکی وقتاً فوقتاً اُسے دیکھ کر مسکراتی رہی۔ لیکن لاڈیک احساس کمتری میں مبتلا رہا کیونکہ جوزی اس کے مقابلے میں بے حد خوش شکل اور ہر کشش جوان تھا۔

لڑکی کے جاتے ہی جوزی، لاڈیک پر اُلٹ پڑا۔ ”تم اپنے لیے کوئی اور لڑکی ڈھونڈو۔ وہ میری ہے۔“

لاڈیک کے لیے یہ اعتراف کرنا ممکن نہ تھا کہ وہ ان معاملات میں بالکل کور ہے، اور اُسے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ لڑکی کیسے تلاش کرے۔ ”امریکہ پہنچ کر دیکھا جائے گا۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔“ لاڈیک نے تلخ لہجے میں کہا۔

”امریکہ پہنچتے پہنچتے تو میں کم از کم چالیس لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کر چکا ہوں گا۔“
”وہ کیسے؟“ اس بار لاڈیک پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔
”جہاز بارہ دن بعد امریکہ پہنچے گا۔ اس دوران بارہ لڑکیاں تو ضرور مجھ سے متاثر ہوں گی۔“
”تم اُن کا کیا کرو گے؟“

”کیا کروں گا۔ بندہ خدا..... انہیں اُبال کر کھانے سے تو رہا۔“ جوزی نے نکل کر کہا۔
لاڈیک ہونٹوں کی طرح اُسے دیکھتا رہا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بارہ لڑکیوں کا کیا کیا جاسکتا ہے..... متاثر کرنے کا عمل کیا ہے اور اس کا کیا فائدہ ہے؟

”میرے خدا..... تم نے اتنی بھر پور زندگی گزاری ہے اور کبھی اس مرحلے سے نہیں گزرے۔“ جوزی نے اُس کی بے خبری بھانپتے ہوئے تبصرہ کیا۔

”شپ اپ..... ہمیں سونے دو۔“ اوپر سے کسی نے ڈانٹا۔
”وقت آگیا ہے کہ تم اپنی تعلیم مکمل کرلو۔“ جوزی نے سرگوشی کی۔ ”مجھے پتہ چل گیا ہے کہ تم مکمل نہیں ہو۔ کم از کم ایک معاملے میں تمہارا استاد بن سکتا ہوں۔ زافیا بہت پیاری لڑکی ہے۔ میں تمہارے لیے اس سے بات کروں گا۔“

لاڈیک خاموش رہا۔
اس کے بعد اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی۔ البتہ ایک جدیلی ضرور آئی۔ زافیا، لاڈیک پر خصوصی توجہ دینے لگی۔ وہ دونوں گھنٹوں باتیں کرتے رہے۔ زافیا نے اُسے اپنے متعلق بتایا۔ اُس کے ماں باپ مر چکے تھے۔ وہ امریکہ میں اپنے اعزاء کے پاس جاری تھی، جو شکار گاہ میں رہتے تھے۔ لاڈیک نے اُسے بتایا کہ وہ نیویارک جا رہا ہے اور شاید جوزی کے ساتھ ہی رہے گا۔
”کاش..... شکار گاہ اور نیویارک کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ ہو۔“ زافیا نے پر خلوص لہجے

”ہاں..... تاکہ میں نیویارک کا میٹروپولیٹن تو تم مجھ سے ملنے آسکو۔“ جوزی نے اکر کر کہا۔
”تم خالص پولش معلوم ہوتے ہو جوزی۔ تم لاڈیک کی طرح اچھی انگریزی بھی نہیں بول سکتے۔“ زافیا نے منہ بنا کر کہا۔

”میں بولنے لگوں گا۔“ جوزی نے اعتماد سے جواب دیا۔ ”سب سے پہلے تو میں اپنا نام بدلوں گا۔ آج میں جارج ٹواک ہوں۔ امریکن ہو گیا تو کوئی پریشانی نہیں رہے گی ہر شخص مجھے امریکن سمجھ گا۔ اپنے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے لاڈیک کو سنی..... یہ نام تو نہیں چلے گا۔ بولو، کیا کہتے ہو؟“
لاڈیک نے نومولود جارج کو دیکھا۔ وہ اپنے نام پر کڑھنے کے سوا اور کیا کر سکتا تھا۔ اُسے تو اپنا خاندانی نام بھی درست کرنا تھا۔ اُس کے بغیر وہ ہیرن کا وارث بھی ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔ کو سنی کے نام سے اُسے نفرت تھی۔ ”میں اپنا کام چلا لوں گا۔“ اس نے کہا۔ ”اور انگریزی کے سلسلے میں میں تمہاری مدد بھی کروں گا۔“

”اور میں تمہیں لڑکیوں کے معاملے میں ماہر بنا دوں گا۔“ جوزی نے فخریہ لہجے میں کہا۔
”میں تمہارے لیے کوئی مناسب لڑکی تلاش کروں گا۔“
”تمہیں زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔“ زافیا کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ ”لاڈیک کو مناسب لڑکی مل گئی ہے۔“

جوزی..... بلکہ جارج کا معمول تھا کہ رات کے کھانے کے بعد وہ کسی نہ کسی غنی رفیق کے ساتھ لائف بوٹ میں گھس جاتا تھا۔ اور لاڈیک کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ وہاں کیوں جاتا ہے۔
ایک رات، کھانے کے بعد جارج حسب معمول غائب ہو گیا تو لاڈیک اور زافیا عرشے پر جا بیٹھے۔ اس روز زافیا کچھ بے تکلف ہو گئی۔ لاڈیک بوکھلا گیا۔ لیکن اس بوکھلاہٹ میں بھی اُسے لطف محسوس ہونے لگا۔ وہ حیران بھی تھا جلد ہی اُس کی جھجک کچھ کم ہو گئی۔ پہلی بار اس پر اپنی ہستی کے عید مل رہے تھے۔

”آج کی پڑھائی ختم۔“ کچھ دیر بعد زافیا نے کہا۔ ”کل پھر کلاس ہوگی۔“
”تو کیا ابھی میری تعلیم مکمل نہیں ہوئی۔“ لاڈیک کے لہجے میں حیرت تھی۔
”تم معصوم ہو۔ یہ تو اے بی سی تھی، دوست۔“ زافیا نے جواب دیا۔
لاڈیک اپنی ہاتھ پر جا لیٹا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ زندگی میں اتنی ساری الجھنیں کیوں ہوتی ہیں..... یہ کون سی تعلیم ہے..... اور وہ اُسے کیسے حاصل کرے گا۔ وہ انہی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک ایک بوڑھے سے ہاتھ نے اُسے بالوں سے پکڑ کر نیچے تھمٹ لیا۔ لاڈیک کے اندہ بہت

جذبات سرود پڑ گئے۔ وہ دو آدمی تھے اور اس نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اُسے گھینٹے ہوئے ایک افتادہ کوٹنے میں لے گئے۔ ایک نے اُس کے منہ پر سختی سے ہاتھ رکھ دیا۔ دوسرے نے اس کے منہ پر چاقو تھکا دیا۔

”اوپنی سانس بھی نہ لینا۔“ چاقو والے نے تنبیہ کی۔ ”ہمیں صرف تمہارا کنگن درکار ہے۔“ لاڈیک دہشت زدہ ہو گیا۔ اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اُن میں سے ایک نے اس کی کلائی سے کنگن کھینچ لیا۔ لاڈیک اندر میرے کی وجہ سے اُن کی شکلیں بھی نہ دیکھ سکا۔ اُسے احساس ہوا کہ اب وہ کنگن اُسے کبھی واپس نہیں ملے گا۔

اچانک کسی نے چاقو والے پر حملہ کر دیا۔ لاڈیک کو موقع مل گیا۔ اُس نے اس شخص کے منہ پر گھونبہ رسید کیا، جو اس کے منہ پر ہاتھ رکھے بیٹھا تھا۔ پھر شور ہوا..... اور کپار منٹ کے لوگ بیدار ہونے لگے۔ دونوں حملہ آور تیزی سے بھاگ اُٹھے۔ لیکن اس سے پہلے جارج انہی کے چاقو سے، اُن میں سے ایک کے پہلو پر وار کر چکا تھا۔

”ایسا لگتا ہے، میں مناسب وقت پر آ گیا تھا۔“ جارج نے کہا۔ پھر اُنے فرش پر پڑے ہوئے کنگن کو غور سے دیکھا اور بولا۔ ”بہت خوبصورت کنگن ہے۔ اسے تو ہر دور میں تم سے چھیننے کی کوششیں ہوتی رہیں گے۔“

لاڈیک نے کنگن اٹھایا اور اسے کلائی میں ڈال لیا۔

”یہ کنگن آج تو نکل ہی گیا تھا۔“ جارج نے مزید کہا۔ ”شکر ہے آج مجھے واپسی میں زیادہ دیر نہیں ہوئی۔“

لاڈیک نے چھت پر نظریں جمادیں۔

اگلی صبح جہاز طوفان میں گھر گیا۔ ایکائیوں کا عمومی سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔

اس سفر کے دوران زافیا نے لاڈیک کو اسے سے زیادہ تک تمام حرف جمی سکھا دیے۔ لاڈیک حروف پہچاننے کے قابل ہو گیا..... لیکن ابھی وہ حروف سے الفاظ بنانے کے مرحلے تک نہیں پہنچا تھا۔ اس دوران لاڈیک اعلیٰ مرتبہ بہر حال کر چکا تھا۔ زافیا نے بھی اس کا ثبوت جواب دیا۔

ایک صبح جب وہ بیدار ہوئے تو کپار منٹ میں غیر معمولی جہل پہل تھی۔ مسافروں میں بیجان پھیلا ہوا تھا۔ سب عرشے پر جمع ہو گئے تاکہ امریکہ کی ایک جھلک دیکھ سکیں۔ لاڈیک نے اپنا سامان سوٹ کیس میں رکھا۔ وہ خوش تھا کہ طویل سفر اختتام کو پہنچا۔ زافیا اور جارج اس کے قریب کھڑے تھے۔ پھر انہیں امریکہ عظیم کی پہلی جھلک نظر آئی۔

جہاز نیویارک کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہو گیا۔ اترنے سے پہلے ان کے سینے پر ایسے لیلی

جہاں کیے گئے۔ جن پر نمبر لکھے ہوئے تھے۔ لاڈیک کا نمبر بی۔ 127 تھا۔ اُسے بے ساختہ وہ دن یاد آیا جب نام کی بجائے ایک نمبر ہی اس کی شناخت تھا۔ اُسے خوف آنے لگا۔ اور اس نے سوچا کہ کیا امریکہ بھی اُس کے لیے ایک زنداں ہی ثابت ہوگا؟

شام تک وہ جہاز پر رہے۔ انہیں نہ تو کھانا میسر آیا اور نہ ہی جہاز سے اترنے کی اجازت دی گئی۔ پھر چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے ذریعے وہ ساحل تک پہنچے۔ ساحل پر خواتین اور مردوں کے لیے الگ الگ شینڈ تھے، لاڈیک، زافیا سے الگ نہیں ہونا چاہتا تھا۔ لیکن جدائی ناگزیر تھی لوگوں کا ریلوے اسٹیشن آگے دھکیلتا رہا۔ جلد ہی زافیا اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ رات ایک ساہبان تلے گزری۔ مہاجرین کے ہجوم میں متعدد ترجمان گھوم پھر کر اُن کے مسائل معلوم کر رہے اور انہیں مختلف مشورے دے رہے تھے۔

صبح سب سے پہلے انہیں طبی معائنے کے مرحلے سے گزرنا پڑا۔ لاڈیک کے لیے پہلا امتحان دشوار ترین ثابت ہوا۔ اُسے تقریباً عموماً زینے پر چڑھنا پڑا۔ ڈاکٹر نے اُسے دوبارہ زینوں پر چڑھایا اور اس کی چال بغور دیکھتا رہا۔ لاڈیک نے کوشش کی اس کی لنگڑاہٹ نمایاں نہ ہونے پائے۔ بالآخر ڈاکٹر مطمئن ہو گیا۔ اس کے بعد وہ اور جارج یکجا ہو گئے اس بار ایک اور قطار ان کی منتظر تھی۔ انہیں صرف اتنا معلوم تھا کہ باری باری ہر شخص اندر جاتا ہے اور کم از کم پانچ منٹ بعد باہر آتا ہے۔ دو گھنٹے بعد کہیں جارج کو اندر جانا نصیب ہوا۔ لاڈیک باہر اپنی باری کا انتظار کرتے ہوئے پریشان ہوتا رہا کہ اندر نہ جانے کیا ہوگا۔

جارج باہر آیا تو اس کی بتیسی لگی پڑ رہی تھی ”ارے کچھ بھی نہیں۔ تم بہ آسانی اس مرحلے سے گزر جاؤ گے۔“ اُس نے لاڈیک کو تسلی دی۔ لاڈیک نے محسوس کیا کہ جارج کی ہتھیلیاں پسینے میں بیگم رہی ہیں۔

اب اس کی باری تھی۔ وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوا۔ اندر دو آدمی بیٹھے تھے۔ اُن کے سامنے کاغذات رکھے تھے۔

”تم انگریزی بول سکتے ہو؟“ ایک نے لاڈیک سے پوچھا۔

”جی ہاں جنتاب۔ اچھی خاصی انگریزی بول سکتا ہوں۔“

”تمہارا نام کیا ہے؟“

”لاڈیک روٹسکی۔“

اس نے سیاہ رنگ کی ایک جلد کتاب لاڈیک کی طرف بڑھائی۔ ”جانتے ہو، یہ کیا ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”جی ہاں جناب۔ یہ بائبل ہے۔“

”تم خدا پر یقین رکھتے ہو؟“

”جی ہاں جناب۔“

”اس کتاب پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھاؤ کہ تم ہمارے سوالوں کے درست جواب دو گے۔“

لاڈیک نے بائبل کو ہاتھ میں پکڑ کر، داہنا ہاتھ بائبل پر رکھا اور بولا۔ ”میں قسم کھاتا ہوں

کہ صرف سچ بولوں گا۔“

”تمہاری قومیت کیا ہے؟“

”میں پولش ہوں۔“

”تمہیں یہاں تک آنے کا ٹکٹ کیسے ملا؟“

”میں قسطنطنیہ میں پولش سفارت خانے میں کام کرتا تھا۔ میں نے اپنا ٹکٹ اپنی رقم سے

خریدا ہے۔“

دوسرے نے لاڈیک کے کاغذات پر نظر ڈالی اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

”یہاں تمہارا کوئی ٹھکانا ہے؟“

”جی ہاں۔ میں مسٹر پیٹر نوک کے گھر ٹھہروں گا۔ وہ میرے دوست کے چچا ہیں۔

نویارک میں رہتے ہیں۔“

”بہت خوب۔ تمہیں کام بھی مل سکے گا۔“

”میں مسٹر نوک کی بیکری میں ملازمت کروں گا۔“

”تم کبھی گرفتار ہوئے ہو؟“

لاڈیک کے رخسار تھما اٹھے۔ وہ گرفتار ہوا تھا..... لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ مجرم بہر حال نہیں

ہے۔ سچ بولنا خدوش ثابت ہو سکتا تھا۔ ”نہیں جناب۔ کبھی نہیں۔“ اس نے کہا۔

”تم انارکسٹ ہو؟“

”ہرگز نہیں جناب۔ میں کمیونسٹوں سے نفرت کرتا ہوں، وہ میری بہن کے قاتل ہیں۔“

”تم امریکہ کے قوانین کا احترام کرو گے؟“

”جی ہاں جناب۔“

”تمہارے پاس رقم ہے؟“

”جی ہاں جناب۔“

”دکھاؤ۔“

لاڈیک نے جیب سے چند نوٹ اور سکے نکال کر میز پر رکھ دیے۔

”شکریہ۔ رقم اپنی جیب میں رکھ لو۔“

”اکیس جمع چوبیس کتنے ہوئے؟“ دوسرے شخص نے پوچھا۔

”پینتالیس۔“ لاڈیک نے بلا جھجک کہا۔

”گائے کی کتلی ناگنیں ہوتی ہیں؟“

لاڈیک کو اپنی سماعت پر یقین نہ آیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سوال میں الٹ پھیر بھی ہو

سکتا ہے۔ تاہم ایک لمحے کے بعد اُس نے جواب دیا۔ ”چار۔“

”اور گھوڑے کی؟“

”چار۔“ لاڈیک کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

”اگر تم ایک ذوقی ہوئی کشتی میں سوار ہو اور تمہیں دو میں سے ایک چیز سمندر میں پھینکی پڑ

جائے تو تم کسے پھینکو گے..... رقم کو یا زردی کو؟“

”رقم کو۔“

”بہت خوب۔“ اس شخص نے ایک کارڈ پر اجازت دی مگنی، لکھا اور کارڈ لاڈیک کی طرف

بھجوا دیا۔ ”رقم تبدیل کرانے کے بعد یہ کارڈ امیگریشن آفسر کو دے دینا اور اُسے اپنا پورا نام بتانا۔ وہ

تمہیں رجسٹریشن کارڈ دے دے گا۔ پھر تمہیں داخلے کا اجازت نامہ ملے گا۔ اگر پانچ سال کے دوران

تم نے کوئی جرم نہ کیا اور لکھنے پڑھنے کا ابتدائی امتحان پاس کر لیا تو تم امریکی شہریت کے لیے

درخواست دے سکو گے۔ گڈ لک۔“

”شکریہ جناب۔“

تبادلے کے کاؤنٹر پر لاڈیک نے ترکی میں اپنی اٹھارہ ماہ کی بچت اور پچاس روپل والے

ننوں کے بدلے امریکی کرنسی حاصل کی۔ اُسے 48 ڈالر اور 20 سینٹ دیے گئے۔ وہ رقم ترکی کی

آزنی کے بدلے تھی۔ روسی روپل رو کر دیے گئے۔ لاڈیک کا دل بھر آیا۔ وہ سائبریا کے قیدی ڈاکٹر

کی پندرہ برس کی کمائی تھی، جو رانگاں مگنی۔ آخر میں لاڈیک امیگریشن آفسر کے پاس گیا۔ جارج اس

کے ساتھ تھا۔

”پورا نام بتاؤ۔ آفسر نے جارج سے کہا۔

”جارج نوک۔“

آفسر نے اس کا نام ایک کارڈ پر تحریر کر دیا۔ ”مکمل پتہ؟“ اُس نے پوچھا۔

”286، بروم اسٹریٹ۔ نیویارک۔“

”کیا مطلب؟ کیا تم کوئی واردات کر کے آرہے ہو؟“ ولیم نے پوچھا۔

”واردات تو گزشتہ سال موسم سرما میں ہو گئی تھی۔“

”اور میں اُن دنوں کیا کر رہا تھا۔“

”برٹینڈرسل کا قلعہ پڑھ رہے ہو گے۔“

”اور تم نے مجھے بتایا ہی نہیں۔“

”بتانے کا کیا فائدہ تھا۔ تم تو اپنے باپ کے بینک کے عشق میں مبتلا ہو۔“

شوہر انہیں صدر دروازے کے سامنے اتار کر گاڑی کیراج میں لے گیا۔ اور وہ گھر میں

”آہا..... یہاں تو خاصی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔“ ماکھو نے جدید وال سپر اور نئے

ما نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ البتہ سرخ چرمی کرسی اسی جگہ رچی مچی، جہاں اُس نے

”الذی یؤتی فی الحیاة“

ہاں..... پرانی آراس بری لگنے لگی سی۔ ”ویم نے کہا۔“ خیر..... یہ وقت آراس پر بھرہ

”ارڈو کے ساتھ ساتھ اردو“

”رکھو! قصہ کہہ رہا تھا۔ عرصہ کا یہ ایک قصہ، بالخصوص۔“

”میں تو اس رات سے نہیں کر سکا۔“ اتھو بیٹا۔

”بہر حال، تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں ان لوگوں کا آکر ٹھہرنا بھی نہیں چاہتا۔“

”ہو؟“

”کیوں نہ لاتا۔ تمہارا خیال ہے میں باحارہ چھوڑ کر بارٹن میں رہ سک جاؤں؟“

”میری دادی اور ثانی اس خطا پر تمہارا حلق اُدھڑ ڈالتیں“

بجے پارٹی کے منتظمین نازل ہوئے۔ دادی کین اور مانی کا بوٹ سات بجے آئیں ولیم

کچھ وقت اُن کے ساتھ گزارا۔

افسرنے کا رُخ جارج کی طرف بڑھا دیا۔ ”یہ تمہارا امیگریشن سرٹیفکیٹ ہے۔ جارج ٹاؤن میں تمہیں نیو یارک میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ میں خود بھی پولش ہوں۔ مجھے امید ہے کہ یہ ایک نیا پسند آئے گا۔“

جارج نے مسکرا کر افسر سے ہاتھ ملایا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ افسر اب لاڈلیکے طرف متوجہ ہوا۔ ”اپنا پورا نام بتاؤ۔“ اس نے لاڈلیکے سے کہا۔

لاؤیک بچکچایا۔ اُسے اپنا نام بتانا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

”میں کہہ رہا ہوں۔ اپنا نام بتاؤ۔“ اس بار افسر نے بلند آواز میں کہا۔

لاڈیک خاموش رہا۔ وہ نام کیسے بتاتا، جو خود اُسے بھی ناپسند تھا۔ جارج اُسے گھور رہا۔

اور لوگ بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

”میں آخری بار پوچھ رہا ہوں۔ اپنا نام بتاؤ۔“

لاڈیک سے اب بھی نہ بولا گیا۔ افسر نے لاڈیک کی کلائی تھامی اور اُس کے گلن پر کہ

عبارت کی طرف متوجہ ہوا۔ پھر اُس نے کارڈ پر نام لکھا اور کارڈ لاڈلیک کی طرف بڑھا دیا۔ ”بیرن“

روسلی..... میں آپ کو امریکہ میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ کڈلک جناب۔“ اس کے سچے میں احتراماً۔

.....

ویم ممبر 1923ء میں سینٹ پال واپس لیا۔ یہ وہاں اس کا آخری - بی سال تھا۔

سیئیر کلاس کا صدر منتخب ہوا۔ 33 سال پہلے اس کا باپ جی ای عہدے پر فائز رہا تھا۔ وہ اس وقت

سب سے ہونا طالب م تھا۔ اسی لیے اسے یہ اعزاز سہرا یا تھا۔ سینٹ پاں کی طرف سے ہرگز نہ

انسان یہودیوں اسفار سب کے لیے ویم کا نام بیجا کیا۔ ویم یوں سدی اور ن سے خود کو

مذکورہ کی حوصلہ دہی کہ آقا پر کا خالق اُس سے راضی ہے، یہ دعوت کرتا

موقعہ طرابلس کا لیکن اراکین جو اسکا مقصد دعوتِ اسلام کی خاطر تھے، ان پر بڑی داناائی ہے۔

دعوتِ کوکال دیا لیکن ایک جمعیت، ناگزیر تھی۔ دادی اور نانی نے اس کے اعزاز میں، ریڈ ہاؤس

ایک سال مارٹی ترتیب دی تھی۔ پوسٹن مل اس کے دوستوں کا تعداد گنی چلی تھی۔ اس کے بارے

دونوں خواتین نے مہمانوں کی طویل فہستہ تیار کر رکھی تھی۔

اس موقع پر انہوں نے ولیم کو اس کی زندگی کا ہیلاڈنر جیکٹ بطور تحفہ دیا۔ جیکٹ؟

فیشن کے مطابق تھا۔ ولیم نے یہ تحفہ بظاہر لے پروائی سے قبول کیا۔ لیکن اپنے بیڈروم کا دروازہ

کے وہ آئینے کے سامنے ہر زاویے سے اپنا جائزہ لیتا رہا۔ اگلے روز اُس نے نیویارک فون

”یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔“ ایلن نے کہا۔ ”لیسٹر کے حصص عموماً بازار میں نہ ملتے۔“
 بھرپور، میں اس سلسلے میں کچھ کروں گا۔ ویسے تم ہو کس چکر میں؟“
 ”میں چاہتا ہوں۔۔۔۔۔“

”ولیم۔“ اسی وقت نانی کا بوٹ کی آواز سنائی دی، جو ولیم کی طرف آرہی تھی۔ ”تم یہاں
 ایلن کے ساتھ سازشوں میں مصروف ہو۔ میں نے ابھی تک تمہیں رقص کرتے نہیں دیکھا۔ تمہارا کیا
 خیال ہے، یہ بال کس کے لیے ترتیب دیا گیا ہے؟“

”آپ درست کہہ رہی ہیں مسز کا بوٹ۔“ ایلن نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ”آپ
 میرے ساتھ تشریف رکھیے۔ میں اس لڑکے کو یہاں سے دھکیلتا ہوں۔ تاکہ یہ کسی خوبصورت لڑکی کے
 ساتھ رقص کر سکے۔ آئیے۔۔۔۔۔ ہم موسیقی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔“
 ”موسیقی؟ یہ موسیقی ہے۔“ نانی نے منہ بنا کر کہا۔ ”یہ نفسی سے محروم شور و غل کے سوا
 کچھ بھی نہیں۔“

”بیاری نانی۔۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔ میں تیری خاطر چاند ستارے توڑوں گا، کی دھن ہے، جو اس دور
 کا مقبول ترین نغمہ ہے۔“ ولیم نے احتجاج کیا۔
 ”تب تو وقت آ گیا ہے کہ میں اس دنیا کو خیر باد کہہ دوں۔“ نانی نے آہ بھر کر کہا۔
 ولیم نے ایک دو لڑکیوں کے ساتھ رقص کیا۔ اس کی نظریں ماتھیو کو تلاش کر رہی تھیں۔ پھر
 اُسے ماتھیو نظر آئی گیا، جو ایک تاریک گوشے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ولیم اس کی طرف بڑھ گیا۔ قریب پہنچ
 کر اُسے معلوم ہوا کہ ماتھیو تنہا نہیں ہے۔

”تم اسی بلاؤنٹ کو جانتے ہو؟“ ماتھیو نے سرسری انداز میں پوچھا۔
 ”نہیں۔“ ولیم نے لڑکی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ لڑکی بے حد حسین تھی۔
 ”یہ تمہارا میزبان ہے۔۔۔۔۔ ولیم کین۔“ ماتھیو نے لڑکی سے کہا۔

لڑکی نے ولیم کو دیکھا اور ایک طرف سٹہٹے ہوئے اُسے اپنے برابر بیٹھنے کی دعوت دی۔
 ماتھیو نے ولیم کی نگاہوں میں وارفتگی دیکھی تو کھانے پینے کی کوئی چیز تلاش کرنے کے بہانے وہاں سے
 کھسک لیا۔

”کمال ہے۔ بوسٹن میں میری زندگی گزری ہے۔۔۔۔۔ اور میں تم سے کبھی نہیں ملا۔“ ولیم
 نے کہا۔

”ہم ایک بار ملے تھے۔“ اسی نے کہا۔ ”اُس وقت ہم دونوں کی عمر تین تین سال تھی۔ تم
 نے مجھے پانی میں دھکا دے دیا تھا۔۔۔۔۔ مجھے سنبھلنے میں چودہ سال لگے۔“

ولیم خوبصورت کیک کی سطح پر سے ایک سرخ چیری اتارنے ہی والا تھا کہ دادی نے
 ٹوک دیا۔ ”اُسے اتھ نہ لگاؤ ولیم یہ تمہارے لیے نہیں ہے۔“
 ”تو پھر کس کے لیے ہے؟“ اُس نے پوچھا۔

”لڑکے۔۔۔۔۔ زیادہ چالاک مت بنو۔ تم چھ فٹ کے ہو گئے ہو تو کیا ہوا۔ میں اب
 تمہارے کان سمجھ سکتی ہوں۔“ دادی نے مسکرا کر کہا۔
 ماتھیو ہنس پڑا۔

”دادی جان۔ میں آپ کو اپنے عزیز ترین دوست سے ملواؤں۔“ ولیم نے کہا۔ ”پیر
 ماتھیو لیسٹر۔“

دونوں خواتین نے ماتھیو کو بغور دیکھا۔ ”کیا حال ہے لڑکے؟“ وہ دونوں بیک آواز بولیں۔
 ”آپ دونوں سے ملاقات میرے لیے اعزاز کی حیثیت رکھتی ہے۔“ ماتھیو نے
 شائستگی سے کہا۔ ”میرا خیال ہے، آپ میرے دادا سے واقف ہوں گی۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ خوب جانتی ہوں۔ انہوں نے مجھ سے شادی کی درخواست بھی کی تھی۔“
 کین نے جواب دیا۔ ”یہ پچاس برس پہلے کی بات ہے۔ میں نے اُس کی پیشکش قبول نہیں کی تھی
 میں نے کہا تھا، تم پیچھے بہت ہو۔ اسی لیے قبل از وقت قبر میں جا اترو گے۔ میں کم عمری میں
 نہیں چاہتی۔ میری بات درست ثابت ہوئی۔ میری بات سنو بیٹے کہیں تم بھی یہ لت نہ لگا بیٹھنا۔“
 ”میں تو پابندی کے اس عہد میں یونہی محروم ہوں۔“ ماتھیو نے بڑی مصومیت
 کہا۔ ”ویسے آپ میرے دادا کی پیش کش قبول کر لیتیں تو میری دادی ہوتیں۔“

ولیم ہنس پڑا۔
 پھر مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان میں ایسے بھی تھے جن سے اس کے
 بھی واقف تھے۔ ولیم ایلن لائڈ کی آمد پر بہت خوش ہوا۔

”تمہاری مہربانی ایلن کہ تم آئے۔۔۔۔۔“
 ”مہربانی! تم بھول رہے ہو کہ مجھے تمہاری دادی اور نانی نے مدعو کیا ہے۔ میں شاکہ
 بہادر تو ہوں کہ ان میں سے کسی ایک کا حکم عدولی کر سکوں لیکن دونوں کو۔۔۔۔۔“

”ایلن۔۔۔۔۔ تم بھی۔“ ولیم نے قہقہہ لگایا۔ ”میری ایک بات سنو۔“ وہ ایلن کو کوئلہ
 لے گیا۔ ”میں سرمایہ کاری کے منصوبے میں کچھ تبدیلی کرنا چاہتا ہوں۔ لیسٹر بینک کے اسٹاک
 بھی بازار میں آئیں، خرید کر ڈالتے رہو۔ میں چاہتا ہوں کہ اکیس سال کا ہونے تک لیسٹر بینک
 کم از کم پانچ فیصد حصص میرے قبضے میں ہوں۔“

دوبندیں سادوں کی

”میں شرمندہ ہوں۔“ ولیم نے کہا۔ ”لیکن آج تو میں خود کو غلط محسوس کر رہا ہوں۔“

”ولیم..... تمہارا مکان بے حد خوبصورت ہے۔“

”شکریہ۔“ ولیم نے کہا۔ اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ وہ کن انھیوں لڑکی کا جائزہ لیتا رہا لڑکی کا حسن سحر انگیز تھا۔

”ماتھیو نے بتایا تھا کہ تم اگلے سال ہاورڈ جا رہے ہو۔“ لڑکی نے ایک اور کوشش کی۔

”ہاں۔“ ولیم نے کہا۔ پھر وہ دل کڑا کر کے بولا۔ ”تم رقص کرو گی میرے ساتھ؟“

”شکریہ۔“ لڑکی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

”اس بار، ولیم کے لیے رقص کرنا دشوار ثابت ہوا۔ اسی کی قربت اس کے ہوش اڑا دے رہی تھی۔ قدم بہک رہے تھے۔ وہ بار بار اسی کا پاؤں کچل رہا تھا۔ لیکن اسی نے اُس سے شکایت نہیں کی۔ وہ دیر تک رقص کرتے رہے۔

”یہ لڑکی کون ہے۔ جو گزشتہ ایک گھنٹے سے ولیم پر قابض ہے؟“ نانی کا بوٹ نے تشویش سے پوچھا۔

”واڈی کین نے لڑکی کو بغور دیکھا اور اعتماد سے کہا۔“ اسی بلاؤنٹ ہے۔“

”ایڈمرل بلاؤنٹ کی بیٹی؟“ نانی کا بوٹ نے مزید تفتیش کی۔

”ہاں۔“

”نانی کا بوٹ نے سر ہلایا۔ اس بار اُن کے انداز میں طمانیت تھی۔

پارٹی ختم ہونے کے بعد دونوں لڑکوں کے درمیان موضوع گفتگو اسی ہی تھی۔

”تم نے اتنی دور سے مجھے بلایا اور پھر میری حماقت پر ڈاکا مار دیا۔“ ماتھیو نے بپتے ہوئے کہا۔

”تمہی نے تو کہا تھا کہ اب مجھے دانہ گندم چکھ لینا چاہیے۔“

”ایک بات سن لو۔ وہ ایسی ویسی لڑکی نہیں ہے۔“ ماتھیو نے کہا۔ ”ان معاملات میں، میں ایکسپٹ کا درجہ رکھتا ہوں میں پانچ ڈالر کی شرط لگاتا ہوں کہ وہ تمہارے سحر سے بچ نکلے گی۔“

ولیم نے بڑی سوچ بچار کے بعد جنگی حکمت عملی مرتب کی۔ پانچ ڈالر کی کوئی حیثیت نہیں تھی لیکن وہ شرط نہیں ہارنا چاہتا تھا۔ اس روز کے بعد سے وہ اسی سے مسلسل ملتا رہا۔ بالآخر تعطیلات کی آخری دن آپہنچا۔ اس صبح ولیم نے اسی کو درجن بھر تازہ گلاب بھجوائے۔ پھر اس نے اُسے ڈنر پر بلایا۔ ایک مہنگے ریستوراں میں شاندار ڈنر کے بعد وہ اسی کو گھر لے آیا۔ اس نے ہنری کی بوتلوں میں

”کمال ہے۔ پابندی کے دنوں میں یہ بولیں تم نے کیسے حاصل کی؟“ اسی نے پوچھا۔

”یہ کوئی بڑی بات تو نہیں ہے۔“ ولیم نے رعب بجایا۔

پہلے ہی جام نے ولیم کے ہوش اڑا دیے۔ اسی کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔ لیکن ماتھیو کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ اسی ایسی ویسی لڑکی نہیں تھی۔ اور ولیم کا سحر اُسے اسیر نہیں کر سکا اس نے ولیم کو مجبور کر دیا۔ ولیم اپنی کار میں اُسے اس کے گھر چھوڑ آیا۔

اگلی صبح، اسکول میں ماتھیو نے ولیم سے پانچ ڈالر کا نوٹ وصول کیا تو اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور ہوس میں مٹھکے اڑانے والے انداز میں اُٹھی ہوئی تھیں۔

”ایک لفظ بھی منہ سے نکلا تو میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔“ ولیم نے ماتھیو کو آنکھیں دکھائیں۔

”مجھے وہ الفاظ نہیں مل رہے ہیں، جن سے میں اظہارِ ہمدردی کر سکوں۔“

”میں نے کہا نا..... میں تمہارا.....“

لیکن ایسٹریک چشموں میں ولیم نے اپنے ہارے ہوئے پانچ ڈالر سو فیصد منافع کے ساتھ وصول کر لیے۔ اس بار اسی، ولیم کے سحر سے نہیں بچ سکی۔ البتہ ماتھیو کی ماہرانہ رائے درست ثابت ہوئی تھی۔ اسی ایسی ویسی لڑکی بہر حال نہیں تھی۔

اس کے بعد صرف پڑھائی ہی کی اہمیت رہ گئی۔ امتحان سر پر آ گئے تھے۔ وہ دونوں بے پناہ محنت کر رہے تھے۔ ایک ہی کمرے میں رہنے کے باوجود اُن کے درمیان بعض اوقات کئی کئی دن تک بات نہ ہوتی، صرف اتنا ہوتا کہ ماتھیو کی سمجھ میں کوئی سوال نہ آتا تو وہ ولیم سے پوچھ لیتا۔

پھر امتحان ہو گئے، وہ دونوں نتیجے کے سلسلے میں بہت پر امید تھے۔ لیکن جیسے جیسے دن گزرتے گئے، اُن کا اعتماد کم ہوتا گیا۔ ریاضی کے سلسلے میں ہملٹن میموریل اسکالرشپ صرف اور صرف قابلیت کی بنیاد پر دیا جاتا تھا۔ اس میں امریکہ کے ہر اسکول کے طلبا شریک ہوتے تھے۔ ولیم یہ اعزازہ لگانے سے قاصر تھا کہ اس کے مقابلے میں کیسے کیسے لڑے ہیں۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا۔ اُس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

جس وقت ٹیلی گرام موصول ہوا، وہ بیس بال کھیل رہے تھے۔ کھیل رک گیا۔ کھلاڑی خستہ تھے۔ ولیم نے خاموشی سے لفافہ چھاڑ کر ٹیلی گرام پڑھا۔ ماتھیو بڑی بے چینی سے اُس کے قریب آکھڑا ہوا۔ اور اُس کے چہرے کے تاثر سے اعزازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ ٹیلی گرام کی نوعیت کیا ہے۔ لیکن ولیم کا چہرہ بے تاثر رہا۔ اس نے ٹیلی گرام پڑھا اور خاموشی سے ماتھیو کی طرف بڑھا دیا۔ ماتھیو نے ٹیلی گرام پڑھا، خوشی سے اُچھلا، ٹیلی گرام ایک طرف اُچھالا اور ولیم کو سینے سے لگایا۔

اس نوجوان کے بارے میں سوچے جا رہا تھا، جس کا باپ زندہ ہوتا تو اس پر فخر کرتا۔ اسل کو زندگی میں پہلی بار یہ احساس ہوا تھا کہ وہ درحقیقت کیا کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس دنیا کے ویز کا، ہم پلہ کھانا چاہتا تھا۔ نیویارک آتے ہی اُسے دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اُسے دو بیڈ والا ایک چھوٹا سا کمرہ ملا تھا جس میں وہ جارج اور اُسکے دو کمز کے ساتھ رہتا تھا۔ جارج کا بچا اُسے ملازمت بھی نہیں دے سکا تھا۔ بے روزگاری کے چند ہفتوں میں اس کی ساری رقم خرچ ہو گئی تھی۔ سرتوڑ کوششوں کے بعد اُسے ایک قصائی کی دکان پر ملازمت مل گئی۔ اُسے نو ڈالر ہفتہ، اجرت ملتی تھی۔ ہفتے میں ساڑھے چھ دن کام کرنا پڑتا تھا۔ دکان کے بالا خانے پر سونے کا ٹھکانہ ہو گیا تھا۔ دکان اس علاقے میں تھی، جہاں پولس مہاجرین کی اکثریت تھی..... اسل کو اُن کی حالت پر افسوس ہوتا تھا۔ وہ لوگ انگریزی سیکھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے تھے۔

اسل، جارج سے ملتا رہتا تھا، جس کے ساتھ ہر بار ایک نئی گرل فرینڈ ہوتی تھی۔ پھر اسل نے نائٹ اسکول میں داخلہ لے لیا تاکہ انگریزی بولنا اور لکھنا سیکھ سکے۔ وہ اس سلسلے میں اپنی سرتوڑی پر شرمندہ نہیں تھا۔ آٹھ سال کی عمر کے بعد اُسے لکھنے کا موقع ہی کہاں ملا تھا۔ اُس کے باوجود دو سال کے عرصے میں اس کی انگریزی بے حد رواں ہو گئی۔ اب وہ قصائی کی دکان پر کام نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن سوال یہ تھا کہ وہ کرے گا کیا۔ پھر ایک دن اُس نے پلازہ ہوٹل کے کیشنگ منیجر کو، جو اس کا مستقل گاہک تھا، قصائی سے کہتے سنا کہ اس نے چوری کے جرم میں ایک جونیئر ویٹر کو ملازمت سے نکال دیا ہے۔ ”دشواری یہ ہے کہ مجھے اس کا نعم البدل نہیں مل رہا ہے۔“ منیجر کہہ رہا تھا۔ قصائی تو اس سلسلے میں مدد کی پیشکش نہیں کر سکتا تھا البتہ اسل نے کڑواہی۔ اس نے اپنا واحد سوٹ پہنا۔ پیدل 47 بلاک کا فاصلہ طے کیا اور ملازمت حاصل کر لی۔

پلازہ میں ملازمت کے حصول کے فوراً بعد اس نے کولمبیا یونیورسٹی میں انگریزی کے نائٹ کورس میں داخلہ لے لیا۔ ہر صبح ہوٹل میں سرور کرنے کے دوران موقع نکال کر وہ نیویارک ٹائمز کا مطالعہ کرتا اور نئے الفاظ کاغذ پر لکھتا۔ رات سونے سے پہلے وہ سیکنڈ ہینڈ ڈکشنری کی مدد سے اُن کے معنی تلاش کر کے لکھ لیتا۔

تین سال بعد اُسے ترقی ملی اور اسے اوک روم میں ویٹر بنا دیا گیا۔ ٹپ وغیرہ ملا کر اُس کی ہفتے وار آمدنی 25 ڈالر تک پہنچ گئی۔

دوسری طرف یونیورسٹی کا انسٹرکٹر اسل کی صلاحیتوں سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اُسے ایک اور نائٹ کورس میں داخلہ لینے کا مشورہ دیا۔ وہ بی اے کی ڈگری کی طرف اسل کا پہلا قدم تھا۔ اب فارغ اوقات میں اسل نے انگریزی کی بجائے معاشیات پڑھنا شروع کر دی۔ نیویارک ٹائمز

کھلاڑیوں نے بھی ٹیلی گرام پڑھا۔ پھر وہاں جشن کا سماں پیدا ہو گیا۔

ماتھے اپنے عزیز ترین دوست کی کامیابی پر بے حد خوش تھا لیکن وہ افسردہ بھی تھا۔ اب انہیں جدا ہو جانا تھا۔ ولیم نے بھی یہ بات محسوس کر لی لیکن اُس نے کہا کچھ نہیں چند روز لیو ہوا کہ ماتھیو کو بھی ہارڈ میں داخلہ مل گیا ہے۔

پھر ایک اور ٹیلی گرام آیا۔ چارلس لیسٹر نے اُن دونوں کو مبارکباد دی تھی۔ اور ایک نیویارک کے پلازہ ہوٹل میں چائے پر مدعو کیا تھا۔ دونوں خواتین کی طرف سے بھی مبارکباد کا پتہ وصول ہوا۔ دادی کین نے لکھا تھا۔ ”یہ کوئی خاص بات نہیں۔ یہ کارنامہ تمہارا باپ بھی انجام دے گا ہے۔ ہم تم سے اس سے کم کی توقع بھی نہیں رکھتے تھے۔“

دونوں لڑکے مقررہ وقت پر ہوٹل پلازہ میں داخل ہوئے اُن کے انداز میں وقار تھا۔ فیملی ٹیبل کی طرف بڑھ گئے۔ دادی کین اور نانی کا بوٹ کے علاوہ ایک بوڑھی خاتون اور تھیں۔ شاید لیسٹر خاندان کے لیے وہی حیثیت رکھتی تھیں، جو دادی کین اور نانی کا بوٹ کی تھی۔ اُن کے علاوہ مسٹر اور مسز لیسٹر، ان کی بیٹی سوزن اور ایلن لائڈ بھی موجود تھیں۔ سوزن کی نظریں تمام وقت ولیم کے چہرے کا طواف کرتی رہیں۔

دادی کین نے قریب کھڑے ہوئے ویٹر کو بلایا اور اس سے چائے، ایک لائے کو کہا۔ ویٹر تیزی سے کچن کی طرف لپکا۔ ”ٹیمبل نمبر 23 کے لیے تازہ چائے اور ایک..... جلد بھجواؤ۔“ اس نے کہا۔

دوسرے ویٹر نے آرڈر سرور کیا۔

”آج تمہارا باپ زندہ ہوتا تو تم پر فخر کرتا۔“ ایلن لائڈ نے ولیم سے کہا۔ ”ویٹر سوچتا رہا کہ آخر اس خوشرو اور طویل القامت نوجوان نے ایسا کون سا کارنامہ انجام دیا ہے کہ اُسے اس طرح سراہا جا رہا ہے۔“

اگر نفرتی کنگن ولیم کو متوجہ نہ کرتا تو وہ ویٹر کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔ لیکن ویٹر کلائی میں پڑا ہوا نفرتی کنگن اُسے غیر معمولی اور عجیب لگا۔

”ولیم..... دو ٹیک بہت ہیں۔“ دادی کین نے اُسے ٹوک دیا۔ ”ہارڈ جانے سے پہلے تمہیں ایک کھانے کے اور موقع بھی ملیں گے۔“

ولیم نے محبت آمیز نگاہوں سے دادی کو دیکھا۔ پھر وہ نفرتی کنگن اُس کے ذہن سے نکل گیا۔

اُس رات، پلازہ ہوٹل کے چھوٹے سے کمرے میں اسل دیر تک جاگتا رہا۔ وہ ولیم

”دماغ خراب ہے تمہارا۔“ عورت نے اس پر آنکھیں ٹٹائیں۔ ”تمہارا کیا خیال ہے، یہ

پہل کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ”اتنی تو کولمبیا یونیورسٹی والوں کی بی اے کی فیس بھی نہیں ہے۔“ اس نے احتجاج کیا۔

چھ بجے الارم کی آواز نے اہیل کو جگایا۔ وہ جلدی جلدی کپڑے بدلنے لگا۔ ”جیسے آئی ہو،
 ایسے ہی باہر نکلتا۔“ اہیل نے کلارا کو تاکید کی۔ ”ورنہ میں مصیبت میں پھنس جاؤں گا۔“

”کبھی نہیں۔“ اہل نے سخت لہجے میں کہا۔

”تم نے مجھے مایوس کیا ہے۔“



ایک روز پلازہ کے ایڈورڈین روم میں مسٹر اینڈ مسز اس اسٹیکلر لچ کے لیے آئے۔ اُن دونوں پہل کی ڈیوٹی ایک ہفتے کے لیے ایڈورڈین روم میں لگائی گئی تھی۔ پہل کو احساس ہو گیا کہ یہ

”کبھی نہیں“ کلارا نے سخت لہجے میں کہا۔

”تم نے مجھے مایوس کیا ہے۔ تم ایک ناکام انسان ہو۔“

لچنے کے بعد اس نے فقہہ ایونیو کے ایک بک اسٹال کا رخ کیا۔ اس بک اسٹال نے اب تک زبان اور علم معاشیات کے سلسلے میں اس کا ہر مسئلہ حل کیا تھا۔ لیکن اس بار اُسے اپنے مطلب کی کوئی کتاب نہیں ملی۔ اسٹیل کو خالی ہاتھ آنا پڑا۔ پھر وہ ایک سینما میں گھس گیا۔ مگر فلم توجہ سے نہ دیکھ سکا۔ کھارا کے الفاظ اب بھی اُسے ڈسے جا رہے تھے۔

”کسی ساتھی کی تلاش ہے؟“ عقب سے کسی نسوانی آواز نے اُسے چونکا دیا۔ اُس نے مٹ کر دیکھا۔ اس عورت کی عمر 35 سال تھی۔ اس نے چہرے پر مہک اب تھوہا ہوا تھا۔

”صرف پانچ ڈالر۔“ عورت نے کہا۔

”اسیل نے اثبات میں سر ہلادیا۔ وہ عورت کے پیچھے پیچھے چلا رہا۔ ایک بوسیدہ سے رنٹھ ہاؤس میں عورت کا چھوٹا سا فلیٹ تھا۔ اسیل کا دم گھٹنے لگا۔ ”تم یہاں رہتی ہو؟“ اس نے لب سے لبچے میں پوچھا۔

”نہیں..... یہ میرا آفس ہے۔“

”تم ایسا کیوں کرتی ہو؟“

”میرا شوہر مر چکا ہے اور مجھے دو بچوں کی کفالت کرنا ہے۔“

”ہاں۔“ مرد کا لہجہ جنوبی علاقے کے باشندوں کا سا تھا۔ ”میرا نام ڈیوس لاری ہے اور یہ میری بیٹی میلانی ہے۔“

ہیمل نے لڑکی کی طرف دیکھا اور اس کی سبز آنکھوں میں ڈوب کر رہ گیا۔

”میں گزشتہ پانچ روز سے تم پر نظر رکھے ہوئے ہوں، ہیمل۔“ لاری نے کہا۔

ہیمل حیران رہ گیا۔ کیونکہ نظر رکھنے کا یہ عمل یکطرفہ تھا۔ وہ خود تو لاری کی وہاں موجودگی سے آگاہ ہی نہیں تھا۔

”مجھے تمہاری کارکردگی نے بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ میں تم جیسے کسی آدمی کی تلاش میں تھا۔ اسٹیلر اسحق ہے۔ عقلمند ہوتا تو تمہیں پہلی فرصت میں کوئی پیش کش کر دیتا۔“ ہیمل اب بھی حیران تھا۔ لاری کا نام اور شخصیت دونوں ہی اس کے لیے اجنبی تھے۔ ”میں کوئی کروڑ پتی نہیں ہوں کہ مجھے کارزن ٹیبل ملے۔“ لاری نے مزید کہا۔

اس بار ہیمل اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ عام لوگ میزوں کی لوکیشن کی اہمیت سے بے خبر ہوتے ہیں۔

”لیکن میں نادار بھی نہیں ہوں۔ شاید کسی دن میرا ہوٹل پلازہ کے معیار کو چھو سکے گا۔“

”مجھے یقین ہے کہ جناب ایسا ہی ہوگا۔“

”اب بیٹے، میں اصل بات کی طرف آرہا ہوں۔“ لاری نے کہا۔ ”میرے ہوٹل کو ایک اسٹنٹ منیجر کی ضرورت ہے۔ اگر تمہیں اس پیش کش میں دلچسپی محسوس ہو تو ڈیوٹی کے بعد میرے کمرے میں مجھ سے مل لیتا۔“ یہ کہہ کر اس نے ایک کارڈ ہیمل کی طرف بڑھا دیا۔

”شکریہ جناب۔“ ہیمل نے کہا اور کارڈ کا جائزہ لینے لگا۔ ڈیوٹی لاری۔ رجمنڈ گروپ آف ہوٹلز، ڈلاس۔ نیچے نصب العین تھا۔ مستقبل میں ہر ریاست میں ایک ہوٹل۔ لیکن وہ نام اب بھی ہیمل کے لیے غیر معروف تھا۔

”میں تمہارا منتظر ہوں گا ہیمل۔“ لاری نے دوستانہ انداز میں کہا۔

”شکریہ جناب۔“ ہیمل نے کہا۔ پھر وہ سامی کی طرف پلٹ آیا، جو نوٹ گنتے میں مصروف تھا۔

”رجمنڈ گروپ آف ہوٹلز کا نام سنا ہے سامی؟“ اُس نے پوچھا۔

”ہاں سنا ہے۔ آٹھ یا نو ہوٹل ہیں۔ ٹیکساس کو کوئی خطی نہیں چلا رہا ہے۔ نام تو مجھے یاد نہیں۔ لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟“ سامی نے اُسے مٹھوک لگا ہوں سے گھورا۔

”بس یونہی۔“

اُسے قدرت کی طرف سے موقع ملا ہے۔ اسٹیلر ہوٹل کا کاروبار کرتا تھا اور بے حد مصروف آدمی تھا۔ ہیمل نے اُسے متاثر کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ اسٹیلر نے جاتے ہوئے بڑی گریز سے ہیمل کا شکریہ ادا کیا اور اُسے دس ڈالر شپ بھی دی، لیکن ہیمل یابوس تھا۔

اسی وقت ہیڈ ویٹر سامی نے اُس کے کندھے پر ہتھکی دی۔ ”اے۔۔۔ مسٹر اسٹیلر سے کیا تم کو؟“

”کچھ بھی نہیں۔“ ہیمل نے یابوس لہجہ میں کہا۔

”کیا۔۔۔ کچھ نہیں دیا۔ انہوں نے ٹپ نہیں دی؟“ سامی کے لہجے میں حیرت تھی۔

”اوہ ٹپ۔“ ہیمل چونک پڑا۔ ”انہوں نے دس ڈالر دیے تھے۔“ اس نے نوٹ سامی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”یہ ہوئی نا بات۔ میں تو سمجھا تھا کہ تم مجھے دھوکا دینے کے چکر میں ہو لیکن ہیمل۔“

ڈالر ملنا حیرت انگیز ہے۔ لگتا ہے تم نے مسٹر اسٹیلر کو بہت متاثر کیا ہے۔“

”میں انہیں متاثر نہیں کر سکا۔“

”یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟“

”چھوڑو اس بات کو۔“ ہیمل نے بے دلی سے کہا اور واپسی کے لیے پلٹ گیا۔

”ایک منٹ ہیمل۔“ سامی نے اُسے پکارا۔ ”تمہارے لیے ایک پیغام ہے۔“ میز نمبر 17 کے مہمان، مسٹر لاری ذاتی طور پر تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔“

”کس سلسلے میں؟“

”میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“

”ہیمل نے میز نمبر 17 کی طرف دیکھا۔ ”کون ہے وہ؟“ اُس نے پوچھا۔

”مجھے نہیں معلوم۔“ سامی نے جھلا کر کہا۔ ”میں تمہاری طرح گاہکوں کی سوانح حیات نہ دلچسپی نہیں لیتا۔ میرا فارمولا ہے، کھانا کھاؤ، ٹپ گھسیٹو اور دعا کرو کہ وہ دوبارہ بھی آئیں۔“ شاید کلیم والے تمہیں بنیادی باتیں پڑھانا بھول گئے ہیں۔ اچھا، اب چل دو۔۔۔ اور ہاں، ٹپ جتنی بھی ملے میرے پاس لے آنا۔ ورنہ تم جانتے ہی ہو۔۔۔“

ہیمل مسکرایا۔ پھر وہ میز نمبر 17 کی طرف بڑھ گیا۔ اس میز پر دو افراد تھے۔ رنگین چا

خانے والے جیکٹ میں ایک مرد، جو ہیمل کو پسند نہیں آیا۔ دوسری ایک پرکشش لڑکی۔ سامی نے

ہمیشہ مشکل میں پھنساتا ہے۔ اب یہ صاحب شکایات کا دفتر کھولیں گے۔ ہیمل نے سوچا۔

”آپ نے مجھے یاد فرمایا تھا جناب؟“ اُس نے مرد کو مخاطب کیا۔

”یوگنی تو تم کچھ نہیں پوچھتے۔ خیر..... سترہ نمبر والے کیا چاہتے ہیں؟“

”کچن کے شور کی شکایت کر رہے تھے۔“ اسبل نے بات بنائی۔

”اوہ..... تو کیا زہ خور کو راک فیلر سمجھ رہا ہے؟“

اسبل وہاں سے ہٹ آیا۔ اپنے کمرے میں آکر اس نے رجمنڈ گروپ کے متعلق تحقیق شروع کر دی۔ چند کالز کے ذریعے اسے کافی معلومات حاصل ہو گئیں۔ وہ ایک پرائیویٹ کمپنی تھی۔ اس کے گیارہ ہوٹل تھے۔ سب سے بڑا ہوٹل 342 بیڈ روم والا تھا۔ وہ ہوٹل، شکاگو میں تھا جس کا نام رجمنڈ کانٹی نینٹل تھا۔ اسبل نے فیصلہ کیا کہ لاری سے مل لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس نے لاری کے کمرے کا نمبر معلوم کیا۔ چار بجے وہ لاری کے کمرے میں پہنچا تو میلانی کو موجود نہ پا کر اسے خاصی مایوسی ہوئی۔

”شکریہ اسبل۔ بیٹھ جاؤ۔“ لاری نے کہا۔ ”تمہیں یہاں کتنی تنخواہ ملتی ہے؟“

لاڈیک کو اس براہ راست سوال نے حیران کر دیا۔ ”نپ ملا کر پچیس ڈالر ہفتہ پڑ جاتا ہے۔“ اس نے سچائی کے ساتھ جواب دیا۔

”میں تمہیں ابتدا میں 35 ڈالر فی ہفتہ دوں گا۔“

”آپ کس ہوٹل کے سلسلے میں بات کر رہے ہیں؟“

”میں سمجھتا ہوں، تمہاری ڈیوٹی ساڑھے تین بجے آف ہوتی ہوگی۔ اس نصف گھنٹے میں تم مطلوبہ معلومات حاصل کر چکے ہو گے۔“

”رجمنڈ کانٹی نینٹل، شکاگو؟“ اسبل نے پوچھا۔

ڈیوس لاری ہنس دیا۔ ”انسانوں کے بارے میں میرے اندازے عموماً غلط ثابت نہیں ہوتے۔“ اسبل کا ذہن بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ ”ہوٹل کے اسٹاف میں اسسٹنٹ منیجر سے اوپر کے عہدوں پر کتنے لوگ ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”صرف منیجر اور میں خود منیجر سب سے آدھی ہے اور ریٹائر ہونے والا ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو دس دوسرے ہوٹلوں سے فرصت ہی کہاں ملتی ہے تمہیں زیادہ دشواری نہیں ہوگی۔ شکاگو رجمنڈ شامی علاقے میں میرا پہلا ہوٹل ہونے کے ناتے مجھے بے حد عزیز ہے۔“

اسبل مسکرا دیا لیکن خاموش رہا۔

”نی الوقت ہوٹل نقصان میں جا رہا ہے۔ میرا سابقہ اسسٹنٹ منیجر بغیر وجہ بتائے اچانک ملازمت چھوڑ گیا مجھے اس کی جگہ کام کرنے کے لیے ایک اہل اور دیانت دار آدمی کی ضرورت ہے۔ میں پانچ دن سے تمہیں دیکھ رہا ہوں میں جانتا ہوں کہ تم ہی میرے مطلوبہ آدمی ہو..... بتاؤ تم میری

ڈیوس اسبل نے ہفتہ..... اور اضافی منافع کا دس فیصد دو تو میں تیار ہوں۔“

”کیا؟“ لاری کے لہجے میں حیرت تھی۔ ”میرا کوئی منیجر منافع میں حصہ دار نہیں ہے۔

انہیں معلوم ہوا تو وہ تو میری جان کو آجائیں گے۔“

”آپ انہیں بتا دیں تو الگ بات ہے۔ میں ہرگز نہیں بتاؤں گا۔“

”مجھے منظور ہے اسبل۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میرا انتخاب درست ہے۔“

”آپ مجھ سے حوالے بھی طلب کریں گے مسٹر لاری؟“

”میں یہاں تمہاری آمد کے بعد سے اب تک کے حالات سے پوری طرح باخبر ہوں

اسبل جس شخص کو حوالوں کی ضرورت ہو، اسے میں اتنا اہم عہدہ کیسے سونپ سکتا ہوں۔ یہ بتاؤ، تم

جوان کب کر سکتے ہو۔“

”آج سے ایک ماہ بعد۔“

”ٹھیک ہے اسبل۔ میں تمہارا منتظر رہوں گا۔“

اسبل اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ڈیوس لاری سے ہاتھ ملایا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

رجمنڈ کانٹی نینٹل، شکاگو مشی گن ایونیو پر واقع تھا، جو کسی بھی ہوٹل کے لیے مناسب ترین مقام تھا، شکاگو، امریکہ کے تیزی سے پھیلتے ہوئے شہروں میں سرفہرست تھا۔ اسبل مطمئن تھا کہ اسٹاف کے مطابق کسی بھی ہوٹل کے لیے صرف تین چیزوں کی اہمیت ہوتی ہے۔ پوزیشن..... پوزیشن اور پوزیشن۔ جلد ہی اسبل کو اندازہ ہو گیا کہ رجمنڈ کانٹی نینٹل، شکاگو کے پاس مناسب پوزیشن کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ ڈیوس لاری نے کہا تھا کہ ہوٹل نقصان میں جا رہا ہے۔ لیکن ہوٹل کے نقصان کے اعتبار کے لیے وہ جملہ انتہائی کمزور اور غیر موثر ثابت ہو رہا تھا۔ منیجر ڈیسمنڈ بھی لاری کے بیان کے مطابق محض ست نہیں تھا۔ وہ اعتبار درجے کا کامل تھا۔ اسبل نے رجسٹر چیک کیے تو معلوم ہوا کہ ہوٹل کی گنجائش اور اس میں ٹھہرنے والوں کے درمیان ایک اور تین کی نسبت ہے۔ ریٹورنٹ کی نصف عینک ہمیشہ خالی رہتی تھیں۔ یوں بہت سا کھانا بھی ضائع ہوتا تھا۔ دوسری طرف ریستورنٹ میں لوگوں کے کم آنے کی وجہ یہ تھی کہ کھانے کا معیار بہت پست تھا۔ اسٹاف کے لوگ آپس میں تین چار زبانوں میں گفتگو کرتے تھے۔ ان میں انگریزی شامل نہیں تھی۔ یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ اسسٹنٹ منیجر نے رافو قرار اختیار کرنے میں اتنی جگت کیوں برتی۔ ڈیوس لاری کے پسندیدہ ہوٹل کا یہ حال تھا کہ اسبل باقی دس ہوٹلوں کے حق میں صرف دُعا ہی کر سکتا تھا۔

شکاگو میں قیام کے ابتدائی چند دنوں میں اسبل کو صرف ایک حوصلہ افزا خبر ملی، میرا
ڈیوس لاری کی اکلوتی اولاد ہے۔

18 اپریل 1927ء کو ولیم نے اپنی اکیسویں سالگرہ منائی۔ اس موقع پر اس نے اپنی جائداد
کے ٹریسٹوں سے آخری ملاقات کی۔ ایلن لائڈ اور ٹونی سامنسن نے تمام کاغذات مکمل کر رکھے تھے۔

”ولیم ڈیر“ ملی نے ایسے کہا، جیسے وہ اپنے کاندھوں پر بہت بڑی ذمے داری ہٹنے کے
بدستون محسوس کر رہی ہو۔ ”مجھے امید ہے کہ تم بھی اپنے اٹاٹوں کا اسی طرح خیال رکھو گے، جیسے ہم
نے رکھا ہے۔“

”یقیناً مسز پریشن..... جب بھی پانچ لاکھ ڈالر گوانے کو بی چاہا تم سے مشورہ لینا ہرگز
نہیں بھولوں گا۔“

ملی پریشن کا چہرہ تھمتھا اٹھا۔ لیکن اُس کے پاس کوئی جواب بھی تو نہیں تھا۔
ٹرسٹ کی مالیت اب دو کروڑ اسی لاکھ ڈالر تھی۔ ولیم کے پاس اس رقم کو وسعت دینے

کے لیے منصوبے بھی تھے۔ اس کا ارادہ تھا کہ ہاورڈ سے فارغ ہوتے وقت وہ دس لاکھ ڈالر کمالے۔
لیسٹرز بینک میں موجود اس کی رقم ٹرسٹ کے مقابلے بہت حقیر تھی۔ تاہم ولیم کے نزدیک وہ زیادہ اہم
تھی، کیونکہ وہ رقم اُس نے خود کمائی تھی۔ وہ ترکہ نہیں تھا۔ اب وہ اس رقم میں مزید دس لاکھ ڈالر کا
اضافہ کرنا چاہتا تھا۔

اس سال موسم گرما میں وادی اور نانی نے، جو ولیم سے شادی کی خواہش مند لڑکیوں کی
برسات سے عاجز آچکی تھیں، اس خوف سے اُسے یورپ کے تفریحی سفر پر روانہ کر دیا کہ کہیں کوئی
لڑکی ولیم کو بچ نہ لے اڑے۔ وہ دونوں اُس تفریح دورے سے بہت زیادہ لطف اندوز ہوئے۔
ماتیو زبانوں سے نا بلند ہونے کے باوجود راہ کی ساری رکاوٹیں پھلانگ گیا۔ یورپ کے ہر شہر میں

اُس نے حسین ترین لڑکی سے دوستی کی۔ ”ولیم، میرے دوست، محبت ایک ایسی زبان ہے، جو ہر جگہ
یکساں طور پر سمجھی جاتی ہے۔“ اس نے عالمانہ انداز میں ولیم کو بتایا۔ دوسری طرف ولیم کو ایک ہی شوق
تھا۔ وہ ہر شہر میں بڑے بڑے بینکوں کے، بڑے عہدے داروں سے ملاقات کرتا پھرا۔ ”ماتیو،
میرے دوست..... ذرا ایک ایسی زبان ہے جو ہر جگہ یکساں طور پر سمجھی جاتی ہے۔“ اُس نے عالمانہ
انداز میں ماتیو کو بتایا۔ یورپ میں وہ دونوں جہاں سے بھی گزرے، اپنے عہدے میں دل شکستہ
مینیجمنٹ اور مرعوب بینکاروں کو چھوڑتے چلے آئے۔ ستمبر میں وہ ہاورڈ واپس پہنچے تو کتابوں پر پل
ہٹنے کے لیے ذہنی طور پر تیار تھے۔

1924ء کے موسم خزاں میں ولیم اور ماتیو کے ہاورڈ میں پہلے سال کا آغاز ہوا۔ وادی
نانی کی مخالفت کے باوجود ولیم نے ہٹلن میموریل اسکالرشپ قبول کر لیا۔ اس سے ملنے والی رقم
اس نے فورڈ کا جدید ترین ماڈل، ڈبزی خریدی۔ وہ زندگی میں اس کی پہلی محبت تھی۔

ہاورڈ میں ماتیو نے کشتی رانی میں دلچسپی لی۔ جلد ہی وہ کشتی رانی ٹیم کا کپتان بنادیا۔
ولیم ہر اتوار کو اپنی پڑھائی بالائے طاق رکھتا اور دریائے چارلس کے کنارے پہنچ کر اپنے دوست
کارکردگی کی داد دیتا۔ باطنی طور پر وہ بہت خوش ہوتا لیکن بظاہر چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتا..... ہر
کافدق اڑاتا۔

دوسری طرف ولیم نے ریاضی کے میدان میں اپنی واضح برتری ثابت کر دی۔ اس کے علاوہ
وہ فریش مین ڈیپنگ سوسائٹی کا چیئر مین منتخب ہوا۔ اُس نے یونیورسٹی کے صدر کو یونیورسٹی انشورنس
کے سلسلے بھی قائل کر لیا۔ اس کے تحت ہاورڈ سے فارغ التحصیل ہونے والے ہر طالب علم کو اپنی زندگی
کے سلسلے میں ایک ہزار ڈالر کی پالیسی لینا پڑتی..... جو یونیورسٹی کے نام ہوتی۔ اس کے بچے
میں 1950ء کے بعد سے یونیورسٹی کو ہر سال کم از کم تیس لاکھ ڈالر سالانہ آمدنی ہوتا تھی۔ صدر کو ولیم
اس اسکیم نے بے حد متاثر کیا۔ ایک سال بعد انہوں نے ولیم کو یونیورسٹی کی فنڈ کمیشن میں شامل کر لیا۔
ولیم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کی یہ رکنیت ساری زندگی کے لیے ہے۔ صدر نے وادی کین کو خط
ذریعے مطلع کیا کہ انہیں ولیم کی شکل میں مالیات کے شعبے کا ماہر ترین آدمی میسر آ گیا ہے۔

کرکس کی تعطیلات میں وہ ماتیو کے ساتھ ورمونٹ گیا، جہاں انہوں نے اسکاٹک
ماتیو جسنانی طور پر بہت چاق اور چوبند تھا۔ جیک ولیم ہانپ ہانپ جاتا تھا۔

”مجھے بتاؤ ماتیو کہ کسی پہاڑ پر چڑھنے میں ایک گھنٹہ ضائع کرنے سے کیا فائدہ ہے۔“
واپس نیچے بھی آتا ہے۔ اور اس میں بڑی ہولی بلکہ جان تک جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔“ ولیم اپنے
بھنا کر کہتا۔

اب تعلیم کے علاوہ عملی تربیت بھی ضروری ہو گئی تھی۔ گرمیوں کی چھیٹیوں میں ان دنوں
نے لیسٹرز بینک میں جو نیئر اسٹنٹ کی حیثیت سے کام کیا۔ ماتیو کا باپ ولیم کو اپنے بینک سے
رکھنے کی کوشش میں ناکام ہو کر سپر ڈال چکا تھا۔

1927ء کے موسم سرما میں وادی کین کا 85 برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ ماں کی موت
کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ولیم پھوٹ پھوٹ کر رویا۔

دادی کی تدفین کی تقریب اس قدر شاندار اور باوقار تھی کہ وہ زندہ ہوتیں تو سراپے ہوتیں۔ اب جہ وہ اس پر ضرور تھا ہوتیں کہ ان کا تاجوت۔ پیکر ڈھانچے میں رکھ کر قبرستان تک کیوں لایا ہے۔ وہ کار کے سلسلے میں کہا کرتی تھی..... یہ منحوس گاڑیاں..... اور مائی ڈیڈ باڈی..... لیکن وہ منہ گاڑی اندر ہر ڈیڈ باڈی لائی گئی تھی۔

دادی کین کی موت نے ولیم کی لگن اور مہینز کو تیز دیا۔ وہ پہلے سے زیادہ جانفشانی ساتھ پڑھائی میں مصروف ہو گیا۔ یہ ہاورڈ میں اس کا آخری سال تھا۔ وہ ان کو ایک تحفہ دینا چاہتا تھا..... ٹاپ..... ہینکس پرانز کا تحفہ..... اس نے خود کو اس مقصد کے حصول کے لیے وقف کر دیا۔ چھ بعد تانی "ایوٹ بھی چل بسیں۔

"ان کے ساتھ کوئی گفتگو کرنے والا جو نہیں رہا تھا۔" ولیم نے تبصرہ کیا۔



فروری 1927ء میں ایک ڈینیٹنگ ٹیم کا کپتان ولیم سے ملنے کے لیے آیا۔ مارچ میں مباحثہ ہونے والا تھا۔ موضوع تھا سوشلزم یا سرمایہ داری، امریکہ کے مستقبل کے لیے، قدرتی طور پر ولیم سے سرمایہ داری کے حق میں بولنے کی توقع کی جا رہی تھی۔

"اور اگر میں کہوں کہ میں کچلے ہوئے غریب لوگوں کی نمائندگی کرنا چاہتا ہوں۔" ولیم نے حیرت زدہ کپتان سے کہا۔ کپتان سوچ رہا تھا کہ بڑے نام اور ورثے میں ملنے والے ایک بینک بینک والے نے آج اس کے خیالات پر بھی ڈاکا ڈال دیا۔

"ولیم، ہمارا خیال تھا کہ تم سرمایہ داری....."

"ٹھیک ہے۔ میں تمہاری دعوت قبول کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے، مجھے اپنا پارٹنر منتخب کرنے کی آزادی ہے؟"

"ظاہر ہے۔"

"تو میں ماتھیو لیٹر کو اپنا پارٹنر کرتا ہوں۔ یہ بتاؤ، میرے مقابل کون ہوں گے؟"

"اس سلسلے میں تمہیں مباحثے سے ایک روز پہلے آگاہ کیا جائے گا۔"

اس ایک ماہ کے عرصے میں ناشتے پر دائیں اور بائیں بازو کے اخبارات کا مطالعہ معاملہ ولیم اور ماتھیو کے معمولات میں شامل ہو گیا۔ رات کو سونے سے پہلے وہ زندگی پر بحث کرنے مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے زندگی کو پرستھتے۔

کیسپس میں پہلے سے یہ شور مچ گیا تھا کہ اس بار معرکہ زور دار ہوگا۔ ولیم نے اندازہ لگایا کہ ماتھیو سب پر بقت لے جائے گا۔

ایک روز پہلے پوسٹرز کے ذریعے انہیں اپنے حریفوں کے نام معلوم ہوئے..... جبکہ کراسبی اور کلاڈ کوہن۔

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، کراسبی کا تعلق فلاڈلفیا سے ہے۔" ماتھیو نے رائے زنی کی۔ "ہاں، وہی ہے۔" ولیم نے تائید کی۔ "وہ نہ صرف شعلہ بیان مقرر ہے بلکہ کیسپس میں کمرے انقلابی کی حیثیت سے مشہور ہے۔ وہ اپنی پائی پائی اس مقصد کے لیے خرچ کرتا ہے۔ میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ اشارت کیسا زور دار لے گا۔" ولیم نے کراسبی کی نقل اتار لی۔ پھر بولا۔ "لیکن یہ سب کچھ لوگ اس کی زبانی سینکڑوں بار سن چکے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ ہمارے لیے خطرناک حریف نہیں ہے۔"

"اور کلاڈ کوہن؟" ماتھیو نے پوچھا۔

"اُس کا تو میں نے کبھی نام بھی نہیں سنا۔"



وہ مقررہ وقت پر ہال میں پہنچے تو ہال کچھ کھج بھرا ہوا تھا۔ خراب موسم کے باوجود حاضرین کی اتنی بڑی تعداد، مباحثے کی اہمیت کا غماز تھی۔ بوسٹن اور کیمبرج کے پروفیسرز تک آئے ہوئے تھے۔ ان دونوں کو اسٹیج پر موجود کرسیوں پر بٹھا دیا گیا۔ ولیم خاموش بیٹھا، حاضرین کی صفوں میں جانے پہچانے چہرے تلاش کر رہا تھا۔ پھر کراسبی اور کوہن بھی تالیوں کی گونج میں اسٹیج پر آ گئے۔

ان میں کراسبی زیادہ نمایاں تھا۔ وہ ڈبلا پتلا اور طویل القامت تھا۔ اس نے معمولی لباس پہن رکھا تھا۔ ہونٹوں کے درمیان پائپ دبا ہوا تھا۔ کوہن نسبتاً پست قد تھا۔ اُس نے چشمہ لگایا ہوا تھا۔ ان چاروں نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملائے۔ پھر گھنٹیاں بجنے لگیں سات گھنٹیاں۔

"مسٹر جبک کراسبی۔" کپتان نے پکارا۔

کراسبی کی تقریر سے ولیم کافی مطمئن ہوا۔ اس کے تمام اندازے درست ثابت ہوئے تھے۔ کراسبی کھسی پٹی باتیں دہرا رہا تھا۔ اُس کی تقریر صرف اُس کے ہمواد دوستوں کو متاثر کر سکی۔ وہ تقریر ختم کر کے بیٹھا تو یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ وہ اپنے حلقے سے باہر کے لوگوں کی تائید حاصل نہیں کر سکا ہے۔ بلکہ اسکے حلقے کے کچھ لوگ ایسے بھی تھے، جنہوں نے اس کی تقریر کو نہیں سراہا۔ یعنی اس نے کچھ کانے کے بجائے اُلٹا گتوا ہی دیا تھا۔

ماتھیو نے اچھی تقریر کی۔ وہ اصل موضوع سے نہیں ہٹا۔ اس نے تالیوں کی گونج میں اپنی تقریر ختم کی۔ ولیم نے اس کا ہاتھ گرمجوش سے دبا یا۔ "میرا خیال ہے ہم جنگ جیت چکے ہیں۔" اُس نے سرگوشی میں کہا۔

کراسی کی تقریر کا مقررہ وقت پورا ہونے والا تھا اس نے فضا میں مکا لہراتے ہوئے
..... میں بتاتا ہوں۔ امریکہ کی زیوں حالی کا جواب اس ہال سے محض دو سو گز کے

..... وہاں وائڈز لاہیری موجود ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی پرائیویٹ لاہیری.....
..... علم کی روشنی! یہ لاہیری کیوں قائم ہے؟
مرف اس لیے کہ ایک دولت مند پلے بوائے آج سے سولہ سال پہلے بد قسمتی سے ٹھیک نامی جہاز
پر سبز کر رہا تھا۔ آپ سمجھ رہے ہیں میری بات؟ اگر ایسے فلاحی کام کروانے ہیں..... امریکی عوام کی

زیوں حالی دور کرنا ہے تو ہمیں دولت مند طبقے کے ہر فرد کو ٹھیک کا ٹکٹ دینا ہوگا..... موت کا
..... تاکہ یہاں سے سرمایہ داری کی لعنت دور ہو..... مساوات اور شخصی آزادی کا بول بالا ہو۔“
تھیو چند لمحے پہلے فاتحانہ موڈ میں تھا۔ اُس کے حریف کی حماقت نے اُس کی ٹیم کو فتح
نے تقریباً ہٹکار کر دیا تھا لیکن ٹھیک کے حوالے پر اسے غصہ آگیا۔ وہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ ولیم
کارڈل کتنا شدید ہوگا۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کپتان نے اعلان کیا۔ ”مسٹر ولیم لاویل کین۔“
ولیم اٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے ہال میں موجود لوگوں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور بے حد نرم
لہجے میں بولا۔ ”میرا خیال ہے مسٹر کراسی نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، ان پر کوئی تبصرہ کرنا
مناسب ہے اور نہ ہی جواب دینا۔“ یہ کہہ وہ اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔
چند لمحے ہال پر حیرت آمیز سکوت طاری رہا۔ پھر تالیوں نے درود پوار کو لرزا کے رکھ دیا۔
فرض تالیاں بجا رہا تھا۔

کپتان نامک تک آیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ اچانک عتب سے کسی کی
آواز سنائی دی ”جناب چیئر مین..... میں آپ کے توسط سے مسٹر ولیم کین سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ
اپنا جوابی تقریر کا حق مجھے عنایت کر دیں۔“ یہ کلاؤ کوہن تھا۔
ولیم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کلاؤ کوہن نامک کی طرف بڑھ گیا۔ ”یہ بات بہت پہلے طے ہو چکی ہے کہ امریکہ میں
جمہوری سوشلزم کے نہ پنپنے کا سبب اُس کے بعض حامیوں کا انتہا پسندانہ طرز عمل ہے۔ اس کی واضح
ترکین مثال آج رات میرے ساتھی کی تقریر ہے۔ اگر اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے اپنے مخالفین کو
فکے کھاتے اتارنے کا خیال کسی مصیبت زدہ مہاجر کو آیا ہوتا تو قابل معافی تھا لیکن کسی امریکی کے
مخالف یہ بات اچھی نہیں لگتی بلکہ ناقابل برداشت معلوم ہوتی ہے۔ میں اپنے طور پر..... انتہائی خلوص
اور سچائی سے مسٹر کین سے معذرت طلب کرتا ہوں۔“

”لیکن کلاؤ کوہن نے سب کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس کا لہجہ نرم، آواز خوشگوار اور آواز
ہمدردانہ تھا۔ اس کے حوالے مستند تھے اور اُس کے مقصد کو نمایاں کرتے تھے۔ اُس کے نکتہ نظر کا خلوص
دل میں اتر جانے والا تھا۔ اس نے سوشلزم کی خامیوں کو تسلیم بھی کیا..... اپنے مکتبہ فکر کے رہنماؤں کی
کو تاہیوں کی نشاندہی بھی کی۔ لیکن اُس نے یہ تاثر دیا کہ خطرناک ہونے کے باوجود انسان سر بلندی
اور نبی نوع انسان کی فلاح کے لیے سوشلزم کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

ولیم پریشان ہو گیا۔ اب منطقی لیکن نشتر آگس حملہ کامیاب ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔ کوہن کا
انداز استدلال بہت دھیما اور عاجزانہ تھا۔ انسانیت کی سر بلندی پر اُس کے یقین کے اس تاثر کو
دینا ناممکن تھا، جو وہ سامعین پر چھوڑ گیا تھا۔ ولیم نے پہلے تو اپنی تقریر کو کوہن کے لگائے ہوئے چر
الزامات کے جواب پر مرکوز کیا پھر کوہن کی اصل دلیل کے جواب میں اُس نے کہا، وہ امریکی قوم کی
اس اہلیت پر یقین رکھتا ہے کہ وہ ذہنی اور معاشی سطح پر افراد کو ان کی صلاحیتوں کی بنیاد پر کامیابیاں
فراہم کرے گی۔

ولیم کو احساس تھا کہ اس نے ممکنہ حد تک بہترین اور موثر دفاعی انداز اختیار کیا ہے۔ لیکن
وہ تقریر ختم کر کے اپنی کرسی پر واپس آیا تو خود کو کوہن کے مقابلے میں شکست خوردہ تصور کر رہا تھا۔
اب کراسی کی باری تھی۔ اُس نے بڑے جوشیلے انداز میں تقریر شروع کی۔ ایسا لگتا تھا کہ
اب وہ ولیم اور تھیو کے علاوہ اپنے ساتھی کوہن کو بھی شکست دینا چاہتا ہوا اُس نے حاضرین سے متنا
خیز لہجے میں کہا کہ آج شاید انہیں اپنی صفوں میں عوام دشمن شخص نظر آ گیا ہوگا۔ لوگ خاموش بیٹھے
ہے..... سنائے کے سے عالم میں۔ وہ زہریلی نظروں سے ایک ایک کو کھتا رہا۔ اُس کے حامیوں کی
نظریں بھی جھک گئی تھیں۔

پھر کراسی نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے چیخ کر کہا۔ ”وہ آپ لوگوں کے سامنے کھڑا ہے
اُس نے آپ ہی کے سامنے تقریر کی ہے۔ اس کا نام ولیم لاویل کین ہے۔“ اُس نے ولیم کی طرف ا
دیکھے بغیر ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ”اس کا بینک اُن کانوں کا مالک ہے، جن میں برسوں سے مزدور مرنے
آ رہے ہیں۔ صرف اس لیے کہ اُن کے آقاؤں کو لاکھوں، کروڑوں کا منافع مل سکے۔ اس کا بینک
لاٹینی امریکہ کے آموں کو مالی امداد سے نوازتا ہے۔ اس کا بینک امریکی کانگریس کو رشوت دیتا ہے
تاکہ وہ چھوٹے کسانوں کو کچل دے۔ اس کا بینک.....“

دشنام طرازی کا یہ سلسلہ مزید کئی منٹ جاری رہا۔ ولیم خاموشی سے بیٹھا جواب طلب
ٹکات کاغذ پر نوٹ کر رہا تھا۔ کچھ لوگوں نے کراسی کے خلاف نعرے لگانے شروع کر دیے۔ جواب
میں کراسی کے حامی بھی نعرے بازی پر اتر آئے انتظامیہ کے لوگ نروس نظر آنے لگے۔

بڑائی کا ایک جام پیش کیا۔ پھر وہ جدا ہو گئے۔

اسی صبح ولیم میدان ہوا تو دروازے کے قریب ایک چھوٹا سا لٹاف پڑا نظر آیا، جس کی نے دروازے کی چمکی درز سے اندر کھسکا دیا تھا۔ لفافے پر ولیم کا نام تحریر تھا۔ اندر سے ایک مختصر سا رقعہ برآمد ہوا۔ رقعہ پورسلین کلب کے چیئر مین کی طرف سے تھا۔ اس میں ولیم کو تنہی لہجے میں مخاطب کیا گیا تھا۔ آخری جملہ تھا، اُمید ہے، آئندہ اس قسم کی حرکتوں کا اعادہ نہیں کیا جائے گا، جو گزشتہ رات سرزد ہوئی ہیں۔“

لہجہ تنیدہ چیئر مین کو استغنے کے دو خط موصول ہو چکے تھے۔

توقع کے عین مطابق جون 1928ء میں، ولیم اور ماتھیو نے ہارڈ سے گریجویشن کر لیا۔ ایک ہفتے بعد اعلان ہوا کہ صدارتی ریاضی انعام کا حقدار ولیم کین کو قرار دیا گیا ہے۔ دونوں لڑکوں کو مزید تعلیم کے حصول میں دلچسپی نہیں تھی۔ اب وہ عملی زندگی کے حقائق کا سامنا کرنے کے لیے بے چین تھے۔

ہارڈ چھوڑنے سے آٹھ دن پہلے ولیم کا لیسٹرز بینک والا اکاؤنٹ میں لاکھ کا ہدف عبور کر چکا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا، جب ولیم نے ماتھیو سے کین اینڈ کا بوٹ اور لیسٹرز بینک کے انضمام کے سلسلے میں تعمیلی گفتگو کی۔ ماتھیو اس سلسلے میں پر امید تو تھا لیکن کسی حد تک الجھن محسوس کر رہا تھا۔ ”میرے اور ڈیڈی کے چھوڑے ہوئے ترکے کے حق میں یہی ایک بہتر صورت ہے۔ ورنہ میں کچھ بھی نہیں سنبھال سکوں گا۔“ ماتھیو کے لہجے میں بے بسی تھی۔

گریجویشن کی تقریب کے روز ساٹھ سالہ ایلن لائڈ، ہارڈ آیا تھا۔ تقریب کے بعد ولیم اُسے چائے پلانے کے لیے لے گیا۔ ایلن طویل القامت اور خوب رو ولیم کو بڑی محبت آمیز اور مشتاقانہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

”اب کیا ارادہ ہے؟ ہارڈ کو بھی تم پیچھے چھوڑ آئے ہو۔“ اس نے ولیم سے پوچھا۔

”میں چارلس لیسٹرز کا بینک جوائن کر رہا ہوں۔ چند برس گزار کے..... تجربہ حاصل کر کے میں کین اینڈ کا بوٹ میں آ جاؤں گا۔“

”ولیم تم نے لیسٹرز کے بینک میں کم وقت تو نہیں گزارا۔ سیدھے ہمارے پاس آ جاؤ، ہم تمہیں بطور ڈائریکٹر رکھ لیں گے۔“

ولیم نے کچھ نہیں کہا۔ ایلن لائڈ کی پیش کش قطعی غیر متوقع تھی۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ اس کا اپنا بینک اس کی عمر 25 سال ہونے سے پہلے ہی اُسے ڈائریکٹر کا عہدہ پیش کر سکتا ہے۔

اس بار تالیوں کی گونج پہلے سے بلند تھی۔ ہر شخص نہ صرف تالیاں بجا رہا تھا بلکہ نشست سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ولیم نے اٹھ کر کلاؤ کو بہن سے ہاتھ ملایا۔ مباحثے کے فیصلے حیرت نہیں ہوئی۔ ڈیڑھ سو ووٹوں کی اکثریت سے ولیم اور ماتھیو کو فاتح قرار دیا گیا۔

ولیم اصرار کر کے کلاؤ کو بہن کو اپنے..... اور ماتھیو کے ساتھ لے گیا۔ شدید برف پانی رہی تھی اور انہیں راستہ بھی واضح طور پر نظر نہیں آ رہا تھا۔ بہر طور کسی نہ کسی طرح وہ بالکلن ہال گئے۔ کلاؤ دروازے پر ٹھک گیا۔ ”میرا خیال ہے میری یہاں آمد پسند نہیں کی جائے گی۔“ اس نے کہا۔ ولیم ایک لمحے کو حیران رہ گیا۔ ”اتفاقانہ بات ہے۔“ اُس نے سر جھٹک کر کہا۔ ”تم میرے ساتھ آئے ہو۔“

ماتھیو نے اپنے دوست کو تنہی نگاہوں سے دیکھا لیکن ولیم کے چہرے پر ایک نظر ڈال ہی اُسے اندازہ ہو گیا کہ اب وہ باز نہیں آئے گا۔

وہ اندر داخل ہوئے اور بیڑھیاں چڑھ کر ایک بڑے کمرے میں پہنچے۔ کمرہ آرام تھا۔ وہاں دس بارہ نوجوان موجود تھے۔ کچھ آرام کرسیوں پر دراز تھے۔ اور کچھ ادھر ادھر کھڑے ہوئے۔ ولیم کے کمرے میں داخل ہوتے ہی مبادک باد کا غلطہ بلند ہوا۔

”ولیم..... تم نے کمال کر دیا۔ ایسے خبیث لوگوں کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہیے۔“

”فتح مبارک ہو۔“

کلاؤ ابھی تک ولیم کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ لیکن ولیم کو اس کی موجودگی کا احساس نہ ”جنٹلمین۔“ اس نے اعلان کیا۔ ”میرے لائق حریف سے ملنے..... کلاؤ کو بہن۔“ کو بہن ہچکچاتے ہوئے آگے بڑھا۔

اچانک کمرے پر سناٹا مسلط ہو گیا۔ وہ لوگ کلاؤ کو بہن کو خالی خالی نظروں سے نکلتے تھے۔ پھر قدموں کی چاپ ابھری۔ وہاں موجود نوجوانوں میں سے ایک خاموشی سے کمرے سے نکلتا گیا تھا۔ پھر دوسرا..... تیسرا..... ایک ایک کر کے وہ سب واک آؤٹ کر گئے۔ آخری آدمی نے کمرہ چھوڑنے سے پہلے ولیم کو عجیب سی نظروں سے دیکھا تھا۔

ماتھیو نے ولیم کو بڑی بد مزگی سے گھورا۔ کو بہن کا چہرہ ہنستا رہا تھا۔ وہ مجرموں کی طرح جھکائے کھڑا تھا۔ ولیم کے چہرے پر وہی تاثر تھا۔ جو کراچی کے ٹیلاک کے حوالے پر اس کے چہرے پر ابھرا تھا۔ اُس کے ہونٹ ہنسنے لگے تھے۔

ماتھیو نے ولیم کا ہاتھ چھوتے ہوئے کہا۔ ”آؤ چلیں۔“

وہ خاموشی سے باہر آئے اور ولیم کے کمرے کی طرف چلے گئے۔ وہاں ولیم نے کو بہن

جب کہ اس کے باپ کو یہ اعزاز 25 سال کی عمر میں حاصل ہوا تھا۔

الین اُس کے جواب کا منتظر تھا۔ اُسے خاموش پا کر وہ بولا ”ولیم میں تصور بھی نہیں کر سکتی کہ کوئی جیویشن تمہیں آواز سے محروم بھی کر سکتی ہے۔“

”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم میری 25 ویں سالگرہ سے پہلے مجھے یہ پیش کش کر دے ہو۔ ڈیڑی تو 25.....“

یہ درست ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ 25 سال کی عمر مقررہ حد کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تمام ڈائریکٹر میرے اس فیصلے کی تائید کریں گے۔ بہر حال میں ذاتی وجوہات کی بنا پر تمہیں جلد از جلد بینک کا ڈائریکٹر دیکھنا چاہتا ہوں۔ پانچ سال بعد میں ریٹائر ہو جاؤں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس وقت مناسب ترین چیز مین کے انتخاب میں دشواری نہ ہو۔ تم ابھی عہدہ سنبھال لو گے تو اُس وقت تک اپنی اہلیت کا سکہ جما چکے ہو گے۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ اہم ترین وقت تم لیسٹرز بینک میں گنواؤ، بولو، کیا کہتے ہو؟“

”میں آپ کی پیش کش بخوشی قبول کر لوں گا جناب۔“ ولیم نے چند لمحوں سوچنے کے بعد کہا۔
”اُس دن کے بعد، جب ہم نے گولف کھیلنا تھا اور تم نے مجھے سے 9 ڈالر جیتے تھے، آج تم نے پہلی بار مجھے جناب کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے، مجھے محتاط رہنا ہوگا۔“
ولیم مسکرایا۔

”تو ٹھیک ہے۔ بات طے ہو گئی۔ تم شعبہ سرمایہ کاری کے انچارج، جونیئر ڈائریکٹر ہو۔ تمہیں ٹونی سائمن کی ماتحتی میں کام کرنا ہوگا۔“

”میں اپنا اسٹنٹ منتخب کر سکتا ہوں؟“

الین لائڈ نے چونک کر اُسے دیکھا۔ ”اور وہ ہاتھیو لیسٹر ہوگا۔“

”جی ہاں۔“

”لیکن میں کسی لیسٹر کی اپنے بینک میں موجودگی پسند نہیں کروں گا۔“ الین نے کہا۔ ”اے یہاں وہی کچھ کرنے کی نیت سے آئے گا، جو تم لیسٹرز میں کرنا چاہتے تھے۔ یہ سب کچھ تم نے تمہارے کوہن سے سیکھا ہے۔“

ولیم خاموش رہا۔ لیکن اس دن کے بعد اس نے الین لائڈ کو کبھی بے خبر تصور نہیں کیا۔ الین لائڈ چیز مین شپ کا اہل تھا۔ ہر طرح کی خبر رکھتا تھا اور اُسے چھپانا بھی جانتا تھا۔

ولیم نے چارلس لیسٹر کو الین لائڈ کی گفتگو لفظ بہ لفظ سنائی تو اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ ”مجھے افسوس رہے گا کہ تم جاسوس ہی کی حیثیت سے سہی..... لیکن میرے بینک میں نہیں آؤ؟“

”اُس نے پر خلوص لہجے میں کہا۔“ لیکن مجھے یقین ہے۔ تم ایک دن یہاں ضرور آؤ گے..... کسی دن.....“

ولیم نے ستمبر 1928ء میں کین اینڈ کا بوٹ کے جونیئر ڈائریکٹر کا عہدہ سنبھالا۔ پہلی بار اُسے احساس ہوا کہ وہ کوئی اہم کام کر رہا ہے۔ ٹونی سائمن کے آفس کے برابر ہی اس کا چھوٹا سادہ دفتر تھا۔ ٹونی سائمن شعبہ مالیات کا ڈائریکٹر تھا۔ عہدہ سنبھالنے کے ایک ہفتے کے اندر ولیم کو بغیر کسی منتہو کیے اعزازہ ہو گیا کہ ٹونی چیز مین شپ کے خواب دیکھ رہا ہے۔

بینک کا سرمایہ کاری کا پروگرام مرتب کرنا ٹونی سائمن ہی کی ذمہ داری تھی۔ اُس نے فوراً ہی اپنی کچھ ذمہ داریاں ولیم کو منتقل کر دیں۔ خاص طور پر چھوٹے قطعات اراضی کے سلسلے میں کی جانے والی نجی سرمایہ کاری..... سرمایہ کاری کے سلسلے میں سفارشات پر مشتمل ماہانہ رپورٹ پیش کرنا ولیم کی ذمہ داری تھی۔ یہ رپورٹ بورڈ کی مینٹگ میں پیش کی جاتی تھی۔ بورڈ کے اراکین کی تعداد 14 تھی۔ مینٹگ اس وسیع و عریض کمرے میں ہوتی تھی، جس کی دو دیواروں پر دو روغنی پورٹریٹ آویزاں تھے۔ اُن میں ایک ولیم کے باپ کا اور دوسرا دادا کا تھا۔ ولیم نے اپنے دادا کو نہیں دیکھا تھا..... لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کا دادا اپنے دور کا زبردست شخص رہا ہوگا۔ اُس کے لیے صرف ایک ہی جواز کافی تھا..... انہوں نے اپنے لیے دادی کین جیسی زبردست شریک حیات منتخب کی تھی۔

ولیم ابتدائی چند ماہ بہت محتاط رہا۔ جلد ہی بورڈ کے اراکین اس کی قوتِ فیصلہ کا احترام کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اب وہ اس کی سفارشات پر بڑی سنجیدگی سے غور کرتے تھے..... اور اس سے توقعات بھی وابستہ کرنے لگے تھے۔ ابتدائی عرصے میں اُن کے سامنے ایک حیرت انگیز بات آئی۔ عموماً وہ ولیم کی جن سفارشات کو مسترد کرتے، وہی بعد میں ولیم کی بہترین سفارشات ثابت ہوتیں۔ پہلی مثال اس وقت سامنے آئی۔ ”جب مسٹر میر نے بولتی فلوں کے سلسلے میں بینک سے قرضہ طلب کیا۔ لیکن بورڈ کے نزدیک اس میں منافع کا کوئی روشن امکان نہیں تھا۔ ان کے خیال میں بولتی فلوں کا کوئی مستقبل نہیں تھا۔ ایک اور موقع پر مسٹر پیلے ریڈ پونیٹ درک کا پروگرام لے کر سامنے آئے، لیکن الین لائڈ اس پروگرام کی افادیت کو نہ سمجھ سکا۔ بورڈ کے اراکین میں الین لائڈ کے ہموار تھے۔ بعد میں مسٹر میر ایم جی ایم جی بین الاقوامی فلم کمپنی اور مسٹر پیلے سینٹرل براڈ کا سٹنگ سروس کے سربراہ بنے۔ ولیم نے اُن دونوں کے حق میں سفارشات پیش کی تھیں۔ اس کے نزدیک اُن دونوں کا مستقبل انتہائی ناامید تھا۔ اس نے اپنے باپ کے اصول کو اپناتے ہوئے اُن دونوں کی ذاتی طور پر، اپنے نجی سرمائے سے پشت پناہی کی..... یعنی مسٹر میر اور پیلے کو یہ علم نہ ہوسکا کہ سرمایہ کاری کی پشت پہ

کون ہے۔ رچڑ کی طرح ولیم نے بھی ذاتی سرمائے کو بینک سے علیحدہ رکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ولیم کے ذمے ایک ناخوشگوار کام بھی تھا۔ اُسے ان دیوالیہ کاروباری حضرات سے نمٹنا تھا، جن کے کاروبار میں بینک نے صنعت کاری کی تھی۔ دیوالیہ ہونے کی صورت میں وہ بینک کا قرض واپس نہیں کر پاتے تھے، چنانچہ اُن کی جائیداد کی قرضی سے کام چلتا تھا۔ ولیم فطرتاً نرم خو نہیں تھا بلکہ پرانے اور محترم منوکوں سے ان کے اٹاٹے چمین لینا..... ان کے گمر تک قرض کروا دینا، ولیم کے لیے کوئی خوشگوار عمل نہیں تھا۔ کبھی کبھی تو وہ رات کی نیند تک سے محروم ہو جاتا تھا۔ ولیم کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ ایسے منوکوں کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ تھے، جن کے لیے دیوالیہ ہونا کوئی خاص بات نہیں تھی۔ دوسرے وہ تھے، جو باقی تمام زندگی اپنے کاغذوں سے قرض کا بوجھ اتارنے میں گزار دیتے تھے..... جو پانی پانی کا قرض چکانا چاہتے تھے۔ ولیم پہلے قبیل کے لوگوں کے ساتھ انتہائی درشت رہتا تھا۔ جبکہ دوسرے قبیل کے منوکوں کے ساتھ اس کا برتاؤ نرم دلا نہ ہوتا تھا۔ یہ بات ٹونی سائمن سخت ناپسند تھی۔

ایسے ہی ایک موقع پر ولیم نے بینک کا سنہرا اصول توڑ دیا..... وہ ایک منوک کے ساتھ براہ راست ملوث ہو گیا۔ اس منوک کا نام کیتھرین بروکس تھا۔ اس کے شوہر میکس بروکس نے بینک سے دس لاکھ ڈالر کا قرضہ لیا تھا۔ اس نے فلوریڈا میں زمین خریدی تھی۔ اگر اُن دنوں ولیم بینک میں ہوتا تو وہ اس قرضے کے متعلق کبھی مثبت سفارش نہ کرتا۔ بہر حال بینک نے قرضہ دے دیا۔ بد قسمتی سے میکس ایک فضائی حادثے میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

ولیم نے بینک کے مفاد میں عمل کرتے ہوئے پہلی فرصت میں زمینوں پر قبضہ کر لیا۔ اُن نے زمین بچ کر بینک کا نقصان پورا کرنے کی کوشش کی، لیکن مکان والی زمین کو چھوڑ دیا۔ جو ایکڑ کے لگ بھگ تھی۔ بینک اب بھی تین لاکھ ڈالر کے خسارے میں تھا۔ بورڈ کے چند اراکین زمین بیچنے کے فیصلے سے ناخوش تھے۔ ٹونی سائمن نے بھی ولیم کے اس فیصلے کی مخالفت کی چند ماہ بعد ثابت ہو گیا۔ ولیم کا فیصلہ درست تھا۔ اگر بینک زمین فروخت کرنے کے بجائے اس پر قابض رہا ہوتا تو بینک کا نقصان اور بڑھ جاتا۔ اس واقع کے بعد بورڈ کے اراکین ولیم کی رائے کا اور زیادہ احترام کرنے لگے۔ لیکن ٹونی سائمن، ولیم سے اب بھی ناخوش تھا۔

زمین سے نمٹنے کے بعد ولیم مسز بروکس کی طرف متوجہ ہوا، جس نے اپنے شوہر کی طرف سے ضمانت دی تھی۔ اس نے مسز بروکس کو ایک رکی ساختہ لکھا، جس میں اس نے ملاقات کی گزارش پیش کی۔ اُسے فائل کے ذریعے علم ہو چکا تھا کہ مسز بروکس کی عمر 32 سال ہے۔ وہ یوسٹن کے ایک مسز زگھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے باپ کا نام اینڈریو بکھر ہے۔ اُسے یہ بھی علم ہو گیا تھا کہ زمین سے نمٹنے کے بعد ولیم مسز بروکس کی طرف متوجہ ہوا، جس نے اپنے شوہر کی طرف سے ضمانت دی تھی۔ اس نے مسز بروکس کو ایک رکی ساختہ لکھا، جس میں اس نے ملاقات کی گزارش پیش کی۔ اُسے فائل کے ذریعے علم ہو چکا تھا کہ مسز بروکس کی عمر 32 سال ہے۔ وہ یوسٹن کے ایک مسز زگھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے باپ کا نام اینڈریو بکھر ہے۔ اُسے یہ بھی علم ہو گیا تھا کہ

”اب صورت حال یہ ہے کہ آپ نے قرضے کی واپسی کی ضمانت دی تھی۔ چنانچہ تان آپ کے اٹاٹوں پر آکر ٹوٹی ہے۔“ ولیم کے لہجے میں شرمساری تھی۔ تاہم اس نے فائل میں موجود معلومات پر نظر ڈالی اور بولا۔ ”آپ نے اسی ہزار ڈالر کی سرمایہ کاری کی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے، یہ

اس صبح تانے اور شن کی کانوں میں سرمایہ کاری کے سلسلے میں اس کی ٹونی سائمن سے اچھی خاصی تلخ کلامی ہوئی۔ وہ اس سرمایہ کاری کے حق میں تھا..... کیونکہ ان دونوں دعاوتوں کی قیمت اُوپر جاری تھیں۔ لیکن ٹونی اس سے متفق نہیں تھا۔ وہ اسٹاک مارکیٹ میں محفوظ سرمایہ کاری کے حق میں تھا۔ ولیم ڈینی طور پر اسی الجھن میں تھا کہ اس کی سیکرٹری نے مسز بروکس کو اندر بھیج دیا۔ ولیم اُسے دیکھ کر سٹائٹ میں رہ گیا۔ وہ سبیلوں کی طرح خوبصورت تھی۔ ولیم کو خدشہ تھا کہ ٹنگلی باغہ کر دیکھنے سے ہناوٹ جائے گا۔ وہ بیوگی کے لباس میں تھی۔ اس کا چہرہ میک اپ سے پاک تھا، لیکن اس سے اُس کی دلکشی میں کچھ اضافہ ہی ہوا تھا۔ ولیم کو ایک نظر میں احساس ہو گیا کہ وہ ان عورتوں میں سے ہے، جن پر کسی موسم میں، خزاں نہیں اترتی..... جو سدما بہار ہوتی ہیں۔ اب ولیم کو یہ فکر ہوئی کہ اُسے مسز بروکس سے جو کچھ کہنا ہے، وہ کیسے کہے..... اتنی خوشگوار گفتگو کرنا کیونکر ممکن ہے؟

”مسز بروکس، مجھے آپ کے شوہر کی ناوقت موت کا ڈھک ہوا۔ میں شرمندہ ہوں کہ میں نے سوگ کے ایام میں آپ کو اس سنگین مسئلے پر گفتگو کرنے کے لیے زحمت دی۔“ بالآخر اُس نے کہا۔ اس ایک جملے میں دو جھوٹ تھے..... حالانکہ صرف پانچ منٹ پہلے یہ جملہ سچائی کا مظہر تھا۔ ”شکریہ مسز سائمن۔“ مسز بروکس نے کہا۔ اُس کی آواز بے حد خوشگوار اور شیریں تھی۔ ”مجھے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے اور میں اس سلسلے میں جو کچھ بھی کر سکی، ضرور کروں گی۔“

ولیم خاموش رہا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ بولتی رہے۔ اور وہ سنا رہے۔ لیکن وہ خاموش ہوئی۔ ولیم نے اُسے میکس بروکس کی زمین فروخت کرنے کے سلسلے میں تفصیل سے بتایا۔ مسز بروکس فکر لگ بھگائے، خاموشی سے سنتی رہی۔

”کائنات سے تو لگتا تھا کہ اس میں کوئی پیچیدگی ہے ہی نہیں۔ میرا خیال ہے، خاتون کو
ہم نے کئی حکایتیں نہیں ہوگی۔ ہماری پیش کش بے حد معقول ہے۔“

”جی ہاں..... خاتون کا بھی یہی خیال تھا۔ میں انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ
ہمارا نقصان پورا کرنے کے لیے انہیں خود کو فلاح نہیں کرنا چاہیے۔“

ٹونی سامنن نے حیرت سے اُسے دیکھا۔ ”یہ اس ولیم کین کے الفاظ تو نہیں معلوم ہوتے،
جسے ہم سب جانتے اور سراہتے ہیں۔ بہر حال، یہ ایسا وقت ہے کہ بینک فراخ دل کی مظاہرہ کر سکتا ہے۔“

ولیم کا موڈ خراب ہو گیا۔ اُس کی ٹونی سامنن سے شروع ہی سے نہیں بنی تھی۔ اشاک کے

سلسلے میں ان دونوں کے درمیان زبردست نظریاتی اختلاف موجود تھا۔ ان دنوں اشاک مارکیٹ میں

زبردست تیزی کا رجحان تھا۔ نیویارک میں سات لاکھ حصص یومیہ کالین دین ہو رہا تھا، جو ایک ریکارڈ تھا

لیکن ولیم اُسے زوال کا پیش خیمہ قرار دیتا تھا۔ ٹونی کا کہنا تھا کہ تیزی کا رجحان قائم رہے گا۔ ولیم بورڈ کی

میٹنگ میں، اشاک کے سلسلے میں مسلسل محتاط رہنے کی تلقین کر رہا تھا، جسے بڑی ثابت قدمی سے نظر

انداز کیا جا رہا تھا۔ تاہم، ولیم اپنے ٹرسٹ کی رقم کے سلسلے میں خود مختار تھا۔ وہ زمین، سونے اور قدیم

روغنی تصاویر کے لیے بھاری سرمایہ کاری کر رہا تھا۔ ٹرسٹ کا صرف 50 فیصد اشاک پر لگا ہوا تھا۔

بمخفیہ ریل ریڈرو بینک آف نیویارک نے اعلان کیا کہ وہ اُن بینکوں کو قرضہ نہیں دے گا،

جو اپنے موکلوں کو صرف بٹے کے لیے قرض فراہم کر رہے ہیں۔ ولیم کے خیال میں یہ اشاک کے

کاروبار کے ثبوت میں پہلی کیل تھی۔ اس کے علاوہ ایسے قرضوں پر کٹوتی بھی نہیں دی جائے گی۔ اس

اعلان کی روشنی میں ولیم نے بینک کے قرض دینے کے پروگرام کا جائزہ لیا۔ معلوم ہوا کہ کین اینڈ

کابوٹ مجموعی طور پر پر دو کروڑ ساٹھ لاکھ ڈالر کے ایسے قرضے دے چکے ہیں۔ اس نے ٹونی سامنن

سے التجا کی کہ ان مقرض موکلوں کو قرض کی واپسی کے نوٹس دے دیے جائیں۔ کیونکہ حکومت کے

اس اقدام کے بعد اشاک مارکیٹ میں لازماً مندی کا رجحان پیدا ہوگا۔ اس مسئلے پر بورڈ کی میٹنگ میں

بقاعدہ لڑنے کی نوبت آگئی۔ لیکن ولیم کو دو کے مقابلے میں بارہ ووٹ سے شکست ہوئی۔

21 مارچ 1929ء کو بلیئر اینڈ کمپنی نے بینک آف امریکہ کے ساتھ انعام کا اعلان کیا۔ یہ

دو بینکوں کے انعام کا تیسرا مسلسل فیصلہ تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ بینکاری کا نظام روشن مستقبل کی طرف بڑھ

رہا ہے۔ 25 مارچ کو ٹونی سامنن نے ولیم کے نام ایک نوٹ لکھا، جس میں بتایا گیا تھا کہ اشاک

مارکیٹ میں حصص کے لین دین کا ایک نیا ریکارڈ قائم ہوا ہے۔ اس نے تجویز پیش کی کہ اشاک میں

سرمایہ کاری کا تناسب بڑھایا جائے۔ اس وقت تک ولیم نے اپنے ٹرسٹ میں حصص کا تناسب محض 5

فیصد تک محدود کر لیا تھا اس طرح اُسے بیس لاکھ ڈالر کا نقصان بھی اٹھانا پڑا تھا۔ ایلیں لائڈ یہ سب دیکھ

وہ رقم ہے جو آپ کو اپنے خاندان کی طرف سے ورثے میں ملی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے
اکاؤنٹ میں 17,756 ڈالر موجود ہیں۔“

مسز بروکس نے نگاہیں اٹھائیں اور ولیم کو بغور دیکھا۔ ”میری مالی حالت کے متعلق بہ

معلومات قابل رشک ہیں مسٹر کین۔“ اُس نے نرم لہجے میں کہا۔ ”لیکن فلوریڈا میں ہمارا مکان بھی

جو میکس کے نام تھا۔ اس کے علاوہ میرے پاس کچھ قیمتی زیورات بھی ہیں۔ میرا خیال ہے، میں آپ

واجب الادا رقم..... یعنی تین لاکھ ڈالر ادا کر سکتی ہوں۔ میری کوشش یہی ہے کہ جلد از جلد یہ

اتار دوں۔“ اُس کی آواز میں خفیف سی لرزش تھی۔ ولیم اُسے پرستائش نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔

”مسز بروکس۔“ چند لمحے بعد اُس نے کہا۔ ”بینک آپ کو ہر چیز سے محروم نہیں کرنا چاہتا

اگر آپ اتفاق کریں تو ہم آپ کے حصص اور بانڈ فروخت کر سکتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ مکان

زیورات آپ ہی کی تحویل میں رہیں۔“

مسز بروکس قدرے ہچکچائی ”اس ہمدردانہ رویے کے لیے میں آپ کی شکر گزار ہوں

کین۔ لیکن میرے نزدیک میرے آنجنابی شوہر کی عزت اور ساکھ زیادہ اہم ہے۔ ویسے بھی میں

فلوریڈا والا مکان فروخت کرنے کا حتی فیصلہ کر لیا ہے۔ اس کام سے نمٹنے ہی میں اپنے والدین

پاس چلی جاؤں گی۔“

یہ سن کر کہ وہ ہوشن واپس آنے والی ہے، ولیم کے دل کی دھڑکنیں بے رعب

گئیں۔ ”مکان کی فروخت کے سلسلے میں، میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔“ اُس نے کہا۔

”جی ہاں..... تاکہ آپ کی پوری رقم، آپ کو مل جائے۔“ مسز بروکس نے خشک لہجے میں کہا

”لیکن جلد بازی کی کیا ضرورت ہے۔“ ولیم نے ایک اور ملاقات کی راہ ہموار کرنے

کوشش کی۔ ”میں اس سلسلے میں اپنے ساتھیوں سے بات کر لوں۔ آئندہ ملاقات میں اس موضوع

بات کریں گے۔“

”آپ جو مناسب سمجھیں، کریں۔ میں تو بس جلد از جلد بوجھ اتارنا چاہتی ہوں۔“

ولیم نے حیرت سے چلکیں جھپکائیں، ”مسز بروکس، مجھے اعتراف ہے کہ آپ

فراخ دلانہ رویے نے مجھے بے متاثر کیا ہے کیوں نہ لےج میرے ساتھ کیجیے۔“

مسز بروکس پہلی بار مسکرائی۔ اس کے رخساروں میں ننھے ننھے گڑھے پڑ گئے۔ رٹنر میں

لےج کے دوران، ہر لمحے وہ کوشش کرتا رہا کہ وہ مسکراتی رہے۔ وہ تین بجے کے قریب دفتر واپس آیا۔

”بہت لمبا لےج کیا ہے تم نے۔“ ٹونی سامنن نے کہا۔

”معاملہ میرے اندازے سے بڑھ کر پیچیدہ تھا۔“

کر متوحش ہو رہا تھا۔ ”ولیم..... کچھ میں نہیں آتا۔ تم کیا کر رہے ہو؟“

”ایلن..... میں چودہ سال کی عمر سے اشاک مارکیٹ میں دلچسپی لے رہا ہوں۔ ش اشاک مارکیٹ کا مزاج داں ہوں۔“ ولیم نے پراعتماد لہجے میں کہا۔

لیکن 1929ء کے موسم گرما تک مارکیٹ میں تیزی کا رجحان بدھتا رہا۔ ولیم نے بھی اپنے حصص کی فروخت کا سلسلہ روک دیا۔ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ شاید ٹوٹی ٹھیک ہی کہتا ہے۔

جیسے جیسے ایلن لائڈ کے ریٹائرمنٹ کا وقت قریب آ رہا تھا، ٹوٹی سائنس کی اُس کی جگہ لیا کی خواہش واضح ہوتی جا رہی تھی۔ ولیم کے لیے یہ صورت حال پریشان کن تھی، کیونکہ ٹوٹی قدامت پرست تھا۔ وہ بہت محتاط طبیعت کا مالک تھا اور مارکیٹ سے کچھ پیچھے رہنا پسند کرتا تھا تا کہ نقصان کا خدشہ نہ رہے۔ مارکیٹ کے عروج کے دنوں میں اس کا یہ حال تھا تو ابتری کے دور میں اس کی اعتبار پسندی کیا گل کھلائے گی۔ ولیم کے نزدیک سرمایہ کاری کے ماہر کو نظرنا بھیڑ نہیں ہونا چاہیے۔ ک جہاں گلہ جا رہا ہو، اسی طرف چل دے۔ اس میں تو پیش بینی کی صلاحیت ہونی چاہیے تا کہ وہ مناسب وقت پر مناسب تر فیصلے کر سکے۔ اب..... اسی وقت..... ولیم اشاک مارکیٹ کی مندی سونگھ کر پہاڑی اختیار کر رہا تھا جبکہ ٹوٹی سائنس کے نزدیک وہ امریکہ کی کاروباری تاریخ کا سنہرا دور تھا۔

ولیم کا دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ ٹوٹی سائنس کی عمر صرف 39 سال تھی۔ اس کے چیئرمین بننے کی صورت میں ولیم کو کم از کم 26 سال انتظار کرنا تھا۔ تب کہیں کین اینڈ کا بوٹ کی چیئر مین شپ اُسے میسر آئی۔ اتنی تاخیر اس کے لیے قابل قبول نہیں تھی۔

اس تمام عرصے میں کیتھرین بروکس اُس کے تصور پر چمائی رہی۔ وہ بائڈز اور اشاکس کی فروخت کے سلسلے میں مطلع کرنے کے بہانے اُسے خط لکھتا رہتا تھا۔ وہ عام سے خط تھے۔ اُن کی روشنی میں کیتھرین بروکس اسے ایک فرض شناس بینکار ہی سمجھ سکتی تھی، اور بس! اگر اُسے احساس ہو جاتا کہ ولیم کے خطوط کی فائل کسی چھپیدہ کیس کی دفتری فائل کی طرح دبیز ہوتی جا رہی ہے تو شاید وہ اس سلسلے میں سنجیدگی سے غور کرتی۔ لیکن اُسے اس بات کا احساس ہی نہیں ہوا۔

اولائل خزاں میں کیتھرین نے ولیم کو خط لکھا تو اُسے فلوریڈا والے مکان کے لیے ایک اچھا خریدار مل گیا ہے۔ ولیم نے جوابی خط میں درخواست کی کہ اُسے بینک کے نمائندے کی حیثیت سے خریدار سے سودے بازی کی اجازت دی جائے۔ کیتھرین نے اجازت دے دی

ستمبر 1929ء کے ابتدائی ایام میں ولیم فلوریڈا گیا۔ کیتھرین اسٹیشن پر اُسے ریسپو کے لیے آئی۔ ولیم کو احساس ہوا کہ وہ درحقیقت تصور سے کہیں حسین نظر آ رہی ہے۔ وہ اب بھی سول

کے سیاہ لباس میں تھی۔ اس کا رویہ بے حد غیر جذباتی تھا۔ ولیم کو افسوس ہونے لگا کہ وہ اس حسین صورت پر کوئی تاثر نہیں چھوڑ سکا۔ مکان کے خریدار سے مذاکرات کو وہ دانستہ طول دیتا رہا۔ اس نے تبت کو مسئلہ بنالیا تھا۔ حالانکہ جو قیمت وہ طلب کر رہا تھا، اس کا ایک تہائی کیتھرین کو خوش کرنے کے لیے کافی تھا جبکہ وہ تہائی بینک بھی اطمینان بخش قرار دیتا۔ بالآخر سودا طے پا گیا۔ کاغذات تیار ہو گئے۔ اب فلوریڈا میں حریذ رکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ولیم نے کیتھرین کو ڈنر پر مدعو کیا۔ وہ اس وقت حیران رہ گیا۔ جب کیتھرین نے نظر جمکا کر اس سے استدعا کی کہ وہ چند روز اس کے ساتھ اس مکان میں قیام کرے، جس کی فروخت کے سلسلے میں وہ فلوریڈا آیا تھا۔ ”اس طرح سے ہم دونوں کے لیے تعلیمات کے چند روز ہوں گے۔“ کیتھرین نے کہا اور اس کا چہرہ تہمتا اٹھا۔ ولیم خاموش رہا۔ کیتھرین چلنے اپنے اندر کچھ کہنے کا حوصلہ جمع کرتی رہی۔ پھر بولی۔ ”تمہیں میری بات عجیب سی لگے گی لیکن ان دنوں میں بے حد تہمتا ہوں۔ مجھے یہ بات عجیب سی لگتی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ تمہارے ساتھ گزارے ہوئے یہ چند روز میری زندگی کے سب سے خوبصورت دن تھے۔“ اس کا چہرہ پھر تہمتا اٹھا۔ ”میں اپنے جذبات کا ٹھیک طرح سے اظہار نہیں کر سکتی۔ اب تک تو تم نے میرے بارے میں غلط رائے قائم کر لی ہوگی۔“

ولیم کا دل اٹھل پھیل ہو گیا۔ ”کیٹ..... ایک بات ہے، جو میں گزشتہ نو ماہ سے تم سے کہتا چاہ رہا ہوں۔“

”ولیم..... تم میرے پاس ٹھہرو گے نا چند روز؟“

”ہاں کیٹ..... ضرور ٹھہروں گا۔“

وہ چند روز، ولیم کی خوشگوار زندگی کا نقطہ آغاز تھے۔ انہوں نے ایک ساتھ گھڑ سواری کی، کھانا کی اور پوکر کھیلا۔ ولیم نے ساڑھے تین گھنٹے میں (زبانی جمع خرچ کے طور پر) کیتھرین سے 35 ڈالر جیت لیے۔

”چیک قبول کرو گے؟“ کیتھرین نے شاہانہ انداز میں پوچھا۔

”تمہیں اپنی قیمت کا اعزاز نہیں ہے کیٹ۔ خیر..... میں تم سے ایک سودا کرتا ہوں۔ تمہیں اس وقت تک کھیلتے رہنے کی اجازت ہے، جب تک تم ہماری ہوئی رقم برابر نہ کر لو۔“

”اس میں تو کئی برس لگیں گے۔“

”میں انتظار کر سکتا ہوں۔“

پھر ان کے درمیان گفتگو شروع ہو گئی۔ ولیم اسے یاد کر کے وہ واقعات بھی سنا تا رہا جنہیں وہ بھول چکا تھا۔ اپنے باپ کے متعلق وہ باتیں تو اس نے ماتھیو سے بھی نہیں کی تھیں۔ اس

کی، ماں سے محبت..... ہنری سے اندھی نفرت..... بینک کے سلسلے میں اپنے عزائم..... اس کے سب کچھ کہہ ڈالا۔ جواب میں کیٹرین نے اسے اپنے بچپن کے متعلق بتایا۔ پھر وہ میکس سے شادی کی تفصیل بیان کرتی رہی۔

پانچ دن بعد کیٹرین نے اسٹین پر اسے رخصت کیا۔

”کیٹ..... میں ایک نامعقول بات کہنے والا ہوں۔“ ولیم نے کہا۔ ”میرا خیال ہے ایک دن ایسا آئے گا، جب تم میکس بروکس سے بڑھ کر مجھے چاہو گی۔“

”میں تو ابھی سے تمہارے بارے میں بہت کچھ محسوس کرنے لگی ہوں۔“ کیٹرین نے آہستگی سے کہا۔

ولیم چند لمحے محبت آمیز نگاہوں سے اُسے نکلتا رہا، پھر بولا۔ ”کیٹ..... اب تم سے دور رہنا میرے لیے ممکن نہیں ہوگا۔“

”میں بھی نہیں رہ سکتی۔“ کیٹ نے ہنس کر کہا۔ ”تم نے میرا مکان جو بچ دیا ہے۔“

یوسٹن واپس آتے ہوئے ولیم ہتھ خوش تھا، اتنا خوش صرف باپ کی زندگی میں رہا تھا۔ اس نے مکان کی فروخت کے بارے میں رپورٹ ترتیب دی۔ لیکن اس کا ذہن کیٹ اور اس کے ساتھ گزارے ہوئے پانچ دنوں کے لمحے کو ڈھرا رہا تھا۔ اس نے رپورٹ مکمل کی اور ٹرین ٹرے بیٹھے بیٹھے ہی کیٹرین کے نام خط تھپیٹ دیا۔

”ڈیزیکٹ۔ میں تو ابھی سے تمہاری کمی محسوس کر

رہا ہوں۔ مجھے خط ضرور لکھنا کہ تم یوسٹن کب آرہی

ہو۔ اب میں پھر بینک کے معاملات میں کھوجاؤں

گا، جنہیں میں گزشتہ دنوں بھول ہی گیا تھا۔ مجھتوں

کے ساتھ،

تمہارا ولیم،

اس نے لفافہ پوسٹ کیا ہی تھا کہ اخبار والے کی آواز نے اس کے ذہن سے کیٹ کی تصویر محو کر دیا۔ اخبار والا چیخ رہا تھا۔ ”وال اسٹریٹ کی تباہی..... وال اسٹریٹ کی بربادی..... آج کا تازہ خبر۔“

ولیم نے اخبار خرید اور تفصیلی خبر پڑھنے میں منہمک ہو گیا۔ مارکیٹ راتوں رات ڈھیر گئی تھی۔ سرمایہ کاروں کا خیال ہے کہ اتار چڑھاؤ تو چلتا ہی رہتا ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ولیم کا خیال مختلف تھا۔ اس کے خیال میں یہ پھاڑی ڈھلان کا سفر تھا، جوڑک نہیں سکتا تھا۔

پہنچا اور سیدھے چیئر مین کے کمرے کی طرف گیا۔

”میرا خیال ہے..... جلد ہی حالات بہتر ہو جائیں گے۔“ ایلن نے کھانسی پر سونگے۔

”ہرگز نہیں۔“ ولیم نے کہا۔ ”مارکیٹ ایسے بہت سے چھوٹے چھوٹے سرمایہ کاروں سے

برہی ہوئی ہے، جنہوں نے کم وقت میں زیادہ کمانے کے لیے حصص خریدے تھے۔ اب وہ لوگ سر پر

پاؤں رکھ کر بھاگیں گے۔ ایلن..... تم سمجھ رہے ہو۔ غبارے سے ہوا نکلتا شروع ہو گئی۔ میں اپنے

تمام حصص بیچ دوں گا۔ میں نے فروری ہی میں تمہیں حبیہ کر دی تھی۔“

”میں اب بھی تم سے متفق نہیں ہوں ولیم بہر حال کل میں بورڈ کا اجلاس طلب کر لوں گا

کہ بورڈ کے اراکین تمہارے خیالات مان لیں۔“

”شکریہ ایلن۔“ ولیم نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے دفتر پہنچے ہی اُس نے انز آفس فون

اٹھا کر نمبر ملایا۔ ”سوری ایلن..... میں تمہیں بتانا بھول گیا کہ مجھے اپنے مطلب کی لڑکی مل گئی ہے۔

میں شادی کر رہا ہوں۔“ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

”لڑکی کو بتا دیا ہے تم نے؟“ ایلن نے پوچھا۔

”نہیں۔“

”گویا تمہاری ازدواجی زندگی کا آغاز بھی تمہارے کیریئر کی طرح ہوگا۔ پہلے تم فیصلہ

کر گے، تب ہی متعلقہ ہستی کو علم ہوگا۔“

ولیم نے ہلکا سا ہتھکڑ لگایا اور بغیر کچھ کہے ریسور رکھ دیا۔ پھر اس نے دوسرا فون کیا اور

اپنے اسٹاکس کو کیش کرانے کی ہدایت دی۔ ٹوٹی سائنمن اسی وقت آیا تھا اور دروازے میں کھڑا ولیم کی

مصرفیت دیکھے جا رہا تھا۔

”موجودہ حالات میں اتنا بڑا قدم اٹھا کے تم خسارے میں رہو گے۔“ اس نے کہا۔

”ان سے چٹا رہوں گا تو اور زیادہ نقصان اٹھانے پڑا۔“ ولیم نے جواب دیا۔

آئندہ ایک ہفتے میں ولیم کو دس لاکھ ڈالر کا نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس

نقصان سے بچنے کی کوشش کرتا لیکن ولیم کو اپنی پیش بینی کی صلاحیت پر اعتماد تھا۔

اگلے روز بورڈ کی میٹنگ میں ایک بار پھر اسے شکست ہوئی۔ البتہ اس بار اس کے نظریات

کی تائید کرنے والوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ اس کے حق میں چھ اور خلاف آٹھ ووٹ آئے تھے۔ ولیم کا

کہنا تھا کہ بینک کو فوری طور پر اپنے اسٹاکس سے پیچھا چھڑالینا چاہیے۔ لیکن ٹوٹی نے اراکین کی

اکثریت کو قائل کر لیا کہ یہ غیر دانش مندانہ عمل ہوگا۔ البتہ ولیم کے حصے میں ایک چھوٹی سی کامیابی

بہر حال آئی۔ اس نے بورڈ کے اراکین کو قائل کر لیا کہ بینک اب مزید اسٹاکس نہیں خریدے گا۔

مورمن گروپ اپنی کوششوں میں ناکام ہو چکا ہے..... اور طے پایا ہے کہ اب ہر بینک اپنے اپنے مفاد کا خیال رکھے گا۔ ہر بینک کے قرض دار چھوٹے سرمایہ کار پوری طرح ڈوب چکے تھے جبکہ بڑے سرمایہ کاروں کو لائٹنل مالی مسائل کا سامنا تھا۔ بینکوں کے باہر ہجوم ہو رہا تھا۔ لوگ مشتعل تھے۔ ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے لیے چٹرن فورس کو طلب کر لیا گیا۔ ایٹن نے بتایا کہ اگر یہ صورت حال مزید ایک ہفتہ برقرار رہی تو ہم سب کا صفایا ہو جائے گا۔ اس نے استعفا پیش کرنا چاہا لیکن اس معاملے میں اس کی ایک نہ سنی گئی۔ ٹونی سائمن بھی اب ایٹن لائڈ کی جگہ لینے کو تیار نہیں تھا۔ وہ تمام وقت خاموش رہا۔ پھر فیصلہ کیا گیا کہ ٹونی سائمن لندن جائے گا تاکہ غیر ملکی سرمایہ کاری کے شعبے کی ذمہ داری سنبھالے۔ اس کی جگہ ولیم کوڈائریکٹر آف فنانس منتخب کیا گیا۔ اس نے فوری طور پر اپنی نایب کے لیے ماتھیو لیشر کو طلب کر لیا۔ اس بار ایٹن لائڈ نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

ماتھیو نے ولیم کی پیشکش قبول کر لی۔ اس نے کہا کہ وہ نئے سال میں کین اینڈ کا بوٹ جوائن کر سکے گا۔ اس کے باپ کا بینک بھی مشکلات سے دو چار تھا۔ ماتھیو کی آمد تک ولیم تھا سرمایہ کاری کا شعبہ چلاتا رہا۔ 1929ء کا موسم سرمایہ کی زندگی کا سخت ترین وقت تھا۔ وہ بڑی اور چھوٹی کمپنیوں کو یکساں طور پر تباہ ہوتے دیکھتا رہا۔ ان میں اس کے دوست اور شناسا بھی تھے کچھ عرصے تو ولیم کو اس بات پر بھی یقین نہیں رہا تھا کہ اس کا بینک بحران سے بچرے گا۔

کرسس پر ولیم فلوڈیڈا گیا۔ اس نے کیٹ کے ساتھ ایک ہفتہ گزارا۔ وہ سامان بندھوانے میں کیٹ کی مدد کرتا رہا، جو بوٹن واپس جانے کی تیاری کر رہی تھی کرسس کے موقع پر ولیم نے کیٹ کو تحائف سے لاد دیا۔

”جواب میں ایک غریب بیوہ چہیں کیا دے سکتی ہے؟“ کیٹ نے اُسے چھیڑا۔

”کچھ بھی نہیں۔ جو لینا ہے، میں خود لے لوں گا۔“

ولیم بوٹن واپس آیا تو اس کا اعتماد بحال ہو چکا تھا جس سال کا پہلا دن کیٹ کے ساتھ گزارا ہو، وہ سال خراب ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔ اب وہ ٹونی سائمن کے دفتر میں بیٹھا تھا۔ ولیم کو علم تھا کہ معمول کے مطابق اسے اس ہفتے بھی دو یا تین دیوالیہ کاروباریوں سے ملنا ہوگا تاکہ بینک کی دی ہوئی رقم کی وصولیابی ہو سکے۔ اس نے اپنی سیکرٹری سے پوچھا کہ پہلی ملاقات کس سے ہوگی۔

”وہ بھی دیوالیہ ہونے کا کیس ہے جناب۔“ سیکرٹری نے جواب دیا۔

”ہاں..... یاد آیا۔“ ولیم نے کہا۔ وہ نام اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ ”گزشتہ رات میں نے اُن کی فائل دیکھی تھی۔ مجھے افسوس ہوا۔ کس وقت آئیں گے وہ؟“

”وقت تو دس بجے کا طے ہوا تھا جناب..... لیکن وہ پہلے ہی آچکے ہیں اور آپ کے منتظر ہیں۔“

اس روز مارکیٹ میں قدرے تیزی آئی۔ ولیم کو اپنے کچھ حصص نسبتاً بہتر قیمت پر بیچنے میں خوش آئی۔ آئندہ چار روز میں مارکیٹ کی حالت نسبتاً بہتر ہوگی۔ ایک نئے تو ولیم بھی یہ سوچے مجبور ہو گیا کہ شاید اس نے عاجلانہ قدم اٹھایا ہے۔ لیکن اپنے وجدان پر اس کا اعتماد اب بھی بڑھ چکا تھا۔ ایٹن لائڈ نے بھی چپ سادہ رکھی تھی۔ ولیم کھانے کا سودا کر رہا تھا..... لیکن رقم بھی اس کی اپنی تھی۔ ایٹن لائڈ کو تو اب صرف باعزت ریٹائرمنٹ کی فکر تھی۔

22 اکتوبر مارکیٹ میں پھر مندی کا رجحان پیدا ہوا۔ ولیم نے ایٹن لائڈ سے التجا کرنا بھی وقت ہے۔ اس کی بات مان لی جائے۔ اس بار ایٹن نے ولیم کی بات مان لی اور اسے بینک کے بعض بڑے اسٹاکس سے جان چھڑانے کی اجازت دے دی۔ اگلے روز صورت حال کچھ اور خراب ہو گئی۔ ایسا لگتا تھا کہ گلیشیر حرکت میں آ گیا ہے۔ حصص فروخت کرنے کا سوال ہی نہیں تھا کیونکہ خریدار نادر تھے۔

ایٹن لائڈ کی فون پر بے پی مورگن سے گفتگو ہوئی۔ ایٹن نے بینکوں کے اس گروپ میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ جو اس قومی مسئلے سے نمٹنے کی کوشش کر رہا تھا اور ولیم کے خیال میں ایٹن کی اجتماعی کوشش میں کین اینڈ کا بوٹ کو بحال شریک ہونا چاہیے تھا۔ اگلے روز گروپ نے تین کروڑ ڈالر مالیت کی بلیو چیس کے حصص خریدے تاکہ ڈوہتی ہوئی صفت کو سنبھالنے کا موقع مل سکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مارکیٹ کچھ بہتر ہو گئی۔ اس روز 1,28,94,650 شیئرز کا لین دین ہوا۔ آئندہ دو روز مارکیٹ قدرے تیزی رہی۔ صدر ہورسیت ہر شخص کا یہی خیال تھا کہ وہ طوفان سے گزر آئے ہیں۔

ولیم اپنے بیشتر اسٹاک سے جان چھڑا چکا تھا۔ بینک کے مقابلے میں اس کا ذاتی نقصان بہت کم تھا۔ صرف چار دن میں بینک بیس لاکھ ڈالر سے زیادہ خسارہ اٹھا چکا تھا۔ اب تو ٹونی سائمن خود ولیم کی تجاویز کے مطابق عمل کر رہا تھا۔

پھر 19 اکتوبر کا دن آیا، جسے بلیک ٹیوڈے کہا جاتا ہے۔ اس روز مارکیٹ پھر ڈاؤن ہو گئی۔ تمام بینک تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ صورت حال ناقابل اصلاح ہو گئی ہے۔ اب یہ حال ہے کہ اگر اُن کے اکاؤنٹ ہولڈر اپنی اپنی رقمات طلب کر لیتے..... دوسری طرف وہ خود قرض واپس دینے سے رقم کی واپسی کا تقاضا کر بیٹھے۔ بینکاری کا پورا نظام بیٹھ جاتا۔

9 نومبر کو بورڈ کی میٹنگ ہوئی۔ کاؤنٹی ٹرسٹ کے صدر جان ریورڈن اور کین اینڈ کا بوٹ کے ایک ڈائریکٹر ٹائیڈ میں ایک منٹ کی خاموشی اختیار کی گئی۔ ڈائریکٹر نے اپنے گھر، اپنے سرخ گولی مار کر خودکشی کر لی تھی۔ بوٹن کے بینکار حلقے میں گزشتہ دو ہفتے میں خودکشی کا یہ گیارہواں واقعہ تھا۔ پھر چیئر مین نے علان کیا کہ کین اینڈ کا بوٹ کو اب تک چالیس لاکھ ڈالر کا نقصان ہو چکا ہے۔

”ٹھیک ہے۔ پلیز..... انہیں بھیج دو۔ تکلیف دہ معاملات جتنی جلدی منٹ جائیں، اچھا ہے“
ولیم نے فائل نکالی تاکہ اہم حقائق ذہن نشین کر لے۔ اصل موکل کا نام ڈیوس لاری تھیں۔
لیکن اس نام کو کاٹ کر اُس کی جگہ دوسرا نام لکھا گیا تھا۔ ملاقات کے لیے اُس دوسرے شخص کو آنا
تھا، جس کا نام اسل رونسکی تھا۔
ولیم کو اسل رونسکی سے اپنی گزشتہ ملاقات اور تلخ گفتگو یاد آگئی۔ وہ افسردہ ہو گیا۔ وہ مسر
رونسکی سے شرمندہ تھا۔



اسل کو رجسٹرڈ کانٹینٹل کو درپیش مسائل سمجھنے میں تین ماہ لگے۔ تب کہیں اس کی سمجھ میں
آیا کہ ہوٹل کو نقصان کیوں ہو رہا ہے۔ ان تین مہینوں کے دوران اس نے اپنی آنکھیں کھلی رکھی تھیں
لیکن اسٹاف کو یہ تاثر دیا تھا کہ وہ سو رہا ہے۔ یوں اس پر یہ راز کھلا کہ بینک کا منافع چوری اور بد
عنوانیوں کی نذر ہو رہا ہے۔ ہوٹل کا اسٹاف اس سلسلے ایسے طریقے اختیار کر رہا تھا، جن سے اسل
کا پہلے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ اسل کی پہلی کوشش یہ تھی کہ اسٹاف کو اپنی معلومات سے حتی الامکان
بے خبر رکھے۔ پھر اسے پوری طرح علم ہو گیا کہ ہر شعبے کا کرپشن شرمگاہ مختلف ہے۔

پہلی بدعنوانی کا ذکر پر سامنے آئی۔ ہوٹل میں ٹھہرنے والے ہر دس مسافروں میں نے
آٹھ کا اندراج رجسٹرڈ میں ہوتا تھا۔ بقیہ دو مہمانوں کا بل ٹکڑوں کی جیب میں پہنچ جاتا تھا۔ اس سلسلے
میں جو طریق کار استعمال کیا جا رہا تھا وہ بے حد سادہ تھا۔ اگر یہ حرکت نیو یارک کے پلازہ ہوٹل میں کی
جاتی تو بدعنوانی دو منٹ میں پکڑ لی جاتی اور دسے داروں کی ملازمت سے چھٹی ہو جاتی۔ ہڈ ٹکڑ کی
دوسری ریاست سے آئے ہوئے کسی ایسے معر جوڑے کو منتخب کرتا، جس کا قیام فقط ایک رات کا ہوتا۔
وہ اپنے طور پر اس بات کا یقین بھی کر لیتا تھا کہ شہر میں اُن کے جاننے والے نہیں ہیں۔ اگلی صبح بل کی
رقم اس کی جیب میں چلی جاتی۔

ڈائننگ روم کا طریق کار نسبتاً بہتر تھا۔ اسل کا خیال تھا کہ بل کی نقد ادائیگی کرنے والوں
کی رقم ہضم کر لی جاتی ہوگی۔ لیکن ریسنورٹ کے بل چیک کرنے پر معلوم ہوا کہ ڈیک والے
ریسنورٹ والوں سے ملے ہوئے ہیں۔ جن لوگوں کے قیام کا ریکارڈ نہیں رکھا جاتا تھا، ان کے طعام
کا بل بھی ریکارڈ میں نہیں آتا تھا۔ اس کے علاوہ ٹوٹ پھوٹ، مرمت، گمشدہ سامان کی چھوٹی
رپورٹیں بھی تھیں۔

اسل نے اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھے اور ہر شعبے کا جائزہ لیتا رہا۔ بالآخر وہ اس نتیجے
پر پہنچا کہ ہوٹل کا آدھے سے زیادہ اسٹاف بدعنوانیوں میں ملوث ہے۔ کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا کہ جس

کے ہاتھ صاف ہوں۔

ایڈا میں اسل کو اس بات پر حیرت تھی کہ فیجر ڈیسمنڈ پیسی کی ناک کے نیچے یہ بدعنوانیاں
ہوری ہیں تو وہ بے خبر کیسے ہے۔ تاہم اس نے اس بے خبری کی ذمہ داری ڈیسمنڈ کی کابلی پر ڈال دی
اور مطمئن ہو گیا لیکن جلد ہی حقیقت سامنے آئی اور اسل ششدر رہ گیا۔ ہر خرابی کے پیچھے ڈیسمنڈ کا
سازش ذہن اور اس کی منصوبہ بندی کا فرما تھی۔ یہی بدعنوانیوں کے پنپنے کا سب سے بڑا سبب تھا۔
پچاسی گزشتہ تیس سال سے رجسٹرڈ سے وابستہ تھا۔ گروپ میں کوئی ہوٹل ایسا نہیں تھا، جہاں وہ بڑے
مددے پر فائز نہ رہا ہو۔ یوں اسل کو دوسرے ہوٹلوں کی عافیت بھی مٹھوک نظر آئی۔ پھر ڈیسمنڈ پیسی،
ڈیوس لاری کے اچھے دوستوں میں سے تھا۔ شکار گرو رجسٹرڈ سالانہ تیس ہزار ڈالر کے خسارے میں تھا۔
اسل جانتا تھا کہ آدھے اسٹاف سے جان چھڑا کر اس نقصان سے بے آسانی بچا جاسکتا ہے۔ لیکن سب
سے پہلے ڈیسمنڈ پیسی سے جان چھڑانا تھی۔ یہ بھی ایک مسئلہ تھا کیونکہ گزشتہ تیس سال میں ڈیوس لاری
نے اپنے کسی ایک ملازم کو بھی نہیں نکالا تھا وہ درگزر کرنے والا آدمی تھا۔

اسل کو اندازہ ہو گیا کہ ہوٹل کو نقصان سے بچانے کے لیے ایک بار ڈیوس لاری سے کھل
کر گفتگو کرنا ہوگی۔ 1928ء کے اوائل میں اس نے دو سو صفحات پر مشتمل رپورٹ بغل میں دبائی
اور لاری سے ملنے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ وہ مفصل رپورٹ اس کی تین ماہ کی محنت و تحقیق کا ثمر تھا۔ وہ
رپورٹ کے اہم ترین نکات لاری کو سنا چکا تو لاری نے بڑی بدھنگی سے اُسے دیکھا۔

”یہ سب میرے دوست ہیں۔“ لاری نے رپورٹ ایک طرف رکھتے ہوئے کہا ”ان میں
سے بعض کا مجھ سے تیس سال پرانا تعلق ہے۔ اس کا رد بار میں یہ چھوٹی موٹی حرکتیں تو ہوتی ہی رہتی
ہیں لیکن تم مجھے بتا رہے ہو کہ وہ لوگ مجھے دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔“

”میرے خیال میں بعض لوگ تیس سال سے مسلسل تمہیں لوٹ رہے ہیں۔“ اسل نے کہا۔
”اب بتاؤ..... میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟“ لاری کے لہجے میں بے بسی تھی۔

”تم ڈیسمنڈ پیسی کو برطرف کر دو اور مجھے اختیار دے دو کہ میں کسی کو بھی ملازمت سے نکال
سکتا ہوں۔“

”اسل..... کاش یہ بات اتنی آسان ہوتی۔“

”بات اتنی ہی آسان ہے اگر تم مجھے یہ اختیار نہیں دے سکتے تو اسی وقت میرا استعفا قبول
کر لو۔ میں امریکہ کے بدترین ہوٹل کی بدعنوانیوں میں ملوث ہو کر کام نہیں کر سکتا۔“

”ایسا کریں..... ڈیسمنڈ پیسی کو اسسٹنٹ فیجر اور جمہیں فیجر بنادیں اس طرح مسئلہ حل ہو
جائے گا۔“ لاری چند لمحے سوچنے کے بعد بولا۔

”نہیں حل ہوگا۔ ڈیسمنڈ کی ریٹائرمنٹ میں دو سال سے زیادہ کا عرصہ باقی ہے۔ تمہارا عنوان ملازمین پر اس کا گہرا اثر ہے۔ یوں اصلاح کرتے کرتے اگر تم مرنے گئے تو دیوالیہ ضرور بن گے۔ میرا خیال ہے، تمہارے تمام ہونٹوں کا یہی حال ہے۔ نہیں مسٹر لاری، تمہیں ڈیسمنڈ کے متھ فوری طور پر فیصلہ کرنا ہوگا۔ ورنہ سمجھ لو.....“ اس نے دھکی آئینہ انداز اختیار کیا۔

”ہم ٹیکساس کے لوگ دل کی بات زبان پر لانے کے سلسلے میں مشہور ہیں لیکن ہمارا تمہاری صاف گوئی ہم سے آگے کی چیز ہے۔ ٹھیک ہے..... میں تمہیں اختیار دیتا ہوں۔ مہار..... تم شکاگو رجمنڈ کے نئے منیجر ہو۔ اور ہاں..... یہ نہ سمجھو کہ میں تمہارا شکر گزار نہیں ہوں، تم بہت بڑا کام کیا ہے۔ آج کے بعد تم میرا داہنا بازو ہو۔ سچ یہ ہے کہ میں اسٹاکس بزنس میں اتنا کار ہوں کہ ہوٹل کے کاروبار میں نقصان کا مجھے احساس ہی نہیں ہوتا۔ بہر حال، میں خدا کا شکر ادا کر ہوں کہ اس نے مجھے ایک دیانت دار دوست عطا کیا۔ ویسے..... آج رات یہاں قیام کرونا..... کما میرے ساتھ ہی کھانا۔“

”سر آنگھوں پر مسٹر لاری..... لیکن میں اس رات ڈلاس رجمنڈ میں اپنے طور پر ٹھہرنا چاہتا ہوں..... ذاتی وجوہ کی بنا پر۔“

”تم کسی کو نہیں بخشو گے..... ہے نا اسیل؟“

”جہاں تک میرے بس میں ہے، ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔“

”اسیل..... مجھے برسوں سے ایسے ساتھی کی تلاش تھی۔ مجھے یقین ہے، تم رجمنڈ گروپ کا سر بلند کر دو گے۔ میں تمہیں اس کا پورا پورا موقع دوں گا۔“

اسیل نے وہ رات ڈلاس رجمنڈ میں فرضی نام سے کمرہ لے کر گزاری۔ صبح وہی پنجو سامنے آیا، جس کی وہ توقع کر رہا تھا۔ گویا بیماری صرف شکاگو تک محدود نہیں تھی۔ تاہم اسیل نے فیصلہ کیا کہ وہ سب سے پہلے شکاگو رجمنڈ کی اصلاح کرے گا۔ باقی ہونٹوں پر بعد میں توجہ دی جائے گی۔ اس نے لاری کو فون پر آگاہ کیا کہ اس کے ہوٹل متحدہ بیماری کا شکار ہو چکے ہیں۔

وہ شکاگو رجمنڈ واپس آیا تو ٹائٹ پورٹر ڈیوٹی سے غائب تھا۔ ڈیک پر صرف ایک کڑا موجود تھا۔ اسیل نے سوچا کہ بد عنوان ملازمین کو ایک رات کی مہلت دینا بہتر ہے۔ تیل بوائے نے اسیل کے لیے دروازہ کھولا۔

”سفر کیسار ہا مسٹر روسکی؟“ تیل بوائے نے پوچھا۔

”ٹھیک ٹھاک رہا۔ تم سناؤ، یہاں کا کیا حال ہے؟“

”ٹھیک ٹھاک ہے جناب۔“

”کل اور ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔ اسیل نے دل میں کہا۔

اپنے کمرے میں آکر اس نے روم سروس کو فون کر کے کھانا طلب کیا۔ کھانا اسے ایک گھنٹے بعد ملا۔ کھانے سے فارغ ہو کر اسیل بستر پر دراز ہو گیا۔ اور اگلے روز کی حکمت عملی ترتیب دینے لگا۔ آپریشن کے لیے وقت بھی بے حد مناسب تھا۔ وہ فروری کا مہینہ تھا اور مہمان بہت تھوڑی تعداد میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ یعنی آدھے اسٹاف سے کام چلایا جاسکتا تھا۔ اس نے تکیہ فرش پر اُچھالا اور سو گیا۔

ڈیسمنڈ پیسی کی عمر باسٹھ سال تھی۔ وہ کابل پیسی کہلاتا تھا۔ اس کا جسم فربہ اور ٹانگیں چھوٹی تھیں۔ اس کے ہوتے ہوئے اب تک سات اسٹنٹ منیجر آ..... اور جا چکے تھے۔ کچھ لالچی ثابت ہوئے تھے اور انکی طلب حد سے تجاوز کر گئی تھی۔ کچھ ایسے تھے، ہوٹل کا نظام ہی جن کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اس کا خیال تھا کہ نیا گھامڑ پولش بھی احق ثابت ہوگا۔ اس وقت وہ معمول کے مطابق روزانہ ہونے والی میٹنگ کے لیے اسیل کے دفتر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میٹنگ کا مقررہ وقت دس بجے تھا جبکہ اس وقت میں منٹ اوپر ہو چکے تھے۔

”تاخیر پر معذرت خواہ ہوں۔“ اس نے معذرت سے عاری لہجے میں کہا۔

اسیل خاموش رہا۔

”جانتے ہو..... ابھی استقبالہ والوں نے مجھے روک کر کیا بتایا؟“ ڈیسمنڈ نے پوچھا۔

اسیل کو معلوم تھا..... اس وقت ہوٹل کے چالیس بل پرزوں کی شکل میں اس کی دراز میں موجود تھے۔ یہ وہ بل تھے۔ جن کی رقومات کلروں کی جیب میں گئی تھیں، جن کا ہوٹل کے رجسٹر میں کوئی اندراج نہیں تھا۔ وہ بل اسیل نے روی کی نوکریوں میں سے برآمد کیے تھے۔

اسیل خاموشی سے فربہ اندام منیجر کو دیکھتا رہا۔

ڈیسمنڈ پیسی کے نزدیک پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی۔ اگر احق پولش نے بد عنوانی پکڑ بھی لی تو کیا ہوا۔ اس کے سامنے دو ہی صورتیں تھیں۔ وہ اس میں سے اپنا حصہ طلب کر سکتا تھا، یا جہاں سینگ سائیں، جاسکتا تھا۔ پیسی اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ اسے مال حرام میں سے کتنے فی صد کی پیشکش کی جائے۔ پھر اس نے سوچا کہ فی الوقت اس احق کو مطمئن کرنے کے لیے انکیسی کی بجائے ہوٹل کا معقول کمرہ ہی کافی ثابت ہوگا۔ حصہ تو دور کی بات ہے۔

”مسٹر پیسی..... آپ کو ملازمت سے نکال دیا گیا ہے۔“ میں چاہتا ہوں کہ ایک گھنٹے کے

اندراج پر آپ ہوٹل چھوڑ دیں۔“

منیجر اس کی بات سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس نے جو کچھ سنا تھا، اس پر یقین کیسے آسکتا تھا۔

لیکن دوسری طرف سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

”ایک گھنٹے کے اندر اندر ہوٹل کی حدود سے باہر نکل جاؤ..... ورنہ میں بلوں کے یہ پرنے کا گو پولیس کے سپرد کر دوں گا۔“

”ایک منٹ۔“ ڈیسمنڈ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”جلد بازی کی کیا ضرورت ہے۔“ اس کا لہجہ اور رویہ یک لخت تبدیل ہو گیا تھا۔ ”ہم مل کر کام کریں گے اور یقین کرو، تمہیں بے اعزازہ فائدہ ہوگا۔ کسی کو کانوں کان خبر ہی نہیں ہوگی۔ اسٹنٹ منیجر کی حیثیت سے تمہیں ملتا ہی کیا ہے۔ میری بات مانو مجھے تو فائدہ میں رہو گے۔“

”میں اب اسٹنٹ منیجر نہیں، منیجر ہوں۔ اور تم یہاں سے دفع ہو جاؤ۔“

”اتنی پولش۔“ ڈیسمنڈ اٹھ کھڑا ہوا۔ ”اب اپنی آنکھیں کھلی رکھنا۔ کیونکہ تمہیں، تمہاری اوقات ضرور یاد آؤں گا۔“

ڈیسمنڈ چلا گیا۔ اس کے بعد ہیڈ ویئر، ہیڈ کلک، سیکرٹری ہاؤس کیپرن، چیف ڈیک کلرک، ہیڈ پورٹر اور سترہ ایسے ملازمین نکال دیے گئے جو اسٹیل کی نظر میں ناقابل اصلاح تھے۔

شام کو اسٹیل نے باقی ماندہ ملازمین کے ساتھ میٹنگ کی اور تفصیل سے انہیں بتایا کہ اس نے کون سا اقدام کس بنیاد پر کیا ہے۔ اس نے انہیں یقین دلایا کہ ان کی ملازمتوں کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ لیکن اس نے واضح طور پر کہہ دیا کہ وہ ایک سینٹ کی بدعنوانی بھی قبول نہیں کرے گا۔

آئندہ چند روز میں شکار گورنمنٹ کے کچھ ملازمین خود ہی ملازمت چھوڑ گئے۔ اسٹیل کے رویے نے انہیں اُن کے مستقبل سے مایوس کر دیا تھا۔

مارچ کے اختتام تک اسٹیل ہوٹل پلازہ کے چار ملازمین کو شکار گورنمنٹ میں لانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ وہ سب نوجوان، پر عزم اور دیانت دار تھے۔ چھ ماہ کے عرصے میں شکار گورنمنٹ کے پرانے ملازمین کی تعداد صرف 37 رہ گئی جب اسٹیل نے نظام سنبھالا تو ان کی تعداد 110 تھی پہلے سال کے اختتام پر ہوٹل کو 3584 ڈالر منافع حاصل ہوا۔ وہ منافع تھوڑا سی، لیکن تیس سال کے دوران اس ہوٹل کا پہلا منافع تھا۔ اسٹیل کا اعزازہ تھا کہ 1929ء تک منافع 25 ہزار ڈالر سالانہ ہو جائے گا۔

ڈیوٹس لاری، اسٹیل کی کارکردگی سے بے حد متاثر تھا۔ وہ مہینے میں ایک بار کاغذ آتا۔ اب وہ اسٹیل پر انحصار کرنے لگا تھا۔ دوسری طرف اسٹیل چاہتا تھا کہ پہلے شکار گورنمنٹ کے انتظامات کو اتنا مضبوط کر دے کہ بدعنوانیوں کی گنجائش نہ رہے۔ اس کے بعد اسے دوسرے ہوٹلوں کی طرف توجہ دینا

”کیا..... کیا کہا تم نے؟ شاید یہ سماعت کا خلل ہے۔“

”تم نے ٹھیک سنا ہے۔ تمہیں ملازمت سے نکال دیا گیا ہے۔“ اسٹیل نے اس بار اچانک جگہ تم سے کام چلایا۔

”تم مجھے نہیں نکال سکتے۔ میں منیجر ہوں اور تیس سال سے رجسٹرڈ گروپ کے ساتھ ہوں۔ اگر کسی کو ملازمت سے نکالنا ہوگا تو میں نکالوں گا۔ تم آخر ہو کون؟“

”میں نیا منیجر ہوں۔“

”کیا ہو تم؟“

”نیا منیجر۔“ اسٹیل نے دہرایا۔ ”مسٹر لاری نے کل مجھے یہ عہدہ پیش کیا ہے۔ آج میں اپنے اختیارات سے کام لیتے ہوئے تمہیں ملازمت سے علیحدہ کر رہا ہوں۔“

”کس سلسلے میں؟“

”تم بڑے پیمانے پر بدعنوانیوں کے ذریعے ہوٹل کو نقصان پہنچا رہے ہو۔“ یہ کہہ کر اسٹیل نے دروازے بلوں کے پرنے نکال کر میز پر رکھ دیے۔ ”ان میں سے ہر شخص نے مل ادا کیا ہے لیکن تم رجسٹرڈ کے اکاؤنٹ تک نہیں پہنچی۔ ان میں ایک چیز مشترک ہے..... اور وہ ہیں تمہارے دستخط۔“

”تم یہ بات ثابت نہیں کر سکتے۔“

”میں جانتا ہوں۔ تم بہت چالاک ہو لیکن اب تم اپنی بدعنوانیوں کا یہ پتارہ کسی اور ہوٹل میں کھولو۔ یہاں قسمت تمہارا ساتھ چھوڑ چکی ہے۔ تم نکال دیے گئے ہو۔“

”تم مجھے نکالنے کا اختیار نہیں رکھتے۔ ڈیسمنڈ نے کہا۔ اس کی پیشانی پسینے سے بھگ گئی تھی۔ ڈیوٹس لاری سے میری پرانی دوستی ہے۔ مجھے صرف وہی نکال سکتا ہے۔ تمہیں یہاں کام کرنے ہوئے صرف تین ماہ ہوئے ہیں۔ وہ تو تمہاری بات سننا بھی گوارا نہیں کرے گا۔ میں اسے ایک فون کر دوں تو تمہیں ہی یہاں سے نکال دیا جائے گا۔“

”کوشش کر دیکھو۔“ اسٹیل نے کہا۔ پھر اس نے ریسپورڈ اٹھایا اور آپریٹر کو ڈلاس میں ڈیوٹس لاری سے رابطہ ملانے کے ہدایت کی۔ اس دوران وہ دونوں ایک دوسرے کو کھداتے رہے۔ ڈیسمنڈ کا چہرہ پسینے میں تر ہو رہا تھا۔ دوسری طرف اسٹیل سوچ رہا تھا کہ بامروت لاری پیچھے تو نہیں ہٹ جائے گا۔

”صبح بخیر مسٹر لاری۔“ اسٹیل نے رابطہ طے پر کہا۔ ”میں اسٹیل روٹسکی بول رہا ہوں۔ میں نے مسٹر ڈیسمنڈ کو ملازمت سے نکال دیا ہے۔ وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔“

ڈیسمنڈ نے لرزتے ہاتھوں سے ریسپورڈ تمام لیا۔ چند لمحوں کے خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر بولا۔ ”لیکن ڈیوٹس، میں..... اب میں کہاں جاؤں گا۔ خدا کی قسم مجھ پر یہ الزام درست نہیں ہے۔ کوئی

تھی۔ لاری اس سے متفق تھا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر شکا گورجمنڈ کی طرح اسٹیل نے دھڑ ہوٹلوں کی حالت سنوادی تو وہ اسٹیل کو اپنا پارٹنر بنا لے گا۔

لاری جب بھی شکا گواٹا، اسٹیل کے ساتھ اچھی خاصی تفریق بھی کرتا۔ وہ میں بال بیچ اور گھڑ دوڑ دیکھنے کے ساتھ ہی جاتے۔ ایسے موقعوں پر میلانی بھی اکثر اپنے باپ کے ساتھ ہوتی۔ اسٹیل کے ساتھ اس کا رویہ سرد ہوتا۔ اس نے اسٹیل کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں، جو میلانی کے حوالے سے مستقبل کے بارے میں سوچنے لگا تھا لیکن جب میلانی کو معلوم ہوا کہ اسٹیل نے کولمبیا یونیورسٹی سے معاشیات میں ڈگری لی ہے اور کاروبار کے معاملے میں وہ اس کے باپ سے بھی تیز ہے تو اس کا رویہ قدرے تبدیل ہو گیا۔ اس کے بعد وہ کبھی کبھی اسٹیل کے ساتھ تنہا بھی ڈنر پر جانے لگی۔

شکا گورجمنڈ کی حالت اس قدر بہتر ہو گئی کہ تیس سال کے عرصے میں پہلی بار شکا گواٹا کو احساس ہوا کہ ان کے شہر میں کوئی گورجمنڈ ہوٹل بھی ہے۔ اب ہفتے اور اتوار کے دن ریسٹورانوں میں جھوم رہے لگا۔ اسٹیل نے ہوٹل کی آرائش نو پر توجہ دی اور اسٹاف کی درویاں تک تبدیل کر دیں۔ ایک مہمان جو کئی برس پہلے، ایک ہفتہ گورجمنڈ میں قیام کر کے گیا تھا، دوبارہ آیا تو استقبالیہ ڈیسک سے دائیں پلٹ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کسی اور ہوٹل میں چلا آیا ہے۔ پھر جب ایل کیپون جیسے معزز شخص نے اپنی تیسویں سالگرہ کی پارٹی شکا گورجمنڈ میں دی تو اسٹیل کو یقین آ گیا کہ وہ کامیابی کے راستے پر چلا ہے۔

اس عرصے میں اسٹیل کے بینک اکاؤنٹ کی رگوں میں رقومات کے آنکشن کتے رہے۔ ان دنوں اسٹاک مارکیٹ اپنے عروج پر تھی۔ اٹھارہ ماہ پہلے وہ ہوٹل پلازہ سے نکلا تھا تو اس کے اکاؤنٹ میں آٹھ ہزار ڈالر موجود تھے۔ اب اس کے اسٹاک کی مالیت تیس ہزار ڈالر سے تجاوز کر گئی۔ اسے یقین تھا کہ مارکیٹ تیز تر ہوتی جائے گی۔ چنانچہ وہ اپنا منافع بھی سرمایہ کاری میں شامل کرنا چاہا۔ اس کی ذاتی ضروریات زیادہ نہیں تھیں۔ رہائش اور طعام ہوٹل کے ذریعے تھا۔ اس کی آنکھیں روشنی مستقبل کے خواب دیکھ رہی تھیں۔ گزشتہ تیس سال سے ہوٹل کا اکاؤنٹ کا خفیہ نیٹل ٹرسٹ میں تھا۔ اسٹیل نے اپنا ذاتی اکاؤنٹ بھی وہیں کھولا۔ وہ ہر روز بینک جاتا۔

مجھے کی مچ ایک حیران کن پیغام اس کا خطر تھا۔ فیجر اس سے ملنا چاہتا تھا۔ اسٹیل جانتا تھا کہ اس کا اکاؤنٹ اچھی حالت میں ہے۔ اس نے اندازہ لگایا کہ بات شکا گورجمنڈ کی ہوگی۔ اسے فیجر کے کمرے میں لے گیا۔

”میرا نام کرٹس فینکس ہے۔“ فیجر نے اپنا تعارف کرایا۔ اس نے بڑے مودبانہ انداز میں اسٹیل سے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اسٹیل نروس ہو گیا۔

”مسٹر روٹسکی..... میں تو آپ کو لچ پر مدعو کرنا چاہتا تھا۔ کرٹس نے مزید کہا۔ اسٹیل کا تیزی سے دھڑکتا ہوا دل قدرے تسخّل گیا۔ جن لوگوں سے ناخوشوار گفتگو کرنا ہو، بینک فیجر انہیں لچ کی پیشکش نہیں کرتے۔

”لیکن فوری ملاقات کی ضرورت پیش آگئی۔“ فیجر نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”میں بلا جہید مقصد کی بات کروں گا مسٹر روٹسکی۔ ہماری ایک معزز اور پرانی موکلہ ہیں، مس ایمی لاری.....“ اس نام نے اسٹیل کو چوکا دیا۔ وہ تسخّل کر بیٹھ گیا۔ ”..... ان کے پاس رجمنڈ گروپ کے 25 فیصد حصے ہیں۔ وہ ماضی میں کئی بار اپنے بھائی سے کہہ چکی ہیں کہ وہ حصہ فروخت کرنا چاہتی ہیں۔ بہر حال، مسٹر لاری کے پاس پہلے ہی 75 فیصد حصہ ہیں۔ انہیں مس ایمی کے حصہ خریدنے میں کوئی دلچسپی نہیں۔ مس ایمی بہر حال، اپنے اسٹاکس بیچنے کی اب بھی خواہشمند ہیں۔“ یہ سب کچھ اسٹیل کے لیے باعث حیرت تھا۔

”مسٹر لاری نے اشارہ کیا کہہ دیا ہے کہ انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ مس ایمی کی عمر اب ایسی ہے کہ وہ منافع کے انتظار کی بجائے، نقد رقم پاس رکھنا پسند کریں گی۔ میں نے آپ سے بات یوں کی کہ ممکن ہے، ان حصے کا کوئی خریدار آپ کی نظر میں ہو۔“

”میں آپ سے متفق ہوں۔“

”لیکن آپ گیارہ ہوٹلوں کی قیمت کو بھی پیش نظر رکھیں۔“

”پھر 25 فیصد اسٹاک سے کیا بنتا ہے۔ تمام اختیارات تو مسٹر لاری ہی کے پاس رہیں گے۔“

”مسٹر روٹسکی..... میں پھر کہوں گا کہ گیارہ ہوٹلوں کی قیمت کو سامنے رکھیں تو 25 ہزار ڈالر میں بیٹھے نہیں ہیں۔“

”چالیس ہزار ڈالر کی پیش کش کی جاسکتی ہے۔ اس صورت میں، ممکن ہے، میں کوئی خریدار ڈھونڈ نکالوں۔“

”نہیں مسٹر کرٹس۔“

بینک فیجر نے اسٹیل کو پرستاش نظروں سے دیکھا۔ ”ٹھیک ہے۔ میں مس ایمی سے بات کروں گا اور اس کے بعد آپ سے تفصیلی گفتگو ہوگی۔“

اسٹیل کرٹس کے دفتر سے نکلا تو اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ ہوٹل بیچ کر اس نے اپنے اثاثوں کا جائزہ لیا۔ اس کے اسٹاکس کی مالیت 33 ہزار ڈالر سے کچھ زیادہ تھی۔ اس کے اکاؤنٹ میں تین ہزار ڈالر موجود تھے۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ معمولات میں الجھ گیا۔ لیکن اُس دن، اس کا دھیان بٹا رہا۔ وہ

دل ہی دل میں دعا کرتا رہا کہ مس ایمی اس کی پیشکش کو قبول کر لے۔ وہ رجمنڈ گروپ کے شیئرز کے حصول کے لیے بے تاب ہو رہا تھا۔

اس نے چنگا ہٹ کے باوجود ڈیوس لاری کو اس صورت حال سے مطلع کر دیا۔ اسے خبر تھا کہ کہیں لاری شیئرز میں اس کی دلچسپی کا کوئی غلط مطلب نہ نکال لے۔

”مسٹر لاری..... میں ایسا اس لیے کر رہا ہوں کہ میری نظر میں رجمنڈ گروپ کا مستقبل تابناک ہے۔ اس صورت میں میں اور زیادہ محنت کروں گا کیوں کہ میری ذاتی رقم بھی داؤ پر لگی ہوگی لیکن آپ اس خریداری میں دلچسپی لے رہے ہیں تو میں پیچھے ہٹ جاؤں گا۔“

لاری کا رد عمل اس کے لیے حیران کن تھا۔ ”اگر تمہیں رجمنڈ گروپ پر اتنا اعتماد ہے تو شیئرز خرید لو۔ تمہاری پارٹنرشپ میرے لیے باعث فخر ہوگی۔ تم اس کے مستحق ہو چکے ہو۔ ہاں، اگلے ہفتے میں شکار گوارہا ہوں۔ باسکٹ بال کا بیچ دیکھیں گے۔“

”شکریہ ڈیوس..... آپ کو اس فیصلے پر کبھی پچھتا نا نہیں پڑے گا۔“

”مجھے اس کا یقین ہے پارٹنر۔“

ایک ہفتے بعد اسہیل نے خود بینک منیجر سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ چند لمحے بعد وہ اس کے کمرے میں بیٹھا..... اس کے بولنے کا انتظار کر رہا تھا۔

”مجھے حیرت ہے۔“ کرٹس نے کہا۔ ”مس ایمی چالیس ہزار ڈالر کے عوض اپنے بیجر فیصد شیئرز فروخت کرنے پر آمادہ ہو گئی ہیں۔ اب آپ مجھے خریدار سے متعارف کرا دیں۔“

”خریدار میں خود ہوں۔“ اسہیل نے پراعتماد لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔ کیا آپ کے پاس چالیس ہزار ڈالر موجود ہیں؟“

”اسٹاکس اور کیش کی صورت میں میرے پاس 36 ہزار ڈالر موجود ہیں۔ میرا خیال ہے بینک سے مجھے چار ہزار ڈالر کا قرض مل سکتا ہے۔“

”میں اس سلسلے میں غور کروں گا مسٹر نوٹسکی۔“

”اگر غور کرنے میں زیادہ دن لگائے تو ممکن ہے، مجھے آپ کے قرضے کی ضرورت نہ رہے۔ اسٹاک مارکیٹ کی تیزی کے پیش نظر میرے اسٹاکس کی مالیت کسی بھی وقت چالیس ہزار ڈالر تک پہنچ سکتی ہے۔“

کرٹس نے ایک ہفتے بعد اسہیل کو آگاہ کیا کہ بینک اسے قرض دینے کے لیے تیار ہے۔ اسہیل نے اپنے شیئرز بیچ دیے اور اکاؤنٹ میں موجود تمام رقم لگوالی۔ بینک سے قرضہ ملنے کے بعد چالیس ہزار ڈالر کی رقم پوری ہو گئی۔

چھ ماہ کے عرصے میں اسہیل نے اسٹاکس کی خرید اور فروخت کی مدد سے بینک کا قرض ادا کر دیا۔ ستمبر میں اس کے اکاؤنٹ میں رقم جمع ہونا شروع ہو گئی۔ اسے خوشی تھی کہ ڈیوس لاری کی ملکیت میں اس کا بھی چوتھائی حصہ ہے۔ یوں وہ اور پراعتماد ہو گیا۔ اب وہ لاری کی حسین بیٹی میلانی کو اپنانے کے موڈ میں تھا۔ میلانی کے حصول کا مطلب گروپ کے باقی 75 فیصد حصص حاصل کرنا تھا۔

اکتوبر میں وہ میلانی کو ایک کنسرٹ میں لے گیا۔ اس روز اس نے لباس کے سلسلے میں خاصا اہتمام کیا تھا۔ کنسرٹ کے بعد انہوں نے ایک اچھے اور مہنگے ریسٹوراں میں کھانا کھایا۔ اسہیل نے جان بوجھ کر میلانی کو رجمنڈ میں کھانا کھلانے کے گریز کیا تھا۔ تاہم وہ گفتگو کے سلسلے میں محتاط تھا۔ اس نے گفتگو کو مشیات اور سیاست تک محدود رکھا۔ کھانے کے بعد اس نے میلانی کو ڈرنک کے لیے اپنے کمرے میں مدعو کیا۔ میلانی نے دعوت قبول کر لی۔

میلانی کی فرمائش پر اس نے گلاس میں کوکا کولا انڈیلی اور گلاس میلانی کی طرف بڑھا دیا۔ خود اس نے اپنے لیے بوربن کا جام بنایا۔ میلانی کی مسکراہٹ بے حد حوصلہ افزا تھی۔

”اسہیل..... اس خوبصورت شام کے سلسلے میں تمہارا شکریہ۔“ میلانی نے کہا۔

”میں بہت عرصے سے موسیقی سے محروم رہا ہوں۔“ اسہیل نے کہا۔ ”آج موزارٹ نے میرے دل کو چھو لیا۔ کسی موسیقار نے مجھے اتنا متاثر نہیں کیا، جتنا موزارٹ نے کیا ہے۔“

”کبھی کبھی تم بے حد یورپی لگتے ہو۔“ میلانی نے نرم لہجے میں کہا۔ ”کوئی سوچ بھی نہیں سکا کہ ایک ہوٹل منیجر موزارٹ میں اتنی دلچسپی لے سکتا ہے۔“

”میرے خاندان کے سب لوگ موسیقی کے دلدادہ رہے ہیں۔ میرے والد آرمینی بیرن نوٹسکی بھی موسیقی کے شیدائی تھے۔ موسیقی سے محبت مجھے ورثے میں ملی ہے۔“

”اب مجھے واہس جانا ہوگا۔ یونیورسٹی بھی جانا ہے۔“ میلانی نے کہا۔

”لیکن تم ابھی تو آئی ہو۔“ اسہیل کے لہجے میں مایوسی تھی۔

”یہ بات تو ہے۔ لیکن کل مصروفیت بہت ہوگی۔ مجھے صبح سویرے اٹھنا ہے۔“

اسہیل نے کچھ پیش قدمی کی لیکن میلانی نے اُسے دھکیل دیا۔ ”اب مجھے جانا ہے اسہیل۔“

”اتنی جلدی کیا ہے۔“ اسہیل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

میلانی نے اُسے پھر دھکیل دی۔ ”مجھے یہ بے تکلفی پسند نہیں، ایک بار کنسرٹ دکھانے اور ڈزپر لے جانے کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم آپے سے باہر ہو جاؤ۔“

”لیکن میلانی..... ہم لوگ کافی عرصے سے مل رہے ہیں۔“ اسہیل نے احتجاج کیا۔

”مجھے یہ سب پسند نہیں۔“

”مجھے امید ہے کہ ہماری دوستی متاثر نہیں ہوگی۔“ میلیانی نے کہا۔

”بزرگ نہیں۔“

”شکریہ اسیل۔ میری دعا ہے کہ تمہیں کوئی اچھی سی پولش لڑکی مل جائے۔ شب بخیر۔“

”خدا حافظ۔“ جواب میں اسیل شب بخیر بھی نہ کہہ سکا۔



اسیل کو اسٹاک مارکیٹ کی صورت حال کا احساس اس وقت ہوا، جب ہوٹل کے ایک مہمان نے پوچھا کہ کیا وہ اسٹاک کی شکل میں مل کی ادائیگی کر سکتا ہے۔ خود اسیل کے پاس زیادہ اسٹاک نہیں تھے کیونکہ اس کا سارا سرمایہ رجمنڈ گروپ کے اسٹاکس میں پھنسا ہوا تھا۔ احساس ہوتے ہی اس نے اپنے بروکر سے مشورہ طلب کیا اور اپنے حصص معمولی نقصان پر بیچ دیے۔

1929ء کا نصف اول بہت اچھا رہا۔ اسیل کو یقین ہو گیا کہ وہ اپنے مقررہ ہدف، یعنی 25 ہزار ڈالر کے منافع تک پہنچ جائے گا۔ لیکن جب اکتوبر میں معاشی صورت حال بگڑی تو ہوٹل کا کاروبار آدھا بھی نہ رہا۔ بلیک ٹیوڈ نے لاری کو اسیل نے لاری خود پریشان تھا جبکہ اسیل ہوٹل کے بیشتر اسٹاف کو نکالنے کے سلسلے میں اس سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔

”فی الحال ٹال جاؤ اسیل۔“ لاری نے فون پر کہا۔ ”اگلے ہفتے میں شکا کو آؤں گا۔ تب اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کریں گے۔“

”تمہارا کیا مسئلہ ہے ڈیوس۔ میں تمہاری کوئی مدد کر سکتا ہوں؟“

”فی الوقت تو نہیں کر سکتے۔“

”تو تم مجھے اس مسئلے سے اپنے طور پر نمٹنے کی اجازت دے دو۔“ اسیل کے لہجے میں الجھن تھی۔ ”بعد میں میں تمہیں تفصیل بتا دوں گا۔“

”مسئلہ یہ ہے اسیل کہ میں اپنی الجھنیں فون پر بیان نہیں کر سکتا۔ اسٹاک مارکیٹ میں مجھے لمبا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ بینک والے اس سلسلے میں مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ وہ دھمکی دے رہے ہیں کہ ہوٹل بکوا دیں گے۔ مجھے فوری طور پر قرضہ ادا کرنا ہے۔“ لاری نے کہا۔ ”لیکن لڑکے، تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں ملاقات پر تفصیل بتاؤں گا۔ اس وقت تک حالات بہتر ہو جائیں گے۔“

اسیل نے ریسپورر رکھا تو اس کا جسم پسینے سے تر تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ ڈیوس کی کس طرح مدد کرے۔ اس نے کرٹس کو فون کیا اور اس سے پوچھا کہ رجمنڈ گروپ کی پشت پناہی کرنے والا کون سا بینک ہے۔ وہ ہر قیمت پر اپنے دوست کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ کرٹس نے کہا کہ وہ معلوم کر

”مجھے افسوس ہے۔ میں بدترینی نہیں کر رہا تھا میں تو صرف تمہیں چھوٹا چاہتا تھا۔“

”میں صرف اس شخص کا کس قبول کر سکتی ہوں۔ جس سے میرا شادی کرنے کا ارادہ ہو۔“

”اور میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“

میلیانی پر ہنسی کا دورہ سا پڑ گیا۔

”اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟“ اسیل نے پوچھا۔ اس کا چہرہ احساس خفت سے تمناظر ”احقانہ بات پر ہنس رہی ہوں۔ میں..... اور تم سے شادی! یہ ممکن نہیں۔“

”کیوں ممکن نہیں۔“

”میں ایک پولش مہاجر کی بیوی کیوں بنوں؟“

”میں بیرن ہوں۔“ اسیل نے تند لہجے میں اُسے یاد دلایا۔

میلیانی پھر ہنسنے لگی۔ ”تمہارا خیال ہے، لوگ تمہارے اس دعوے کو بچ سمجھتے ہیں۔ تمہیں علم بھی نہیں کہ اسٹاف کے لوگ پیٹھ پیچھے بیرن، بیرن کہہ کر تمہارا مذاق اڑاتے ہیں۔“

اسیل سنائے میں آگیا۔ ”وہ..... وہ پیٹھ پیچھے میرا مذاق اڑاتے ہیں؟“ اس نے کہا کہ

لہجے میں پوچھا۔

”ہاں..... انہوں نے تمہارا نام ہی شکا گو بیرن رکھ دیا ہے۔“

”اسیل گنگ ہو کر رہ گیا۔“

”اب اس کو روک بنانے کی حماقت نہ کر دو۔ ڈیڈی تمہیں بہت سراسچے ہیں۔ میں جانتی

ہوں کہ تم نے ان کے لیے بہت محنت کی ہے لیکن وہ تمہیں داماد بنانا قبول نہیں کریں گے۔“

اسیل اسے تکتا رہا۔ ”تو میں تم سے کبھی شادی نہیں کر سکوں گا۔“ اس نے سرکشی کی۔

”ظاہر ہے۔“

”مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں دکھ پہنچایا۔“

”نہیں اسیل..... ایسی کوئی بات نہیں۔ بس، اب ہم بھول جائیں گے کہ کبھی ہمارا

درمیان اس موضوع پر بات بھی ہوئی تھی۔ اچھا..... اب مجھے واپس چھوڑ آؤ۔“

وہ اٹھی اور دروازے کی طرف چل دی۔ اسیل سے اٹھا بھی نہیں جا رہا تھا۔ تاہم اس

خود کو سنبھالا اور میلیانی کے پیچھے پیچھے کمرے سے نکل آیا۔ اس وقت کارڈور میں چلنے ہوئے

بڑی شدت سے اپنے لنگ کا احساس ہونے لگا۔ وہ لفٹ کے ذریعے نیچے آئے۔ اسیل نے

روکی۔ ٹیکسی کے سفر کے دوران وہ دونوں خاموش رہے۔ اسیل اسے اس کی اقامت گاہ کے دروازے

تک چھوڑنے گیا۔ اس نے ٹیکسی کو روکے رکھا تھا۔

دو یونیس سادوں کی

گفتگو کے لیے تیار ہی نہیں تھا لیکن وہ اب بھی فکر مند تھا کہ ڈیوس لاری کی مدد کیسے کی جائے۔ جلد ہی اسے اس سوال کا جواب مل گیا۔

اگلی شام کو اسٹیل کی نظر میلانی پر پڑ گئی، جو رجمنٹ کے ریستوران میں بیٹھی تھی۔ اُس کے انداز میں وہ مخصوص خود اعتمادی تھی جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھی لیکن وہ تھکی تھکی اور کچھ پریشان نظر آ رہی تھی۔ اسٹیل نے سوچا کہ اس کی خیریت دریافت کرے لیکن کچھ سوچ کر وہاں سے ہٹ آیا۔ اس کے دفتر میں ڈیوس لاری موجود تھا۔ وہ اضطراب کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔ وہ اسی سوٹ میں ملیں تھا، جو اس نے اسٹیل سے پہلی ملاقات کے موقع پر پہنا تھا۔

”میلانی ڈانٹنگ روم میں ہے؟“ اس نے اسٹیل سے پوچھا۔
 ”جی ہاں۔“ اسٹیل نے جواب دیا۔ ”آپ نے مجھے آگاہ بھی نہیں کیا کہ آنے والے ہیں
 نہیں ابھی آپ کے لیے صدارتی سوٹ تیار کرنا ہوں۔“
 ”صرف ایک رات کے لیے اسٹیل..... اور ہاں، میں تم سے کچھ نجی گفتگو کروں گا۔“
 ”ٹھیک ہے۔“ اسٹیل نے کہا۔ لیکن لڑائی ادا کرتے ہوئے لاری کے لہجے کا تاثر اُسے
 دہرایا تھا۔

ڈیوس لاری ڈانٹنگ روم کی طرف چلا گیا جبکہ اسٹیل نے ڈیک کلرک سے معلوم کیا کہ
 باہر کی منزل والا سوٹ خالی ہے کہ نہیں۔ سوٹ خالی تھا۔ اسٹیل نے کلرک کو ہدایت کی کہ کسی
 ایجنٹ کو بھیج کر سوٹ کی صفائی کرا دے۔ پھر اس نے میلانی کو جاتے دیکھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ روٹی
 دہا ہے۔ ڈیوس لاری اُس کے ساتھ تھا۔

”اسٹیل..... بورین کی ایک بوتل لے کر میرے کمرے میں آ جاؤ۔“ وہیسی پر ڈیوس لاری
 نے کہا۔

اسٹیل نے اپنی کینٹ سے بورین کی دو بوتلیں نکالیں اور صدارتی سوٹ کی طرف چل
 بیٹا۔ اسے اس نجی گفتگو پر تشویش تھی۔ کہیں میلانی نے اپنے باپ کو کچھ بتا تو نہیں دیا۔
 ”بوتل کھولو..... اور اپنے لیے ایک بڑا جام بناؤ۔“

اسٹیل کے دماغ میں پھر خدشات اپنے پنجے چھونے لگے۔ اسے باس کی بیٹی سے شادی
 کی خواہش کرنے پر ملازمت سے تو نہیں نکالا جا رہا؟ گزشتہ ایک سال میں اسٹیل اور لاری، دوستی،
 لڑائی، دھمکیوں کی حدود میں داخل ہو گئے تھے۔

”آب جام خالی کر دو۔“ ڈیوس لاری نے کہا۔
 اسٹیل نے ایک گھونٹ میں گلاس خالی کر دیا۔ لاری نے بھی اپنا جام خالی کر دیا تھا۔

آئندہ چند روز میں اس نے ڈیوس کو کئی بار فون کیا۔ بوتل کے معاملات بہت تیز سے
 رہے تھے لیکن ڈیوس لاری اب بھی حتمی فیصلہ سے گریز کر رہا تھا۔ وہ ہر بار پہلے سے زیادہ پریشانی
 معلوم ہوتا تھا۔ جب حالات قابو سے باہر ہونے لگے تو اسٹیل نے ایک فیصلہ کر لیا۔ اس نے
 سیکرٹری سے کہا کہ وہ رجمنٹ گروپ کے بینکار سے فون پر رابطہ قائم کرے۔
 ”مسٹر رونسکی..... آپ کو کس سے بات کرنا ہے؟“ دوسری طرف سے ایک نرالی
 نے پوچھا۔

”اسٹیل کے سامنے رکھے ہوئے کانڈ پر بینکار کا نام دیکھا اور خاتون کو بتایا۔
 ”بہت بہتر۔ میں ملاری ہوں۔“
 ”صبح بخیر۔“ اس بار مردانہ آواز سنائی دی۔ ”میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“
 ”میرا نام اسٹیل رونسکی ہے۔ میں رجمنٹ شکار گاہ کا منیجر ہوں۔ رجمنٹ گروپ کے
 کے سلسلے میں آپ سے بالمشافہ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

”لیکن میں مسٹر ڈیوس لاری کے سوا کسی سے بات کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔“
 ”میں رجمنٹ گروپ کا حصہ دار بھی ہوں۔ میرے پاس 25 فیصد حصص موجود ہیں۔
 ”اس صورت میں بھی آپ اس وقت رجمنٹ کی نمائندگی کرنے کے مجاز ہوں گے،
 آپ اکیاون فیصد حصص کے مالک ہوں۔“

”لیکن میں مسٹر لاری کا قریبی دوست بھی ہوں.....“
 ”مجھے اس میں شک نہیں مسٹر رونسکی۔“
 ”..... اور میں اُن کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔“
 ”آپ کو مسٹر لاری نے اپنی نمائندگی کرنے کی اجازت دے دی ہے؟“

”نہیں، لیکن.....“
 ”تب میں آپ سے معذرت چاہوں گا۔ آپ سے مزید گفتگو کرنا پیشہ ورانہ وقار کے
 ہوگا۔“

”آپ نے میری خوب مدد کی ہے۔“ اسٹیل کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا اور وہ
 کچھ تار بھا۔

”مجھے احاس ہے۔ آپ کو میرا رویہ برا لگا ہے۔ خدا حافظ جناب۔“
 ”اسٹیل نے ریسیور کو کرینڈل پر پٹختے ہوئے اس سرد مزاج شخص کو زیر لب برا بھلا

”جب تو میں بھی ختم ہو چکا ہوں۔“ اسیل نے کہا۔

”نہیں..... تمہارے سامنے مستقبل کا سادہ صفحہ موجود ہے۔ لکھنے کا عزم بھی ہے۔ تم کامیابی لکھ سکتے ہو۔ ویسے جو شے بھی ہوئی خریدے گا، وہ تمہاری مدد کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکے گا۔“

”تم بھول رہے ہو کہ رچمڈ گروپ کے 25 فیصد اسٹاکس میں نے بھی خریدے تھے۔“

”میرے خدا! اسیل، کہیں تم نے اپنا سب کچھ تو داؤ پر نہیں لگا دیا تھا؟“

”میں بھی خالی ہوں۔“ اسیل نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”لیکن مجھے اس پر افسوس نہیں ہے۔ کسی

دانا کے ساتھ شکست کھانا، کسی احق کے ساتھ فتح یاب ہونے سے بہتر ہے۔“

ڈیوس لاری کی آنکھیں بھر آئیں۔ ”اسیل..... تمہیں معلوم ہے، تمہاری دوستی کسی بھی شخص

کے لیے دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ تم نے ہوٹل کو سدھارا، ہوٹل میں سرمایہ کاری کی، میں نے

جہیں تلاش کر دیا اور تم حرف شکایت بھی زبان پر نہ لائے۔ اس پر تم یہ کہ میری بیٹی نے تم سے

شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ میں نے تمہیں کچھ بھی تو نہیں دیا اسیل۔“

”تمہیں میری بات بری تو نہیں لگی مجھے اس سے یہ درخواست نہیں کرنا چاہیے تھی۔“

”وہ پاگل لڑکی برے بھلے میں تمیز کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتی۔ کاش..... میری کوئی اور

بیٹی ہوتی۔ اسیل..... میں تمہیں اپنا داماد بنا کر فخر محسوس کرتا۔ ہم دونوں بہت اچھی ٹیم ثابت ہوتے

لیکن خیر..... میں جانتا ہوں کہ تم تمہارے کبھی خود کو مٹا لو گے۔“

”اس اعتماد کا شکریہ ڈیوس۔ ان اسٹاکس کی میری نظر میں کوئی اہمیت نہیں۔ مجھے بھی زندگی

میں تم سے اچھا دوست نہیں ملا ہے۔“

اسیل نے دو جام اور بنائے۔ ایک ڈیوس لاری کی طرف بڑھایا اور دوسرا اپنے حلق میں

اٹھالیا۔

ان دونوں نے صبح کی اولین ساعتوں تک دونوں بوتلیں خالی کر دیں۔ پھر ڈیوس لاری اپنی

کمری پر سو گیا۔ اسیل لڑکھڑاتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا، جو دسویں منزل پر واقع تھا۔ وہ آتے ہی بستر

پڑھیر ہو گیا۔ دروازے پر پیہم ہونے والی دستکوں نے اسے گہری نیند سے بیدار کر دیا۔ اس کا سر چکرا

رہا تھا۔ دوسری طرف دروازہ مسلسل پیٹا جا رہا تھا۔ وہ جیسے تیسے کر کے اٹھا اور اُس نے دروازہ کھول

دیا۔ دروازے پر تیل بوائے موجود تھا۔

”جلدی آئیے مسٹر اسیل، جلدی آئیے۔“ تیل بوائے نے کہا اور فوراً پلٹ گیا۔

اسیل نے جلدی جلدی ڈرینگ گاؤن بدن پر لپٹا، سلپر پہنے اور تیزی سے تیل بوائے کی

طرف بڑھا، جو اس کے لیے لفٹ کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

”اسیل..... اپنے آدمے سے زیادہ ہم وطنوں کی طرح میں بھی تلاش ہو گیا ہوں۔“

اسیل خاموش رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ وہ دونوں چتر گپٹ خانہ

سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ ایک اور جام حلق میں اٹھیلنے کے بعد اسیل میں کچھ کہنے کا دھڑ

پیدا ہوا۔

”لیکن تم اب بھی گیارہ ہوٹلوں کے مالک ہو۔“ بالآخر اُس نے کہا۔ آپ جناب کا نظ

اُس نے بالائے طاق رکھ دیا تھا۔

”مالک تھا کہو۔ گزشتہ جمعرات کو بینک والوں نے میری ہر شے ہتھیلیائی۔“

”لیکن یہ ہوئی دونوں سے تمہارے گھرانے میں چلے آ رہے ہیں۔“

”ماضی کا صیغہ استعمال کرو۔ اب میرے ہوٹل، بینک کی ملکیت ہیں۔ بہتر ہے، میں نہیں

حقیقت بتا دوں اسیل۔ اس وقت بڑے یا چھوٹے ہر شخص کا یہی حشر ہو رہا ہے۔ دس سال پہلے

نے ہوٹلوں کی بنیاد پر بینک سے بیس لاکھ ڈالر کا قرضہ لیا تھا اور فوراً ہی اسٹاکس کے کاروبار میں لگا

تھا۔ ان اسٹاکس کی قیمت پچاس لاکھ ڈالر تک پہنچ گئی تھی۔ اسی لیے ہوٹلوں کے نقصانات کی گنجے

پروانہیں ہوتی تھی لیکن اب وہ اسٹاکس ردی کاغذ کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ گزشتہ تین ہفتوں

میں انہیں فروخت کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہا ہوں لیکن خریدار ہی عطا ہو گئے ہیں گزشتہ جمعرات

بینک والوں نے ہوٹلوں کے کاغذات اپنی تحویل میں لے لیے۔“

اسیل کو یاد آیا کہ اس نے جمعرات کے روز ہی فون پر بینکرے بات کی تھی۔

”بیشتر قرض داروں کے پاس ادائیگی کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن میرے قرض

ضمانت میرے گیارہ ہوٹل تھے سو وہ اُن پر قابض ہو گئے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ ہوٹلوں کو جلد

جلد فروخت کر دینا چاہتے ہیں۔“

”یہ تو دیوانگی ہے۔ اس وقت تو ہوٹلوں کی مناسب قیمت بھی نہیں ملے گی۔ اس

برعکس وہ اس وقت ہماری مدد کریں تو بعد میں انہیں اس کا بہت اچھا پھل ملے گا۔“

”میں جانتا ہوں۔ تم اپنے الفاظ سچ ثابت کر سکتے ہو، لیکن وہ تو میرا ماضی کا ریکارڈ ہے

رکھ کر بات کر رہے ہیں میں ان کے مرکزی دفتر گیا تھا اور میں نے یہ تجویز اُن کے سامنے رکھی

لیکن میں انہیں قائل نہیں کر سکا۔ انہوں نے مجھے ایک نوجوان کے پاس بھیج دیا۔ وہ تعلیم یافتہ

تھا۔ کاروبار کے رے میں کتابی باتیں کر رہا تھا۔ خدا کی قسم..... اگر میں سنبھل گیا تو اس کا

کے بینک کا ستیان کر دوں گا لیکن اس وقت تو ہمارے سامنے ایک ہی راستہ ہے..... خوب

دھت ہو جائیں۔ میں ختم ہو چکا ہوں اسیل۔“

”جلدی کیجئے مسٹر ایبل۔“ تیل بوائے نے چیخ کر کہا۔

”اتنی جلدی کیا ہے۔“ ایبل جھلا گیا۔ اس کا سر اب بھی چکرار ہا تھا۔ لفٹ بچے کھڑکی پر ایبل کو گزشتہ رات کی گفتگو یاد آگئی۔ اس نے سوچا ممکن ہے بینک والے قبضہ لینے کے لیے آگئے ہوں۔

کسی نے اوپری منزل کی کسی کھڑکی سے چھلانگ لگا دی ہے۔“ تیل بوائے نے بتایا۔

ایبل کو جھکا لگا..... اور اس کا ہلکورے لیتا ہوا دماغ کچھ ٹھہر سا گیا۔ ”کوئی مہمان تھا؟“

”میرا تو یہی خیال ہے لیکن یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔“

لفٹ گراؤنڈ فلور پر رڑکی۔ ایبل نے تیزی سے دروازہ کھولا اور باہر لپکا۔ سڑک پر پولیس موجود تھی۔ اگر سوٹ جانا پہچانا نہ ہوتا تو ایبل کے لیے لاش کی شناخت ناممکن ہو جاتی۔ سادہ لباس والا ایک پولیس افسر ایبل کی طرف بڑھا۔ ”آپ فیجر ہیں۔ اُس نے پوچھا۔

”جی ہاں۔“

”آپ متونی کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں؟“

”جی ہاں۔“ ایبل کے لیے بولنا دو بھر ہو رہا تھا۔ ان کا نام ڈیوس لاری ہے۔“

”آپ کو علم ہے کہ وہ کہاں سے آئے تھے؟ ہم ان کے درمیان سے کیسے رابطہ قائم کریں؟“

ایبل نے ڈیوس لاری کی شکستہ لاش سے نظر جھانپا اور بولا۔ ”ان کا تعلق ڈلاس سے ہے۔

مس میلانی لاری، جو ان کی بیٹی ہے، ان کی واحد وارث ہے۔ وہ شکاگو یونیورسٹی کیسپس میں رہتی ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں کسی کو بھیج کر اسے اطلاع کرا دوں گا۔“

”میں چاہتا ہوں کہ میں خود یہ خبر اس تک پہنچاؤں۔“ ایبل نے کہا۔

”میں شکر گزار ہوں گا۔ ایسی خبریں اجنبی لوگوں کی زبانی سننا اور زیادہ تکلیف دہ ہے۔“

پولیس افسر نے کہا۔

”واقعی یہ بہت خوفناک کام ہے۔“ ایبل نے اپنے دوست کی لاش کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”آج کے روز شکاگو میں یہ ساتویں خودکشی ہے۔“ پولیس افسر نے بتایا۔

پھر لاش ہٹا دی گئی۔

ایبل کا ذہن ماؤف ہونے لگا۔ ایک بار پھر وہ اپنے عزیز ترین دوست سے محروم ہو گیا تھا۔ اسے جرم کا احساس ہونے لگا۔ اگر اس نے اتنی نہ پی ہوتی تو شاید وہ لاری کو بچا سکتا۔ جیسے بچے

اس نے خود کو سنبھالا۔ اپنے کمرے میں آکر، نہادھو کر کپڑے بدلے۔ پھر ہچکچاتا ہوا بارہویں منزل کے صدارتی سوئٹ کی طرف چل دیا۔ دروازہ کھول کر وہ اندر گیا۔ بورین کی خالی بوتلوں کے علاوہ کرا

اس خودکشی کی گواہی دینے سے قاصر تھا۔ پھر اسے سائڈ ٹیبل پر ایک خط رکھا نظر آیا۔ اس نے قریب سے دیکھا۔ ایک کی بجائے وہ تین خط تھے۔ ایک میلانی..... دوسرا ڈلاس کے ایک وکیل اور..... اور تیسرا ایبل کے نام تھا۔ ایبل نے اپنا خط کھولا۔

”ڈیئر ایبل، بینک کے فیصلے کے بعد میرے پاس

بھی ایک راستہ بچا تھا۔ اب میرے لیے زندگی میں

کوئی دلکشی نہیں۔ اس عمر میں میں از سر نو زندگی کا

آغاز نہیں کر سکتا۔ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ

میرے خیال میں تم واحد آدمی ہو، جو اس بحران

میں جیت سکتا ہے۔ میں نے اپنی وصیت میں

اپنے 75 فیصد حصص تمہارے نام کر دیئے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ ان کی کوئی قیمت نہیں لیکن اس

طرح کم از کم تم رجسٹرڈ گروپ کے قانونی مالک تو

بن جاؤ گے۔ تمہیں موقع ملنا چاہیے۔ ممکن ہے، تم

بینک والوں کو قائل کر سکو۔ باقی سب کچھ بشمول

مکان، میں میلانی کے لیے چھوڑ رہا ہوں۔

پلیز..... میری موت کی خبر تم خود اس تک پہنچانا۔

اور پارٹنر..... یقین کرو، تمہیں اپنا داماد بنا کر مجھے

خود پر ہمیشہ فخر رہتا لیکن افسوس..... تمہارا دوست

ڈیوس،

اس روز 23 سال کی عمر میں ایبل نے خود کو بہت بوڑھا محسوس کیا۔ اس نے اس خط کو تین

بار پڑھا اور پھر اپنے پرس میں رکھ لیا۔

اس کے بعد وہ یونیورسٹی کیسپس گیا اور اس نے بڑی نزاکت کے ساتھ وہ منہوس خبر میلانی

کی ہامت میں اٹھیل دی۔ میلانی نے خلاف توقع بڑے تحمل کا مظاہرہ کیا، جیسے وہ اس خبر کی توقع کر

تی ہو۔ ایبل کے سامنے اس کی آنکھوں سے ایک بھی آنسو نہ نکلا۔ ممکن ہے، وہ اس کے آنے کے

بھرنے کی وجہ زندگی میں پہلی بار ایبل نے اس کے لیے ہمدردی محسوس کی۔

اس روز ایبل نے لچ نہیں کیا۔ وہ اپنی ڈاک کی طرف متوجہ ہوا۔ کانٹینیٹل ٹرسٹ کے

نمبر کس نمبر نے اسے مطلع کیا تھا کہ رجسٹرڈ گروپ کے چیئرمین، بوسٹن کے کین اینڈ کا بوٹ نے

گروپ کے تمام ہوٹلوں کو اپنی تحویل میں لے لیا ہے۔ فی الحال کاروبار معمول کے مطابق جاری رہے گا۔ پھر تمام ہوٹلوں کو فروخت کر دیا جائے گا۔ اسلئے نے کین اینڈ کا بوٹ کے چیئر مین ایلن ایمرسون نام خط لکھا۔ پانچ روز بعد اسے اس خط کا جواب موصول ہوا۔ اس جواب کے ذریعے اسے مطلع کیا گیا کہ 4 جنوری کو اسے شعبہ دیوالیہ قرضداروں کے ڈائریکٹر سے ملاقات کرنا ہے۔ اس دوران بینک مسٹر ڈیوس لاری کی اچانک اور اندوہناک موت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی الجھنوں کو سمجھنے کے لیے وقت بھی مل جائے گا۔

اچانک اور اندوہناک موت! اور اس موت کا ذمے دار کون تھا؟ اسلئے نے باوازیلر کہا۔ لہجہ نفرت انگیز تھا۔ اسے ڈیوس لاری کے الفاظ یاد آ گئے۔ انہوں نے مجھے ایک نوجوان کے بارے میں بھیج دیا۔ وہ تعلیم یافتہ لڑکا تھا۔ کاروبار کے بارے میں کتابی باتیں کر رہا تھا۔ خدا کی قسم اگر میں سمجھ گیا تو اس کا اور اس کے بینک کا ستیاناس کر دوں گا۔۔۔۔۔۔

”تم فکر نہ کرو ڈیوس۔“ اسلئے نے زیر لب کہا۔ ”یہ کام تمہاری طرف سے میں کروں گا۔“



4 جنوری 1930ء کو اسلئے بوسٹن پہنچا۔ اس نے ٹیکسی پکڑی اور مقررہ وقت سے کچھ پہلے ہی کین اینڈ کا بوٹ پہنچ گیا۔ وہ استقبالیہ کمرے میں بیٹھا وال اسٹریٹ جرنل کی ورق گردانی کرتا رہا۔ اخبار کاروباری حضرات کو دلاسہ دے رہا تھا۔۔۔۔۔۔ 1930ء اچھا سال ثابت ہوگا۔

”مسٹر ونسکی۔۔۔۔۔۔ مسٹر کین آپ سے ملاقات کریں گے؟“ ادیفز عمر سیکرٹری نے آکر کہا۔ اسلئے اٹھا اور کین کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ طویل اور عریض ڈیسک کے عقب میں ایک طویل القامت اور خوب رو جوان بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اسلئے کا ہم عمر معلوم ہوتا تھا۔ اسلئے کی طرح اس کی آنکھیں بھی نیلی اور چمک دار تھیں۔ اس کی پشت کی طرف دیوار پر ایک معمر آدمی کی تصویر آویزاں تھی۔ تصویر اور ڈیسک کے عقب میں بیٹھے ہوئے نوجوان کی صورت میں بے پناہ مشابہت تھی۔ اسلئے سمجھ گیا کہ وہ لڑکے کے باپ کی تصویر ہے، یہ شخص اس بحران سے بچر و خوبی گزر جائے گا۔ بچکر کے لیے تصویر کے دونوں رخ ایک جیسے ہوتے ہیں۔ اسلئے نے تلخ ہو کر سوچا۔

”میرا نام ولیم کین ہے۔“ نوجوان نے اسلئے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

مسٹر ونسکی، تشریف رکھیے۔

”شکریہ۔“ اسلئے نے کہا اور بیٹھ گیا۔

”میرا خیال ہے، پہلے مجھے اپنے زاویہ نظر کے مطابق صورت حال کا تجزیہ کرنے کی اجازت دیجیے۔“ نوجوان نے کہا۔

مسٹر لاری کی ذراقت اور نفسیاتی ایک صورت۔۔۔۔۔۔

”جو تمہاری خباثت اور سفاکی کا نتیجہ تھی۔“ اسلئے نے دل ہی دل میں جملہ پورا کیا۔

”۔۔۔۔۔۔ کے بعد رجسٹر گروپ کو چلانے کی ذمے داری آپ کے کندھوں پر ہے، جب تک بینک کو کوئی مناسب خریدار نہیں ملتا۔ اگرچہ گروپ کے تمام حصص کے مالک اب آپ ہیں۔۔۔۔۔۔ لیکن بینک نے مسٹر لاری کو بیس لاکھ ڈالر کا قرضہ دیتے وقت ضمانت طلب کی تھی اور مسٹر لاری نے گیارہ ہوٹلوں کی بنیاد پر قرضہ حاصل کیا تھا۔ چنانچہ اب بینک اس جائیداد کا قانونی مالک ہے۔ چنانچہ فی الوقت آپ گروپ کے ہوٹلوں کا انتظام سنبھالنے کے بجائے معذرت کا حق بھی رکھتے ہیں۔“ ولیم کو احساس تھا کہ اس کی آخری بات تو ہن آمیز ہے لیکن کہنے کے سوا چارہ بھی کوئی نہیں تھا۔ اسی لیے وہ اس کام سے ہیزا رہا۔

ایک بینکار اپنی طرح ہر شخص سے یہی توقع کرتا ہے کہ مصیبت آتے ہی راہ فرار اختیار کر جائے۔ اسلئے نے نفرت سے سوچا۔

”جب تک بینک کی واجب الادا قسط وصول نہیں ہوتی مسٹر ڈیوس لاری کی تمام جائیداد دیوالیہ کے ضمن میں لی جائے گی۔“ ولیم کین نے مزید کہا۔ ”بینک کے ڈائریکٹر گروپ۔۔۔۔۔۔“ آپ کی ذاتی دلچسپی کو سراہتے ہیں۔ اسی لیے ہوٹلوں کی فروخت کے سلسلے میں کوئی عملی قدم اٹھانے سے پہلے ضروری سمجھا گیا کہ آپ سے تبادلہ خیال کر لیا جائے۔ ممکن ہے، آپ کی نظر میں کوئی خریدار ہو۔ بہر حال زمین اور عمارت بے حد قیمتی اثاثے ہوتے ہیں۔“

لیکن اتنے قیمتی بھی نہیں ہوتے کہ آپ اس کے پیش نظر میری پشت پناہی کر سکیں۔“ اسلئے نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”بہر حال۔۔۔۔۔۔ آپ خریدار تلاش کرنے کے لیے مجھے کتنی مہلت دے سکتے ہیں؟“

اچانک ولیم کین کی نگاہ اسلئے کی کلائی پر پڑی اُسے ایک نفرتی نگہ دکھائی دیا اور سرزدہ سا اس نگہ کو دیکھتا رہ گیا۔ اس کے ذہن میں کوئی بھولی بھری سی یاد کھلانے لگی یہ نگہ اس نے پہلے بھی کبھی دیکھا تھا۔ لیکن کہاں؟ بات کوشش کے باوجود اُسے یاد نہ آ سکی۔ وہ بری طرح الجھ کر رہ گیا اور غصہ سے نفرتی نگہ کو گھورتا رہا۔



ولیم کو خود پر قابو پانے میں چند لمحے لگے۔ ”تمیں دن کی مہلت مل سکتی ہے۔“ اس نے کچھ ہنساتے ہوئے کہا۔ ”آپ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ گیارہ میں سے دس ہوٹلوں پر یومیہ نقصان بھی

پینک کے کھاتے میں جارہا ہے۔ صرف شکاک کو کورجمنڈ تھورا سامنا دے رہا ہے۔“

”اگر آپ میرا ساتھ دیں اور مجھے مہلت مل جائے تو میں تمام ہوٹلوں کو گھومنا شروع کروں گا۔“

”میں ایسا کر سکتا ہوں۔“ اسہیل نے کہا۔ ”جناب آپ مجھے موقع دے کر دیکھیں۔ میں ایسا کر سکتا ہوں۔“ ولیم کو جناب کہہ کر مخاطب کرتے ہوئے الفاظ اسہیل کے حلق میں پھنسنے لگے تھے۔

”مسٹر لاری نے بھی یہی بات کہی تھی۔“ ولیم نے جواب دیا۔ ”لیکن یہ معاشی اعتبار سے بہت برا وقت ہے۔ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ ہوٹلنگ کا کاروبار پنپ سکے گا۔ مسٹر ونسکی بیکار ہیں، ہوٹل چلانے والے نہیں۔“

اب اسہیل کو اس خوش لباس نوجوان پر غصہ آنے لگا تھا۔ ڈیوس نے ولیم کین کے بارے میں ٹھیک کہا تھا۔ وہ کتابی باتیں کر رہا تھا۔ ”برا وقت ہوٹلوں کے اسٹاف کے لیے بھی ہے۔“ اس نے کہا۔ ”آپ ان کو روزی سے محروم کریں گے۔ آپ نے یہ بھی سوچا کہ ان کا کیا ہوگا۔“

”مسٹر ونسکی ان کے بارے میں سوچنا ہماری ذمہ داری نہیں۔ مجھے تو پینک کے مفاد پیش نظر رکھنا ہے۔“

”آپ کا اشارہ شاید اپنے ذاتی مفاد کی طرف ہے۔“ اسہیل نے تپ کر کہا۔

نوجوان ولیم کا چہرہ تہمتا اٹھا۔ ”آپ کا یہ تبصرہ نا انصافی پر مبنی ہے مسٹر ونسکی۔ اگر مجھے بحران کا احساس نہ ہوتا، جس سے آپ دوچار ہیں تو میں اسے کبھی برداشت نہ کرتا۔“

”کاش آپ نے یہ احساس مسٹر لاری کی زندگی میں کر لیا ہوتا۔ مسٹر کین، آپ نے انہیں قتل کیا ہے۔ ایسے، جیسے آپ نے انہیں اپنے ہاتھوں سے بارہویں منزل کی اس کھڑکی سے پھینکا ہو۔ آپ اور آپ کے ساتھی مزے میں ہیں۔ آپ لوگ اچھے دنوں میں ہمارے خون پینے کی کمانی میں حصہ لیتے ہیں، اور برے وقت میں ہم لوگوں کے وجود کو روندتے ہوئے چلتے ہیں، جیسے ہم انسان نہیں، قالین ہوں۔“

اب ولیم بھی برہم ہو چکا تھا۔ لیکن اسہیل کے برعکس اس کا غصہ اس کے قابو میں تھا، بری ظاہر نہیں ہو سکی۔ ”اس طرح کا تبادلہ خیال ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا مسٹر ونسکی۔ میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ اگر تیس روز کے اندر اندر آپ کوئی خریدار تلاش نہ کر سکے تو ہم ہوٹلوں کو نپٹا کر مجبور ہو جائیں گے۔“

”اس کے بعد آپ شاید مجھے مشورہ دیں گے کہ میں کسی اور پینک سے قرضہ طلب کروں۔“ اسہیل نے جیسے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”میرا ریکارڈ آپ کے سامنے ہے۔ اس کے باوجود

”یہ تو آپ کا معاملہ ہے، آپ جانیں۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ مجھے بورڈ کی طرف سے ہدایت ملی ہیں کہ اس اکاؤنٹ کا جلد از جلد تصفیہ کر دوں۔ میں ایسا ہی کروں گا۔ آپ 4 فروری تک مجھے بتا دیجیے کہ آپ کو کوئی خریدار ملایا نہیں۔ خدا حافظ مسٹر ونسکی۔“ یہ کہہ کر ولیم اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے اسہیل کی طرف اتھ بڑھا دیا۔ لیکن اس بار اسہیل نے اسے نظر انداز کر دیا۔ دروازے پر پہنچ کر وہ پلٹا۔

”فون پر آپ سے گفتگو کے بعد مجھے توقع تھی مسٹر کین کہ آپ پشیمان ہوں گے اور میری مدد کر کے اس زیادتی کی تلافی کریں گے لیکن میں غلطی پر تھا۔ آپ ظاہر میں..... باطن میں..... ہر طرف سے ایک مکمل غیبت ہیں۔ آج رات سوتے وقت مجھے یاد کیجیے گا۔“

”کیونکہ آج کے بعد میں ہر لمحہ آپ کے خلاف منصوبے بناتا رہوں گا۔“

ولیم کھڑا بند دروازے کو دیکھتا رہا۔ نفرتی نگن اسے اب بھی الجھن میں مبتلا کیے ہوئے تھے۔ وہ یاد کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ اس نے یہ کتنے پہلے کب اور کہاں دیکھا ہے۔

اس کی سیکرٹری واپس آئی۔ ”بہت خوفناک آدمی تھا۔“ وہ بولی۔

”نہیں..... ہرگز نہیں۔“ ولیم نے جواب دیا۔ ”اس کا خیال ہے، اس کے پارٹنر کی موت

کے ذمے دار ہم لوگ ہیں۔ اور اب ہم اس کے ملازمین کو بے روزگاری کا خیال کیے بغیر اس کا کاروبار ختم کیے دے رہے ہیں۔ وہ تو خیر ہے ہی نقصان میں..... اور یہ سب کچھ ہم اس حقیقت کے باوجود کر رہے ہیں کہ وہ اپنی اہلیت ثابت کر چکا ہے۔ جن حالات سے وہ دوچار ہے، ان کے پیش نظر اس کے رویے کو میں انتہائی مہذبانہ اور شائستہ قرار دوں گا۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے بورڈ کے اس کی پشت پناہی نہ کرنے کے فیصلے پر افسوس ہے۔“ ولیم نے نظریں اٹھا کر اپنی سیکرٹری کو دیکھا اور چند لمحوں کے وقفے کے بعد بولا۔ ”مسٹر کونن کا نمبر ملاؤ پلیز۔“

اسہیل اگلی صبح شکاک کو واپس آیا، اُس کا خون ابھی تک کھول رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ ولیم کین کی زیادتی کو وہ کبھی نہ بھلا سکے گا۔ اسی کی وجہی کیفیت ایسی تھی کہ وہ ہا کر کی آواز بھی نہ سن سکا جو بیچانی الفاظ میں نہ جانے کیا چیخ رہا تھا۔ اسہیل نے ٹیکسی روکی اور عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔ ”رجمنڈ ہوٹل چلو۔“ اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

”آپ صحافی ہیں؟“ ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

”یہ خیال تمہیں کیوں آیا؟“

”آپ رجمنڈ ہوٹل جا رہے ہیں نا..... شہر بھر کے رپورٹر آج وہیں موجود ہیں۔“ اسہیل کی

سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا چکر ہے۔ ہوٹل میں ایسا کوئی پروگرام بھی نہیں تھا، جس سے صحافی ہمارے کوئی دلچسپی ہو۔ ”اگر آپ صحافی نہیں ہیں تو بہتر ہے کہ میں آپ کو کسی دوسرے ہوٹل میں چلوں۔“ ڈرائیور نے مزید کہا۔

”کیوں؟“ ہیل اور اُلجھ گیا۔

”آپ رجمنڈ میں قیام نہیں کر سکیں گے۔ ہوٹل جل چکا ہے۔“

”اسی وقت ٹیکسی مڑی اور ہیل کو وہ کھنڈر نظر آیا، جو کبھی رجمنڈ ہوٹل ہوتا تھا۔ سڑک پار ہوئی لکڑیوں کا انبار تھا اور پانی بہہ رہا تھا۔ ہوٹل کے سامنے پولیس کاریں اور فائر بریگیڈ کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ہیل ٹیکسی سے اُترا اور سوختہ عمارت کی طرف لپکا۔ اس کی مٹھیاں جھٹی ہو گئیں۔ وہ دھم والی ٹانگ پر گھونے مار رہا تھا لیکن اب وہ درد بھی اس کا ساتھ چھوڑ چکا تھا۔ شاید مرنے کے لیے کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا۔

”تم کیا سمجھتے ہو کتو۔“ وہ دیوانگی کے عالم میں چلایا۔ ”میں اس سے کہیں بدتر حالات گزر چکا ہوں۔ اب بھی میں ہی جیتوں گا۔ میں روسیوں سے..... جرمنوں سے اور ترکوں سے نبردوار ہوا..... اور بالآخر میں ہی جیتا۔ وہ ذلیل شخص ولیم کین..... میں اسے بھی شکست دوں گا۔ یاد رکھو۔ میں ختم ہونے والا نہیں ہوں۔ ہیل روسکی کو کوئی طاقت فنا نہیں کر سکتی۔“

اسٹنٹ منیجر نے ہیل کو ٹیکسی سے اُترتے دیکھا تو اُس کی طرف لپکا۔ ہیل نے بڑا مشکل سے خود پر قابو پایا۔ ”اسٹاف اور ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے لوگ تو خیریت سے ہیں نا؟“ اس۔ اسٹنٹ منیجر سے پوچھا۔

”جی ہاں، خدا کا شکر ہے۔ ہوٹل تقریباً خالی تھا۔ اس لیے اندر موجود لوگوں کو محفوظ نکالنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ صرف دو افراد آگ کی لپیٹ میں آئے۔ وہ اسپتال میں ہیں۔“ اُن کی حالت تسلی بخش ہے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔“

”خدا کا شکر ہے۔ ویسے ہوٹل بھی بے ہوشہ تھا۔ میرا خیال ہے، دس لاکھ ڈالر سے زیادہ پالیسی ہے۔ ممکن ہے، یہ تباہی بھی سودمند ثابت ہو۔“

”ممکن ہے۔ لیکن اخبارات کچھ اور ہی کہہ رہے ہیں۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“

”آپ خود ہی پوچھ لیجیے۔“

ہیل نے نیوز اسٹینڈ سے شکاگو ٹریبون خریدا۔ اخبار کی سرخی ہی اسے سب کچھ سمجھانے کے لیے کافی تھی۔ رجمنڈ ہوٹل کی آتشزدگی۔ شہ کیا جا رہا ہے کہ آگ جان بوجھ کر لگائی گئی ہے۔

نے عجیب سے انداز میں سر جھٹکا اور بڑبڑایا۔ ”اور کچھ کی تو نہیں رہ گئی۔“ پھر اس نے سرخی پر دوبارہ نظر ڈالا۔

”آپ کچھ پریشان ہیں؟“ نیوز بوئے نے پوچھا۔

”ہاں..... لیکن کوئی خاص بات نہیں۔“ ہیل نے کہا۔ ”انکوائری انچارج کون ہے؟“ اس

نے اسٹنٹ منیجر سے پوچھا۔

”وہ آفیسر جو پولیس کار سے ٹیک لگائے کھڑا ہے۔“ اسٹنٹ منیجر نے اشارے سے

نمایا۔ ”اس کا نام کیپٹن اوٹلی ہے۔“

”خیر..... تم تمام اسٹاف کو انٹیکسی میں اکٹھا کر لو۔ کل صبح دس بجے میں ان سے بات کروں

گا۔ اگر کسی کو مجھ سے کام ہو تو اسٹینڈز میں مجھ سے مل لے۔ مجھے ابھی اس معاملے پر غور کرنا ہے۔“

”ٹھیک ہے باس۔“

ہیل، کیپٹن اوٹلی کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے کیپٹن سے اپنا تعارف کرایا۔ طویل

القامت افسر نے اس سے بڑے تپاک سے ہاتھ ملایا۔ ”گویا کشدہ منیجر لوٹ آیا ہے۔“ اس نے کہا۔

”یہ کوئی حراجہ صورت حال تو نہیں ہے کیپٹن۔“

”میں معافی چاہتا ہوں۔“ کیپٹن نے جلدی سے کہا۔ ”صورت حال حراجہ نہیں ہے۔

آئیے..... کیوں نہ میرے ساتھ ایک ڈرک ہو جائے؟“

کیپٹن نے ہیل کا ہاتھ تھاما اور اسے سٹی گن ایونو پر واقع ایک کینے میں لے گیا۔ کینے

میں پہنچ کر اس نے ملک فیک کا آرڈر دیا۔ ہیل کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ اس کی زندگی میں لڑکپن کا

دور آیا ہی نہیں تھا۔ وہ اس کی زندگی کا پہلا ملک فیک تھا۔

”جی ہاں..... ملک فیک حراجہ چیز ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس شہر میں ہر شخص پابندی کی

خلاف درزی کرتے ہوئے بورین یا کم از کم بیئر پیتا ہے۔“ کیپٹن نے کہا۔ ”میں سوچتا ہوں، کم از کم

مجھے تو قانون کا احترام کرنا چاہیے۔ ویسے بھی پابندی ہمیشہ تو نہیں رہے گی۔ اس کے بعد ٹیکنکسٹرز سے

میری ٹھننے کی کیونکہ پابندی ختم ہو چکے بعد بھی میں ملک فیک پیتا رہوں گا۔ مجھے ملک فیک پسند ہے۔“

ہیل پھر فنس دیا۔

”اب ہم آپ کے مسئلے کی طرف آتے ہیں۔ مسٹر روسکی پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کو

نیو کی رقم ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ فائر ایکسپرٹس نے تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ بہت سی جگہیں تیل

سے تر تلی ہیں۔ آگ لگانے والوں نے اس حقیقت کو چھپانے کی کوئی کوشش بھی نہیں کی۔ یہ خانے

میں تیل ہی تیل تھا۔ پورے ہوٹل کے لیے ایک تیلی ہی کافی تھی۔“

اس کے مذاکرات ناکام ثابت ہوئے۔۔۔۔۔ اور اب وہ رجمنڈ گروپ کے لیے کسی ایسے خریدار کی تلاش میں ہے، جو اس لاکھ ڈالر ادا کر سکے۔

”دیکھیے۔۔۔۔۔ میں کوشش کروں گا۔“ کرش نے کہا۔ ”جب آپ نے گروپ کے 25 فیصد حصہ خریدے تھے، میں نے اس وقت کہا تھا کہ ہوٹل کا کاروبار بہت اچھا ہے۔ میرا نظریہ اب بھی سچ رہا ہے۔ مسٹر ونسکی۔۔۔۔۔ میں آپ کو دیکھتا ہوں۔ گزشتہ دو سال میں آپ نے کاروبار کو جس طرح سنبھالا ہے، وہ میرے لیے متاثر کن ہے۔ میرے بس میں ہوتا تو میں آپ کی یقیناً مدد کرتا۔ تاہم۔۔۔۔۔ میں ادھر ادھر بات کروں گا۔ ویسے آپ کو اندازہ نہیں کہ اس شہر میں آپ کے کتنے مداح ہیں۔“

ہیمل مسکرایا کیپٹن نے دشمنوں کا تذکرہ کیا تھا۔۔۔۔۔ اور اب بینک فیجر دوستوں کی بات کر رہا تھا۔ ہیمل نے کرش کا شکریہ ادا کیا اور باہر نکل آیا۔ کاؤنٹر پر اس نے ہوٹل کے اکاؤنٹ سے پانچ ہزار ڈالر نکلائے۔ صبح کا باقی وقت اس نے رجمنڈ کی انٹیکسی میں گزارا۔ اس نے اسٹاف کے ہر فرد کو دو ہفتے کی تنخواہ دی اور انہیں کم از کم ایک ماہ تک انٹیکسی میں ٹھہرنے کی ہدایت کی۔ پھر وہ اسٹیونز واپس آباد وہ گروپ کے دوسرے ہوٹلوں کے معاملے کے لیے نکلنے کو تیار تھا۔

اس نے اپنی بیوک میں سفر کا آغاز کیا۔ پہلا پڑاؤ سینٹ لوئیس رجمنڈ تھا۔ ایک ماہ کے عرصہ تمام ہوٹلوں کا جائزہ لے چکا تھا۔ تمام ہوٹل نقصان میں جا رہے تھے لیکن ہیمل کے نزدیک سب سے زیادہ نقصان میں نہ تھا۔ تمام ہوٹل اپنی اپنی جگہ بہترین مقامات پر واقع تھے۔ اس نے ہر ہوٹل کا پیر پالسی کا جائزہ بھی لیا۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔ ڈلاس رجمنڈ پہنچتے پہنچتے اُسے یقین ہو گیا کہ یہاں میں لاکھ ڈالر میں تمام ہوٹل خریدے گا، بہت فائدے میں رہے گا۔ کاش۔۔۔۔۔ اسے موقع ملتا تو یہی ہوٹل منفعہ بخش ثابت ہوتے۔

ایک ماہ بعد وہ شکاگو واپس آیا اور اس نے اسٹیونز میں کمرہ لیا۔ کاؤنٹر پر اس کے لیے کئی آلات موجود تھے۔ کیپٹن اومیلی، ولیم کین، کرش فیٹن اور ہری بورن نامی ایک شخص۔ یہ تمام لوگ اسے رابطے کے خواہش مند تھے۔

ہیمل نے سب سے پہلے کیپٹن سے فون پر بات کی کپن نے اسے مٹی گن ایونو والے بیٹس ملے کو کہا۔ کیپٹن قدرے تاخیر سے آیا اور اس سے معذرت کرنے کی زحمت بھی نہیں کی۔

”اس طرح کی کیا تک تھی؟“ ہیمل نے پوچھا۔

”تم میرے مقروض ہو۔۔۔۔۔ ملک ٹھیک کے۔۔۔۔۔ اور میں ملک ٹھیک کسی قیمت پر نہیں چھوڑتا۔“

ہیمل نے فوراً ملک ٹھیک کا آرڈر دے دیا۔ ”اب بتاؤ۔۔۔۔۔ بات کہاں تک پہنچی؟“ اس نے پوچھا۔

”آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ اس واردات کے ذمے دار افراد کون ہیں؟“ ہیمل نے پوچھا۔

”یہ سوال تو مجھے آپ سے پوچھنا ہے۔ آپ کے علم میں کوئی ایسا شخص ہے؟“

یا ذاتی طور پر آپ سے نفرت کرتا ہو؟“

”ایسے تو کم از کم پچاس افراد ہوں گے کیپٹن۔ یہاں آتے ہی میں نے بد عنوان ملازم کی تطہیر کی تھی۔ میں آپ کو ایسے افراد کی فہرست فراہم کر سکتا ہوں۔“

”اس کی ضرورت نہیں۔ البتہ آپ کے پاس جب بھی کوئی یقینی اطلاع ہو تو مجھ سے رابطہ قائم کیجئے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ مسٹر ونسکی، یہاں آپ کے دشمنوں کی تعداد کم نہیں ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ آپ ہی کا کام ہے۔ آپ نے بیسے کی رقم کے حصول کے لیے ہوٹل کو خود آگ لگوائی ہے۔“

ہیمل اسٹول سے اٹھ گیا۔ اس کے انداز میں برہمی تھی۔

”بیٹھیے۔ بیٹھ جائیے۔ غصے میں آنے کی ضرورت نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ نے تمام دن بوسٹن میں گزارا ہے۔ شکاگو میں آپ ہوٹلوں کو نئی زندگی دینے کے لیے مشہور ہیں۔ نہ کہ انہیں راکھ کرنے کے لیے۔۔۔۔۔ آپ یقین کیجئے۔ اس واردات کے ذمے دار افراد میری گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔“ کیپٹن بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ ”یہ ملک ٹھیک میری طرف سے ہے۔ ممکن ہے، مستقبل میں کبھی آپ میرے کام آئیں۔“

کیپٹن نے کاؤنٹر پر ادا کیگی کی۔۔۔۔۔ اور وہ دونوں باہر آ گئے۔

”اور ہاں۔۔۔۔۔ انٹرنس کمپنی والے آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔“ کیپٹن نے ہیمل کو بتایا۔ ”مجھے اُن کے نمائندے کا نام تو یاد نہیں رہا۔ بہر حال۔۔۔۔۔ ملاقات ہو ہی جائے گی۔ مسٹر ونسکی، مجھ سے رابطہ رکھیے گا۔ میں یقیناً آپ سے دوبارہ ملنا چاہوں گا۔“

ہیمل، کیپٹن کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر وہ اسٹیونز کی طرف چل دیا۔ ہوٹل پہنچ کر اس نے کمرہ لیا۔ ڈسک کلرک رجسٹر میں ہیمل کا نام درج کرتے ہوئے اپنی مسکراہٹ نہ روک سکا۔ ایک ہوٹل کا فیجر۔۔۔۔۔ اور دوسرے ہوٹل میں ہیام بات تھی بھی عجیب۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر ہیمل نے ولیم کین کے نام رسمی خط لکھا۔ جس میں اس نے کین کو آتشزدگی سے مطلع کیا۔ ہیمل نے خط میں یہ بھی لکھا کہ وہ گروپ کے دوسرے ہوٹلوں کے دورے کا پروگرام بنا رہا ہے۔ ہیمل کے نزدیک شکاگو رجمنڈ کے کھنڈر کو دیکھ کر افسوس کرنا بے سود تھا۔

اگلی صبح ناشتہ کرتے ہی اس نے بینک کا رخ کیا۔ اس نے کرش کو بتایا کہ کین اینڈ کاؤنٹ

”کیا ہوں؟“ وہ خود کھائی کے سے انداز میں بولا۔

اپ شیلڈ ول کے مطابق ہیل کو ہنری بورن سے ملاقات کرنا تھی۔ ہنری بورن طویل القامت اور خوش رو آدمی تھا۔ اس کی کتیشیوں کے بال سفید ہو رہے تھے۔ اس نے بھی وہی کچھ بتایا، جو ہیل کو کینٹن اوسیلی سے معلوم ہوا تھا۔ تاہم اس کا رویہ ہمدردانہ تھا۔

”مرحہ گردپ کے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ ہوٹل دوبارہ تعمیر کرا سکے؟“ اس نے پوچھا۔
 ”گردپ کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ بینک والے مجھ پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ ہوٹل فروخت کر دیے جائیں۔“ ہیل نے جواب دیا۔
 ”تم پر دباؤ کیوں ڈال رہے ہیں؟“

ہیل نے اسے تفصیل بتائی۔ ہنری یہ جان کر کچھ حیران ہوا کہ اب تمام ہوٹل ہیل کی ملکیت ہیں۔ اس بات پر اسے مزید حیرانی ہوئی کہ بینک والے ہیل کی اعانت نہیں کر رہے ہیں۔
 ”حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ڈیوس لاری کا پہلا ہوٹل صرف اور صرف تمہاری وجہ سے منافع دینے کے قابل ہوا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ ان دنوں بینکوں پر برا وقت آیا ہوا ہے۔ اس کے باوجود انہیں کاروباری شعور کا ثبوت دینا چاہیے۔“ اُس نے کہا۔

”اُس بینک کے لوگ کاروباری شعور سے عاری ہیں۔“
 ”لیکن کانٹینیٹل ٹرسٹ کا کرٹس فیگن بہت معقول آدمی ہے۔“
 ”کانٹینیٹل سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔“ ہیل نے کہا۔ ”ہوٹلوں کے کاغذات بوسٹن کے کین اینڈ کا بوٹ نامی بینک کے قبضے میں ہیں۔“

ہنری بورن کا چہرہ لکھت سپید ہو گیا۔
 ”تم ٹھیک تو ہو؟“ ہیل نے پرتشیش لہجے میں پوچھا۔
 ”ہاں..... ہاں میں ٹھیک ہوں۔“
 ”ایسا لگتا ہے کہ تم کین اینڈ کا بوٹ سے واقف ہو۔“
 ”یہ بات آف دی ریکارڈ ہے۔“ ہنری بورن نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ”ایک بار میری کمپنی کا اس بینک سے واسطہ پڑ چکا ہے۔ معاملہ عدالت تک جا پہنچا تھا۔“
 ”کیوں؟“

”راز داری کا معاملہ ہے۔ میں تمہیں تفصیل نہیں بتا سکتا۔ تاہم یہ سمجھ لو کہ بینک کے ایک ڈائریکٹر نے ہمارے ساتھ بددیانتی کی تھی۔“
 ”اس ڈائریکٹر کا نام کیا ہے؟“

”فائر ایکسپرس نے ٹھیک کہا تھا۔ آگ دانستہ لگائی گئی تھی۔ ہم نے ڈیسمنڈ نامی ایک فرد کو گرفتار کیا ہے، جو تم سے پہلے شکا گورنمنٹ کا منبر تھا۔“

”ہاں..... میں نے اسے بد عنوانی کے الزام میں برطرف کیا تھا..... اور اس نے ہمارے جاتے مجھے دھمکیاں بھی دی تھیں۔ لیکن میرے لیے دھمکیاں نئی چیز نہیں ہیں کینٹن۔“

”بہر حال، ڈیسمنڈ ہی آتشزدگی کا ذمے دار ہے۔ انشورنس والوں کا کہنا ہے، جب یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ تمہارے اور ڈیسمنڈ کے درمیان اشتراک نہیں تھا، وہ ادا بھی نہیں کریں گے۔“
 ”میں پہلے ہی کچھ کم پریشان نہیں ہوں۔“ ہیل نے کہا۔ ”ویسے تمہیں یہ یقین کیوں کہ آتشزدگی کے پیچھے ڈیسمنڈ ہی کا ہاتھ ہے؟“

”جس روز آگ لگی، اسی روز وہ اسپتال میں داخل ہوا ہے وہ چھلسا ہوا تھا۔ اس نے فوراً اعتراف بھی کر لیا۔ وہ تو انتقام لے کر خوش تھا۔“
 ”اور ملک ٹھیک منکواؤں؟“

”میں کفرانِ نعت پر مجبور ہوں۔“ کینٹن نے افسردہ ہو کر کہا۔ ”کام بہت زیادہ ہے۔ لگ مشرورنسکی۔ میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ تمہارے اور ڈیسمنڈ کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر میں کامیاب ہو گیا تو تمہیں پالیسی کی رقم مل جائے گی۔ میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ مجھ سے ملتے رہنا۔“ اس بار اُس کے انداز میں بے تکلفی تھی۔ پھر وہ اٹھا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

”ہیل اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا..... وہ بھی کہنے سے نکل آیا۔ باہر آکر وہ چارٹرڈ رچرڈ کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ اسٹیونز کی طرف چل دیا۔ کاؤنٹر پر ہنری بورن کا ایک اور پیغام تھا..... لیکن یہ تحریر نہیں تھا کہ وہ کہاں ملے گا۔ یہ معلوم کرنے کی ایک ہی صورت تھی۔ چنانچہ ہیل نے ٹیلی فون ڈائریکٹری سنبھالی۔ بالآخر اسے معلوم ہو گیا کہ ہنری بورن، انشورنس کمپنی کا کلیم ایڈجسٹر ہیل نے فون کر کے اس سے ملاقات کا وقت طے کیا۔ پھر اس نے ولیم کین کو فون کیا اور ہوٹلوں کے دورے کی رپورٹ دی۔ ”میں پھر کہہ رہا ہوں مشرکین وہ تمام ہوٹل منافع بخش ثابت گئے۔ مجھے صرف آپ کے بینک کی مدد اور کچھ مہلت درکار ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ شکا گورنمنٹ نے دینے لگا تھا۔“ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

”ممکن ہے، آپ کر سکتے ہوں۔ لیکن بینک خطرہ مول لینے کو تیار نہیں ہے۔ آپ پاس پانچ دن کی مہلت رہ گئی ہے۔ گڈ ڈے مشر ہیل۔“
 ”بائسٹڈ۔“ ہیل دھاڑا..... لیکن رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ ”کسی دن میں جھہرنا“

”تم نے کس ڈائریکٹر کے ساتھ معاملات کیے تھے؟“ ہنری نے پوچھا۔
”ولیم کین سے۔“

ہنری پھر جھجکا۔ ”ہوشیار رہنا۔“ اس نے کہا۔ ”وہ دنیا کا ذلیل ترین آدمی ہے۔ میں تمہیں اس کے متعلق بہت کچھ بتا سکتا ہوں۔ لیکن بات صرف میرے اور تمہارے درمیان رہے گی۔“
”مسٹر ہنری۔ ولیم کین نے ڈیوس لاری کے ساتھ جو سلوک کیا ہے، میں اسے نہیں بھرا سکتا۔ مجھے ولیم کین سے یہ حساب برابر کرنا ہے۔“
”اس سلسلے میں میں ہر ممکن مدد کے لیے تیار ہوں لیکن میں پھر کہوں گا کہ یہ سب کچھ صرف میرے اور تمہارے درمیان رہنا چاہیے۔ دوسری بات یہ کہ جیسے ہی یہ بات ثابت ہوئی کہ ہوا کی آتش زنی میں صرف ڈیسمیڈ کا ہاتھ ہے اور تم اس میں ملوث نہیں ہو، میری کمپنی پالیسی کی رقم فوراً کر دے گی۔“

ہنری سے ملاقات کر کے اسٹیل، اسٹیونز واپس آیا۔ اس نے اسٹیونز کے ڈائمنگ ہال ٹر لچ کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اسٹیونز کے انتظامات پر تنقیدی نظر ڈالنا چاہتا تھا لیکن اس بار ڈیک پرایک اور پیغام اس کا منتظر تھا۔ ڈیوڈ مارٹن نامی کسی شخص نے اسے لچ پر مدعو کیا تھا۔
”ڈیوڈ مارٹن۔“ اسٹیل نے باواز بلند کہا۔ ڈیک کلرک نے اسے چونک کر دیکھا۔ نام جانا پہچانا ہے۔“

”مسٹر رونسکی..... مسٹر مارٹن اس ہوٹل کے مالک ہیں۔“
”اوہ..... پلیز، مسٹر مارٹن کو آگاہ کر دو کہ مجھے اُن کے ساتھ لچ کر کے خوشی ہوگی۔“ اسٹیل نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”البتہ ممکن ہے، مجھے چند منٹ کی تاخیر ہو جائے۔“
”میں انہیں آگاہ کر دوں گی جناب۔“ ڈیک کلرک نے کہا۔

”اسٹیل نے اپنے کمرے میں آکر کپڑے بدلے۔ وہ سوچتا رہا کہ ڈیوڈ مارٹن کی دعوت کو معنی رکھتی ہے۔ وہ تیار ہو کر ڈائمنگ ہال میں آیا تو تقریباً تمام میزیں گھر چکی تھیں۔ ہیڈ ویئر اُسے ایک کارزن ٹیبل کی طرف لے گیا۔ جہاں اسٹیونز کا مالک تنہا بیٹھا تھا۔ اُس نے اُسٹھ کر اسٹیل کا خیر مقدم کیا۔
”میں اسٹیل رونسکی ہوں۔“

”میں تمہیں جانتا ہوں..... اور تمہاری شہرت اور اچھی ساکھ سے بھی بے خبر نہیں ہوں۔ بیٹھو..... پہلے کھانا منگوا لیں۔“
اسٹیل، اسٹیونز کی سروں اور کھانے کے معیار کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ معیار کے اعتبار سے اسٹیونز، پلازہ کا ہم پلہ تھا۔ اسٹیل کو اندازہ ہو گیا کہ رجسٹرڈ کوشکا کو کا بہترین ہوٹل بنانے کے لیے

اس معیار سے اوپر جانا ہوگا۔

”تم سوچ رہے ہو گے کہ میں نے تمہیں کیوں مدعو کیا ہے۔ مسٹر رونسکی؟“ ڈیوڈ مارٹن نے کھانے کے دوران پوچھا۔

”میرا خیال ہے، آپ اسٹیونز کا انتظام سنبھالنے کے لیے میری خدمات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔“ اسٹیل نے جیسے ہوئے کہا۔

”تمہارا خیال درست ہے مسٹر رونسکی۔“ ڈیوڈ مارٹن نے کہا۔ پھر وہ ہنسنے لگا۔ اسٹیل منگ بکر رہ گیا۔ اس نے تو محض مذاق کیا تھا۔

پانچ ماہ بعد میرا فنجر ریٹائر ہونے والا ہے۔ اسٹنٹ فنجر بھی ریٹائرمنٹ کے قریب ہے۔“
”آپ کے ہوٹل نے مجھے متاثر کیا ہے۔“

”میرا مقولہ ہے کہ اصلاح کی گنجائش بہر حال رہتی ہے۔ میں طمانیت اور ٹھہراؤ کو ناپسند کرتا ہوں۔“ مارٹن نے کہا۔ ”میں نے تمہاری سرگرمیوں پر نظر رکھی ہے۔ رجسٹرڈ کو میں نے ہوٹل تسلیم ہی اُس وقت کیا، جب تم اس کا انتظام سنبھال چکے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ دو تین سال میں تم رجسٹرڈ کو اسٹونز کے مقابلے پر لا کھڑا کرتے مجھے افسوس ہے کہ رجسٹرڈ خاک کر دیا گیا۔“

”مسٹر مارٹن، آپ کی پیشکش اور آپ کا تبرہ میرے لیے باعث فخر ہے۔“
”مسٹر رونسکی، مجھے یقین ہے کہ تم یہاں خوش رہو گے میں ابتدا میں تمہیں پچاس ڈالر فی

ماہ اندازہ منافع کا دو فیصد دوں گا۔ تم جب چاہو، کام شروع کر سکتے ہو۔“

”مجھے آپ کی پیش کش پر غور کرنے کے لیے چند دن درکار ہیں۔“ اسٹیل نے کہا۔ ”مجھے برا تعارف کرنے میں کوئی باک نہیں کہ آپ کی پیشکش بہت معقول ہے..... لیکن میرے چند مسائل ہیں اور اُن مسائل کا تعلق رجسٹرڈ سے ہے۔“

”مٹر لاؤں جناب؟“ ایک منجم ویٹر لیس نے پوچھا۔ اس کا چہرہ جانا پہچانا تھا۔ اسٹیل کو یقین ہو گیا کہ وہ پہلے کہیں اس لڑکی سے مل چکا ہے ممکن ہے، وہ رجسٹرڈ میں کام کرتی رہی ہو۔

”پلیز..... لے آؤ۔“ اسٹیل نے کہا۔ پھر لڑکی کو جاتے ہوئے دیکھا، ہا۔ لڑکی بے حد پر کشش تھی۔

”ایسا کرو۔ چند روز میرے ہوٹل میں مہمان رہو۔“ مارٹن نے کہا۔ ”یوں تم یہاں کا ماحول دیکھو گے..... اور تمہیں فیصلہ کرنے میں آسانی رہے گی۔“

”ماحول تو میں ایک دن کے قیام ہی میں دیکھ چکا ہوں۔ مجھے اندازہ ہو گیا ہے..... لیکن برا تعارف یہ ہے کہ میں رجسٹرڈ گروپ کا مالک ہوں۔“

پہلے ایک پارٹی نے رجسٹر گروپ میں دلچسپی ظاہر کی ہے۔“
ہیمل کی دھڑکنیں بے ربط ہو گئیں۔ ”مجھے اس پارٹی کے بارے میں بتا سکتے ہو؟“

”جی نہیں۔ پارٹی نے مجھ سے مکمل راز داری کا وعدہ لیا ہے۔ یہ ذاتی سرمایہ کاری ہوگی۔ اور پارٹی اسے اپنے اصل کاروبار سے علیحدہ رکھنا چاہتی ہے۔“
”ڈیوڈ مارٹن..... خدا تمہارا بھلا کرے۔“ ہیمل نے زیر لب کہا۔
کرٹس نے سنی ان سنی کر دی۔ اُس کا چہرہ بے تاثر رہا۔ ”مسٹر روٹسکی میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ.....“

”ٹھیک ہے۔“ ہیمل نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تمہاری یہ پارٹی حتمی فیصلہ کب تک کرے گی؟“

”میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ آپ پھر کے دن تشریف لے آئیں۔“
”ہیمل اسٹیونز واپس آتے ہوئے بڑے اچھے موڈ میں تھا۔ بوند باندی شروع ہو گئی تھی۔ ہیمل منگتا رہا تھا۔ اپنے کمرے میں آتے ہی اُس نے ولیم کین کو فون کیا۔ اس نے اس سے استدعا کی کہ اسے پھر تک کی مہلت دی جائے۔ ایک گاہک سامنے آیا ہے۔ کین کچھ ہچکچایا لیکن اس نے مہلت دے دی۔“

”باسنڈ“ ہیمل نے ریسیور ہک پر لٹکاتے ہوئے باواز بلند کہا۔ ”کین..... مجھے ذرا سنبھل جانے دو۔ میں تم سے ڈیویس لاری کی موت کا انتقام لوں گا۔“

اب ہیمل کو پیر کا انتظار گراں گزر رہا تھا۔ وہ وقت گزاری کے لیے لابی میں گھومتا رہا۔ وہاں اُسے پھر وہی ویٹریس نظر آئی۔ اب ہیمل کا تجسس اور بڑھ گیا۔ اور وہ ایک میز پر جا بیٹھا ویٹریس اس کی طرف لپکی۔

”شام بخیر جناب۔“ ویٹریس کے ہونٹوں پر وہی جانی پہچانی مسکراہٹ نظر آئی۔ ”چائے کھل گئے؟“

”ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ جانتے ہیں نا؟“ ہیمل نے پوچھا۔
”ہاں لاڈلیک۔ خوب جانتے ہیں۔“

ہیمل کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ایک لمحے میں اسے سب کچھ یاد آ گیا۔ ”ہاں..... تم زافیا ہو۔ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟“

”میں یہاں کام کرتی ہوں۔ آپ چائے پیئیں گے جناب؟“
”آج رات کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ۔“

ڈیوڈ مارٹن حیران رہ گیا۔ ”یہ تو مجھے اندازہ ہی نہیں تھا۔ میرا خیال تھا، ڈیویس لاری کی پڑا گروپ کی مالک ہوگی۔“

ہیمل نے اسے تفصیل سے آگاہ کیا۔ ”اب مسئلہ یہ ہے کہ مجھے کوئی ایسا شخص تلاش کرنا ہے جو بیس لاکھ ڈالر کی سرمایہ کاری کر سکے۔ مجھے یقین ہے کہ رجسٹر گروپ کو منفعت بخش بنا سکتا ہوں۔“
ڈیوڈ مارٹن سوچ میں پڑ گیا۔ ایک ویٹریس نے اُٹھانے میں مصروف ہو گیا تھا۔

”کافی لاؤں جناب؟“ اسی ویٹریس نے پوچھا، جس کی صورت ہیمل کو جانی پہچانی لگی تھی۔ اب ہیمل اس کے متعلق سوچ سوچ کر الجھنے لگا تھا۔
”اس کا مطلب ہے، کرٹس فیمن تمہارے ایما پر رجسٹر گروپ کے لیے گاہک فراہم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔“

”جی، ہاں..... اور میں اس سلسلے میں خاصا نرا اُمید ہوں۔“
”دلچسپ بات ہے۔ میری درخواست ہے کہ مجھے اس سلسلے میں باخبر رکھنا۔“
”یقیناً جناب۔“

”پوشن کے بینک نے جہیں کتنے دن کی مہلت دی ہے؟“
”بس..... مہلت کے صرف چند روزہ رہ گئے ہیں۔ چند روز میں آپ کی پیشکش کے بارے میں حتمی جواب دے سکوں گا۔“

”شکریہ مسٹر روٹسکی۔ تم سے مل کر مجھے خوشی ہوئی۔ مجھے یقین ہے کہ ہم باہم بہت اچھی ثابت ہوں گے۔ ڈیوڈ مارٹن نے کہا اور بڑی گرم جوشی سے، ہیمل سے ہاتھ ملایا۔
”شکریہ جناب۔“ ہیمل نے کہا۔

ہیمل ڈاننگ ہال سے نکلا تو اسی ویٹریس سے اس کی آنکھیں چار ہو گئیں۔ ویٹریس مسکرائی۔ ہیمل نے ہیڈ ویٹر سے اس ویٹریس کا نام پوچھا۔

”میں معافی چاہتا ہوں۔ یہ ہوٹل کے ضابطوں کے خلاف ہے۔ اگر آپ کو اُس سے کاشکایت ہے تو مجھے بتائیں۔“ ہیڈ ویٹر نے معذرت خواہانہ لہجہ میں کہا۔

”نہیں..... مجھے کوئی شکایت نہیں..... بلکہ میں اس کی تعریف کر رہا ہوں۔“
اس شام کرٹس سے ملاقات کے لیے جاتے ہوئے ہیمل پہلے سے زیادہ پراعتماد تھا۔

مارٹن کی پیشکش نے اس کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔ شکاگو کے سب سے اچھے ہوٹل کی منجبری بہر حال اعزاز تھی۔ کرٹس نے مسکراتے ہوئے، اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”مسٹر روٹسکی..... صبح تک کوئی حوصلہ افزا خبر نہیں تھی۔“ کرٹس نے کہا۔ ”ابھی چند“

ہیل نے اپنے ننگن پر نظر ڈالی اور فس دیا۔ ”تب تو مجھے اس ننگن کا شکر گزار ہونا پڑے گا۔“
”اب تم کیا کر رہے ہو؟“

”ملازمت کی تلاش میں ہوں۔“ ہیل نے ڈیوڈ مارٹن کی پیشکش کے بارے میں بتانا

ناہب نہ سمجھا۔

”اسٹینوز میں منیجر کی جگہ خالی ہونے والی ہے۔ میرے بوائے فرینڈ نے مجھے بتایا ہے۔“
”بوائے فرینڈ؟“ ہیل نے وہ اذیت ناک لفظ دہرائے۔

”ہاں..... تم اس اسامی کے لیے درخواست دے دو نا۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں ملازمت مل جائے گی۔ میں ابتدا ہی سے جانتی تھی کہ تم امریکہ میں کامیاب رہو گے۔“
”سوچوں گا۔ اطلاع کا شکریہ..... ویسے تمہارے بوائے فرینڈ کو بھی کوشش کرنی چاہیے۔“
”ارے نہیں..... وہ تو محض ایک ویٹر ہے..... میری طرح۔“

”اب کھانا کھائیں۔“ ہیل نے کہا۔ فوراً ہی اسے احساس ہو گیا کہ زافیا انگریزی نہیں پڑھ سکتی۔ وہ مینو کو بڑی بے بسی سے دیکھ رہی تھی۔ ایل نے خود ہی کھانے کا آرڈر دے دیا۔

کھانے کے بعد وہ دونوں اپنے اپنے تجربات بیان کرتے رہے۔ پھر زافیا نے گھڑی دیکھی اور چپک گئی۔ ”صبح میری ڈیوٹی چھ بجے ہے..... اور اب گیارہ بج رہے ہیں۔“ اُس نے کہا۔
”ہیل کو احساس ہی نہیں ہوا کہ چار گھنٹے گزر چکے ہیں۔ اس کا بس چلتا تو رات بھر زافیا سے باتیں کرتا رہتا۔“ پھر ملوگی؟“ اس نے پوچھا۔

”اگر تمہارا جی چاہے تو ضرور ملو۔“

ہوٹل کے عقبی سمت وہ سرونٹ کو ارٹرز کے دروازے پر رُکے۔ ”میں یہاں سے جاؤں گی۔“ زافیا نے کہا۔ ”اسٹنٹ منیجر بننے کے بعد تمہیں اندر آنے کی اجازت ہوگی۔“
”تم مجھے ہیل کہہ کر نہیں پکار سکتیں؟“

”ہیل..... لیکن تمہارا نام تو لاڈلیک ہے۔“

”ہے نہیں تھا کہو۔ اب میں ہیل روئسکی ہوں۔“

”عجیب نام ہے..... لیکن تمہارے لیے موزوں ہے۔“ زافیا نے کہا۔ ”کھانے کا شکریہ“
”شعب بخیر۔“

ہیل اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ بہت زیادہ تنہائی محسوس کر رہا تھا۔ اس رات وہ زافیا سے تعلق کو چھوڑا۔ اس نے آئندہ دو دن مسلسل ڈاننگ ہال میں کھانا کھایا تاکہ زافیا کی برائے نام ہی نصرت مل جائے۔ اس دوران وہ زافیا کے بوائے فرینڈ کو دیکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ لڑکا ہی تھا اور

”یہ ممکن نہیں ہے لاڈلیک۔ ہمیں گاؤں کے ساتھ مراسم بڑھانے کی اجازت نہیں میری ملازمت جاتی رہے گی۔“

”ننگن میں کالک نہیں ہوں۔ ہم پرانے دوست ہیں۔“

”تم نے وعدہ کیا تھا کہ نیو یارک میں قدم جماتے ہی شکاگو آؤ گے اور مجھ سے ملو گے اور جب تم شکاگو آئے تو تمہیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ میں یہاں رہتی ہوں۔“ زافیا نے شکوہ کیا۔
”میں شرمند ہوں زافیا۔ لیکن مجھے تلافی کا موقع تو دو۔ آج رات کا کھانا میرے رہے کھاؤ۔“ ہیل نے کہا۔ ”سات بجے بریکنگڈ میں ملو۔“

بریکنگڈ کا نام سن کر زافیا کا چہرہ تھمتھانے لگا۔ بریکنگڈ شکاگو کا سب سے مہنگا ریستورنٹ تھا۔ یہاں لاڈلیک یہ مناسب نہیں۔ 43 ویں سڑک کے ریستورنٹ میں ملو۔“
”ٹھیک ہے..... سات بجے شام۔“ ہیل نے کہا اور اٹھ گیا۔

ساج ریستورنٹ میں ہیل کو امریکہ میں گزارے ہوئے بدترین دن یاد آ گئے۔ وہ بیڑہ رہا اور زافیا کا انتظار کرتا رہا۔ زافیا میں منٹ کی تاخیر سے آئی۔ وہ زرد لباس میں بے حد حسین لگ رہی تھی۔ ”شام بخیر لاڈلیک۔“ اس نے پولش زبان میں کہا۔

”مجھے تمہاری آمد پر خوشی ہوئی۔“ ہیل نے انگریزی میں کہا۔ ”کیا پیو گی؟“
”کچھ نہیں۔“

وہ دونوں چند منٹ خاموش رہے..... پھر بولے تو ایک ہی وقت میں بولے۔

”میں بھول گیا تھا کہ تم کتنی حسین.....“ ہیل نے کہنا چاہا۔

”اور سناؤ۔ تم کیسے.....“ زافیا نے پرسش کی، پھر مسکرائی۔ اس مسکراہٹ میں شرمیلے پن کی جھلک تھی۔ ہیل کا جی چاہا کہ اسے چھو لے۔ اسے آٹھ سال پہلے والا تجربہ یاد تھا۔

”جارج کا کیا حال ہے؟“ زافیا نے پوچھا۔

”میں نے گزشتہ دو سال سے اسے نہیں دیکھا۔“ ہیل نے خود کو مجرم محسوس کرتے ہوئے

کہا۔ ”میں یہاں ہوٹل کے کاموں میں الجھا رہا اور پھر.....“

”میں جانتی ہوں کسی احمق نے ہوٹل کو آگ لگا دی۔“

”تم جانتی تھیں تو مجھ سے ملنے کیوں نہیں آئیں؟“

”میرا خیال تھا تم مجھے بھول چکے ہو گے لاڈلیک..... اور میرا خیال غلط نہیں تھا۔“

”تم نے مجھے کیسے پہچان لیا؟ میں کافی موٹا ہو گیا ہوں۔“

”تمہاری پہچان کے لیے تمہارا نفرتی ننگن کافی ہے۔“ زافیا نے بے حد سادگی سے کہا۔

اس کے چہرے پر ان گنت مہاسے تھے لیکن وہ اسٹونز کے تمام ویژز میں سب سے خوب رو تھا۔

اسٹیل بھٹے کے روز زافیا کو ڈنر پر لے جانا چاہتا تھا لیکن زافیا مصروف تھی۔ تاہم اتوار صبح وہ زافیا کے ساتھ چرچ گیا۔ وہ برسوں بعد چرچ گیا تھا۔ اس نے جس ڈھب سے زندگی گزار تھی، اس میں چرچ کی اہمیت کہاں رہتی تھی۔ تاہم فائدہ یہ ہوا کہ زافیا نے اسے اپنا ہاتھ تھامنے دیا۔ ”تم نے ملازمت کے بارے میں کچھ سوچا؟“ زافیا نے ہوٹل واپس آتے ہوئے پوچھا۔ ”کل صبح مجھے یقینی طور پر علم ہو جائے گا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔“

”مجھے خوشی ہوگی اسٹیل۔ میں جانتی ہوں کہ تم انتہائی اہل اسسٹنٹ منیجر ثابت ہو گے۔“

”آج رات کھانا میری کزن کے ساتھ کھاؤ۔ میں اتوار کی شام انہی کے گھر گزارتی ہوں۔“ اسٹیل نے دعوت قبول کر لی۔ زافیا کی کزن اور اس کا شوہر تو اسٹیل کو متاثر نہ کر سکے۔ البتہ اسٹیل نے انہیں بہت متاثر کیا وہ لوگ اسٹیل سے اس کے مستقبل کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ اسٹیل بہت محتاط انداز میں جواب دے رہا تھا۔

”کل لموگی مجھ سے؟“ اسٹیل نے واپس آتے ہوئے زافیا سے پوچھا۔

”اسٹیل مسکرا دیا۔ وہ اپنے کمرے میں آیا تو مسکرا رہا تھا۔ اسسٹنٹ منیجر اس نے زربل ڈھرایا اور ہنس دیا۔ وہ کرٹس فینکس سے کوئی اور ہی خبر سننے کو بے تاب ہو رہا تھا۔ اگلی صبح پانچ بجے اس کی آنکھ کھل گئی۔ نہادھو کروہ اخبار پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ ہوٹل کا ریسٹورنٹ سات بجے کھلتا تھا۔ اسٹیل ناشتے کے لیے پہنچا تو زافیا وہاں موجود نہیں تھی، البتہ اس کا بوائے فرینڈ موجود تھا۔ اسٹیل کے نزدیک یہ کوئی اچھا شگون نہیں تھا۔ ناشتے کے فوراً بعد وہ اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ اس کے آنے کے پانچ منٹ بعد زافیا بھی ڈیوٹی پر آ گئی۔

وہ بینک پہنچا تو معلوم ہوا کہ کرٹس مصروف ہے۔ کلرک نے اسے آدھے گھنٹے بعد آنے کو کہا۔ اسٹیل توثیل میں مبتلا ہو گیا۔ وہ نصف گھنٹہ اس کے لیے برسوں پر محیط ہو گیا۔ اس دوران وہ لائسل اسٹریٹ میں ڈکانوں کے شوکیس جھانکتا پھرا۔ وہ سوچتا رہا کہ کبھی وہ ایسے لمبوسات خرید سکے گا، جو شوکیسوں میں سجا کر رکھے جاتے ہیں! ان میں نسوانی لمبوسات بھی تھے۔ وہ تصور میں زافیا کو ان کپڑوں میں لمبوس دیکھتا رہا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ بینک واپس پہنچا۔ اس بار اُسے کرٹس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اس کی ہتھیلیاں پسینے سے ہیک رہی تھیں۔

”صبح بخیر مسٹر روٹسکی۔ تشریف رکھیے۔“ کرٹس نے کہا۔ پھر اس نے اپنی دراز سے فائل

کالی، جس پر بڑے بڑے حروف میں ”غنیہ“ تحریر تھا۔ ”مجھے امید ہے کہ یہ آپ کے لیے خوش خبری ہوگی۔“ اس نے کہا۔ ”ہماری پارٹنی جن شرائط پر رجسٹرڈ گروپ کے ہوٹل خریدنے پر آمادہ ہے، میں انہیں انتہائی معقول قراردادوں گا۔ ہمارا موکل مسٹر لاری کا قرض ادا کر کے آپ کے ساتھ اشتراک میں نئی کمپنی کی داغ بیل ڈالے گا۔ اس کمپنی میں ساٹھ فیصد حصص اس کے اور چالیس فیصد آپ کے ہوں گے۔ آپ کے چالیس فیصد حصص کی مالیت آٹھ لاکھ ڈالر ہوگی۔ یہ ایک اعتبار سے آپ پر قرض ہوگا نئی کمپنی کی طرف سے..... اس قرض کی مدت دس سال ہوگی اور اس پر آپ کو چار فیصد سالانہ سود ادا کرنا ہوگا۔ کمپنی کے منافع میں اپنے حصے میں سے آپ یہ قرض ادا کر سکیں گے۔ اگر آپ دس سال کے اندر یہ قرضہ اٹارنے میں کامیاب ہو گئے تو کمپنی آپ کو موقع دے گی کہ آپ تیس لاکھ ڈالر ادا کر کے باقی ساٹھ فیصد حصص بھی خرید لیں۔ اس صورت میں رجسٹرڈ گروپ پوری طرح آپ کی ملکیت ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ آپ کو گروپ کے صدر کی حیثیت سے تین ہزار ڈالر تنخواہ بھی ملے گی۔ آپ انتظار کے سلسلے میں خود مختار ہوں گے۔ آپ کو صرف اہم مالی معاملات میں مجھ سے مشورہ لینا ہوگا۔

میں اپنی رپورٹ براہ راست اپنے موکل کو پیش کروں گا۔ رجسٹرڈ گروپ کے نئے بورڈ میں میں اس موکل کی نمائندگی کروں گا کیونکہ وہ براہ راست اس میں ملوث نہیں ہونا چاہتا۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ کسی بھی قیمت پر اس کی شخصیت کو سامنے لانے اور اس کے متعلق جاننے کی کوشش نہیں کریں گے۔ آپ کو معاہدے کے بارے میں سوچنے کے لیے چودہ دن کی مہلت دی گئی ہے۔“

اسٹیل تنگ ہو کر رہ گیا۔

”پلیز..... مسٹر روٹسکی کچھ جواب تو دیں۔“

”مجھے چودہ دن کی مہلت کی ضرورت نہیں۔ مجھے یہ تمام شرائط منظور ہیں۔ میں ان کی نصیحت کو راز میں رکھنے کی شرط کا بھی احترام کروں گا۔“ بالآخر اسٹیل نے کہا۔

”بہت خوب۔“ کرٹس مسکرایا۔ ”گروپ کے اکاؤنٹس کا نئی نینٹل ٹرسٹ میں رکھے جائیں گے۔ مین اکاؤنٹ اسی شاخ میں ہوگا۔ ڈائریکٹر کی حیثیت سے مجھے ایک ہزار ڈالر سالانہ ملیں گے۔“

”مجھے خوشی ہوگی۔“

”میں لاکھ ڈالر کی ادائیگی کے علاوہ میرے موکل نے ڈھائی لاکھ ڈالر گروپ کے اکاؤنٹ میں جمع کرادیے ہیں تاکہ آئندہ چند ماہ تک ہوٹلوں کا کام چلتا رہے۔ یہ بھی قرض ہے۔ اگر برآمدہ کافی ہے تو آپ مجھے بتادیں۔ میں اپنے موکل سے اس سلسلے میں بات کر سکتا ہوں۔“

”ڈھائی لاکھ ڈالر کی رقم بہت کافی ہے۔“

”کرٹس نے دراز کھولی اور ایک کیوبین سگار نکالا۔“ آپ سگار پیتے ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

چند روز بعد ماتھیو بینک کے شعبہ سرمایہ کاری کے منیجر کی حیثیت سے بوشن آ پہنچا۔ اس کی آمد سے ولیم پر کام کا بوجھ آوارہ ہوا گیا۔ وہ دونوں بیشتر وقت ایک دوسرے کے ساتھ گزارتے رہا تھیں، کیٹ کے سلسلے میں ولیم کا رد عمل دیکھ کر حیران تھا۔

”میں اس عورت کو دیکھنے کے لیے بے تاب ہوں، جس نے ولیم کین جیسے سر بھرے کو بورڈ کی اس میٹنگ میں جاتی آنکھوں خواب دیکھنے پر مجبور کر دیا جس میں یہ فیصلہ ہوتا تھا کہ مزید سونا خریدا جائے یا نہیں۔“ اس نے کہا۔

”انتظار کرو۔ تم خود ہی دیکھ لو گے اور مجھ سے اتفاق کرو گے کہ وہ سونے سے کہیں بہتر سرمایہ کاری ہے۔“ ولیم نے جواب دیا۔

”مجھے ویسے ہی تم پر یقین ہے۔ لیکن کم از کم میں یہ اطلاع اپنی بہن سوزن کو پہنچانا پسند نہیں کروں گا۔ اس کے خیال میں، دنیا میں تمہارے سوا کوئی مرد ہی نہیں ہے۔“

ولیم ہنس دیا۔ اس نے کبھی اس سلسلے میں سنجیدگی سے سوچا ہی نہیں تھا۔ کیٹ کی طرف سے آنے والے خطوط کا بڈل دن بدن موٹا ہوتا جا رہا تھا۔ ولیم تقریباً ہر روز ان خطوط کو پڑھتا۔ اسے بیشتر خطوط یاد ہو چکے تھے۔ بالآخر وہ خط بھی آ گیا، جس کا وہ بے چینی سے منظر تھا۔ کیٹ نے محبت بھرے خط میں اسے اپنے بوشن آنے کی اطلاع دی تھی۔

اس رات ولیم نے فیصلہ کیا کہ وہ خود جلد بازی سے کام لے گا اور نہ کیٹ کو مجبور کرے گا۔ وہ سوچتا رہا کہ کیٹ کے حشرات میں شوہر سے محرومی کو نہ جانے کتنا دخل رہا ہوگا۔ ایسے میں ضرورت پر محبت کا گمان ہونے لگتا ہے۔ اور اسے کیٹ سے صرف محبت..... خالص محبت کی طلب تھی۔ یہی بات اس نے ماتھیو کو بھی بتا دی۔

”زیادہ افلاطون بننے کی ضرورت نہیں۔“ ماتھیو نے اُسے ڈانٹا۔ ”تم گرفتار محبت ہو..... یہ تسلیم کر لیتا ہی بہتر رہے گا۔“

لیکن ولیم نے اسٹیشن پر کیٹ کو دیکھا تو اپنی ہر احتیاط بھول گیا۔ اسے دیکھتے ہی کیٹ کا چہرہ خوشی سے دکنے لگا تھا۔ وہ مسافروں کو دھکیلتا ہوا کیٹ کی طرف بڑھا اور اس نے بڑی محبت سے کیٹ کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ ”خوش آمدید کیٹ۔ گھر واپسی مبارک ہو۔“ اس کی آواز فرط مسرت سے لرز رہی تھی۔

کیٹ نے نرمی سے اپنے ہاتھ چھڑا لیے۔ ولیم ششدر رہ گیا۔ ”ولیم..... میرے والدین سے ملو۔“

اس رات ولیم نے کیٹ کے گھر کھانا کھایا۔ اس کے بعد وہ ہر روز کیٹ سے ملتا رہا۔

”جی ہاں۔“ اسٹیل نے جواب دیا۔ حالانکہ اس نے زندگی میں کبھی سگا نہیں پیا تھا۔ اسٹیونز واپس آتے ہوئے وہ بے تحاشہ کھانسا رہا۔ ہوٹل پہنچتے ہی اس کی ڈیوڈ مارٹن سے ملاقات ہوئی۔

”مسٹر روئسکی..... آج تو تم بہت خوش نظر آ رہے ہو؟“

”جی ہاں..... لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی پیشکش قبول نہیں کر سکوں گا۔“

”کوئی بات نہیں۔ میں بھی خوش ہوں مسٹر روئسکی..... لیکن تمہاری کامیابی پر مجھے جڑ نہیں ہوئی۔“

”شکریہ جناب..... آپ کی ہر مہربانی کا شکریہ“ اسٹیل نے اپنے ولی جذبات لفظوں میں سموتے ہوئے کہا۔

ڈیوڈ مارٹن کو وہیں چھوڑ کر اسٹیل ڈائنگ ہال کی طرف گیا۔ وہ زافیا سے ملنا چاہتا تھا لیکن زافیا چھٹی کر چکی تھی۔ اسٹیل نے اپنے کمرے میں پہنچ کر سگا رسلگایا اور ولیم کین کو فون کیا۔

”مسٹر کین..... میں رحمنڈ گروپ پر اپنا مالکانہ حقوق کا تحفظ برقرار رکھنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ کانٹی نیٹل ٹرسٹ کے مسٹر کرش فینٹن اس سلسلے میں عنقریب آپ سے رابطہ قائم کریں گے۔ لہذا اب ہوٹلوں کو نیلام کرنے کی ضرورت نہیں۔“

فون پر چند لمحے خاموشی رہی۔ اسٹیل خوش تھا کہ اس نے کین کو پہلا ڈنٹی جھٹکا دے دیا ہے۔ ”یہ اطلاع دینے کا شکریہ مسٹر روئسکی۔“ بالآخر ولیم کین نے جواب دیا۔ ”مجھے خوشی ہے کہ کسی نے آپ کی صلاحیتوں پر اعتماد کیا۔ میں آپ کی کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔“

”میں جواباً آپ کی کامیابی کی خواہش نہیں کر سکتا مسٹر کین۔“ اسٹیل نے کہا اور رابطہ منقطع کر دیا۔ پھر وہ بستر پر لیٹ کر مستقبل کے بارے میں سوچتا رہا۔ ایک دن آئے گا، اس نے تصور کیا ولیم کین کو مخاطب کیا کہ میں تمہارا بینک خرید لوں گا تب تم بھی کسی ہوٹل کی بارہویں منزل کے کمرے سے چھلانگ لگا کر خودکشی کی خواہش کرو گے۔“

پھر اس نے ریسور انٹھایا اور انشورنس کمپنی کے ہنری بورن کا نمبر ملانے لگا۔

ولیم نے فون ہک پر لٹکا دیا۔ اُسے اسٹیل کے رویے پر غصہ نہیں آیا..... بلکہ اس نے لفٹ محسوس کیا۔ اسے اب بھی افسوس تھا کہ وہ بینک کے ڈائریکٹرز کو اسٹیل روئسکی کی اہلیت کے سلسلے میں قائل نہیں کر سکا تھا۔ بہر حال اس نے مالیاتی کمیٹی کو تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کیا اور ہلکا انداز میں دھمکا دیا۔

اور آٹھ بن کر رہ گیا تھا، اسے آگاہ کیا کہ مقابلہ سخت رہے گا۔ ولیم اور ٹونی سائمن تقریباً برابر ووٹ حاصل کریں گے۔ بورڈ کے اراکین میں ایسے لوگ بھی ہیں، جن کے خیال میں ولیم ابھی اس عہدے کے لحاظ سے بہت کم عمر ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں، جو 1929ء کے نقصانات کا ذمے دار ٹونی سائمن کو قرار دیتے ہیں۔ ماتھیو نے بتایا کہ بورڈ کے جن اراکین کو ولیم کے ساتھ کام کرنے کا موقع نہیں ملا ہے، اُن کے نزدیک عمر کا فرق زیادہ اہم ہے۔ وہ کہتے ہیں..... ولیم کین کا دور ابھی نہیں آیا ہے۔

”لیکن ولیم، تمہاری پوزیشن بہت مستحکم ہے۔“ ماتھیو نے ایک روز ولیم سے کہا۔ ”تم پورے بورڈ کو معطل کر کے اپنی مرضی کے لوگ لاسکتے ہو۔ تمہیں چیز میں بننے سے کون روک سکتا ہے۔“

یہ بات ولیم بھی جانتا تھا لیکن وہ پہلے ہی اسی طریق کار کو مسترد کر چکا تھا۔ وہ صرف ذاتی اہلیت کی بنیاد پر عہدہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس کے باپ نے یہ عہدہ دھونس سے حاصل نہیں کیا تھا۔ دوسری طرف کیٹ بھی فیئر پلے کی قائل تھی۔

2 جنوری 1932ء کو ایلن لائڈ نے اپنی 65 ویں سالگرہ کے موقع پر ہونے والی بورڈ مینگ کا سرکلر جاری کیا۔ اس مینگ میں بورڈ کے اراکین کو ایلن لائڈ کی جگہ نیا چیئر مین منتخب کرنا تھا۔ جیسے جیسے مینگ کا دن قریب آتا گیا، ولیم کی توجہ کام کی طرف سے ہٹتی گئی۔ شعبہ سرمایہ کاری کا مارا بوجھ ماتھیو کے کندھوں پر آن پڑا تھا۔ لیکن ماتھیو کو ولیم سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ولیم کے لیے چیئر مین شپ کی کیا اہمیت ہے۔ وہ اُس کے آنجھانی باپ کا خواب تھا۔ ولیم کو ماتھیو کے تعاون کا احساس تھا۔ وہ اس وقت کا منتظر تھا، جب اسے بھی ماتھیو کی اسی طرح بے غرضانہ مدد کرنے کا موقع ملے گا وہ جانتا تھا کہ ماتھیو کو لیئٹرز بینک کی سربراہی حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ لیئٹرز، کین اینڈ کاہوت کے مقابلے میں کہیں بڑا بینک تھا۔ اُسے اندازہ بھی نہیں ہوا کہ ماتھیو کو اس کی بے غرض مدد کی کتنی شدید ضرورت پڑنے والی ہے۔

ایلن لائڈ کی 65 ویں سالگرہ کے موقع پر بورڈ کے تمام یعنی سترہ اراکین موجود تھے۔ ایلن لائڈ نے افتتاحی اور الوداعی تقریر کی۔ اس نے صرف چودہ منٹ لیے تھے لیکن ولیم کو وہ تقریر گھنٹوں پر محیط محسوس ہوئی۔ ٹونی سائمن اضطراب کے عالم میں اپنے سامنے رکھے پیڈ کو قلم سے تھپتھپاتا تھا۔ کبھی کبھی وہ نظر اٹھا کر ولیم کو بھی دیکھ لیتا۔ دونوں اُمیدواروں نے ایلن لائڈ کی تقریر کا ایک لفظ بھی نہیں سنا۔ بالآخر تالیوں کی گونج میں ایلن لائڈ بیٹھ گیا۔ چند لمحے بعد وہ دوبارہ کھڑا ہوا۔ ”اور اب آپ لوگوں کو میرا جانشین منتخب کرنا ہے، آپ کے سامنے دو اہل ترین امیدوار موجود ہیں۔ اور سیز

ماتھیو نے کیٹ کو دیکھا اور بہت پسند کیا۔ اس نے پیشکش کی کہ ایک کیٹ کے بدلے وہ لیئٹرز بینک ولیم کو دے سکتا ہے۔

ولیم ہنس دیا۔ ”تم جانتے ہو، میں نقصان کا سودا کبھی نہیں کرتا۔“ اس نے جواب دیا۔

”اچھا..... کم از کم یہ تو بتا دو کہ کیٹ جیسی لڑکی کہاں مل سکتی ہے؟“

”شعبہ قرضی میں..... اور کہاں ملے گی۔“

”ولیم جلد از جلد اُسے اپنا اثاثہ بنا لو..... ورنہ میں یہیں بیٹا لوں گا۔“



کساد بازاری کے سال 1929ء کے دوران کین اینڈ کاہوت کو ستر لاکھ ڈالر کا نقصان ہوا۔ چھوٹے بینک تو بیشتر دیوالیہ ہو گئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ 1930ء کے دوران ولیم پر کام کا دباؤ بہت بڑھ گیا۔ اب فرنٹنگن روز ویلٹ امریکہ کے صدر تھے۔ وہ اصلاحات کا دور تھا۔ معاشی بحالی کی رفتار خاصی سست تھی۔ ولیم کا رو باری پھیلاؤ کی منصوبہ بندی کرتا رہا۔

دوسری طرف ٹونی سائمن نے لندن برانچ کی کاپی لٹ دی۔ اس نے دو سال میں بینک کا معقول منافع دلوایا۔ اس کی کارکردگی ولیم کے مقابلے میں کہیں بہتر رہی..... حالانکہ ولیم ستر لاکھ ڈالر کھو کر رہا تھا۔

1932ء میں ایلن لائڈ نے ٹونی کو بوشن طلب کیا تاکہ وہ بورڈ کے سامنے لندن شاخ کی سرگرمیوں کی تفصیلی رپورٹ پیش کر سکے ٹونی سائمن نے آتے ہی اعلان کیا کہ پندرہ ماہ بعد وہ بینک کی چیئر مین شپ کا امیدوار ہوگا۔ ایلن لائڈ پندرہ ماہ بعد ریٹائر ہو رہا تھا۔ ولیم کو حیرت ہوئی۔ اس کے نزدیک سائمن کے چیئر مین بننے کے امکانات اسی وقت ختم ہو گئے تھے، جب اسے شعبہ سرمایہ کاری سے ہٹا کر لندن بھیجا گیا تھا۔ ولیم کے نزدیک یہ زیادتی تھی۔ برطانیہ کے بہتر حالات میں منافع کمایا سائمن کی اہلیت کا ثبوت ہرگز نہیں تھا، جبکہ امریکہ میں حالات بہت خراب تھے۔ ان حالات میں کاروبار جاری رکھنا ہی بہت بڑی کامیابی تھی۔

1933ء میں ٹونی سائمن پھر بوشن واپس آیا۔ تیسرے سال اس کی کارکردگی اور بہتر رہی۔ لندن شاخ نے دس لاکھ ڈالر سے زیادہ منافع کما کر ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔ ولیم اس دوران بھی کوئی قابل ذکر منافع نہیں دلا سکا۔ اب ولیم کے پاس صرف چند ماہ تھے اور اسے ان چند ماہ میں بورڈ کے اراکین پر اپنی اہلیت ثابت کرنا تھی تاکہ وہ اسے ٹونی سائمن پر ترجیح دیں۔

کیٹ گھنٹوں بیٹھ کر بڑی توجہ سے ولیم کے مسائل سنتی۔ وہ بھرے کرتی کبھی کبھار کوئی مشورہ دیتی اور کبھی ولیم کو ٹوکتی کہ وہ خواہ مخواہ معمولی سی بات کو ہوا بنا رہا ہے۔ ماتھیو نے جو اُن دنوں ولیم کے کان

”میرا خیال ہے، اس صورت حال میں دوبارہ ووٹنگ کرنا بہتر رہے گا۔“ ایلن لائڈ نے جبراً تہف کے بعد کہا۔ ”ممکن ہے، اس بار ووٹ نہ دینے والے دوا را کین بھی کسی نتیجے پر پہنچ جائیں۔“ دوبارہ پر چیاں تقسیم کی گئیں۔ اس بار ولیم کو نظریں اٹھانے کی بھی ہمت نہیں ہوئی۔ وہ سادھے بیٹھا تھا۔ پر چیاں ایلن لائڈ کو واپس کی گئیں۔ وہ ایک ایک کر کے پر چیاں کھولنے لگا۔ ہر بار وہ ہم پکارتا۔ ”ولیم کین، ٹونی سائمن، ٹونی سائمن، ٹونی سائمن۔“ ٹونی سائمن کے تین ووٹ۔ ولیم کین کا ایک ووٹ۔ ”ولیم کین، ٹونی سائمن، ٹونی سائمن۔“ چار تین ”ولیم کین، ولیم کین، ولیم کین۔“ چار۔ چھ۔ ٹونی سائمن، ٹونی سائمن، ولیم کین۔ اب ولیم کو ٹونی سائمن پر سات کے مقابلے میں چھ ووٹ کی سبقت حاصل تھی۔ ایلن لائڈ کے ہاتھ میں آخری پرچی تھی۔ پھر اس نے وہ پرچی کھولی۔ ”ٹونی سائمن۔“ اس نے اعلان کیا۔ ”دونوں امیدواروں کو سات ووٹ ملے ہیں۔“ ولیم جانتا تھا کہ اب ایلن کو فیصلہ کن ووٹ استعمال کرنا ہے۔ ایلن نے اب تک یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ کس امیدوار کے حق میں ہے لیکن ولیم کو بہت پہلے سے یقین ہو گیا تھا کہ اگر انتخاب اس مرحلے تک آ گیا تو ایلن ٹونی سائمن پر اسے ترجیح دے گا۔

”ووٹنگ دوبار برابر ہو چکی ہے۔ میرا خیال ہے بورڈ کا کوئی رکن اپنی رائے تبدیل کرنے کو تیار نہیں۔ اب مجھے فیصلہ کن ووٹ دینا ہے۔ مجھے فیصلہ کرنا ہے کہ کین اینڈ کا بوٹ کا نیا چیز مین کون ہوگا۔ یہ ہماری ذمے داری مجھے اٹھانی ہے۔ مجھے کین اینڈ کا بوٹ کی قیادت کے لیے مناسب ترین آدمی منتخب کرنا ہے۔“ ایلن لائڈ نے کچھ توقف کیا، پھر بولا۔ ”اور میرے نزدیک وہ شخص ٹونی سائمن ہے۔“

ولیم کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ دوسری طرف ٹونی سائمن بھی حیران تھا۔ پھر اس نے خود کو سنبھالا۔ وہ اٹھا۔ ایلن نے اس کے لیے کرسی خالی کر دی اور خود اس کی جگہ آ بیٹھا۔ ٹونی سائمن نے فیز مین کی حیثیت سے بینک کے بورڈ سے پہلا خطاب کیا۔ اس نے بورڈ کے اراکین کا شکریہ ادا کیا۔ اس نے ولیم کا بھی شکریہ ادا کیا، جس نے بینک کے حصص کے سلسلے میں اپنی مضبوط پوزیشن کا فائدہ نہ اٹھاتے ہوئے اسپورٹس مین شپ کا مظاہر کیا تھا۔ اس نے ولیم کو وائس چیز مین نامزد کیا۔ اور یہ تجویز پیش کی کہ ایلن لائڈ کی جگہ ماتھیو کو ڈائریکٹر بتا دیا جائے۔ دونوں تجاویز منظور کر لی گئیں۔ ولیم بیٹھا اپنے باپ کے پورٹریٹ کو تکتا رہا۔ اسے احساس تھا کہ اس نے اپنے باپ کی روح کو واپس کیا ہے۔

ایبل نے سگار الیش ٹرے میں سلتے ہوئے عہد کیا کہ جب تک وہ رجسٹرڈ گروپ کو قرض سے آزاد نہیں کرالیتا، سگار نہیں پیئے گا۔ وہ چھت کو گھورتے ہوئے آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دیتا رہا۔

ڈویژن کے ڈائریکٹر مسٹر ٹونی سائمن۔۔۔۔۔ اور شعبہ سرمایہ کاری کے ڈائریکٹر مسٹر ولیم کین، آپ دونوں سے خوب واقف ہیں۔ میں ان کی خوبیاں گنوانے کی بجائے ان دونوں خطاوں کو یاد دلاؤں گا۔“

پہلے ولیم اٹھا۔ یہ بات گزشتہ رات طے ہو چکی تھی، جب دونوں امیدواروں کے درمیان ٹاس ہوا تھا۔ اپنی بیس منٹ کی تقریر میں ولیم نے اس عزم کا اظہار کیا کہ اس کی قیادت میں بینک میدانوں میں قسمت آزمائی کرے گا، جنہیں اب تک نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس نے کھل کر کہا کہ بینک کو وسعت دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس نے امکان ظاہر کیا کرشل بینکنگ کے لیے ایک مشاور کمپنی بھی کھولی جاسکتی ہے۔ بورڈ کے معمر اراکین بے یقینی سے سر ہلا کر رہ گئے۔ ولیم نے کہا کہ نئے عزم اور نوجوان سرمایہ کار نئے چیلنج لے کر سامنے آ رہے ہیں۔ کین اینڈ کا بوٹ کو اس چیلنج پر پورا اتر ہوگا۔ اس نے خواہش ظاہر کی بیسویں صدی کے نصف آخر کے آغاز پر کین اینڈ کا بوٹ کو ایک ادارہ ہونا چاہیے۔

ٹونی سائمن نے اپنے مزاج کے عین مطابق روایتی نکتہ نظر پیش کیا۔ اس نے کہا کہ بینک کو آئندہ چند برسوں میں پہلے اپنی پوزیشن مستحکم کرنا چاہیے۔ محفوظ سرمایہ کاری کی وجہ سے کین اینڈ کا بوٹ کی ساکھ بنی ہے۔۔۔۔۔ اور اس ساکھ کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ اس نے کہا کہ 1929ء میں اس سبق مل چکا ہے اور وہ اس سبق کو کبھی نہیں بھولے گا۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا کہ اس کے نزدیک بات زیادہ اہم ہے کہ بیسویں صدی کا دوسرا نصف شروع ہو تو کین اینڈ کا بوٹ موجود ہو۔ اصل اہمیت بقاء کی ہے۔ اس کے لیے اور انداز میں بلا کا اعتماد تھا۔

ٹونی اپنی تقریر کے بعد بیٹھا تو یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ بورڈ کے اراکین کو کس نے زیادہ متاثر کیا۔ دیکھنا یہ تھا کہ بورڈ کے اراکین پیش قدمی کے حق میں ووٹ دیتے ہیں یا اپنی جگہ مضبوطی سے کھڑے رہنے کے حق میں۔۔۔۔۔

ایلن لائڈ نے بتایا کہ دونوں امیدوار اور وہ خود ووٹ نہیں دیں گے۔ چودہ ممبروں کی جگہ دیے گئے، جو انہوں نے بھر کر ایلن لائڈ کی طرف بڑھا دیے۔ ایلن لائڈ نے گنتی شروع کر دی۔ ولیم اپنے سامنے رکھے پیڑ پر نظر جمائے بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ پسینے سے بھیگ رہے تھے۔ ایلن نے گنتی مکمل کی تو کمرہ سرگوشیوں سے گونجنے لگا۔ چھ ووٹ ولیم کے حق میں تھے۔۔۔۔۔ چھ ٹونی سائمن کے حق میں۔۔۔۔۔ جبکہ دو بیٹل سادھے تھے۔ ولیم نے گہری سانس لی اور نظریں اٹھالیں۔ ماتھیو کا انداز درست ثابت ہوا تھا۔

سب سے پہلے اُسے اسٹاف کی طرف توجہ دینا تھی۔ ہوٹل کی کامیابی کے لیے اچھا اسٹاف ضروری تھا۔ وہ بیڈ سے اُترا اور چیکٹ پہن کر رجمنٹ کی انکسی میں چلا آیا۔ ہوٹل کا بیشتر اسٹاف غیر متعمد تھا۔ جن لوگوں کو ملازمت مل گئی تھی، وہ چلے گئے تھے۔ اس نے تمام قابل اعتبار ملازمین کو ملازمت دے دی۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے، جو شکا گورجمنٹ کی بجائے گروپ کے کسی اور ہوٹل میں کام کرنے کو تیار تھے۔ اس نے دو ٹوک لہجے میں انہیں بتا دیا کہ یہ بے روزگاری کا دور ہے۔ ان کی ملازمتیں صرف اسی صورت میں برقرار رہ سکیں گی کہ ہوٹل منافع میں چلے۔ اسے یقین تھا کہ گروپ کے باقی ہوٹلوں کو بھی بدعنوانی نقصان پہنچا رہی ہے۔ وہ یہ سب کچھ جلد از جلد تبدیل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے تین اسسٹنٹ منیجرز کو تین مختلف ہوٹلوں کا انچارج بنادیا۔ ایک کو ڈلاس میں، دوسرے کو سنٹاکی میں اور تیسرے کو سینٹ لوئیس کے ہوٹل کا انچارج بنادیا۔ باقی سات ہوٹلوں کے لیے نئے اسسٹنٹ منیجر رکھے۔ شکا گورجمنٹ کے ملازمین کو دوسرے ہوٹلوں میں کھانے میں تین ہفتے لگ گئے۔

اسٹیل نے اپنا ہیڈ کوارٹر شکا گورجمنٹ کی انکسی کو بنایا۔ اس نے گراؤنڈ فلوور پر ریسٹوران بنانے کا فیصلہ کیا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ شکا گو میں زافیا موجود تھی۔ اسٹیل کو یقین تھا کہ وہاں سے زہر رقیب کو راستے سے ہٹا سکتا ہے۔ زافیا ہی ایک ایسی عورت تھی، جو اس کے لیے جانی بچانی تھی، جس کے ساتھ وہ پر اعتماد انداز میں زندگی کا آغاز کر سکتا تھا۔ وہ اسٹاف بھرتی کرنے کے لیے نئے پارک جانے لگا تو زافیا سے وعدہ لینے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ اپنے مہارے زہر بوائے فرینڈ سے ٹھیک ملے گی۔

مہارے زہر بے شک رہے۔ اسٹیل نے خود سے کہا۔ لیکن زافیا کا بوائے فرینڈ نہ ہو۔



نیو یارک میں اسٹیل نے سب سے پہلے جارج کو تلاش کیا۔ جارج ان دنوں بے روزگار تھا۔ جارج، اسٹیل کی پیش کش پر خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے کہا کہ وہ ہر کام کرنے کے لیے تیار ہے۔ اسٹیل نے جارج کے علاوہ تین اور ملازم رکھے۔ ان میں ایک پیسٹری بنانے والا تھا اور دوسرا ڈش وائر۔ پھر وہ جارج کے ساتھ شکا گو چلا آیا۔ رجمنٹ کی انکسی اس کا مسکن تھی۔ اسٹیل اپنے نیو یارک کے دورے کے نتائج سے مطمئن تھا۔ مشرق میں ہوٹلوں نے اپنے ملازمین کی چھانٹی کی تھی جس کی وجہ سے تجربہ کار اسٹاف بے آسانی مل جاتا تھا۔

مارچ کے اوائل میں اسٹیل اور جارج نے گروپ کے دوسرے ہوٹلوں کا دورہ کیا۔ اسٹیل نے زافیا سے بھی چلنے کو کہا..... لیکن وہ شکا گو سے نکلنے کو تیار نہیں تھی۔ امریکہ میں صرف شکا گو ہی اس کے لیے ایک مانوس مقام تھا۔ تاہم اس نے وعدہ کیا کہ اسٹیل کے غیاب میں وہ رجمنٹ کی انکسی میں

اسٹیل کے کمرے میں رہے گی۔

اسٹیل کو یہ دیکھ کر ذرا حیرت نہ ہوئی کہ بیشتر ہوٹل اب بھی ابتر حال میں ہیں۔ بددیانتی کا سلسلہ اب بھی جاری تھا۔ تاہم بے روزگاری کے اس دور میں ہوٹلوں کے بیشتر اسٹاف کے لیے اسٹیل ایک نجات دہندہ کی حیثیت رکھتا تھا..... کہ وہ رجمنٹ گروپ کو بحال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسٹیل نے اس بار ملازموں کو فوری طور پر ٹکالنے سے گریز کیا لیکن جو لوگ اس کی سختی اور اس کی سادھ سے واقف تھے..... اس دوسرے دن بھی نہیں چاہتے تھے، خود ہی ملازمت چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر اسٹیل نے چارلوں کو بھی ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ اس نے ایک ہوٹل کے اسٹاف کو مختلف ہوٹلوں میں ڈانسر کر دیا۔ یوں پوزیشن خاصی مختلف ہو گئی۔ ایک سال کے اندر اندر یہ حال ہوا کہ اسٹاف پہلے کے مقابلے میں نصف تھا..... جبکہ کارکردگی پہلے سے بہتر۔ پہلے سال کے اختتام پر گروپ کے تمام ہوٹلوں پر مجموعی طور پر صرف ایک لاکھ ڈالر کا نقصان ہوا۔ اسٹیل کو یقین ہو گیا کہ وہ گروپ کو سنبھال لے گا۔

اسٹیل نے اندازہ لگایا کہ تیزی سے منافع حاصل کرنے کیلئے منیجرز کو منافع میں شریک کرنا ضروری ہے۔ ڈیوس لاری نے اس کے ساتھ بھی تو ایسا ہی کیا تھا۔ وہ ہوٹل پھرتا رہا۔ اس نے کسی ہوٹل میں تین ہفتے سے زیادہ قیام نہیں کیا۔ وہ ہمیشہ، ہر جگہ، بغیر بتائے پہنچتا تھا۔ صرف وقار دار جارج کو ظلم ہوتا تھا کہ اسٹیل کب، کہاں جانے والا ہے۔

گروپ کی مالی حالت کا اندازہ ہونے کے بعد اسٹیل کو مزید کچھ ناخوشگوار فیصلے کرنے پڑے۔ اس نے موبائل اور چارلسٹن کے ہوٹلوں کو وقتی طور پر بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ اُن دونوں ہوٹلوں میں اتنا زیادہ نقصان ہو رہا تھا کہ گروپ کو منافع حاصل ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ دوسرے ہوٹلوں کے ملازمین نے یہ رنگ دیکھا تو وہ اپنی ملازمت کی خاطر اور زیادہ محنت کرنے لگے۔

پھر ہنری بورن سے دوبارہ ملاقات ہو گئی۔ اس کی کمپنی نے اسٹیل کو ساڑھے سات لاکھ ڈالر ادا کیے۔ اسٹیل اور ڈیوس کے درمیان کوئی تعلق ثابت نہیں ہو سکا تھا۔ آگ ڈیوسٹ نے اسٹیل سے انتقام لینے کے لیے لگائی تھی لیکن اسے علم نہیں تھا کہ ہوٹل بیرہ شدہ ہے۔ کمپنن اوسٹی کی شہادت بھی اسٹیل کے بہت کام آئی تھی۔

اسٹیل کے خیال میں جو رقم انشورنس کمپنی والے دے رہے تھے، وہ مناسب تھی لیکن ہنری بورن نے اصرار کیا کہ وہ کمپنی والوں سے زیادہ رقم طلب کرے اور اس میں سے اُسے بھی حصہ دے۔ اسٹیل نے زندگی میں کبھی بددیانتی نہیں کی تھی۔ ہنری بورن کے بارے میں اس کا تاثر خراب ہو گیا۔ جو شخص اپنی کمپنی کو نقصان پہنچا سکتا ہے، وہ قابل اعتبار نہیں ہو سکتا۔

1932ء کا موسم بہار اسٹیل کے لیے ایک حیرت لے کر آیا۔ میلانی لاری نے اُسے خط

”میں زیادہ دیر نہیں رک سکوں گا۔“ اسیل نے کہا۔ ”کل بہت مصروف دن ہو گا میرے لیے۔“
 ”یہ تو مجھے کہنا چاہیے تھا۔ دیکھو اسیل..... جلدی جانے کا شور مت کرو۔“
 ”اس رات اسیل نے اپنے مسترد کیے جانے کا بدلہ لے لیا۔ صبح میلانی نے اس کے لیے
 ہاتھ چار کیا۔ اس کا انداز بیویوں کا سا تھا۔

”میں بیرن گروپ کی سرگرمیوں کو ذوق و شوق سے دیکھوں گی۔“ وقت رخصت میلانی
 نے کہا۔ ”مجھے تمہاری کامیابی کا یقین ہے۔“
 ”شکریہ..... ناشتے کا بھی..... اور میزبانی کا بھی۔“

”میری خواہش ہے کہ ہم ملتے رہیں۔“ میلانی نے کہا۔
 ”میری کوشش بھی یہی ہوگی۔“
 ”کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ تم کس قسم کی لڑکی سے شادی کرو گے۔“
 اسیل نے اُسے دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ ”یقین رکھو، جب بھی ایسا وقت آیا، میں
 تمہارے مشورے کو پیش نظر رکھوں گا۔“

”کون سا مشورہ؟“
 ”مجھے یاد ہے..... میں کسی اچھی سی، غریب سی پولش لڑکی سے شادی کروں گا۔“
 ”ایک ماہ بعد اسیل اور زافیا کی شادی ہوگئی۔ استقبالہ اسٹیونز میں دیا گیا۔ رقص اور
 ٹرڈات کا دور رات گئے تک چلتا رہا۔ اگلی صبح اسیل کو کرٹس فیئینن نے یہ خوشگوار اطلاع دی کہ
 متبادلے کا بل ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ ڈیوڈ مارٹن کی طرف سے شادی کا تحفہ ہے۔ اس رقم
 سے اسیل نے نئے مکان کی پہلی قسط ادا کی۔ وہ اس کی زندگی میں پہلا گھر تھا، جس کا وہ مالک تھا۔

فروری 1934ء میں ولیم نے ایک ماہ کی تعطیلات انگلینڈ میں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ وہ
 اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ بورڈ سے استعفا دینے کے بارے میں بھی سوچتا
 تھا لیکن ماتھیو نے اُسے یقین دلادیا کہ اگر اس کا باپ زندہ ہوتا تو ان حالات میں یہ قدم ہرگز نہ
 لے سکتا۔ ماتھیو کو اپنے دوست کی ناکامی کا اُس سے زیادہ دکھ تھا۔ اس ہفتے وہ دوبارہ دفتر دیر سے آیا.....
 اس کا نام کو بھی نامکمل چھوڑ گیا۔ ولیم نے دونوں بار اسے نظر انداز کر دیا۔ اس نے ماتھیو کو اپنے اور کیٹ
 کے ساتھ دفتر پر مدعو کیا لیکن ماتھیو نے کام زیادہ ہونے کی بنا پر معذرت کر لی۔ ولیم نے اس بات کو
 کوئی اہمیت نہ دی ہوتی..... لیکن اسے ماتھیو اسی رات رٹو میں ایک دلکش عورت کے ساتھ ڈنر کرتا نظر

لکھا تھا۔ خط کا لہجہ میلانی کے اُس لہجے سے بالکل مختلف تھا، جس سے اسیل آشنا تھا۔ اسیل کو
 ہوئی تاہم اس نے میلانی کو ٹون کر کے اس سے ڈنر کا وقت ملنے کر لیا۔ مذاقات اسٹیونز میں
 تھی۔ اس پر بعد میں اسیل کو افسوس بھی ہوا کیونکہ جب وہ میلانی کے ساتھ اسٹیونز کے ڈائننگ
 میں داخل ہوا تو سب سے پہلے اس کی نظر تھکی ہاری زافیا پر پڑی۔ اس کے برعکس میلانی بے
 تازہ اور شگفتہ نظر آ رہی تھی۔

”اسیل..... تم سے دوبارہ مل کر خوشی ہوئی۔“ میلانی نے کہا۔ ”سب جانتے ہیں کہ تم
 رحمت گروپ کو دوبارہ زندہ کر دکھایا۔“
 ”بیرن گروپ کہو۔“ اسیل نے کہا۔

میلانی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ”اوہ..... مجھے علم نہیں تھا کہ تم نے نام بدل دیا ہے۔“
 ”ہاں..... گزشتہ سال نام بدلا تھا۔“ اسیل نے جھوٹ بولا۔ یہ خیال تو اُسے اسی
 تھا کہ گروپ کا نام بیرن رکھا جائے۔ میلانی ہی نے تو اُسے بتایا تھا کہ ہوٹل کا اسٹاف اسے بیرن کہتا
 اس کا مذاق اڑاتا ہے۔ اب وہ اس مذاق کو حقیقت کا روپ دے سکتا تھا۔ اسے تو اس بات پر حیرت
 تھی کہ اسے یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا۔

”بہت مناسب نام ہے۔“ میلانی نے کہا۔
 ”زافیا نے جس انداز میں میلانی کے سامنے ڈش رکھی، وہ اسیل کو بہت کچھ سمجھانے
 لیے کافی تھا۔ سوپ میز پر چلک گیا تھا۔ میلانی کے کپڑے بس بچ ہی گئے۔
 ”آج کل تم کیا کر رہی ہو؟“ اسیل نے میلانی سے پوچھا۔
 ”فی الحال تو کچھ نہیں کر رہی ہوں۔ لیکن کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔“
 ”اگر تم بیرن گروپ کے لیے کام کرنا چاہو.....“ اسیل سے بیرن گروپ کی ادائیگی
 بطور خاص زور دیا۔ ”..... تو مجھے بتا دینا۔“

”نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں۔“ میلانی نے جلدی سے کہا۔
 میلانی نے گفتگو کا رخ موسیقی اور تھیٹر کی طرف موڑ دیا۔ اس نے گفتگو کرنا اسیل کے
 ایک خوشگوار تجربہ بھی تھا اور چیلنج بھی۔ وہ اسیل پر چوٹ بھی کرتی تھی تو ذہانت کے ساتھ.....
 موجودگی میں اسیل جتنا اعتماد محسوس کر رہا تھا کہ وہ بھی اس کے لیے پہلا تجربہ تھا۔ ڈنر سے
 ہوتے ہوتے گیارہ بج گئے۔ اس وقت تک زافیا بھی جا چکی تھی۔ جاتے ہوئے اسیل نے
 دیکھا۔ اُس کی آنکھیں سرخ اور متورم ہو رہی تھیں، جیسے وہ روتی رہی ہو۔
 اسیل، میلانی کو چھوڑنے اس کے قلیٹ تک گیا۔ اس بار میلانی نے اُسے ڈرک کے

آگیا۔ طرہ یہ کہ ولیم نے عورت کو پہچان لیا۔ وہ کین اینڈ کا بوٹ کے ایک شجر کی بیوی تھی۔ کین نے صرف اتنا کہا کہ: تیرے کی صحت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔

ولیم سفر کی تیاریوں میں اس قدر مصروف تھا کہ اسے اپنے دوست کے بدلے ہوئے روپے کا احساس ہی نہیں ہو سکا۔ پھر آخری لمحے میں ولیم نے کیٹ کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دے ڈالی۔ اسے حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی کہ کیٹ نے اس کی دعوت قبول کر لی۔

بحری جہاز پر اُن دونوں نے علیحدہ کیمپوں میں سفر کیا۔ لندن پہنچ کر انہوں نے رزیم کمرے لیے۔ نہ صرف اُن کے کمرے علیحدہ تھے بلکہ وہ مختلف منزلوں پر تھے۔ اگلے روز ولیم نے کین اینڈ کا بوٹ کی لندن شاخ کا معائنہ کیا۔ اس کے لیے کام سے دور رہنا بھی ممکن نہیں تھا۔ وہاں پہنچ کر ثابت ہوا کہ ٹوٹی سائنس وہاں کی پسندیدہ شخصیت ہے۔ بینک کے معاملات بھی بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔ ولیم اور کیٹ نے لندن، ہمشائر اور لنکا شائر میں دو ہفتے گزارے۔ چند ماہ پہلے ولیم نے لنکا شائر میں بارہ ہزار ایکڑ زمین خریدی تھی۔ ان دونوں نے وہاں بھی وقت گزارا۔ ”زری زمین بہت زیادہ منفعہ بخش نہیں ہوتی..... لیکن حالات کتنے ہی خراب ہوں، وہ اپنی جگہ موجود رہتی ہے، زمین کہیں خرچ نہیں ہوتی۔“ ولیم نے کیٹ کو بتایا۔

امریکہ واپسی سے چند روز قبل کیٹ نے آکسفورڈ دیکھنے کی فرمائش کی۔ ولیم نے نئی موریں کار کرائے پر لی۔ وہ صبح ہی آکسفورڈ پہنچ گئے۔ دن بھر وہ مختلف کالجوں میں گھومتے پھرے۔ سہ پہر کے وقت انہوں نے واپسی کا سفر شروع کیا۔ پہلے پہنچ کر وہ دریائے ٹیمز کے کنارے واقع تیل ان میں چائے پینے کے لیے ڈکے۔ تیل ان سے نکلے تو گاڑی نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ خامی دیر کوشش کرنے کے بعد ولیم نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس وقت تک خاصی دیر ہو چکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے پہلے ہی میں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ تیل ان واپس پہنچے اور انہوں نے قیام کے لیے دو کمرے طلب کیے۔

”سوری سر۔“ ڈیک کلرک نے کہا۔ ”صرف ایک ڈبل روم مل سکتا ہے۔“
ولیم ایک لمحے کو ہچکچایا۔ پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ”ٹھیک ہے۔ کام چل جائے گا۔“
کیٹ کچھ حیران ہوئی لیکن خاموش رہی۔ کلرک نے مشکوک نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا۔
”مسٹر اینڈ مسز.....؟“

”مسٹر اینڈ مسز ولیم کین۔“ ولیم نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ”اور سنو..... ہم ابھی کچھ
میں واپس آتے ہیں۔“

”آپ کا سامان کمرے میں پہنچا دوں جناب؟“ پورٹر نے پوچھا۔

”ہمارے پاس کوئی سامان نہیں۔“ ولیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں۔“ پورٹر کا لہجہ معنی خیز تھا۔

کیٹ قدرے پریشان تھی تاہم وہ ولیم کے پیچھے پیچھے چلتی رہی۔ ولیم چرچ کے سامنے
”ولیم..... ارادہ کیا ہے؟“ کیٹ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

”وہ کام کرنے کا ارادہ ہے، جواب سے بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔“

کیٹ خاموش ہو گئی۔ وہ دونوں چرچ میں داخل ہوئے۔ ”چرچ کے پادری کہاں ملیں
گے؟“ ولیم نے کلرک سے پوچھا۔

”جہاں وہ رہتے ہیں۔“ کلرک نے جواب دیا۔

”اور وہ کہاں رہتے ہیں؟“

”آپ امریکن ہیں..... ہیں نا جناب۔“

”ہاں..... میں امریکن ہوں۔“ ولیم کا ضبط جواب دینے لگا۔

”چرچ کے برابر والا دروازہ ان کا ہی ہے جناب۔“

ولیم نے اُسے پانچ پاؤنڈ کا نوٹ تھمایا اور کیٹ کے ساتھ باہر آگیا۔ باہر نکلتے ہوئے اُن
ناظر نوٹس بورڈ پر پڑی۔ وہ چرچ کے دکر سائنس کیمپری کی طرف سے اپیل تھی۔ چرچ کی چھت کے
لی پانچ سو پاؤنڈ درکار ہیں۔ امداد کیجئے، ولیم نے قدم بڑھائے اور چرچ کے برابر والے دروازے
پر دست دی۔ کیٹ اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

گلابی رخساروں والی ایک فربہ اندام خاتون نے دروازہ کھولا۔ اس کے ہونٹوں پر
گرہٹ تھی۔

”مسز کیمپری؟“ ولیم نے دریافت کیا۔

”جی ہاں۔“ خاتون کی مسکراہٹ اور کشادہ ہو گئی۔

”میں آپ کے شوہر سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”وہ چائے پی رہے ہیں اس وقت، کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ کچھ دیر بعد تشریف لائیں؟“

”جی نہیں۔ میرا کام بے حد ضروری ہے۔“

”تو اندر آجائیے۔“

وہ سولہویں صدی کی عمارت تھی۔ کمرہ آشدان کی وجہ سے گرم ہو رہا تھا۔ دکر طویل
نہت آدی تھا۔ وہ اس وقت ویفرز کھانے میں مشغول تھا۔ انہیں دیکھتے ہی وہ اُن کی پیشوائی کے

دوبندیں سادوں کی
نہیں ڈیر..... گزشتہ ہفتے کی ”برگ اینڈ بائی سل“ میں میں نے ایک پاؤنڈ 11 شلنگ 2
پیش کیے ہیں۔ تم وہ جمع کرنا بھول گئے ہو۔“

”ہاں..... وہ تو سب بیویوں ہی گیا تھا۔“ دکر نے کہا اور تاک بیویوں پر زور دے کر آتش دم
حساب لگانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کا منہ چھت کی طرف تھا، جیسے اس سلسلے میں خدا سے مدد
طلب کر رہا ہو۔

ولیم نے اپنا ہوا نکالا اور پانچ سو پاؤنڈ کا چیک لکھ کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔
”اوہ..... مجھے یاد آیا۔ مخصوص حالات میں یہ کام ممکن ہے۔“ حیرت زدہ دکر نے سنبھل کر
کہا۔ اس کا لہجہ بدل گیا تھا۔ ”آپ میں سے کسی کی پہلے شادی ہو چکی ہے؟“
”جی ہاں۔“ کیٹ نے جواب دیا۔ ”چار سال پہلے میرے شوہر کا ایک فضائی حادثے
میں انتقال ہو گیا تھا۔“

”افسوس..... مجھے افسوس ہے۔“
”شش ماہی ڈیر۔“ دکر نے اپنی بیوی کو روک دیا۔ وہ اپنی بیوی کے جذبات سے زیادہ
ہرچ کی چھت پر دلچسپی رکھتا تھا۔ ”اور آپ جناب؟“ اُس نے ولیم سے پوچھا۔
”میری اب تک شادی نہیں ہوئی۔“

”میں بشب کو ٹیلی فون کرتا ہوں۔“ دکر نے کہا اور پانچ سو پاؤنڈ کا چیک مٹھی میں بھیجنے
وائے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

مز کیمبری نے انہیں ویل فرز پیش کیے لیکن وہ دونوں تو ایک دوسرے کی آنکھوں میں
کونے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد دکر واپس آ گیا۔ ”یہ بات خلاف ضابطہ ہے، تاہم بشب ایک شرط پر
امامد ہو گئے ہیں۔“ دکر نے اعلان کیا۔ ”آپ کو کل صبح امریکی سفارت خانے کو آگاہ کرنا ہوگا
اور امریکہ پہنچنے ہی بوشن کے سینٹ پال کے بشب سے توثیق کرانا ہوگی۔“ اس کی مٹھی میں اب بھی
دکڑا کا دیا ہوا چیک دبا ہوا تھا۔ ”اب ہمیں صرف دو گواہوں کی ضرورت ہے۔“ ایک تو میری بیوی ہوگئی
اور دوسرا کل، اگر وہ موجود ہوا۔“

”کلرک یقیناً موجود ہوگا۔“ ولیم نے پراعتاد لہجے میں کہا۔

”آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں؟“

”میں نے اس پر بھی ایک فیصد سرمایہ کاری کی ہے جناب۔“ ولیم نے کہا۔

”ایک فیصد؟“ دکر کے لہجے میں حیرت تھی۔

”جی ہاں..... چرچ کی چھت کا ایک فیصد۔“

لیے اٹھا۔ ”شام بغیر مسٹر.....“

”کیٹن جناب..... ولیم کہیں۔“

”فرمائیے مسٹر کین، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“

”کیٹ اور میں.....“ ولیم نے کیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”شادی کی

چاہتے ہیں۔“

”بہت خوب۔ مجھے مسرت ہوئی۔“ مسز کیمبری نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ آپ اس چرچ کے ممبر ہیں؟ مجھے یاد نہیں آتا۔“

”نہیں جناب۔ میں امریکن ہوں۔ میرا تعلق بوشن کے سینٹ پال سے ہے۔“

”میرا خیال ہے، آپ میساچوس کے بوشن کی بات کر رہے ہیں..... یا لنگا شائر کے

بوشن کا تذکرہ ہے۔“

”جی..... جی ہاں۔“ ولیم کو خیال ہی نہیں رہا تھا کہ انگلینڈ میں ایک بوشن موجود ہے۔

”بہت خوب۔“ دکر نے دعائیہ انداز میں ہاتھ بلند کیے۔ ”اور شادی کی کیا تاریخ مقرر

ہے آپ نے؟“

”اسی وقت جناب۔“

”اسی وقت۔“ دکر بری طرح چونکا۔ ”امریکہ کی روایات کے بارے میں تو میں لالچ

تاہم اگر ایسی روایات ہیں تو میں آپ کو آگاہ کر دوں کہ یہاں..... پینلے تک ابھی وہ روایات

نہیں پہنچی ہیں۔ یہاں شادی کرنے کے لیے آپ کو کم از کم تیس دن یہاں قیام کرنا ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہو

ہو..... اور معاملہ ارجنٹ ہو، تب بھی مجھے بشب سے اجازت لینا ہوگی..... اور اس میں تین دن سے کم

نہیں لگیں گے۔“

”چرچ کی چھت کے اخراجات کے لیے آپ کو مزید کتنی رقم درکار ہے؟“ کیٹ نے ہلکا

بار زباز کھولی۔

”اوہ وہ..... بڑی اُداس کن کہانی ہے۔ اس کی تاریخ بیان کرنے کا موقع نہیں۔ تاہم:

سمجھ لیں کہ یہ گیارہویں صدی عیسوی.....“

”آپ کو اس سلسلے میں کتنی رقم درکار ہے؟“ ولیم نے مضبوطی سے کیٹ کا ہاتھ تھامے

ہوئے کہا۔

”ہمیں 500 پاؤنڈ کی ضرورت ہے۔ لیکن ہماری اپیل پر بے حد حوصلہ افزا رد عمل سامنے

آیا ہے۔ صرف سات ہفتے میں 27 پاؤنڈ 4 شلنگ 4 پینس کے عطیات جمع ہو چکے ہیں۔“

”نہیں ڈیڑ..... اس طرح تم اس بے چارے کا تصور ہی خراب کر دیتیں۔ وہ اپنی بیوی کو نہیں کرے گا کہ ہم دونوں شادی شدہ تھے۔ اب وہ پٹھارے لے لے کر ہماری آمد اور قیام کا تعین بیان کر سکے گا۔ شادی شدہ جوڑوں کے معاملے میں پٹھارا کہاں رہتا ہے۔“

لوچ انہوں نے رڑ میں کیا۔ ولیم نے کیٹ کا کمرہ کینسل کر لیا تو ڈیک فلیور حیران نظر آنے لگا۔ بعد میں وہ کہتے سنا گیا۔ ”بظاہر تو مسٹر کین بہت شریف آدمی نظر آتے ہیں۔ ان کے آنجنابی باپ نے بھی اس نامعقول اور غیر شریفانہ حرکت کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔“

انہوں نے امریکی سفارت خانے کو آگاہ کیا۔ وہاں انہیں نے ایک فارم دیا گیا اور ان سے ایک پاؤنڈ طلب کیا گیا۔ اس کے بعد انہیں ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔ شاید سفارت خانے کو چھت کے لیے امداد کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے بعد ولیم نے کیٹ کے لیے انگوٹھی خریدنا چاہی..... لیکن کیٹ شادی کی اصل اور قیمتی انگوٹھی سے دستبردار ہونے پر رضا مند نہیں تھی..... جو درحقیقت انگوٹھی نہیں پر دے لگانے کے لیے استعمال ہونے والا چھلکا تھا۔ پھر وہ دونوں امریکہ واپس آ گئے۔

ولیم کے لیے نئے چیز مین کے ساتھ کام کرنا دشوار ہو گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ ولیم کین اور ٹونی مائن بھی کسی معاملے میں ایک دوسرے سے متفق نہیں ہوں گے۔ پھر کیٹ نے اعلان کیا کہ وہ اُمید ہے کہ کیٹ کے والدین اور ولیم سب بہت خوش تھے۔ ولیم اپنی مصروفیات کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچھا اور ذمے دار شوہر ثابت ہو سکے، لیکن کام بہت زیادہ تھا۔ کیٹ ریڈ ہاؤس کی نرسری کی آرائش نوٹیں مصروف ہو گئی۔ زندگی میں پہلی بار ولیم کو احساس ہوا کہ وہ آج کا کام کل پر چھوڑنے اور گھر جانے کے لیے بے تاب بھی ہو سکتا ہے۔ تاہم اس صورت میں بھی وہ دفتر کا کام گھر لے جاتا تھا۔ یہ معمول اس کی موت تک برقرار رہا۔

بچے کی ولادت کرسمس کے موقع پر متوقع تھی۔ یہ گویا ڈہری خوشی تھی لیکن دوسری طرف ہائیو کے غیر ذمے دارانہ رویے کی وجہ سے اس پر کام کا بوجھ بڑھ گیا۔ ماتیو بہت زیادہ پینے لگا تھا۔ وہ اُنل تاخیر سے آتا اور اس کے پاس تاخیر کے سلسلے میں کوئی وضاحت بھی نہ ہوتی۔ آنے والے ہفتہ میں ولیم کو اندازہ ہو گیا کہ اب وہ اپنے جگری دوست کی قوت فیصلہ پر انحصار نہیں کر سکتا۔ ٹونڈ میں اس نے سوچا کہ یہ بھی ماتیو کے مزاج کی کوئی رُت ہے، جو گزر جائے گی، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ صورت حال بد سے بدتر ہو گئی۔ رہی سہی کسر نومبر کی اس صبح پوری ہو گئی، جب ماتیو دفتر دو گھنٹے تاخیر سے آیا۔ اس کا حال تباہ تھا۔ پھر اس نے وہ غلطی کی، جس کی اس سے اُمید نہیں تھی۔ اس نے بیک کے ایک موکل کے کچھ حصص غیر ضروری طور پر فروخت کر دیے۔ یوں موکل کو معمولی سا خسارہ ہوا۔ جبکہ حصص موجود رہنے کی صورت میں اسے بھاری منافع حاصل ہوتا۔ ولیم کو اندازہ ہو گیا کہ

دکر انہیں چرچ میں لے آیا، جہاں کلرک اُن کا منتظر تھا۔ دکر نے اسے حیرت سے دیکھا۔ پلکیں جھپکائیں۔ ”مسٹر کین آپ یقیناً راستہ بتانا جانتے ہیں۔“ دکر نے پرسٹائش لہجے میں کہا ”مسٹر اسپارک نے میرے لیے کبھی اتنی خزش شناسی کا ثبوت نہیں دیا۔“

سائنس کیٹری اپنی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ کلرک بڑی بے یقینی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

ولیم کیٹ کی طرف مڑا۔ ”مائی ڈیڑ..... ان حالات میں یہ سوال احتمالاً معلوم ہوتا ہے لیکن ضروری بھی ہے۔ کیا تم مجھ سے شادی کے لیے آمادہ ہو؟“

”میرے خدا۔“ دکر کی اوپر کی سانس اوپر نیچے کی نیچے رہ گئی۔ اپنی طویل زندگی میں اس کا سابقہ ایسی صورت حال سے کبھی نہیں پڑا تھا۔ ”تم نے اب تک لڑکی سے پوچھا ہی نہیں ہے۔“

پندرہ منٹ بعد دونوں چرچ سے باہر نکلے تو مسٹر اینڈرسن ولیم کین تھے۔ آخری لمحوں میں شادی کی انگوٹھی مسٹر کیٹری نے پیش کی تھی۔ معاملہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔ چرچ کو چھت میسر آنے کا سامان ہو گیا تھا۔

چرچ سے باہر آنے کے بعد دکر نے ولیم کو ایک کاغذ دیا۔ ”دو ہنگل چھ پنشن عینیت کرو دیجے۔“ اس نے کہا۔

”کس سلسلے میں؟“ ولیم نے پوچھا۔

”فہم آپ کی شادی کا شوقیت ہے۔“ دکر نے کاغذ کی طرف اشارہ کیا۔

”آپ تو ایک کامیاب بینکار ثابت ہو سکتے ہیں جناب۔“ ولیم نے کہا اور دکر کو دس ہنگل دے دیے۔

دونوں میاں بیوی بیل ان آئے۔ کھانے کے بعد انہوں نے اپنے کمرے کا رُخ کیا۔ جب وہ چوبی زینے عبور کر کے نظروں سے اوجھل ہو گئے تو ڈیک کلرک نے پورٹر کو آنکھ مارے ہوئے کہا۔ ”اگر یہ دونوں شادی شدہ ہیں تو میں یقیناً شاہِ برطانیہ ہوں۔“

اگلی صبح مسٹر اینڈرسن کین نے زوردار ناشتہ کیا۔ باہر اُن کی کار مرمت ہو رہی تھی۔ ناشتے کے دوران ولیم کو احساس ہوا کہ ڈائٹنگ ہال میں موجود ہر شخص اُن کی طرف متوجہ ہے۔ وہ سب عجیب سی نظروں سے انہیں دیکھتے رہے۔

”تم نے دیکھا ڈیڑ کہ صبح پورٹر تمہیں کس طرح دیکھ رہا تھا؟“ لندن واپسی کے سفر میں ولیم نے کیٹ سے پوچھا۔

”ہاں ڈیڑ..... میرا جی چاہا کہ اسے شادی کا شوقیت دکھا دوں۔“

اب نا خوشگوار گفتگو ناگزیر ہو گئی ہے۔ ماتھیو نے اپنی غلطی تسلیم کر لی اور دلی معذرت کی۔ ولیم اس ساتھ لچ پر جانے ہی والا تھا کہ اس کی سیکرٹری جھپٹتی ہوئی کمرے میں آئی۔ ”آپ کی بیوی جناب انٹیں اسپتال لے جایا گیا ہے۔“

”کیوں؟“ ولیم کے لہجے میں حیرت تھی۔

”بچے کی ولادت متوقع ہے جناب۔“

”لیکن..... لیکن ابھی تو وہ مرحلہ آنے میں چھ ہفتے باقی ہیں۔“

”میں جانتی ہوں جناب..... لیکن ڈاکٹر میکینزی پریشان معلوم ہو رہے تھے۔ انہوں نے آپ کو فوری طور پر اسپتال پہنچنے کو کہا ہے۔“

”ماتھیو اپنی غمار کی کیفیت سے نکل آیا۔ وہ ولیم کو اپنے ساتھ اسپتال لے گیا۔ اُن دوڑا کو وہ دن یاد آ گیا، جب ولیم کی ماں این اسی اسپتال میں موت کے مرحلے سے گزری تھی۔ وہ دوڑا سہم سے گئے۔“

”نہیں میرے خدا..... پلزز، کیٹ پر رحم کرنا۔“ ماتھیو بڑبڑایا۔

وہ دونوں سیدھے این کین میموریل میٹرنٹی ونگ کی طرف گئے، جس کا افتتاح کیٹ نے صرف چھ دن پہلے کیا تھا۔ نرس ڈیوری روم کے دروازے پر کھڑی تھی۔ ڈاکٹر میکینزی اندر معروف تھا۔ نرس نے بتایا کہ کیٹ کا کافی خون ضائع ہو چکا ہے۔ ولیم بے بسی کے عالم میں راہداری میں ٹھہرا رہا۔ وہ سب کچھ اس کے لیے جانا بچھا تھا۔ کچھ برس پہلے وہ اسی طرح ٹھہرتا رہا تھا اور اس کی ماں اس سے چھن گئی تھی۔ اس روز یادوں کے زخم پھر ہرے ہو گئے۔ حال کے خدشات اس کے لیے اضافی عذاب تھے۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ کیٹ کو کھونے کے مقابلے میں چیئر مین کا انتخاب ہارنا کس قدر بے حیثیت ہے۔ ماتھیو، ولیم کے ساتھ ساتھ تھا لیکن وہ خاموش تھا۔ کہنے کو تھا بھی کیا۔

بالآخر ڈاکٹر میکینزی باہر آیا۔ اس کی پیشانی پسینے سے تر تھی۔ اس نے باہر آتے ہوئے ہر جیکل ماسک اُتارا تو ولیم کو اس کے ہونٹوں پر موجود مسکراہٹ نظر آئی۔ مبارک ہو ولیم..... تم ایک بچے کے باپ بن گئے ہو۔..... اور کیٹ بخیریت ہے۔“

”خدا کا شکر ہے۔“ ولیم نے بے ساختہ کہا اور ماتھیو سے لپٹ گیا۔

”بے شک زندگی دینے اور لینے والا خدا ہے۔“ ڈاکٹر نے ہستے ہوئے کہا۔ ”لیکن شکر کا مستحق میں بھی ہوں۔“

”ولیم بھی ہنس دیا۔“ ”شکریہ ڈاکٹر..... میں کیٹ سے مل سکتا ہوں؟“

”فی الوقت تو ممکن نہیں..... میں نے دوا دے کر اُسے سلا دیا ہے۔ خون بہت ضائع ہوا“

213

میں کل صبح اس سے مل سکتے ہو۔ بہر حال..... اپنے بیٹے کو دیکھ لو۔ اس کی جسامت پر حیران نہ رہیں۔“

ڈاکٹر ان دونوں کو ایک کمرے میں لے گیا، جہاں ہنگموڈوں میں چھ عدد نومولود بچے نہ پاؤں چلا رہے تھے۔ ”وہ ہے تمہارا بیٹا۔“ ڈاکٹر نے اشارے سے بتایا۔

ولیم بچے کے بد صورت چہرے کو دیکھتا رہا۔ اس کے ذہن میں موجود انتہائی خوبصورت بچہ کا تصور آہستہ آہستہ مٹ رہا تھا۔

”میں اس ننھے شیطان کے بارے میں ایک بات ضرور کہوں گا۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”اپنی پائوں کے وقت تم اس سے زیادہ بد شکل تھے۔ اب دیکھ لو کہ تم خاصے خوب ہو۔“

ولیم طمانیت آمیز انداز میں ہنس دیا۔

”کیا نام رکھو گے اس کا؟“

”رچرڈ کین۔“

ڈاکٹر نے شفقانہ انداز میں ولیم کے کاندھے تھپتھپائے۔ ”شاید میں رچرڈ کین کے پہلے بچے کی ولادت کے موقع پر زندہ رہوں۔ مجھے خوشی ہوگی۔“

ولیم نے فوری طور پر سینٹ پال کو تار دیا، اور اس کے لیے 1943ء میں داخلہ منظور کرایا۔ اس روز دونوں دوستوں نے چھک کر پی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کیٹ سے ملنے قدرے تاخیر سے بچے کیٹ کے پاس جانے سے پہلے دونوں نے پھر بچے کا معائنہ کیا۔ ”خاصا بد صورت ہے،“

”مقول..... ذرا بھی تو اپنی خوبصورت ماں پر نہیں گیا۔“ ماتھیو نے کہا۔

”یہی میں بھی سوچ رہا تھا۔“

”البتہ تمہاری شاہت ہے، اس میں۔“ ماتھیو نے اُسے چھیڑا۔

ولیم کیٹ کے کمرے میں آیا، جہاں پھول ہی پھول تھے۔ ”تمہیں اپنا بیٹا پسند آیا؟“

”اب یہ بات جو بھی کہے گا، میں اس کا سر توڑ دوں گا۔“ ولیم نے بھنا کر کہا۔ ”میں نے

نہایت حلق پہلے کبھی نہیں دیکھی۔“

”ارے نہیں..... مجھے تو وہ بہت خوبصورت لگا۔“ کیٹ نے کہا۔

”ایسا چہرہ لے کر آیا ہے جسے صرف ماں ہی پیار کر سکتی ہے۔“ ولیم نے بڑی محبت سے

نہایتی کے ہاتھ تھام لیے۔ وہ خاصی کمزور لگ رہی تھی۔

”میں سوچتا ہوں، دادی کین زندہ ہوتیں تو شادی کے صرف آٹھ ماہ بعد نازل ہونے

دو بوندیں ساون کی

”ہرگز نہیں ولیم۔ تم جانتے ہو کہ میں خطرات مول لینا پسند نہیں کرتا۔ ہم اپنے موکلوں کی

وفات کو خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔“

”لیکن دوسرے بینک ہم سے آگے نکلے جا رہے ہیں۔ کیا ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے

نہاٹا دیکھتے رہیں گے؟“

”کس میدان میں آگے نکل رہے ہیں..... منافع کے معاملے میں، لیکن ساکھ اب بھی

ہمارے پاس ہے۔“

”مجھے بھی منافع میں دلچسپی ہے۔“ ولیم نے کہا۔ ”میرے نزدیک یہ بینک کی ذمہ داری

ہے کہ اکاؤنٹ ہولڈرز کو زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کر کے دے۔“

”لیکن میرے نزدیک اس بینک کی ساکھ زیادہ اہم ہے، جسے تمہارے دادا نے قائم کیا

اور باپ نے اُسے پروان چڑھایا تھا۔“

”لیکن ان دونوں نے بھی بینک کو وسعت دینے کا کوئی موقع ضائع نہیں کیا تھا۔“

”وہ اچھے دور کی بات ہے۔“ ٹونی نے مدافعتی انداز میں کہا۔ ”تم پریشان کیوں ہو۔

نہیں اپنے شعبے پر مکمل اختیار حاصل ہے۔“

”کیسا اختیار..... میں جب بھی آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم راستے میں آجاتے ہو۔“

”دیکھو ولیم..... ہمیں حقائق سامنے رکھنے چاہئیں۔ میں ایسا صرف اس لیے کرتا ہوں کہ

اب ماتیو کی قوت فیصلہ قابل انحصار نہیں رہی۔“

”ماتیو کو کیوں بچ میں لاتے ہو۔ تم صرف میرا راستہ روکتے ہو۔ شعبے کا سربراہ میں ہوں

نہ کہ ماتیو۔“

”کاش یہ ممکن ہوتا..... لیکن میں ماتیو کا تذکرہ کرنے پر مجبور ہوں۔ چیئر مین کی حیثیت

سے ہر شخص کے کام کی آخری ذمہ داری میری ہی ہے۔ اور ماتیو بینک کے اہم ترین شعبے میں

دھری اہم ترین پوزیشن کا مالک ہے۔“

”اس لحاظ سے وہ میری ذمہ داری ہے۔ کیونکہ میں اس شعبے کا سربراہ ہوں۔“

”نہیں ولیم..... اگر ماتیو دفتر گیا رہے بیچے آتا ہے..... اور نشے میں ڈھٹ آتا ہے تو معاملہ

تمہاری ذمہ داری کی حدود سے نکل جاتا ہے۔“

”غلط الزام نہ لگاؤ۔“

”یہ غلط نہیں ہے ولیم۔ یہ بینک گزشتہ ایک سال سے ماتیو لیسٹر کو بھگت رہا ہے۔ میں نے

اب تک تم سے اس سلسلے میں محض اس لیے گفتگو نہیں کی کہ وہ تمہارا عزیز ترین دوست ہے۔ سچ یہ ہے

والے اس جلد باز بچے کو دیکھ کر کہتیں..... بھئی میرے نزدیک شادی کے بعد سو سال سے کم عمر میں پیدا ہونے والا بچہ مشکوک ہوتا ہے..... لیکن نو ماہ سے پہلے پیدا ہونے والا بچہ تو بالکل ناقابلِ شک ہے.....“ ولیم نے کیٹ کو چھیڑا۔ پھر سنجیدہ ہو گیا۔ ”اور ہاں کیٹ..... یہ لوگ تمہیں اتنی جلدی اپن

لائے کہ..... تمہیں ایک بات بتانے کا موقع ہی نہیں ملا۔“

”وہ کیا بات ہے ڈیز؟“

”مجھے تم سے محبت ہے۔“

”زچہ وچہ مزید تین ہفتے اسپتال میں رہے۔ کمرس سے کچھ پہلے کیٹ کی موت ہو

گئی۔ اس دوران ننھا چرڈ تیزی سے ہاتھ پاؤں نکالتا رہا۔ اسے کون بتاتا کہ وہ کین ہے۔

کین ہر کام پلاننگ کے مطابق اور وقت پر کرتے ہیں۔ کین خاندان میں ولیم کو وہ پہلا مرد ہونے

اعزاز حاصل ہوا، جس نے اپنے بچے کے بھیکے ہوئے کپڑے بدلے ہوں یا بچے کی گاڑی دھکی،

کیٹ کو حیرت بھی ہوتی تھی اور فخر کا احساس بھی ہوتا تھا۔ ولیم نے ماتیو کو مشورہ دیا کہ اب اس

لیے بھی کسی اچھی سی لڑکی سے شادی کر کے گھر بسانے کا وقت آگیا ہے۔

”ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔“ ماتیو نے ہنسنے ہوئے کہا۔ ”تمہاری طرح میرے بار

سفید نہیں ہو رہے ہیں؟“

ولیم کو احساس ہی نہیں تھا کہ چیئر مین شپ کے حصول کی کوشش میں اس کے برابر

چاندی کے کچھ تاریخی نمودار ہو چکے ہیں۔



ولیم کو معلوم ہی نہیں ہوا کہ ٹونی سائمن سے اس کے تعلقات کشیدگی کی انتہا کو کب

کیسے پہنچے۔ ٹونی سائمن کیے بعد دیگرے ولیم کی پیش کردہ پالیسیوں کو ویٹو کرتا رہا۔ یہاں تک کہ

پھر استعفا دینے کے سلسلے میں غور کرنے لگا۔ ماتیو بھی مسائل میں اضافہ کر رہا تھا۔ وہ پھر سے

میں گم ہو گیا تھا۔ دفتر وہ ہر روز تاخیر سے آتا۔ اس کے حصے کا کام ولیم کر رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہ

آ رہا تھا کہ اس صورت حال میں کیسے اور کب تک کام کر سکتا ہے۔ ہر روز وہ ماتیو کے نام آتی ہو

دفتری ڈاک دیکھتا اور گھر جانے سے پہلے ان خطوط کے جوابات بھجواتا جن کا جواب دینا ضروری تھا۔

1936ء کے موسم بہار تک سرمایہ کاری کرنے والوں کا اعتماد بحال ہو چکا تھا۔ ولیم نے

کیا کہ یہ بینک کے اسٹاک مارکیٹ میں دلچسپی لینے کے لیے مناسب وقت ہے۔ لیکن ٹونی سائمن

حسب سابق اس پالیسی کو بھی ویٹو کر دیا۔ ولیم پاؤں پیٹتے ہوئے، ٹونی سائمن کے دفتر میں داخل ہوا۔

میں استعفا دے دوں تو تمہاری تسلی ہو جائے گی؟“ اس نے بے حد خراب لہجے میں ٹونی سے پوچھا۔

کہ اس کا استغفار میرے لیے خوش کن ہوگا۔ اگر وہ بڑا انسان ہوتا تو اب تک استغفار دے چکا ہوتا۔ اور اس کا دوست اسے یہ مشورہ دے چکا ہوتا۔“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ نہیں، تو میں بھی نہیں۔ تمہیں دو استغفار مل سکتے ہیں۔“

”تو پھر یہی سہی۔ مجھے تمہارے اسکول کے دوستوں کے مقابلے میں اپنے اکاؤنٹ ہولڈرز زیادہ عزیز ہیں۔“

”تم اپنے الفاظ پر چبھتاؤ گے سائمن۔“ ولیم نے برہم ہو کر کہا اور آندھی طوفان کی طرح چیخ مین کے کمرے سے نکل آیا۔ وہ اپنے کمرے میں واپس آیا تو شدید غصے میں تھا۔ ”مسٹر لیٹر کہاں ہیں؟“ اُس نے اپنی سکرٹری سے پوچھا۔

”وہ تو ابھی نہیں آئے ہیں جناب۔“

ولیم نے گھڑی دیکھی۔ ”آتے ہی اسے میرے پاس بھیج دینا۔“

ولیم اپنے کمرے میں شدید غصے کے عالم میں ٹہلتا اور بڑبڑاتا رہا۔ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ ٹونی سائمن نے ماتھیو کے بارے میں جو کچھ کہا تھا، درست تھا۔ وہ سوچتا رہا لیکن ماتھیو کے رویے کا کوئی سبب اس کی سمجھ میں نہیں آسکا۔

کچھ دیر بعد ماتھیو اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس وقت بھی اس کی حالت خراب تھی۔ اس کے چہرے پر پہلی سی چمک نہیں تھی۔ وہ اپنی عمر سے بڑا لگ رہا تھا۔ یہ وہ شخص تو نہیں تھا، جو اس کا گہرا دوست تھا۔ جسے وہ گزشتہ بیس برس سے جانتا تھا۔

”ماتھیو..... کہاں غائب تھے تم؟“

”میری آنکھ دیر سے کھلی۔“ ماتھیو نے جواب دیا۔ ”رات دیر سے سویا تھا۔“

”تمہارا مطلب ہے، تم نے بہت زیادہ پی لی تھی؟“

”نہیں، اتنی زیادہ بھی نہیں پی تھی۔ البتہ میری گرل فرینڈ نے مجھے دیر تک جگائے رکھا۔“

”بہت پیاری لڑکی ہے۔“

”اور ماتھیو..... یہ سلسلہ کب ختم ہوگا؟“ ولیم نے تنگی سے کہا۔

”چھوڑ دو ولیم..... تم سنبھلنے کا موقع تو دو۔“

”موقع دوں؟ صرف تمہاری وجہ سے ٹونی سائمن میرے سر پر سوار ہو گیا ہے۔ مشکل ہے کہ وہ غلط نہیں کہتا۔ تمہاری بلا نوشی..... اور پھر دوسری حرکتیں..... ماتھیو، تمہاری قوت فیصلہ متاثر ہو رہی ہے۔ کیوں ماتھیو..... آخر کیوں؟ کوئی وجہ تو ہوگی۔ اب سے ایک سال پہلے تم ایسے آدمی تھے، جس پر انحصار کیا جاسکتا تھا۔ ماتھیو، بات کیا ہے۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ میں ٹونی سائمن کو کیا جواب

”اے ہو، جہنم میں جائے اور اپنے کام سے کام رکے۔“

”ماتھیو..... یہ کاروبار ہے۔ خدا کے لیے عقل کی بات کرو۔ ہم بینک چلا رہے ہیں اور

بری سفارش پر تمہیں یہاں ڈائریکٹر کا عہدہ دیا گیا ہے۔“

”اور میں تمہارے معیار پر پورا نہیں اتر سکتا اب بولو، کیا کہتے ہو تم؟“

”میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں۔“

”تو اور اتنی دیر سے کیا کہہ رہے ہو؟“ ماتھیو آپے سے باہر ہو گیا۔

”خدا کے لیے..... خود کو سنبھالو۔ صرف چند جتنے جانفشانی سے کام کرلو۔ لوگ ہر پھیلنے

ات بھول جائیں گے۔“

”بس؟ تم اتنا ہی چاہتے ہو مجھ سے؟“ ماتھیو نے نرم لہجے میں پوچھا۔

”ہاں۔“

”ٹھیک ہے ماسٹر..... تمہارے حکم کی تعمیل ہوگی۔“ ماتھیو نے کہا، پھر اس نے فوجی انداز

لہا اڑایا، بجائیں اور مارچ کرتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

اس شام ولیم ایک موکل کی سرمایہ کاری کے سلسلے میں ماتھیو سے بات کرنا چاہتا تھا، لیکن

انجینائب تھا اور کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے۔ وہ لہج کرنے گیا تھا اور واپس نہیں آیا تھا۔ اس

ٹام نئے رچرڈ کو گود میں لینے کی خوشی بھی ماتھیو کے لیے ولیم کی پریشانی کو دور نہ کر سکی۔ ننھا رچرڈ اب

دن کے بعد نوک بولنے لگا تھا لیکن تھری پر گاڑی انک رہی تھی۔ ولیم اس سے تھری کہلانا چاہ رہا تھا

اور مسلسل ٹری..... ٹری کی فکر کر رہے جا رہا تھا۔

”رچرڈ..... تم تو تھری بھی نہیں کہہ سکے۔ تم بینکار کیسے بن سکتے ہو؟“ ولیم نے کہا۔

”ممکن ہے، یہ کوئی اور معقول کام کرے۔“ کیٹ نے کہا۔

”بینکنگ سے زیادہ معقول کام اور کون سا ہو سکتا ہے؟“

”ممکن ہے، یہ موسیقار بنے، بیس بال کا کھلاڑی بنے یا ممکن ہے، امریکہ کا صدر بن جائے۔“

”میں ان تینوں میں سے بیس بال کا کھلاڑی کو ترجیح دوں گا۔ صرف اسی کام میں معقول

ملتی ہے۔“ ولیم نے ننھے رچرڈ کو بستر پر لٹاتے ہوئے کہا۔

سونے سے پہلے ننھے رچرڈ کے آخری الفاظ تھے..... ”ٹری ڈیڈی۔“ ولیم نے ہتھیار ڈال

بلند شاید وہ اس کے لیے کوئی اچھا دن نہیں تھا۔

”تم بہت نڈھال نظر آتے ہو ڈیزر۔“ کیٹ نے کہا۔ ”یاد ہے..... آج ہمیں اینڈریو

”کیوں بھی..... کون سا رویہ؟“ ڈاکٹر چونک پڑا۔

”بہ منت اینڈ ریو۔ بات صرف مے نوشی تک محدود نہیں رہی ہے۔ اس کے ہاتھوں کوئی

خونڈ نہیں ہے۔“

”اس کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”یہ بات کیوں کہی آپ نے۔ اس رویے کو سراہا کیسے جاسکتا تھا؟“

”میں اس رویے کو سراہ نہیں رہا ہوں۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ جس صورت حال سے

وہ دوچار ہے، اس میں اگر میں ہوتا تو میں بھی کم از کم اتنا ہی غیر ذمے دار ضرور ہو جاتا۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ کیٹ نے پوچھا۔

”میرے خدا..... وہ تمہارا سب سے قریب دوست ہے اور اس نے تمہیں بھی کچھ نہیں بتایا۔“

”کیا نہیں بتایا؟“ وہ دونوں بیک آواز بولے۔

”ڈاکٹر بڑی بے یقینی سے انہیں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ”میرے ساتھ آؤ۔ اسٹڈی میں بیٹھ

کرات کریں گے۔“

”ولیم اور کیٹ ڈاکٹر کے پیچھے چل دیے۔

”ٹیمٹھو کیٹ۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”ولیم میرا خیال تھا کہ تم ماتیو کی بیماری سے باخبر ہو۔ اس

لے میں نے تمہیں کچھ نہیں بتایا ماتیو بہت بیمار ہے..... بلکہ وہ آہستہ آہستہ مر رہا ہے۔ وہ یہ بات جانتا

ہے..... اور اسے اس کا علم ہوئے ایک سال سے زیادہ ہو گیا ہے۔“

”ولیم کرسی پر گر گیا۔ کچھ دیر تک اُس سے کچھ بھی نہ بولا گیا۔ حیرت ہے..... اور اس نے

مجھے بے خبر رکھا۔“ بالآخر اُس نے کہا۔

”میرا خیال ہے، وہ اپنا بوجھ کسی پر بھی ڈالنا پسند نہیں کرتا۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”وہ خاموشی

سے مر جانا چاہتا ہے..... اس طرح کہ کسی کو اس کی اذیت کے بارے میں خبر تک نہ ہو سکے۔ میں نے

چوہا پہلے اس سے التجا کی تھی کہ وہ اپنے باپ کو بتا دے۔ میں شرمندہ ہوں کہ میں نے پیشہ ورانہ عہد

توڑ دیا..... لیکن میں تمہیں اس طرح اسے مجرم قرار دیتے نہیں دیکھ سکتا۔“

”شکریہ اینڈ ریو۔“ ولیم نے کہا۔ ”میں تو حیران ہوں کہ میں کتنا احمق اور بے بصیرت

ثبت ہوا ہوں۔“

”خود کو الزام نہ دو، تمہیں کیسے معلوم ہو سکتا تھا؟“

”تو ڈاکٹر..... کیا واقعی کوئی امید نہیں ہے اسے سپیشلسٹ کو دکھایا جاسکتا ہے۔ رقم کی

پورا.....“

میکنزی کے ہاں ڈرنک پارٹی میں جاتا ہے۔“

”اُوہ..... یہ تو میرے ذہن سے کبھی ہی گیا تھا۔ کس وقت پھٹا ہے؟“

”بس..... ایک گھنٹہ باقی ہے۔“

”میں نہالوں۔ آج کا دن بہت اعصاب شکن تھا۔“

”پھر وہی ٹوٹی سائن ہوگا۔“

”ہاں..... لیکن اس بار اس کی بات درست ہے۔ وہ ماتیو کی مے نوشی سے عاجز آ گیا۔

شکر ہے، اس نے عورتوں کے موضوع پر بات نہیں کی، ورنہ اور خفت ہوتی۔ ان دنوں ماتیو کو کی پارٹی

میں مدعو کرنے کے لیے ضروری ہے کہ شہر کی تمام لڑکیوں کو لاک اپ میں بند کر دیا جائے۔“

ولیم ہاتھ پ میں ہی سو گیا۔ کیٹ نے بشکل اسے نکالا۔ وہ پارٹی میں 25 منٹ پر

پہنچے۔ ماتیو پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ جس وقت کیٹ اور ولیم پہنچے، وہ کسی کا ٹکڑا مین کی بیوی کی طرز

متوجہ تھا..... ولیم مدخلت کرنا چاہتا تھا لیکن کیٹ نے اسے روک دیا۔

”کچھ مت کہنا اسے۔“ کیٹ نے سرگوشی کی۔

”تو خاموشی سے اس کی تباہی کا تماشا دیکھتا رہوں۔ وہ میرا عزیز ترین دوست ہے۔ مجھے

کچھ کرنا ہوگا۔“

لیکن پھر اُس نے کیٹ کا کہنا مان لیا۔ اس روز وہ بہت دھمی رہا۔ ماتیو بچے جا رہا تھا۔

اب مدہوش ہو چکا تھا۔ پارٹی میں ٹوٹی سائن بھی موجود تھا۔ وہ معنی خیز لگا ہوں سے ولیم کو دیکھ رہا تھا۔

پھر ماتیو کسی عورت کے ساتھ پارٹی سے رخصت ہوا تو ولیم نے سکون کی سانس لیا۔

”اور..... ننھا رچ ڈکیسا ہے؟“ ڈاکٹر میکنزی نے پوچھا۔

”اُس سے تھری نہیں کہا جاتا۔“ ولیم نے شکایت کی۔

”میرا خیال ہے، بہت مہذب لڑکا ثابت ہوگا۔“ ڈاکٹر نے ہنستے ہوئے کہا۔

”میرا بھی یہی خیال ہے۔ ولیم ممکن ہے، وہ ڈاکٹر بنے۔“

”ممکن ہے بہت سے ڈاکٹروں کو وہ بعد گنتی نہیں آتی۔“ ڈاکٹر بولا۔

”بل بھیجے وقت تو ساری گنتی یاد آ جاتی ہے۔“ ولیم نے تبصرہ کیا۔

ڈاکٹر ہنس دیا۔ ”اور ڈرنک لوٹا کیٹ۔“ اس نے کہا۔

”نہیں اینڈ ریو شکریہ۔ بس اب چلیں گے۔“ کیٹ نے کہا۔

”اینڈ ریو..... پارٹی کا شکریہ۔ ماتیو کے خراب رویے پر میں اس کی طرف سے معافی

خواستگار ہوں۔“

”دولت سے سب کچھ نہیں خریدا جاسکتا ولیم میں امریکہ کے تین بہترین ڈاکٹروں سے مشورہ کر چکا ہوں۔ اس کے علاوہ سوئیٹر لینڈ کے ایک ڈاکٹر سے بھی مشورہ کیا۔ یہ وہ سب کے سب میری تشخیص سے متفق ہیں۔ اس مرض کا اب تک کوئی علاج دریافت نہیں ہوا ہے۔“

وہ کتنا عرصہ زندہ رہ سکے گا؟“ کیٹ نے سرگوشی میں پوچھا۔

”زیادہ سے زیادہ چھ ماہ..... بلکہ تین ماہ۔“

”میرے خدا..... اور میں سمجھ رہا تھا کہ صرف میں پریشان ہوں۔“ ولیم نے کیٹ کا ہاتھ مضبوطی سے تھامتے ہوئے کہا۔ ”اچھا اینڈریو..... اب ہم چلیں گے۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں۔“

”اس کی جو مدد کر سکتے ہو، ضرور کرو۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”لیکن خدا کے لیے..... سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ جو کرتا ہے، اسے کرنے دو۔ یہ اس کی زندگی کے آخری دن ہیں اور ہاں..... اسے معلوم نہ ہو کہ تمہیں میں نے بتایا ہے۔“

ولیم گھر تک خاموشی سے ڈرائیو کرتا ہے۔ گھر پہنچتے ہی ولیم نے اس لڑکی کو فون کیا جس کے ساتھ اُس نے ماتھیو کو رخصت ہوتے دیکھا تھا۔ ”میں ماتھیو لیسٹر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے فون پر کہا۔

”وہ یہاں نہیں ہے۔“ لڑکی کے لہجے میں برہمی تھی۔ ”وہ مجھے ان اینڈ آؤٹ کلب لے جا رہا تھا۔ لیکن وہ نشے میں تھا۔ اس لیے میں نے اس سے جان چھڑائی۔“ لڑکی نے کہا اور رابطہ منقطع کر دیا۔

ولیم نے کلب کا نام سنا تھا لیکن اسے یہ یاد نہیں آ رہا تھا کہ یہ کلب کہاں واقع ہے۔ اس نے ڈائریکٹری میں کلب کا پتہ دیکھا اور کلب جا پہنچا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ چنٹی گرنے کی آواز سنائی دی، پھر کسی نے پوچھا۔ ”آپ ممبر ہیں؟“

”جی نہیں۔“ ولیم نے کہا اور گرل سے دس ڈالر کا نوٹ بڑھایا۔ اگلے ہی لمحے دروازہ کھل گیا۔ ولیم نے ڈانگ فلور پر قدم رکھا۔ اپنے لباس اور وضع قطع سے وہ وہاں غیر موزوں معلوم ہوا تھا۔ وہاں بے شمار جوڑے رقص کر رہے تھے۔ ولیم کی نگاہیں ماتھیو کو تلاش کرتی رہیں۔ ماتھیو تو نظر نہ آیا۔ البتہ ایک ایسی لڑکی ضرور نظر آگئی جسے وہ اس کے ساتھ کئی بار دیکھ چکا تھا۔ وہ ایک ملاح کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ ولیم اس کی طرف بڑھ گیا۔ ”ایکسیکوزی مس۔“ اس نے کہا۔

لڑکی نے نظریں اٹھا کے ولیم کو دیکھا، لیکن اُسے پہچان نہ سکی۔

”یہ خاتون میرے ساتھ ہے۔“ ملاح نے بے حد خراب لہجے میں کہا۔ ”لہذا یہاں سے

دفع ہو جاؤ۔“

”تم نے ماتھیو لیسٹر کو دیکھا ہے؟“ ولیم نے لڑکی سے پوچھا۔

”اتھیو؟ کون؟“ لڑکی نے حیرت سے کہا۔

”میں نے تمہیں کہا ہے، دفع ہو جاؤ۔“ ملاح اُٹھ کھڑا ہوا۔

”تمہارے منہ سے اب ایک لفظ بھی نکلا تو میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔“ ولیم غرایا۔

ملاح شاید اس نوعیت کا غصہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ اس لیے اُس نے بیٹھنے ہی میں

مانیت جانی۔

”ماتھیو کہاں ہے؟“

”میں کسی ماتھیو کو نہیں جانتی، ڈیئر۔“ اب لڑکی بھی خوفزدہ تھی۔

”اس کا قد چھ فٹ دو انچ ہے۔ بال سنہرے اور لباس مجھ جیسا ہی ہے، البتہ وہ مدہوش

ہوگا۔“

”اوہ..... تم مارٹن کا پوچھ رہے ہو۔ ڈیئر، وہ یہاں خود کو ماتھیو نہیں مارٹن کہلاتا ہے۔“

لڑکی نے سکون کا سانس لیا۔ ”اب مجھے یاد کرنے دو کہ آج وہ کس کے ساتھ گیا ہے۔“ پھر لڑکی نے بار

نڈر سے پوچھا۔ ”نیری..... مارٹن آج کس کے ساتھ گیا ہے۔“

”جینی کے ساتھ۔“ بارٹینڈر نے جواب دیا۔

”ہاں جینی..... اس کا مطلب ہے، وہ آتے ہی ہوں گے۔ جینی کبھی زیادہ دیر نہیں رکتی۔“

”شکریہ۔“ ولیم نے کہا۔ پھر وہ ایک دو گھنٹے تک انتظار کرتا رہا۔ بالآخر بارٹینڈر نے ایک

لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ جینی ہے۔“

”لیکن لڑکی تنہا تھی۔ ماتھیو اُس کے ساتھ نہیں تھا۔ بارٹینڈر نے اس لڑکی کو اشارے سے

بلايا۔ لڑکی ولیم کے پاس آکھڑی ہوئی۔

”تمہیں میری تلاش ہے ڈیئر؟“ لڑکی نے کہا۔

”مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ میں ماتھیو کی تلاش میں ہوں، جو تمہارے ساتھ تھا۔ میرا

مطلب ہے مارٹن.....“

”مارٹن تو نشے میں ڈھٹ تھا۔ پھر بھی اس نے مجھے دس ڈالر دے دیے۔ ہمیشہ ایسا ہی

کہتا ہے۔ بہت شریف آدمی ہے۔“

”اس وقت وہ کہاں ہے؟“ ولیم کے لہجے میں بے تابی تھی۔

”مجھے معلوم نہیں۔ بس اتنا جانتی ہوں کہ وہ ہیدل اپنے گھر کی طرف چل دیا تھا۔“

”ولیم وہاں سے نکل آیا۔ وہ اپنی کار بہت آہستہ چلا رہا تھا۔ رُخ ماتھیو کے قلیت کی طرف

اس کے جوئے اتارنے لگی۔

”اے لڑکی، یہاں قریب آ جاؤ۔ میں دس ڈالر پہلے ہی دے چکا ہوں۔“ ماتھیو نے کیٹ

کہا۔

”ابھی آتی ہوں ڈیئر..... تم آرام سے لیٹو۔“ کیٹ نے نرم لہجے میں کہا۔

”خوبصورت لڑکی..... تم اتنی اداس کیوں ہو؟“

”اس لیے اداس ہوں کہ تم سے محبت کرتی ہوں۔“ کیٹ کی آنکھیں بھر آئیں۔

”رونا مت..... رونے کی کوئی بات نہیں۔ دیکھ لیتا اس بار میں کامیاب ہو جاؤں گا۔“

”ولیم نے ماتھیو کو کبل اوڑھ لیا اور کیٹ نے لائٹ آف کر دی۔

کیٹ نے دروازہ بند کر دیا۔ ولیم، ماتھیو کے کمرے کے باہر کرسی پر ہی سو گیا۔ اسے

درد تھا کہ ماتھیو ہوش میں آنے کے بعد واپس چلا جائے گا۔ کیٹ نے ماتھیو کے کمرے میں ناشتہ

پہنانے سے پہلے اسے جگا دیا۔

”میں یہاں کیسے؟“ ماتھیو نے چھوٹے ہی پوچھا۔

”تم میکسنری کی پارٹی سے واپسی میں ہمارے ساتھ ہی آ گئے تھے۔“ کیٹ نے جواب دیا۔

”ناممکن..... میں ان اینڈ آؤٹ کلب گیا تھا۔ وہاں مجھے ایک لڑکی ملی تھی۔“ کیٹ..... میں نے

کچھ زیادہ ہی پی لی تھی۔ اب تک اثر ہے اس کا۔ میں ناشتہ نہیں کروں گا۔ مجھے نماز کا جوس مل سکتا ہے۔“

”ابھی لائی ماتھیو۔“

اسی وقت ولیم کمرے میں آ گیا۔ وہ دونوں چند لمبے ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے

رہے۔ ”تو تمہیں معلوم ہو گیا؟ یہی بات ہے نا؟“ بالآخر ماتھیو نے پوچھا۔

”ہاں ماتھیو۔ میں احمق تھا..... لیکن دوست، مجھے امید ہے کہ تم مجھے معاف کر دو گے۔“

”ولیم، رونا مت۔ میں نے تمہیں 12 سال کی عمر میں روتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس وقت

لاؤ کا کوئلن تمہیں مار رہا تھا..... اور میں نے اسے گھسیٹ کر ایک طرف کیا تھا کیا اس نے پھر تمہیں

تلا ہے۔ ولیم..... پلیز، رونا مت، مرد رویا نہیں کرتے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں اچھے سے اچھے

ڈاکٹر کو دکھا چکا ہوں۔ اب کچھ بھی ممکن نہیں۔ اگر تم اجازت دو تو آج دفتر سے چھٹی کر لوں۔ یہ بے

نقشہ بھی عذاب ہے۔ نشے کے بعد خمار کی ذلیل کیفیت سے گزرنا پڑتا ہے۔ اگر مجھے زیادہ دیر ہو

جائے تو جگا دیتا۔ اگر میں یو جھ محسوس ہونے لگوں تو مجھے بتا دینا۔ میں اپنے گھر چلا جاؤں گا۔“

”یہ تمہارا گھر ہے۔“ ولیم نے کہا۔

”ولیم..... تم پاپا کو بتا دو گے؟“ ماتھیو نے اچانک کہا۔ ”میں ان کا سامنا نہیں کر سکتا تم

تھا۔ وہ ہر راگمیر کو غور سے دیکھتا۔ پھر ایک شینیرہ ستوراں کے سامنے سے گزرتے ہوئے اُسے ماتھیو

کی جینٹل دیکھائی دی۔ ولیم نے کار پارک کی اور اندر جا کے ماتھیو کے برابر بیٹھ گیا۔ ماتھیو کا حال برا

تھا۔ وہ ولیم کو پہچان بھی نہ سکا۔

”ماتھیو، یہ میں ہوں۔“ ولیم نے کہا۔ اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

”ماتھیو نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ”رورہے ہو دوست کیا تمہاری محبوبہ کھو گئی ہے؟“

”نہیں..... میرا عزیز ترین دوست کھو گیا ہے۔“

”اوہ..... یہ نعمت تو آج کل بڑی مشکل سے ملتی ہے۔“

”ہاں..... میں جانتا ہوں۔“

”میرا دوست بھی بہت اچھا ہے۔ وہ ہر بھلے برے وقت میں میرے ساتھ رہا ہے، لیکن

آج اس سے میرا جھگڑا ہو گیا۔ قصور میرا ہی تھا۔ اسے میری وجہ سے شرمندہ ہونا پڑا۔“

”نہیں دوست..... ایسا نہیں ہے۔“

”تم کیا جانو۔“ ماتھیو براہم ہو گیا۔ ”تم تو اس قابل بھی نہیں ہو کہ وہ تم پر توجہ دے۔“

”چلو ماتھیو..... گھر چلیں۔“

”میرا نام مارٹن ہے۔“

”آئی ایم ساری مارٹن چلو، گھر چلیں۔“

”نہیں۔ میں یہیں ٹھہروں گا۔ میری پسندیدہ لڑکی آنے والی ہے۔ اب میں اس کے

استقبال کے لیے تیار ہوں۔“

”میرے گھر میں بہت پرانی اور اعلیٰ وحسکی موجود ہے۔ چلو نا..... مزہ آ جائے گا۔“

”جب تو ضرور چلو۔“

”ولیم، ماتھیو کو سہارا دے کر کار تک لے آیا۔ گھر پر کیٹ اُن کی منتظر تھی۔ ”تمہیں سوچنا

چاہیے تھا ڈارلنگ“ ولیم نے اُس سے کہا۔

”نیند نہیں آئی۔“

”ماتھیو تو مجھے بھی نہیں پہچان رہا۔ بالکل مدہوش ہے۔“

”اے..... کیا یہی وہ لڑکی ہے جس کا تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا؟“ ماتھیو نے جھوٹے

ہوئے پوچھا۔

”ہاں..... اب یہی تمہیں سنبھالے گی۔“

”ولیم اور کیٹ، ماتھیو کو گیٹ روم میں لے آئے۔ انہوں نے اسے بستر پر لٹا دیا۔

ولیم اس رات بوٹن واپس پہنچا۔ یہ دیکھ کر اسے خوشی ہوئی کہ ماتیو گھر پر ہی موجود تھا۔ وہ رات بھر میں بیٹھا گون وودی وڈ، پڑھ رہا تھا۔ ”پاپا کارڈ عمل کیا تھا؟“ اس نے ولیم کو دیکھتے ہی پوچھا۔
 ”وہ رو دیے تھے۔“ ولیم نے جواب دیا۔ اس کی آنکھوں میں چارلس لیسٹر کی صورت پھر گئی۔
 ”لیسٹر زینک کا چیئر مین اور آنسو..... شیئر ہولڈرز کو اس کا علم نہ ہو ولیم۔ میرے پاپا کی ایک ساکھ ہے۔“

آخری چند دنوں میں ماتیو نے سونے کی خوشی ترک کر دی اور کام میں جت گیا۔ وہ اپنا کام نہاتا، پھر ولیم کا بچا ہوا کام کرتا اور اُسے چھیڑتا کہ وہ کابل ہوتا جا رہا ہے۔ شام کے وقت وہ ٹینس کھیلنے یا کشتی رانی کرتے۔

”جس دن میں تم سے ہار گیا، اس دن خود کو مردہ سمجھ لوں گا۔“ وہ ولیم کو چھیڑتا۔ اس نے اسپتال میں داخل ہونے پر ریڈ ہاؤس میں قیام کو ترجیح دی تھی۔ کئی ہفتے ریک ریک کر گزر گئے۔ ولیم ہرج جگہ گیا..... اور سوچتا کہ ماتیو آج بھی زندہ ہوگا۔

بالآخر ایک جھڑپ کو ماتیو کا انتقال ہو گیا۔ وہ کون وودی وڈ، ختم نہیں کر سکا۔ چالیس ملے باقی رہ گئے تھے۔

تدفین نیو یارک میں ہوئی۔ ولیم اور کیٹ، چارلس لیسٹر کے گھر ٹھہرتے تھے۔ چارلس لیسٹر بالکل جھک کر رہ گیا تھا۔ تدفین کے روز اپنی بیوی کی قبر کے سر ہانے کھڑے ہو کر اُس نے ولیم کو بتایا کہ اب اُس کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں رہا ہے۔ ولیم خاموش رہا۔ وہ کسی بھی طرح اس مایوس آدمی کے غموں کا مداوا نہیں کر سکتا تھا۔ ولیم اور کیٹ اگلے روز بوٹن واپس آ گئے۔ ماتیو کے بغیر ریڈ ہاؤس ویران لگ رہا تھا۔ ماتیو کے ساتھ گزرے ہوئے وہ آخری چند ماہ ولیم کی زندگی کے خوشگوار ترین اور ناخوشگوار ترین دن تھے۔ ماتیو کی ممکنہ موت کے احساس نے ولیم کو چنی طور پر ماتیو اور کیٹ سے اور قریب کر دیا تھا۔ وہ کھونے کے خوف سے آشنا ہو گیا تھا۔

ماتیو کی موت کے بعد ولیم بینک لوٹا تو اُسے کام کرنا دو بھر ہو گیا۔ وہ بیٹھے بیٹھے اچانک اٹھتا اور کسی مشورے کے سلسلے میں ماتیو کے کمرے کا رخ کرتا..... لیکن وہاں کون تھا۔ اس کا ہنستا، ہلکا، چمکتا دوست اس کمرے سے ہی نہیں، دُنیا سے رخصت ہو گیا تھا کئی ہفتے بعد ولیم کے قدموں نے اُتارے کمرے کو خالی تسلیم کیا۔

ٹوٹی سائمن، ولیم کا ڈکھ سمجھتا تھا، لیکن اس سے صورت حال پر کوئی مثبت اثر نہیں پڑ سکتا۔ ولیم کو کام میں..... حد یہ ہے کہ کین اینڈ کا بوٹ تک میں دلچسپی نہیں رہی۔ اس کا خواب بکھر گیا۔

بھی تو اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ تم میرا مسئلہ سمجھ سکتے ہو۔“
 ”ہاں ماتیو..... میں کل ہی نیو یارک چلا جاؤں گا اور انہیں بتا دوں گا، لیکن ایک وعدہ کرو۔ تم یہاں ایں کیٹ کے ساتھ ٹھہرو گے۔ میں تمہیں اپنے سے نہیں روکوں گا۔ تم منے چاہو، یہاں آنا..... لیکن تم یہیں رہنا۔ وعدہ کرو ماتیو۔“
 ”مدتوں کے بعد تو ایک اچھی آفر ملی ہے ولیم۔ اچھا اب میں سونا چاہتا ہوں تمہیں محسوس ہو رہی ہے۔“

ولیم کو دیکھتے ہی دیکھتے ماتیو گھری نیند میں سو گیا۔ ولیم نے ٹماٹر کے جوس کا گلاس اس کے ہاتھ سے لیا اور اسے آرام سے لٹا دیا۔
 ”تم نہ مرنا ماتیو..... تمہیں زندہ رہنا ہے۔ تمہیں یاد نہیں دوست، ہمیں امریکہ کے سب سے بڑے بینک، کی داغ بیل ڈالنی ہے۔“ ولیم خود فراموشی کے عالم میں بڑبڑایا۔

اگلے روز ولیم نیو یارک گیا۔ اس نے چارلس لیسٹر کو صرف چند لمحوں میں بوڑھا ہونے دیکھا۔ اکلوتے بیٹے کی جان لیوا بیماری کی خبر نے اسے غمگین کر دیا۔

”میں شکر گزار ہوں ولیم کہ تم نے خود آ کر یہ خبر سنائی جب ماتیو نے مجھ سے ہانا نہ ملاقات کے لیے آنا ترک کیا تو مجھے احساس ہو گیا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ بہر حال میں ہر ویک اینڈ پر اُس سے ملنے آؤں گا۔ وہ یقیناً تمہارے اور کیٹ کے ساتھ رہنا چاہے گا۔ میری کوشش ہوگی کہ اپنا ڈکھ اس پر ظاہر نہ ہونے دوں۔ ولیم..... بیوی کی موت کے بعد میری زندگی کا محور ماتیو ہی ہے۔ میں نے سب کچھ اسی کے لیے کیا ہے۔ اب کیا ہوگا۔ سوزن کو تو بینک میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“

”آپ جب چاہیں، بوٹن تشریف لائیں جناب۔ ہمیں آپ کی مدد سے مسرت ہوگی۔“
 ”شکریہ ولیم۔ تم ماتیو کے لیے جو کچھ کر رہے ہو، خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔“ بوڑھے چارلس نے ولیم کو غور سے دیکھا۔ تمہارے والد زندہ ہوتے تو یہ دیکھ کر کتنے خوش ہوتے کہ ان کا بیٹا کین خاندان کے لیے کتنا بڑا اثاثہ ثابت ہو رہا ہے۔ کاش..... میں ماتیو سے زندگی بدل سکتا۔ اگر زندہ رہے تو.....“

”اب میں چلوں گا جناب۔ ماتیو وہاں تنہا ہوگا۔“
 ”ہاں بیٹے جاؤ۔ ماتیو کو بتانا کہ میں نے یہ خبر بڑے حوصلے سے سنی ہے۔ اسے کوئی المیہ ویسی بات نہ بتانا۔“
 ”بہت بہتر جناب۔“

اس لیے میں اسے چارلسٹن اور موبائل میں خاصا وقت صرف کرنا پڑا۔ زافیا اس کی مصروفیات سے چڑھ کر اس کے نزدیکی ہسپتال اسٹوڈنٹس کے اسٹنٹ منیجر کی حیثیت سے ہی بہتر تھا۔ اب وہ اس کے عزام سے خوف کھانے لگی۔ اس کے لیے ہسپتال کے قدم سے قدم ملا کر چلنا ناممکن تھا۔ ہسپتال کی رفتار بارہ ماہ بدھتی جاری تھی اور زافیا کو احساس تھا کہ غمغریب وہ بہت پیچھے رہ جائے گی۔ وہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے بھی فکر مند تھی۔ اس نے متعدد ڈاکٹروں سے رجوع کیا۔ ان سب کے تہرے حوصلہ افزا تھے۔ ایک ڈاکٹر نے یہاں تک کہا کہ اسے اپنے شوہر کا معائنہ کروانا چاہیے۔ لیکن زافیا کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ جانتی تھی کہ ہسپتال اسے اپنی مردانگی پر حملہ تصور کرے گا۔

بالآخر اس کی خواہش رنگ لائی۔ یکم جنوری 1934ء کو اس نے ایک بچی کو جنم دیا۔ ہسپتال نے اپنی بہن کے نام پر نومولود کا نام فلوریٹا رکھا۔ ہسپتال بہت خوش تھا۔ جیسے ہی ہسپتال نے اپنی بیٹی پر نظر ڈالی، زافیا کو اندازہ ہو گیا کہ اب وہ ہسپتال کی زندگی میں پہلی محبت کا درجہ بھی حاصل نہیں کر سکے گی۔ اس سال کے اختتام پر بیرن گروپ کا پہلا منافع سامنے آیا۔ گوکہ وہ صرف 62 ہزار ڈالر تھا، خوش آمد بات یہ تھی کہ اب صرف موبائل بیرن خسارے میں جا رہا تھا۔

فلوریٹا کی پیدائش کے بعد ہسپتال کا بیشتر وقت شکاگو میں گزرنے لگا۔ اس نے شکاگو بیرن کو دوبارہ زندہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ، ہوٹل ڈیوس لاری کی یاد میں بنانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس نے اب تک بہت اچھی آفرز کے باوجود شکاگو رجیڈ کی زمین فروخت نہیں کی تھی۔ انشورنس کمپنی سے ملنے والے ساڑھے سات لاکھ ڈالر کو ہسپتال نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ چنانچہ ہوٹل کی تعمیر میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ تاہم اس نے کرٹس فینن کے ذریعے اپنے سرمایہ کار کی تائید حاصل کرنا ضروری سمجھا۔ وہ ایڈوارڈ مارٹن کا منون تھا۔ اور شکاگو بیرن بہر حال ڈیڈ مارٹن کے لیے ایک چیلنج ثابت ہو سکتا تھا۔ کرٹس فینن نے اسے چند روز بعد بتایا کہ اسے قرضہ فراہم کرنے والے مہربان نے شکاگو بیرن کی تعمیر کی اجازت دے دی ہے۔

ہوٹل کی تعمیر میں بارہ ماہ لگے۔ اس میں آلڈرین ہنری بورن کا تعاون بھی شامل تھا، جس نے ٹی ہال سے جلد از جلد اجازت دلوا دی تھی۔ 1936ء میں شکاگو کے میئر نے ہوٹل کا افتتاح کیا۔ ڈیوس لاری کی یاد کے طور پر ہوٹل بارہویں منزل سے محروم تھا۔ یہ وہی منزل تھی جس سے چھلانگ لگا کر ڈیوس لاری نے خودکشی کی تھی۔ اس کے بعد ہر نئے بننے والے بیرن، میں اس روایت کے احترام نگاہ بارہویں منزل نہیں بنائی گئی۔

تقریب میں دو ہزار مہمان شریک تھے۔ اُن سے الی نوائس کے دونوں سینئروں نے بھی خطاب کیا۔ شکاگو بیرن اپنے ڈیزائن اور تعمیر کے اعتبار سے شاندار ہوٹل تھا۔ ہسپتال نے اس کی تعمیر پر

تھا۔ اس نے ہمیشہ یہ خواب دیکھا تھا کہ وہ اور ماتھیو ایک ساتھ رہیں گے۔ تمام خوشیوں میں کامیابیوں میں شریک ہوں گے۔ اب ماتھیو چلا گیا تھا تو اسے کامیابی میں دلچسپی ہی نہیں رہتی تھی۔ اس کے کام کا معیار متاثر ہوتا رہا۔ لیکن کسی نے اُسے ٹوکا نہیں۔ کیٹ بھی پریشان تھی کیونکہ وہ کم تنخواہ پسند ہو گیا تھا۔ وہ گھنٹوں اکیلا نہ جانے کیا کچھ سوچتا رہتا۔

ایک صبح کیٹ جاگی تو اس نے دیکھا کہ ولیم بیڈ کے کنارے بیٹھا اُسے نکلے جا رہا تھا۔ کیا بات ہے ڈارلنگ؟ کیٹ نے محبت آمیز لہجے میں پوچھا۔

”کوئی بات نہیں۔ میں نے ایک بات سیکھ لی ہے۔ میں اب زندگی کے سب سے اہم اثاثے سے کبھی بے پروائی نہیں برتوں گا۔ ذرا سی بے پروائی ہو تو سب کچھ چھن جاتا ہے۔ میں کم از کم تمہیں کھوتا نہیں چاہتا۔“



1932ء کے اختتام تک، دو سال کے عرصے میں کم از کم دو ہزار بلیک بند ہوئے تھے۔ 90 لاکھ افراد بے روزگار تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہسپتال کو لائق اور بہترین اسٹاف بے آسانی مل گیا۔ اب بیرن گروپ کا سالانہ نقصان گھٹ کر 72 ہزار ڈالر رہ گیا تھا، لیکن اس سال کے لیے ہسپتال کا اندازہ تھا کہ وہ نفع نقصان برابر کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اس دوران ہسپتال نے امریکی سیاست میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ انٹونی سرک ٹاؤ کے میئر کا انتخاب لڑ رہا تھا۔ انٹونی نے ہسپتال کو ڈیموکریٹک پارٹی کا ساتھ دینے کی دعوت دی، جو ان دنوں شراب بندی کے خلاف مہم چلا رہی تھی۔ ہسپتال نے انٹونی کا بھرپور ساتھ دیا۔ ویسے بھی وہ جانتا تھا کہ شراب بندی سے ہوٹلوں کا کاروبار متاثر ہوا ہے۔ انٹونی خود مہاجر تھا۔ اُس کا تعلق چیکوسلواکیہ سے تھا۔ یہ اس کے اور ہسپتال کے درمیان ایک قدر مشترک تھی۔ ہسپتال کو خوشی ہوئی کہ شکاگو میں ہونے والے ڈیموکریٹک کنونشن میں اس کا ایک نمائندہ بھی شریک ہے۔

کنونشن کے دوران انٹونی نے ہسپتال کو فریٹنگٹن روز ویلٹ سے متعارف کرایا۔ ہسپتال کو روز ویلٹ نے بہت متاثر کیا۔ آئندہ انتخابات میں روز ویلٹ نے زبردست کامیابی حاصل کی۔ اس ایکشن میں شکاگو ٹاؤن ہال کے منتخب لوگوں میں آلڈرین ہنری بورن بھی شامل تھا۔ چند ہفتے بعد انٹونی کو میامی میں قتل کر دیا گیا۔ وہ گولی روز ویلٹ کے لیے چلائی گئی تھی، لیکن اس کا نشانہ انٹونی سرک بنا۔ اس کے بعد ہسپتال نے باقاعدہ پولش ڈیموکریٹس کی مالی اعانت شروع کر دی۔

1933ء میں بیرن گروپ کا نقصان صرف 23 ہزار ڈالر رہ گیا، جب کہ سینٹ لوئیس بیرن نے منافع کمایا۔ اس سال ہسپتال نے اُن دو ہوٹلوں کو دوبارہ کھول دیا، جنہیں ابتدا میں بند کر دیا تھا۔

دس لاکھ ڈالر سے زیادہ خرچ کیا تھا۔ عمارت بیالیس منزلہ تھی۔
 ”یہ عمارت کامیابی کا نشان ہے۔“ بیٹی نوآئس کے سرینین نے کہا۔ ”کیونکہ شکاگو کے
 عمارت کا نہیں، ایک شخص کا نام ہے۔“ شرکاہ نے تالیاں بجائیں اور اسٹیل مسکرا دیا۔
 اسٹیل نے اس موقع پر شاعرانہ تقریر کی۔ زافیا البتہ تقریب کے دوران بھی سہمی رہی۔
 اسے نہ اسٹیل کی کامیابی کا صحیح اندازہ تھا اور نہ ہی کوئی پروا تھی۔ اس کا اپنا لباس قیمتی تھا لیکن فیشن
 مطابق نہیں تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس بات پر اسٹیل اس سے خفا ہے۔
 ”یہ تمہاری کامیابی کا نقطہ عروج معلوم ہوتا ہے۔“ تقریب کے بعد ہنری بورن نے اسٹیل سے کہا۔
 ”نہیں بھئی..... ابھی تو میری عمر صرف تیس سال ہے۔“ اسٹیل نے اس کے کمرے
 ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اسی وقت کیمرے کے فلیش بلب چمکنے لگے۔ ”میں دُنیا کے ہر بڑے شہر میں
 بیرن ہوٹل کھولنے کا ارادہ رکھتا ہوں..... یہ تو آغاز سفر ہے سنہری..... میرے ساتھ چپکے رہو۔
 میں رہو گے۔“

اس صبح ناشتے میں میز پر کیٹ نے ولیم کی توجہ اُس اخباری خبر کی طرف دلائی جو شکاگو
 بیرن کے افتتاح سے متعلق تھا۔ ولیم وہ خبر پڑھتے ہوئے مسکراتا رہا۔ اس کا فیصلہ درست تھا۔
 اور بورڈ کے اراکین نے اس کے مشورے پر کان نہ دھر کے حماقت کا ثبوت دیا تھا۔ انہیں رجسٹر
 گروپ کی پشت پناہی کرنا چاہیے تھی۔ وہ خوش تھا کہ اس نے رونسکی کے متعلق درست اندازہ لگا
 تھا۔ ہوٹل کا نام شکاگو رجسٹر کے بجائے شکاگو بیرن دیکھ کر اس کی مسکراہٹ اور کشادہ ہو گئی۔ ایک
 تصویر بھی چھپی تھی۔ نیچے لکھا تھا..... بیرن گروپ کے چیئرمین بیرن اسٹیل رونسکی آلڈرمن جناب ہنری
 بورن کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے.....

ولیم نے اخبار میز پر رکھ دیا اور سوچنے لگا۔ اپنے آفس پہنچتے ہی اس نے تھامس کوہن کو
 فون کیا۔
 ”مسٹر کین..... بہت دنوں بعد یاد فرمایا۔“ تھامس کوہن نے کہا۔ ”مجھے آپ کے دوست
 ماتھیو کی موت پر دلی افسوس ہے..... اور آپ کی بیوی اور ننھا رچرڈ کیسے ہیں؟“ تھامس کوہن ناموں کو
 یاد رکھنے کے معاملے میں بے مثال شخص تھا۔
 ”سب ٹھیک ہیں مسٹر کوہن۔“ شکر یہ۔“ ولیم نے کہا۔ ”میں تمہارے توسط سے کچھ پیش
 کرنا چاہتا ہوں۔ اس انکوائری کے سلسلے میں میرا نام نہ آنے پائے۔ میں ہنری بورن کے متعلق ہر

اس نے معاوضے کا چیک کوہن اینڈ کوہن کو بھجواتے ہوئے تھامس کوہن سے استدعا کی کہ
 اسٹیل پر کام جاری رکھا جائے اور ماہ بہ ماہ رپورٹ پیش کی جائے۔ کئی مہینے گزر گئے لیکن کوئی نئی
 خبر نہ آئی۔ ولیم نے اس سلسلے میں فکرمند ہونا چھوڑ دیا۔ لیکن اخبار میں چھپنے والی، اسٹیل اور
 اسٹیل کی تصویر اب بھی اس کی نگاہوں کے سامنے محوم جاتی تھی۔
 1937ء کے موسم بہار میں ولیم کے ہاں بچی پیدا ہوئی۔ جس کا نام ورجینیا رکھا گیا۔ ولیم
 بچی کے آلودہ نیپکن تبدیل کرنے کا بچی سے وہ کچھ زیادہ ہی پیار کرتا
 تھا۔ بچی کو نہ جھینپی تو وہ اسے رات بھر سونے نہ دیتا۔ رچرڈ اب ڈھائی سال کا تھا۔ وہ اپنے
 کھانسی میں گھنسا تھا۔

اسٹیل نے اسٹیل کی کامیابی کا صحیح اندازہ تھا اور نہ ہی کوئی پروا تھی۔ اس کا اپنا لباس قیمتی تھا لیکن فیشن
 مطابق نہیں تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس بات پر اسٹیل اس سے خفا ہے۔
 ”یہ تمہاری کامیابی کا نقطہ عروج معلوم ہوتا ہے۔“ تقریب کے بعد ہنری بورن نے اسٹیل سے کہا۔
 ”نہیں بھئی..... ابھی تو میری عمر صرف تیس سال ہے۔“ اسٹیل نے اس کے کمرے
 ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اسی وقت کیمرے کے فلیش بلب چمکنے لگے۔ ”میں دُنیا کے ہر بڑے شہر میں
 بیرن ہوٹل کھولنے کا ارادہ رکھتا ہوں..... یہ تو آغاز سفر ہے سنہری..... میرے ساتھ چپکے رہو۔
 میں رہو گے۔“

اسٹیل نے اسٹیل کی کامیابی کا صحیح اندازہ تھا اور نہ ہی کوئی پروا تھی۔ اس کا اپنا لباس قیمتی تھا لیکن فیشن
 مطابق نہیں تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس بات پر اسٹیل اس سے خفا ہے۔
 ”یہ تمہاری کامیابی کا نقطہ عروج معلوم ہوتا ہے۔“ تقریب کے بعد ہنری بورن نے اسٹیل سے کہا۔
 ”نہیں بھئی..... ابھی تو میری عمر صرف تیس سال ہے۔“ اسٹیل نے اس کے کمرے
 ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اسی وقت کیمرے کے فلیش بلب چمکنے لگے۔ ”میں دُنیا کے ہر بڑے شہر میں
 بیرن ہوٹل کھولنے کا ارادہ رکھتا ہوں..... یہ تو آغاز سفر ہے سنہری..... میرے ساتھ چپکے رہو۔
 میں رہو گے۔“

اسٹیل نے اسٹیل کی کامیابی کا صحیح اندازہ تھا اور نہ ہی کوئی پروا تھی۔ اس کا اپنا لباس قیمتی تھا لیکن فیشن
 مطابق نہیں تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس بات پر اسٹیل اس سے خفا ہے۔
 ”یہ تمہاری کامیابی کا نقطہ عروج معلوم ہوتا ہے۔“ تقریب کے بعد ہنری بورن نے اسٹیل سے کہا۔
 ”نہیں بھئی..... ابھی تو میری عمر صرف تیس سال ہے۔“ اسٹیل نے اس کے کمرے
 ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اسی وقت کیمرے کے فلیش بلب چمکنے لگے۔ ”میں دُنیا کے ہر بڑے شہر میں
 بیرن ہوٹل کھولنے کا ارادہ رکھتا ہوں..... یہ تو آغاز سفر ہے سنہری..... میرے ساتھ چپکے رہو۔
 میں رہو گے۔“

اسٹیل نے اسٹیل کی کامیابی کا صحیح اندازہ تھا اور نہ ہی کوئی پروا تھی۔ اس کا اپنا لباس قیمتی تھا لیکن فیشن
 مطابق نہیں تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس بات پر اسٹیل اس سے خفا ہے۔
 ”یہ تمہاری کامیابی کا نقطہ عروج معلوم ہوتا ہے۔“ تقریب کے بعد ہنری بورن نے اسٹیل سے کہا۔
 ”نہیں بھئی..... ابھی تو میری عمر صرف تیس سال ہے۔“ اسٹیل نے اس کے کمرے
 ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اسی وقت کیمرے کے فلیش بلب چمکنے لگے۔ ”میں دُنیا کے ہر بڑے شہر میں
 بیرن ہوٹل کھولنے کا ارادہ رکھتا ہوں..... یہ تو آغاز سفر ہے سنہری..... میرے ساتھ چپکے رہو۔
 میں رہو گے۔“

اسٹیل نے اسٹیل کی کامیابی کا صحیح اندازہ تھا اور نہ ہی کوئی پروا تھی۔ اس کا اپنا لباس قیمتی تھا لیکن فیشن
 مطابق نہیں تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس بات پر اسٹیل اس سے خفا ہے۔
 ”یہ تمہاری کامیابی کا نقطہ عروج معلوم ہوتا ہے۔“ تقریب کے بعد ہنری بورن نے اسٹیل سے کہا۔
 ”نہیں بھئی..... ابھی تو میری عمر صرف تیس سال ہے۔“ اسٹیل نے اس کے کمرے
 ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اسی وقت کیمرے کے فلیش بلب چمکنے لگے۔ ”میں دُنیا کے ہر بڑے شہر میں
 بیرن ہوٹل کھولنے کا ارادہ رکھتا ہوں..... یہ تو آغاز سفر ہے سنہری..... میرے ساتھ چپکے رہو۔
 میں رہو گے۔“

اسٹیل نے اسٹیل کی کامیابی کا صحیح اندازہ تھا اور نہ ہی کوئی پروا تھی۔ اس کا اپنا لباس قیمتی تھا لیکن فیشن
 مطابق نہیں تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس بات پر اسٹیل اس سے خفا ہے۔
 ”یہ تمہاری کامیابی کا نقطہ عروج معلوم ہوتا ہے۔“ تقریب کے بعد ہنری بورن نے اسٹیل سے کہا۔
 ”نہیں بھئی..... ابھی تو میری عمر صرف تیس سال ہے۔“ اسٹیل نے اس کے کمرے
 ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اسی وقت کیمرے کے فلیش بلب چمکنے لگے۔ ”میں دُنیا کے ہر بڑے شہر میں
 بیرن ہوٹل کھولنے کا ارادہ رکھتا ہوں..... یہ تو آغاز سفر ہے سنہری..... میرے ساتھ چپکے رہو۔
 میں رہو گے۔“

اسٹیل نے اسٹیل کی کامیابی کا صحیح اندازہ تھا اور نہ ہی کوئی پروا تھی۔ اس کا اپنا لباس قیمتی تھا لیکن فیشن
 مطابق نہیں تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس بات پر اسٹیل اس سے خفا ہے۔
 ”یہ تمہاری کامیابی کا نقطہ عروج معلوم ہوتا ہے۔“ تقریب کے بعد ہنری بورن نے اسٹیل سے کہا۔
 ”نہیں بھئی..... ابھی تو میری عمر صرف تیس سال ہے۔“ اسٹیل نے اس کے کمرے
 ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اسی وقت کیمرے کے فلیش بلب چمکنے لگے۔ ”میں دُنیا کے ہر بڑے شہر میں
 بیرن ہوٹل کھولنے کا ارادہ رکھتا ہوں..... یہ تو آغاز سفر ہے سنہری..... میرے ساتھ چپکے رہو۔
 میں رہو گے۔“

اس سال کے اختتام پر کین اینڈ کا بوٹ میں ولیم کے شعبے نے بھاری منافع کمایا۔ ولیم، ماتھو کی موت کے صدے سے سنبھل رہا تھا۔ اس نے نہ صرف اپنی کھوئی ہوئی سادھ بھال کر لی تھی..... بلکہ اس میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اب ٹونی سائمن بھی کم ہی مداخلت کرتا تھا، لیکن ولیم اب کین اینڈ کا بوٹ کی چیئر مین شپ کے لیے متحرک تھا۔ ٹونی سائمن کے ریٹائرمنٹ میں ابھی 17 سال باقی تھے۔ ولیم کسی اور بینک میں کام کرنے کے متعلق سوچنے لگا۔

ولیم اور کیٹ مہینے میں ایک بار، ویک اینڈ کے موقع پر چارلس لیٹر سے ملے ضرور جاتے تھے۔ گزشتہ تین برسوں میں چارلس بہت بوڑھا ہو گیا تھا۔ جوان بیٹے کے صدمے نے اسے اندر ہی اندر چاٹ لیا تھا۔ کاروباری حلقوں میں یہ خبر گھٹ کر رہی تھی کہ اس نے بینک میں دلچسپی لے چھوڑ دی ہے۔ ولیم یہ سوچ کر حیران ہوتا تھا کہ زندگی کی آہنگ سے محروم وہ بوڑھا آدمی اب تک زندہ کیسے ہے۔ پھر چارلس لیٹر کی موت کی خبر آ گئی۔ ولیم اس کی تدفین میں شریک ہونے کے لیے نو یارک گیا۔ اس تقریب میں امریکہ کا نائب صدر بھی موجود تھا۔ تدفین کے بعد بوسٹن والہاؤس آئے ہوئے ولیم کو احساس تھا کہ اس کے لیٹر خاندان سے تعلق کی آخری کڑی بھی ٹوٹ گئی ہے۔

چھ ماہ بعد ولیم کو نو یارک کے وکلا کی فرم کی جانب سے خط موصول ہوا۔ انہوں نے اسے اپنے، وال اسٹریٹ کے دفتر میں مدعو کیا تھا، جہاں چارلس لیسٹر کی وصیت کو مل جانی والی تھی۔ ولیم کو یہ آخری فرض نبھانے میں کیا عار ہو سکتا تھا۔

وہ اپنی نئی کار میں نئی یارک گیا اور اس نے ہارڈ کلب میں قیام کیا۔ وصیت اگلی صبح دس بجے کھولی جانے والی تھی۔ ولیم وہاں پہنچا تو کم از کم پچاس افرو پہلے ہی موجود تھے۔ وہ ان میں اقمیہ کی بہن سوزن کو تلاش کرتا رہا۔ لیکن وہ کہیں نظر نہ آئی۔ ٹھیک دس بجے مسٹر آر تھر کرامویل کرے میں داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ ایک اسٹنٹ بھی تھا، جس کے ہاتھ میں ایک براؤن فولڈر تھا۔ کرے میں خاموشی چھا گئی۔ پھر مسٹر کرامویل نے وضاحت کی انجمنی چالیس لیسر کی یہی خواہش تھی کہ وصیت ان کی موت کے چھ ماہ بعد سنائی جائے۔

اس کے بعد وصیت کا مرحلہ آیا۔ پہلے ملازمین، دور کے رشتے داروں اور قلاچی اور داروں کو دی جانے والی رقم کا تذکرہ آیا۔ چارلس لیشر نے اپنی ذاتی جائیداد تمام رشتے داروں میں تقسیم کر دی تھی۔ سوزن کو سب سے زیادہ حصہ ملا تھا۔

مسٹر لیٹر کے تمام اثاثوں کی تقسیم یہاں مکمل ہوئی۔“ مسٹر کرامویل نے کہا..... اور ہم

مسٹر لیٹر کے تمام اثاثوں کی تقسیم یہاں مکمل ہوئی۔“ مسٹر کرامویل نے کہا..... اور ہم

مسٹر لیٹر کے تمام اثاثوں کی تقسیم یہاں مکمل ہوئی۔“ مسٹر کرامویل نے کہا..... اور ہم

مسٹر لیٹر کے تمام اثاثوں کی تقسیم یہاں مکمل ہوئی۔“ مسٹر کرامویل نے کہا..... اور ہم

مسٹر لیٹر کے تمام اٹاٹوں کی تقسیم یہاں مکمل ہوئی۔“ مسٹر کرامویل نے کہا..... اور ہم

مسٹر لیٹر کے تمام اثاثوں کی تقسیم یہاں مکمل ہوئی۔“ مسٹر کرامویل نے کہا..... اور ہم

مسٹر لیٹر کے تمام اثاثوں کی تقسیم یہاں مکمل ہوئی۔“ مسٹر کرامویل نے کہا..... اور ہم

”تو آج رات آٹھ بجے میرے گھر تشریف لے آئیں۔“ پارفٹ نے اسے اپنا کارڈ دیتے ہوئے کہا۔

”شکریہ جناب۔“ ولیم نے کارڈ جیب میں رکھ لیا۔ اب اور بہت سے لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ کچھ نے اسے مبارک باد دی اور کچھ اسے تنہا ہوں سے گھور رہے تھے۔

ولیم نے ہارڈ کلب پہنچنے ہی کیٹ کو فون کیا اور اسے سب کچھ بتا دیا۔

”ہاتھی کی روح یقیناً خوش ہوگی ڈیزیر۔“ کیٹ نے آہ بھر کے کہا۔ ”تم واپس کب آرہے ہو؟“

”کچھ کہہ نہیں سکتا۔ آج میں بینک کے وائس چیئرمین کے گھر رات کے کھانے پر مدعو ہوں۔ صرف اسی ایک آدمی نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے۔ میں کل تمہیں پھر فون کروں گا۔“

ولیم رات آٹھ بجے پیئر پارفٹ کے گھر پہنچا۔ پیئر پارفٹ اور اُس کی دوسری بیوی ڈیانا پارفٹ نے اس کا خیر مقدم کیا۔ ڈیانا حسین عورت تھی۔ اس نے ولیم کو بینک کا چیئرمین بننے پر مبارک باد دی۔ کھانے کے دوران ولیم نے پارفٹ سے پوچھا کہ بورڈ کے اراکین کا کیا رد عمل ہو سکتا ہے۔

”میں ان سب سے بات کر چکا ہوں۔ بورڈ کی میٹنگ میرے دن ہوگی، جس میں چارلس لیشر کی خواہش پر تمہاری نامزدگی کی توثیق کا معاملہ زیر بحث آئے گا۔ سب کچھ درست ہے۔ بس مجھے ایک معمولی سی رکاوٹ محسوس ہوتی ہے۔“

”وہ کیا ہے؟“ ولیم نے اپنی تشویش چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”یہ بات میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ دوسرا اُس چیئرمین ٹیڈ لیچ چیئرمین بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اسے یقیناً چارلس لیشر کی وصیت سے تکلیف پہنچی ہے۔“

”تو کیا وہ مقابلہ کرے گا؟“

”امکان تو ہے، لیکن اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔“

”مجھے وہ شخص کبھی پسند نہیں رہا۔“ ڈیانا نے کہا۔

”ڈیزیر..... جب تک مسٹر کین خود اس سے نہ مل لیں، ہمیں ایسی بات نہیں کہنی چاہیے۔ بہر حال، مجھے یقین ہے کہ بورڈ مسٹر کین کی نامزدگی توثیق کر دے گا۔ اس بات کا امکان بھی ہے کہ ٹیڈ لیچ اپنے عہدے سے استعفا دے دے گا۔“

”لیکن میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ کوئی میری وجہ سے مستعفی ہو۔“

”بہت اچھا جذبہ ہے۔“ پارفٹ نے پرستاش لہجے میں کہا۔ ”بہر حال تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم کل بوشن واپس چلے جاؤ۔ میں تمہیں صورت حال سے باخبر رکھوں گا۔“

”لیکن میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ کوئی میری وجہ سے مستعفی ہو۔“

”بہت اچھا جذبہ ہے۔“ پارفٹ نے پرستاش لہجے میں کہا۔ ”بہر حال تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم کل بوشن واپس چلے جاؤ۔ میں تمہیں صورت حال سے باخبر رکھوں گا۔“

”لیکن میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ کوئی میری وجہ سے مستعفی ہو۔“

”بہت اچھا جذبہ ہے۔“ پارفٹ نے پرستاش لہجے میں کہا۔ ”بہر حال تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم کل بوشن واپس چلے جاؤ۔ میں تمہیں صورت حال سے باخبر رکھوں گا۔“

”لیکن میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ کوئی میری وجہ سے مستعفی ہو۔“

”بہت اچھا جذبہ ہے۔“ پارفٹ نے پرستاش لہجے میں کہا۔ ”بہر حال تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم کل بوشن واپس چلے جاؤ۔ میں تمہیں صورت حال سے باخبر رکھوں گا۔“

”لیکن میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ کوئی میری وجہ سے مستعفی ہو۔“

”بہت اچھا جذبہ ہے۔“ پارفٹ نے پرستاش لہجے میں کہا۔ ”بہر حال تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم کل بوشن واپس چلے جاؤ۔ میں تمہیں صورت حال سے باخبر رکھوں گا۔“

”لیکن میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ کوئی میری وجہ سے مستعفی ہو۔“

”بہت اچھا جذبہ ہے۔“ پارفٹ نے پرستاش لہجے میں کہا۔ ”بہر حال تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم کل بوشن واپس چلے جاؤ۔ میں تمہیں صورت حال سے باخبر رکھوں گا۔“

”لیکن میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ کوئی میری وجہ سے مستعفی ہو۔“

”بہت اچھا جذبہ ہے۔“ پارفٹ نے پرستاش لہجے میں کہا۔ ”بہر حال تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم کل بوشن واپس چلے جاؤ۔ میں تمہیں صورت حال سے باخبر رکھوں گا۔“

”لیکن میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ کوئی میری وجہ سے مستعفی ہو۔“

”لیکن مجھے کل صبح بینک جانا چاہیے۔ اگر میں نہ گیا تو بورڈ کے اراکین نہ جانے کیا

کرتے ہیں۔“

”ان حالات میں میں تمہیں یہ مشورہ نہیں دے سکتا۔ میٹنگ تک تمہیں کسی سے بھی ملنے

کا انداز کرنا چاہیے۔ انہیں اپنے طور پر سوچنے کا موقع دو۔ میرا مشورہ مانو..... تم بوشن واپس چلے

آؤ۔ میں تمہیں فون کر کے خوشخبری سنا دوں گا۔“

ولیم ہچکچایا لیکن اس نے پارفٹ کا مشورہ مان لیا۔ وہ رات ایک بجے کے قریب ہارڈ کلب

پہنچا۔ اگلے روز وہ بوشن واپس پہنچا۔ اس نے سب سے پہلے ٹونی سائمن کو صورت حال سے مطلع

کیا۔ ٹونی کے رویے پر حیرت ہوئی۔

”مجھے تمہارے جانے کا افسوس ہوگا ولیم مجھے تمہارا نعم البدل نہیں مل سکتا۔ میرا خیال ہے

کوئی فیصلہ کرتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھو گے۔“

”میرا خیال تھا کہ تمہیں مجھ سے جان چھڑا کر مسرت ہوگی۔“ ولیم نے کہا۔

”ولیم..... تمہیں اس بات پر یقین کب آئے گا کہ میں بینک کے مفاد کو ہر چیز پر فوقیت

دوں۔ میری نظر میں تم اس وقت امریکہ کے ذہین ترین سرمایہ کار ہو۔ تم چلے جاؤ گے تو بینک کے

نئے مول بھی تمہارے ساتھ ہوں گے۔“

”لیکن میں اپنا اکاؤنٹ تو لیسٹرز میں ٹرانسفر نہیں کروں گا۔“ ولیم نے کہا۔ ”اور نہ ہی میں

لائسنس کا بوٹ کے مولکوں کو یہ ترغیب دوں گا۔“

”یہ بات نہیں ہے ولیم۔ اس کے باوجود کچھ لوگ تمہاری پیروی کریں گے۔“

ولیم اور کیٹ بے چینی سے میرے غلط فہمی سے بے خبر تھے۔ میرے دن ولیم لیچ کے لیے بھی نہیں نکلا۔

لہذا وہ غریب ریسیو کر رہا تھا۔ شام چھ بجے کے قریب پارفٹ کا فون آیا۔ ”ولیم..... یہاں غیر متوقع

بات سامنے آئی ہیں۔“ یہ پارفٹ کے ابتدائی الفاظ تھے۔

ولیم کا دل ڈوبنے لگا۔

”لیکن پریشان نہ ہونا۔ میرے خیال میں صورت حال اب بھی قابو میں ہے۔ البتہ تمہیں

سکھو اراکین کے ایک نامزد امیدوار کا مقابلہ کرنا پڑے۔ کچھ لوگ وصیت کی قانونی حیثیت

اس میں مشورے لے رہے ہیں مجھے یہ ناخوشگوار کام سونپا گیا ہے کہ میں تم سے دریافت

کروں کہ بورڈ کے امیدوار سے مقابلہ کرو گے؟“

”اور بورڈ کا امیدوار کون ہوگا؟“

”ابھی تک کوئی نام سامنے نہیں آیا ہے، لیکن امکان ہے کہ ٹیڈ لیچ ہوگا۔ اور تو کوئی دلچسپی

نہیں لے رہا ہے۔“

”ابھی تک کوئی نام سامنے نہیں آیا ہے، لیکن امکان ہے کہ ٹیڈ لیچ ہوگا۔ اور تو کوئی دلچسپی

نہیں لے رہا ہے۔“

ہی نہیں لے رہا ہے۔“

”میں سوچوں گا۔ بورڈ کی آئینہ میٹنگ کب ہوگی؟“

”ایک ہفتے بعد..... لیکن تم فکر مند نہ ہونا۔ مجھے یقین ہے کہ تم بہ آسانی جیت جاؤ گے۔ کوئی اہم بات ہوئی تو میں تمہیں بتا دوں گا۔“

”مجھے نیو یارک آنا چاہیے؟“

”نہیں..... فی الحال اس کی ضرورت نہیں۔ اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔“

”ولیم نے پارٹ کا شکریہ ادا کیا اور ریسور رکھ دیا۔ پھر وہ آفس سے نکل آیا۔ پارک لائٹ میں ٹونی سائمن سے ملاقات ہوگئی۔ ٹونی سائمن کے ہاتھ میں سوٹ کیس تھا۔

”کہیں باہر جا رہے ہو ٹونی؟“ ولیم نے پوچھا۔

”نیو یارک میں بینکرز کا ماہانہ ڈنر ہے۔ اس میں شرکت کے لیے جا رہا ہوں۔ میرا خیال ہے، لیسٹرز کا مستقبل کا چیز میں جو بیس گھنٹے کے لیے کین اینڈ کا بوٹ کو سنبھال سکتا ہے۔“

ولیم ہنس دیا۔ ”ممکن ہے، اس وقت تک میں سابق چیز میں ہو چکا ہوں۔“ اس نے کہا اور ٹونی کو تفصیل بتادی۔ ٹونی سائمن کا رد عمل ولیم کے لیے حیران کن تھا۔

”یہ حقیقت ہے کہ ٹیڈ لچ کو ہمیشہ یہ توقع رہی ہے کہ لیسٹرز کی چیز میں شب اس کے صے میں آئے گی۔“ ٹونی نے کہا۔ ”لیکن وہ بینک کے وفادار ترین لوگوں میں سے ہے۔ میں یقین نہیں

کر سکتا کہ وہ چارلس لیسٹرز کی خواہش کی مخالفت کرے گا۔“

”کمال ہے۔ تم اسے جانتے ہو؟“

”زیادہ نہیں جانتا۔ کالج میں وہ مجھ سے ایک سال سینئر تھا۔ اب بھی کبھی کبھی اس سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ آج کے ڈنر میں بھی وہ یقیناً موجود ہوگا۔ اگر کہو تو اس سے اس سلسلے میں بات کروں۔“

”پلیز..... بات کرنا لیکن ذرا احتیاط رہنا۔“

”اے ولیم..... تم دس سال سے مجھ سے محض اس بات پر الجھتے رہے کہ میں ضرورت سے زیادہ محتاط ہوں۔“ ٹونی نے ہنستے ہوئے کہا۔

”مجھے افسوس ہے ٹونی۔ عجیب بات ہے..... جب آدمی خود کسی مسئلے سے دو چار ہو تو اس کے اصول بدل جاتے ہیں۔ اس کا احساس آج مجھے پہلی بار ہوا ہے۔ بہر حال اب میں تمہارے

مشورے پر عمل کروں گا۔“

”ٹھیک ہے۔ تم سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔ میں ٹیڈ لچ سے بات کروں گا اور کل صبح جہیں

فون کروں گا۔“

لیکن وعدے کے برعکس ٹونی کا فون آدمی رات کے وقت آیا۔ ولیم کو نیند سے اٹھنا

پڑا۔ ”کون ہے؟“ اس نے غصہ دنگی میں پوچھا۔

”میں ٹونی سائمن بول رہا ہوں۔“

ولیم کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔ اس نے لائٹ آن کی اور گھڑی پر نظر ڈالی۔ بارہ بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ ”تم نے تو صبح فون کرنے کو کہا تھا۔“ ولیم نے اسے یاد دلایا۔

”بات ہی ایسی ہے۔ ولیم ٹیڈ لچ تمہارے لیسٹر کے چیز میں بننے کی مخالفت نہیں کر رہا ہے۔ البتہ مخالفت ہو ضرور رہی ہے۔“ ٹونی نے کہا۔

”پھر کون کر رہا ہے میری مخالفت؟“

”پیٹر پارٹ۔“

”کیا؟“ ولیم کی نیند کا فور ہوگئی۔

”ہاں..... وہ تمہاری عدم موجودگی میں بورڈ کے ارکان کو اپنے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میری توقع کے عین مطابق ٹیڈ لچ تو تمہارے حق میں ہے۔ البتہ بورڈ کے ارکان دو

طرفوں میں بٹ گئے ہیں۔“

”لغت ہے۔“ ولیم غرایا۔ ”اب دو باتیں ہیں۔ ٹونی پہلے تو میں تمہارا شکریہ ادا کروں گا۔ لہر پہنچوں گا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟“

”اگر تم لیسٹرز کے چیز میں بننا چاہتے ہو تو فوری طور پر نیو یارک آ جاؤ۔ ورنہ بورڈ کے لبرو پہنچے لگیں گے کہ آخر تم بوشن میں کیوں جا چکے ہو۔“

”چھپنے کا کیا سوال ہے؟“

”سوال ہو یا نہ ہو۔ پیٹر پارٹ یہی پروپیگنڈا کر رہا ہے یہاں آؤ اور مل کلب میں لہرو۔ صبح اس سلسلے میں مزید گفتگو ہوگی۔“

”میں جلد از جلد پہنچ رہا ہوں۔“

”ممکن ہے، تم آؤ اور میں سو رہا ہوں۔ ایسا ہو تو اس بار جگانے کی ذمہ داری تمہاری ہوگی۔“ ولیم نے ریسور رکھا اور کیٹ کی طرف دیکھا، جو اس تمام گفتگو کے دوران بدستور سوئی

تھی۔ اس کی نیند پر ولیم کو رشک آتا تھا۔ اس کا اپنا یہ حال تھا کہ ہوا سے پردے بھی سرسراتے تو اس کی آنکھ کھل جاتی جب کہ کیٹ ایک بار سوئی تو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتی۔ ولیم نے ایک کاغذ

پتھر سا پیغام لکھ کر کیٹ کے سرہانے رکھا، سوٹ کیس میں ضروری سامان ڈالا اور نیو یارک کے لیے روانہ ہو گیا۔ شاہراہ سنسان تھی۔ وہ صرف پانچ گھنٹے میں نیو یارک پہنچ گیا۔ مل کلب پہنچ کر کمرہ لینے

لیتے چھنچ گئے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ ایک گھنٹہ آرام کرنے کے بعد ٹوٹی سائمن کو جگائے گا، لیکن اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ باہر ٹوٹی سائمن موجود تھا۔

”میں یوسٹن کے لیے روانہ ہو رہا ہوں۔ مجھے ٹرین پکڑنی ہے۔“ ٹوٹی نے کہا۔ ”بہر حال، صورت حال یہ ہے کہ تمہارا اصل مسئلہ پیٹر پارفٹ ہے۔ اسے یقین تھا کہ چارلس لیسٹر اسے اپنا جانشین بنائے گا۔ اب وہ تمہیں شکست دینے کے لیے دُہرا کھیل کھیل رہا ہے۔ تفصیل تمہیں ٹیڈ لیچ بتائے گا۔ وہ میٹرو پولیٹن کلب میں تمہارے ساتھ لیچ کرنے کا خواہش مند ہے۔ اس کے ساتھ بینک کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے کچھ ممبر ہوں گے۔ تم ان پر اعتبار کر سکتے ہو۔“ ٹوٹی نے اسے میٹرو پولیٹن کلب کا محل وقوع سمجھایا۔

”شکریہ ٹوٹی۔“

”موسٹ ویلکم..... اب میں چلا۔ ٹرین دس منٹ بعد روانہ ہوگی۔ مجھے انٹیشن پہنچنا ہے۔“ ٹوٹی دروازے پر پہنچ کر مڑا۔ ”تمہیں معلوم ہے۔ تمہارے ڈیڈی کے نزدیک پیٹر پارفٹ کبھی قابل اعتبار آدمی نہیں رہا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ ضرورت سے زیادہ ہوشیار ہے۔ اچھا ولیم، گڈ لک۔“

”میں تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں ٹوٹی.....“

”اس کی ضرورت نہیں، جو کچھ میں کر رہا ہوں، اسے ماتیبو کے کھاتے میں سمجھو۔ نادانگی ہی میں سہی، بہر حال میں نے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔“

”ولیم بند دروازے کو گھورتا رہا۔ وہ ٹوٹی سائمن کے ساتھ برسوں سے کام کر رہا تھا لیکن اسے کبھی اندازہ نہیں ہوا تھا کہ وہ اتنا اچھا آدمی ہے۔ سچ ہے کہ آڑے وقت میں ہی انسان کو اپنے گرد و پیش کے لوگوں کو صحیح طور پر سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔“

کچھ دیر بعد ولیم نے ریسور اٹھایا اور آپریٹر کو یوسٹن کا ایک نمبر ملانے کے لیے دیا۔ چند منٹ بعد لائن مل گئی۔

”مسٹر کین..... لیسٹرز کے چیئرمین کی حیثیت سے تاحر دی مبارک ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ اب ہماری نیویارک برانچ کو آپ کی خدمت کا موقع ملے گا۔“

”اس کا انحصار تو تم پر ہی ہے مسٹر کین۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟“

”ولیم نے اسے اب تک کی تفصیل بتائی اور چارلس لیسٹر کی وصیت کے اہم اور متعلقہ حصے پڑھ کر سنائے۔ کوہن خاموشی سے سنتا..... اور نوٹس لیتا رہا۔“ اب بتاؤ..... چارلس لیسٹر کی اس خواہش کی قانونی حیثیت کیا ہے؟“ ولیم نے پوچھا۔

”کیا کہا جاسکتا ہے۔ یہ تو بے حد غیر یقینی صورت حال ہے۔“

”تم مجھے کیا مشورہ دو گے؟“

”اگر چیئرمین بننا آپ کے لیے اہم ہے تو آخری لمحے تک جدوجہد کیجیے اور میرا مشورہ غور سے سنیے کہ اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو کیا کرتا.....“

”ایک گھنٹے بعد ولیم نے ریسور رکھا اور وقت گزاری کے لیے پارک ایونو پر نکل آیا۔ راستے میں اسے ایک زیر تعمیر عمارت نظر آئی۔ ایک بڑے بورڈ پر لکھا تھا۔ ”بیرن ہوٹل کی یادگار میزبانی کے بعد آپ کہیں اور قیام کرنا پسند کریں نہیں سکتے۔“ ولیم مسکرایا۔ وہ اس صبح اس کی پہلی مسکراہٹ تھی۔ اس کے بعد وہ پراعتماد انداز میں اس کا سوز پولیٹن کلب کی طرف بڑھتا رہا۔

ٹیڈ لیچ کلب کے دروازے پر اس کا منتظر تھا۔ ولیم اسے نہیں پہچانتا تھا لیکن وہ ولیم کو دیت نامہ پڑھے جانے کے موقع پر دیکھ چکا تھا۔ وہ ولیم کا ہاتھ تھام کر اسے کلب میں لے گیا۔ کلب پرانے طرز تعمیر کا نمونہ تھا۔ ”مسٹر کین۔ کیا بیجیے گا؟“ ٹیڈ نے پوچھا۔

”ڈرائی شیر می پلیز۔“ ولیم نے وینر سے کہا۔

وینر نے ٹیڈ سے پوچھنے کی زحمت نہ کی چند لمحے بعد وہ آیا تو ٹرے پر ڈرائی شیر کی علاوہ اس کا ایک جام رکھا تھا۔

لیسٹرز بینک کے مستقبل کے چیئرمین کے نام۔“ ٹیڈ نے جام بلند کرتے ہوئے کہا۔

ولیم ہلچکیا اور ٹیڈ ہنسنے لگا۔

چند منٹ کے بعد دو معمر افراد ان کی میز کی طرف بڑھتے نظر آئے۔ ”مسٹر راجرز اور مسٹر ڈیلس۔“ ٹیڈ نے ولیم سے ان دونوں کا تعارف کرایا۔

دونوں ڈائریکٹرز ولیم کو بغور دیکھ رہے تھے جیسے اسے نظروں میں تول رہے ہوں۔ چند لمحے خاموشی رہی۔

”بات کہاں سے شروع کی جائے۔“ بالآخر راجرز بولا۔

”لیچ شروع کرتے ہیں۔“ ٹیڈ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ چاروں ڈائمنگ ہال میں چلے آئے۔ وہ کھڑکی کے قریب والی میز پر بیٹھے۔ کھڑکی سے باہر پلازہ ہوٹل نظر آیا۔ پھر اسے بہت کچھ یاد آیا۔ اسے اپنا گریجویٹن یاد آیا..... دادی..... نانی.....

بات کبھی یاد آیا۔ امتحان میں کامیابی کے سلسلے میں پلازہ ہی میں توٹی پارٹی ہوئی تھی۔ کوئی اور خاص بات بھی ہوئی تھی اس دن..... ولیم الجھ گیا۔ اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اُس دن پلازہ میں کیا قابل ذکر بات ہوئی تھی۔

”مسٹر کین، اب کل کر بات کر لی جائے۔“ ٹیڈ نے اسے چونکا دیا۔ ”چارلس لیٹر کا فیصلہ کہ آپ کو جیک کا چیئر مین بتایا جائے، سب کے لیے باعثِ حیرت ثابت ہوا ہے۔ اب اگر ہم اس خواہش کا احترام نہیں کرتا تو مورال متاثر ہوگا۔۔۔۔۔ اور یہ ہم نہیں چاہتے۔ ویسے بھی مسٹر لیٹر ایک زیرک اور دانش مند انسان تھے۔ انہوں نے آپ کو سوچ سمجھ کر ہی منتخب کیا ہوگا۔ آپ کی اہلیت کے سلسلے میں میرے نزدیک صرف یہی بات بہت کافی ہے۔“

ولیم یہ لفظ پہلے بھی سن چکا تھا۔۔۔۔۔ بچھلی بار پیٹر پارٹ نے یہی بات کہی تھی۔ ”ہم تینوں کے پاس جو کچھ بھی ہے، وہ چارلس لیٹر ہی کا مرہونِ منت ہے۔ ہم ان کی خواہش، بہتر طور پر احترام کریں گے۔“

”حضرات۔۔۔۔۔ انجمنی چارلس لیٹر کا فیصلہ آپ ہی کے لیے نہیں، خود میرے لیے بھی شدید حیرت کا باعث تھا۔ یقین کیجئے، یہ سب کچھ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔“ ولیم نے کہا۔ ”ہم آپ کی پوزیشن سمجھتے ہیں مسٹر کین اور یقین کیجئے ہم آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔“ ٹیڈ نے کہا۔ ”ہمیں احساس ہے کہ پیٹر پارٹ کے دو غلط پن کے بعد آپ کے لیے اس بات پر یقین کرنا مشکل ہوگا۔۔۔۔۔ لیکن یہ حقیقت ہے۔“

”میں آپ لوگوں پر اعتماد کرنے پر مجبور ہوں حضرات۔ میں آپ سے مشورہ چاہتا ہوں۔“ ”شکر یہ مسٹر کین۔“ ٹیڈ نے کہا۔ ”یہ بات طے ہے کہ پارٹ بڑے منظم طریقے سے کام کر رہا ہے۔ وہ اپنی پوزیشن مضبوط بھرتا ہے۔ بہر حال، اگر آپ مقابلہ کریں گے تو ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ یہ اعصابی جنگ ہے اور مجھے اُمید ہے کہ آپ لڑ سکیں گے۔“

”اگر نہ لڑ سکتا ہوتا تو اس وقت یہاں نہ ہوتا۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم مسٹر پارٹ کو کس طرح شکست دے سکتے ہیں؟“

”آپ کے ذہن میں کیا ہے؟ کل کر بات کیجئے۔“

”آپ کا کہنا بجا ہے کہ پارٹ کی دانست میں اس کی پوزیشن مضبوط ہے۔ اس کی وجہ ہے کہ اب تک صرف وہی حملہ کرتا رہا ہے اور وہ بھی بے خبری میں۔۔۔۔۔ میرا خیال ہے، اب ہمیں بھی حملہ کرنا ہوگا کیونکہ اسے ایسی کوئی توقع نہیں۔۔۔۔۔ اور حملہ بھی اس کے اپنے میدان یعنی بورڈ روم میں۔“

”میں سمجھا نہیں؟“ ڈیوس کے لہجے میں حیرت تھی۔

”سمجھتا ہوں۔۔۔۔۔ لیکن پہلے آپ میرے چند سوالوں کے جواب دیں۔ بورڈ میں کتنے ”ڈائریکٹرز“ ہیں؟“

”سول“ ٹیڈ نے جواب دیا۔

”اور اس وقت ان کا جھکاؤ کس کی طرف ہے؟“

”اس سوال کا جواب دینا آسان نہیں ہے مسٹر کین۔“ ڈیوس نے جواب دیا۔ اس نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکالا اور لفافے کی پشت پر کچھ دیکھتا رہا۔ ”میرا خیال ہے، ہمارے حق میں چھ ووٹ تو یقینی ہیں۔ پیٹر پارٹ کے یقینی ووٹ پانچ ہیں۔ آج صبح مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ چارلس لیٹر کا عزیز ترین دوست اسمتھ آپ کے حق میں ووٹ دینے پر رضا مند نہیں ہے۔ یہ عجیب بات ہے کیونکہ وہ پارٹ کو بھی زیادہ پسند نہیں کرتا۔ اس اعتبار سے آپ کی اور پارٹ کی پوزیشن ایک جیسی ہو گئی ہے۔“

”جمعات تک باقی چار ووٹوں کے متعلق بھی یقینی طور پر علم ہو جائے گا۔“

”جمعات ہی کیوں؟“ ولیم نے پوچھا۔

”اس روز بورڈ کی میٹنگ ہوگی۔ ایجنڈے میں پہلا پوائنٹ نئے چیئر مین کا انتخاب ہے۔“

ٹیڈ نے بتایا۔

”مجھے بتایا گیا ہے کہ میٹنگ پیر کے روز ہوگی۔“ ولیم کے لہجے میں استعجاب تھا۔

”کس نے بتایا تھا؟“ ڈیوس نے پوچھا۔

”پیٹر پارٹ نے۔“

”یہ بھی اسکی ایک چال تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ آپ اس میٹنگ میں شریک نہ ہو سکیں۔ اس کے نزدیک جنگ اور محبت میں ہر حربہ جائز ہے۔“ ٹیڈ نے کہا۔

”حالانکہ یہ نہ جنگ ہے نہ محبت۔ بہر حال میں اسے اس حد تک تو سمجھ ہی چکا ہوں کہ اس سے اس کے میدان میں مقابلہ کر سکتا ہوں۔“

”یہ کہنا آسان ہے، کرنا بہت مشکل ہے۔ مسٹر کین۔“ ڈیوس نے کہا۔ ”اس وقت پارٹ کی پوزیشن منظم ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آپ اس کا مقابلہ کیسے کریں گے۔“

”کورم کے لیے کتنے ممبرز کی موجودگی ضروری ہے؟“

”نومبر ہونے چاہئیں۔“

”اور بورڈ کا سکریٹری کون ہے؟“

”میں ہوں۔“ راجرز نے کہا۔ وہ اب تک خاموش رہا تھا۔ ولیم کے نزدیک یہ ایسی خوبی تھی، جو ایک سکریٹری کے لیے ضروری ہوتی ہے۔

”امیر جنسی میٹنگ کے لیے کتنی مہلت ضروری ہے؟“ ولیم نے راجرز سے پوچھا۔

”ہر ڈائریکٹر کو میٹنگ سے کم از کم 24 گھنٹے پہلے نوٹس پہنچنا چاہیے، لیکن مسٹر لیٹر تین دن کی

رہے گئے گزرتا نسبتاً سخت اور صبر آزما تھا۔ اُس روز وہ بل کلب میں اپنے کمرے تک محدود رہا۔ وہ سلاخے روز کی حکمت عملی کے متعلق سوچتا رہا..... فیصلے کرتا رہا۔ رات کو اُس نے کیٹ کو فون کیا۔

”کہاں ہو ڈیر..... اور تمہارے اُس پراسرار مسٹر پارٹ کا کیا حال ہے؟“

”میں بہت مصروف رہا تھا۔ پارٹ کے بارے میں، میں بے خبر ہوں۔ تم اس سلسلے میں کوئی مشورہ دے سکتی ہو؟“

”ہاں..... ایسا کوئی قدم نہ اٹھانا جس سے انہی حالات میں تمہارے آنجنابی والا اور پالس لیشر گریز کرتے۔“

”یقیناً ڈیر..... اس وقت شاید وہ دونوں اوپر گولف کھیل رہے ہوں گے لیکن ان کی نظریں مجھ پر ہی جمی ہوئی ہوں گی۔“

”کچھ بھی کرو، ولیم..... ایسا کوئی کام نہ کرنا، جو انہیں ناپسند ہو۔ یہ بات ذہن میں رکھنا کہ وہ خفیہ کو دیکھ رہے ہیں۔“

اس رات ولیم ٹھیک سے سو نہیں سکا۔ وقفے وقفے سے آنکھ لگتی اور کھلتی رہی۔ وہ چھ بجے اٹھا اور نہادھو کر چہل قدمی کے لیے نکل گیا۔ واپس آکر اس نے ناشتہ کیا۔ اس کے بعد وہ وال اسٹریٹ جرنل کے مطالعے میں مصروف ہو گیا۔ اخبار نے لیشرز بینک کے بارے میں خبر دی تھی کہ نئے چیئرمین کے انتخاب کے معاملے میں ڈائریکٹرز دو دھڑوں میں بٹ گئے ہیں۔ پارٹ کے والے سے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اس کے چیئرمین بننے کا قوی امکان ہے۔ ولیم سوچ میں پڑ گیا۔ اگلے روز کی خبر کے بارے میں کوئی بھی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر ولیم لیشرز بینک کے قواعد پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ اُس روز اُس نے لٹج نہیں کیا۔

ڈھائی بجے ولیم نے ٹیگسی پکڑی اور وال اسٹریٹ پہنچ گیا۔ وہ بینک میں داخل ہوا تو تین بجتے لمبا کچھ منٹ باقی تھے۔ چوکیدار نے اس سے دریافت کیا کہ کیا اُس کی کسی سے ملاقات ملے ہے۔

”میں ولیم کین ہوں۔“

”اچھا..... تو آپ بورڈ روم جارہے ہوں گے۔“

”ولیم چکرا گیا۔ اسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ بورڈ روم کس طرف ہے۔“

چوکیدار اس کی الجھن سمجھ گیا۔ ”راہداری میں بانئیں جانب مڑ جائیں جناب۔“ اس نے کہا۔

”شکریہ۔“ ولیم نے کہا اور پراعتاد انداز میں راہداری کی طرف بڑھ گیا، لیکن زندگی میں گناہدار اس کی دھڑکنیں بے ربط ہو رہی تھیں۔ ٹیڈ بورڈ روم کے دروازے پر موجود تھا۔ ”یہ مرحلہ خالص

مہلت دینا ضروری سمجھتے تھے۔ تاہم کساد بازاری کے دوران 29ء میں ایمرجنسی میٹنگ کال کی گئی تھی۔

”ٹھیک ہے۔ جب تو ہمیں ایمرجنسی میٹنگ کال کرنا چاہیے۔“ ولیم نے کہا۔

تیوں ڈائریکٹر اسے حیرت سے دیکھتے رہے۔

”ذرا سوچو تو..... مسٹر ٹیڈ لٹج جو بینک کے وائس چیئرمین ہیں، اجلاس طلب کرنا چاہا۔

”اور آپ کے خیال میں یہ میٹنگ کب ہونی چاہیے؟“ ٹیڈ لٹج نے پوچھا۔

”کل شام“ ولیم نے اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تین بجے۔“

”میرے خدا..... مجھے یقین نہیں.....“

”کیا آپ کے خیال میں پیٹر پارٹ کو اس سے دھچکا نہیں پہنچے گا۔“ ولیم نے رازدارانہ

بات کاٹ دی۔

”آپ درست کہتے ہیں۔ بشرطیکہ آپ کے ذہن میں پورا پروگرام موجود ہو کہ آپ میٹنگ میں کیا کرنا ہے؟“ ٹیڈ لٹج نے کہا۔

”یہ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیں۔ بس آپ اس بات کا خیال رکھیں کہ ہر ڈائریکٹر کو بروقت اطلاع پہنچ جانی چاہیے۔“

”میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ اس پر پیٹر پارٹ کا کیا رد عمل ہوگا؟“ ٹیڈ نے نظر آئیز لپے میں کہا۔

”پارٹ کی فکر نہ کریں۔“ ولیم نے کہا۔ ”اب تک ہم یہی غلطی کرتے رہے ہیں۔ ہمیں صرف اتنا کرنا ہے کہ تمام ڈائریکٹرز کو 24 گھنٹے پہلے میٹنگ کے متعلق اطلاع پہنچا دیں۔ اس کے بعد

ہمارے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ ہم اسے جوابی حملے کا موقع ہی نہیں دیں گے اور ہاں۔ کل میں کچھ بھی کہوں۔ کچھ بھی کروں، اس پر حیران نہ ہوں۔ یقین کیجیے میں بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھا رہا ہوں۔ آپ کو صرف اتنا کرنا ہے کہ میری پشت پناہی کے لیے میٹنگ میں شریک ہوں۔“

”اس وقت آپ نہیں بتائیں گے کہ آپ کے ذہن میں کیا ہے؟“ ٹیڈ نے پوچھا۔

”نہیں مسٹر لٹج..... یہ مناسب نہیں۔“

ٹیڈ اور اس کے ساتھیوں کو کسی حد تک اندازہ ہو گیا کہ چارلس لیشر نے ولیم کین کی کوئی نکتہ منتخب کیا تھا..... وہ میٹرو پولیٹن کلب سے نکلے تو پہلے سے زیادہ پراعتاد تھے۔ حالانکہ اگلے روز جو کچھ

ہونے والا تھا، وہ اس کے متعلق اندھیرے میں تھے۔ تاہم انہیں یقین تھا کہ جو کچھ ہوگا بہتر ہی ہوگا۔ دوسری طرف ولیم نے پہلے مرحلے پر تھامس کوہن کی ہدایات کے مطابق عمل کیا تھا۔ البتہ دوسرے

مشکل ہوگا۔“ اس نے ولیم کو دیکھتے ہی کہا۔

”اچھی بات ہے۔ چارلس لیٹر کی بھی یہی خواہش ہوگی۔ میں اُن کی توقعات پر اتروں گا۔ وہ بھی مشکل باغی تھے۔۔۔۔۔ میں بھی مشکل پنہاں ہیں۔“

ولیم کمرے میں داخل ہوا۔ اسے ایک ہی نظر میں اندازہ ہو گیا کہ تمام ڈائریکٹرز موجود ہیں۔ ولیم کے کمرے میں داخل ہوتے ہی سب خاموش ہو گئے۔ اور سب کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے ہر ایک کی نظریں ولیم پر جمی ہوئی تھیں۔ پیٹر پارنٹ کے سنبھلنے سے پہلے ہی ولیم نے چیز میں کی کرسی سنبھال لی۔

”جنتلمین..... تشریف رکھیے۔“ ولیم نے کہا۔

نئیڈ اور چند دوسرے ڈائریکٹرز فوراً بیٹھ گئے۔ باقی لوگ قدرے ہچکچاہٹ کے بعد بیٹھے۔ مہرولیم کو احساس ہوا کہ دو ڈائریکٹرز کوئی اعتراض کرنے والے ہیں۔ اس نے انہیں بولنے کا موقع دینا مناسب نہ سمجھا۔“ اس سے پہلے کہ آپ لوگ اظہار خیال کریں، مجھے اجازت دیجیے کہ میں اپنا فیصلہ بیان کر دوں۔“ اس نے کہا۔“ اس کے بعد فیصلہ کرنا آپ کا کام ہوگا۔ ہم لوگ چارلس لیسنر کی خواہش کے احترام میں کم از کم اتنا تو کر ہی سکتے ہیں۔“

وہ دونوں ڈائریکٹرز بیٹھ گئے، جو کچھ کہنا چاہ رہے تھے۔ ولیم نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ”شکر یہ جنظلیں۔ پہلے تو یہ عرض کر دوں کہ مجھے اس بینک کا جیڑ مین بننے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔“ ولیم نے کچھ توقف کیا اور پھر اپنی بات مکمل کی۔ ”جب تک کہ تمام ڈائریکٹرز مجھ پر متاد کا اظہار نہ کر دیں۔“

”کمرے میں موجود ہر شخص کی نگاہیں ولیم پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔“

”بسیمین..... ان دنوں میں لیکن ایڈ کا بوٹ کا وائس چیئر مین ہوں اور کین ایڈ کا بوٹ کے 51 فیصد شیئرز کا مالک ہوں۔ کین ایڈ کا بوٹ کے بانی میرا دادا تھے۔ کین ایڈ کا بوٹ، لیئرز کے مقابلے میں چھوٹا بینک سہی، لیکن ساکھ کے اعتبار سے لیئرز کا ہم پلہ ہے۔ جہاں تک چارلس لیئر خواہش کے احترام میں بوشن سے نیویارک منتقل ہونے کا تعلق ہے۔ تو جنتلیں، یہ کام میرے لیے آسان نہیں ہے۔ تاہم میری نگاہوں میں آنجنابی چارلس لیئر کی آخری خواہش کی اہمیت ہے۔ انوں نے یہ فیصلہ تفریحاً نہیں کیا تھا۔ وہ بہت سنجیدہ طبع اور دانش مند آدمی تھے۔ ان کا بیٹا تھو لیئر راجگری دوست تھا۔ یہ المیہ ہے کہ اس وقت میرے بجائے، وہ آپ سے خطاب نہیں کر رہا ہے۔“

”مسکین، آپ لوگوں کی تائید میرے لیے اعزاز ہے۔ میں آپ لوگوں کی خدمت

مشکل ہوگا۔“ اس نے ولیم کو دیکھتے ہی کہا۔

”اچھی بات ہے۔ چارلس لیٹر کی بھی یہی خواہش ہوگی۔ میں اُن کی توقعات پر اتروں گا۔ وہ بھی مشکل باغی تھے۔۔۔۔۔ میں بھی مشکل پنہاں ہیں۔“

ولیم کمرے میں داخل ہوا۔ اسے ایک ہی نظر میں اندازہ ہو گیا کہ تمام ڈائریکٹرز موجود ہیں۔ ولیم کے کمرے میں داخل ہوتے ہی سب خاموش ہو گئے۔ اور سب کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے ہر ایک کی نظریں ولیم پر جمی ہوئی تھیں۔ پیٹر پارنٹ کے سنبھلنے سے پہلے ہی ولیم نے چیئر میں کی کرسی سنبھال لی۔

”جنتلمین..... تشریف رکھیے۔“ ولیم نے کہا۔

نئیڈ اور چند دوسرے ڈائریکٹرز فوراً بیٹھ گئے۔ باقی لوگ قدرے ہچکچاہٹ کے بعد بیٹھے۔ مہرولیم کو احساس ہوا کہ دو ڈائریکٹرز کوئی اعتراض کرنے والے ہیں۔ اس نے انہیں بولنے کا موقع دینا مناسب نہ سمجھا۔“ اس سے پہلے کہ آپ لوگ اظہار خیال کریں، مجھے اجازت دیجیے کہ میں اپنا فیصلہ بیان کروں۔“ اس نے کہا۔“ اس کے بعد فیصلہ کرنا آپ کا کام ہوگا۔ ہم لوگ چارلس لیسنر کی خواہش کے احترام میں کم از کم اتنا تو کر ہی سکتے ہیں۔“

وہ دونوں ڈائریکٹرز بیٹھ گئے، جو کچھ کہنا چاہ رہے تھے۔ ولیم نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ”شکر یہ جنظلیں۔ پہلے تو یہ عرض کر دوں کہ مجھے اس بینک کا جیڑ مین بننے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔“ ولیم نے کچھ توقف کیا اور پھر اپنی بات مکمل کی۔ ”جب تک کہ تمام ڈائریکٹرز مجھ پر متاد کا اظہار نہ کر دیں۔“

”کمرے میں موجود ہر شخص کی نگاہیں ولیم پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔“

”بسیمین..... ان دنوں میں لیکن ایڈ کا بوٹ کا وائس چیئر مین ہوں اور کین ایڈ کا بوٹ کے 51 فیصد شیئرز کا مالک ہوں۔ کین ایڈ کا بوٹ کے بانی میرا دادا تھے۔ کین ایڈ کا بوٹ، لیئرز کے مقابلے میں چھوٹا بینک سہی، لیکن ساکھ کے اعتبار سے لیئرز کا ہم پلہ ہے۔ جہاں تک چارلس لیئر خواہش کے احترام میں بوشن سے نیویارک منتقل ہونے کا تعلق ہے۔ تو جنتلیں، یہ کام میرے لیے آسان نہیں ہے۔ تاہم میری نگاہوں میں آنجنابی چارلس لیئر کی آخری خواہش کی اہمیت ہے۔ ان کے بیٹے نے یہ فیصلہ تفریحاً نہیں کیا تھا۔ وہ بہت سنجیدہ طبع اور دانش مند آدمی تھے۔ ان کا بیٹا تھو لیئر راجگری دوست تھا۔ یہ المیہ ہے کہ اس وقت میرے بجائے، وہ آپ سے خطاب نہیں کر رہا ہے۔“

”مسکین، آپ لوگوں کی تائید میرے لیے اعزاز ہے۔ میں آپ لوگوں کی خدمت

ایسٹریڈ بینک کی چیئر مین شپ سنبھال کر بہت بڑی قربانی دے رہا ہوں۔ میرے خیال میں ضروری ہوگا کہ میں آپ کو بینکاری کے شعبے میں اپنے تجربات سے آگاہ کروں۔ میرا خیال ہے، ایک لوگ میرے تئیں پوری طرح پھان ٹین کر چکے ہوں گے۔ آنجنائی چارلس لیسٹرز کے ساتھ کرنے والوں سے اسی مستعدی کی توقع کی جاسکتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ چارلس لیسٹرز نے بے پناہ محنت نہیں کیا ہوگا۔ میرے نزدیک چارلس لیسٹرز کا فیصلہ ہی میری اہلیت کی سب سے بڑی بات ہے۔ آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ میرے اپنے بینک کے چیئر مین نے مجھ سے استدعا کی ہے کہ میں بینک چھوڑ کر نہ جاؤں۔ اگر کل مسٹر پارفٹ نے مجھے فون کرنے کی زحمت کی ہوتی تو میں نے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیتا۔ گزشتہ جمعے کی رات مسٹر پارفٹ کے گھر پر دعوت کا اعزاز حاصل ہوا۔ اس موقع پر مسٹر پارفٹ نے مجھے بتایا تھا کہ وہ لیسٹرز کی چیئر مین شپ میں دلچسپی نہیں رکھتے۔

ہے خیال میں صرف مسٹر ٹیڈ لیچ ہی مجھ سے مقابلے کا ارادہ رکھتے ہیں..... انہوں نے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ میرا ساتھ دیں گے مسٹر ٹیڈ سے گفتگو کے بعد معلوم ہوا کہ وہ بھی میرا ساتھ دے رہے ہیں۔ گویا بینک کے دونوں وائس چیئرمین میرے ساتھ تھے۔ وال اسٹریٹ جرنل پڑھنے کے بعد میں اس مینگ میں شریک ہونے کا فیصلہ کیا۔ وال اسٹریٹ جرنل پر میں نے کبھی کسی معاملے میں مداخلت نہیں کیا۔ میں نے سوچا کہ اس مینگ میں شریک ہو کر خود دیکھ لوں کہ دونوں وائس چیئرمین اب وعدہ میرے ساتھ ہیں۔ میں یہ بھی بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے لیے اپنے بینک کی پابندیوں کو حاصل کچھ دشوار نہیں تھا کیونکہ میں 51 فیصد شیئرز کا مالک تھا اور بورڈ کو ختم کرنے کا بازار بند رکھتا تھا، لیکن میرے نزدیک اظہار رائے کی اہمیت ہے اور میں اس کا احترام بھی کرتا ہوں۔ یہی ہے کہ میں آپ کا اعتماد حاصل کیے بغیر لیسٹرز کی چیئرمین شپ قبول کرنا نہیں چاہتا۔“

ٹیڈیچ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ ولیم کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ ٹیڈیچ کی عہد شکنی کا اللب پارفت کی فتح ہوتا۔ پھر ٹیڈیچ نے سر اٹھایا اور آہستہ سے کہا۔ ”میں غیر مشروط طور پر مسٹر ولیم کے ساتھ ہوں۔“

اب ولیم نے پیٹر پارفٹ کو دیکھا۔ پیٹر پارفٹ اپنے میں نہا رہا تھا۔ پھر وہ نظریں اٹھائے اور بولا۔ ”بورڈ کے کچھ ممبرز کا خیال ہے کہ میں مناسب.....“

”گویا تم نے ارادہ بدل دیا۔ تم چارلس لیسٹر کی خواہش کی توثیق نہیں کرنا چاہتے۔“ ولیم نے بچھے ہوئے لہجے میں کہا۔

پیٹر پارفٹ نے سر اٹھایا۔ ”بات اتنی سادہ نہیں ہے مسٹر کین۔“

”مجھے ہاں یا نہ میں جواب چاہیے۔“

دو یونہی ساون کی

”ہاں..... میں تمہارا مقابلہ کروں گا۔“ پیٹر پارفٹ نے مستحکم لہجے میں کہا۔
 ”حالانکہ گزشتہ جیتنے کو تم نے مجھ سے کہا تھا کہ تم چیز میں بننے میں دلچسپی نہیں رکھتے۔“
 ”مسٹر کین..... یہ تمہارا بورڈ روم نہیں ہے۔ میں سبھی اپنی پوزیشن کے سلسلے میں وضاحت کروں گا۔“
 ”ضرور کرو۔“

اب تک میٹنگ ولیم کے منصوبے کے مطابق جاری تھی۔ اس کی تقریر کے بعد پارڈ زبردست دباؤ میں آ گیا تھا۔ اُس کی بالادستی کا طلسم ٹوٹ گیا تھا۔ اسے بورڈ کے ممبرز کے سامنے کہا گیا تھا..... اور وہ تردید بھی نہیں کر سکا تھا۔
 ”جنتلمین.....“ پارفٹ نے کہا۔ اب ہر شخص اس کی طرف متوجہ تھا۔ ولیم کو تمام ڈائریکٹرز کے تاثرات دیکھنے کا موقع مل گیا۔
 ”بورڈ کے کئی ارکان نے مجھ سے ذاتی طور پر ملاقات کی۔ یہ مسٹر کین کے ساتھ ڈائریکٹرز کی بات ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں ایکشن لڑوں۔ کسی بھی مرحلے پر میرے ذہن پر آنجہانی چارلس لیسٹر کی خواہش کا احترام نہ کرنے کا خیال موجود نہیں تھا۔ میں مسٹر کین کو یقیناً فیصلے سے آگاہ کرتا لیکن آج کی میٹنگ خود میرے لیے بھی حیرت کا باعث ہے۔ یوں مجھے مسٹر کین آگاہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔“ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنی بات جاری رکھی۔
 ”گزشتہ 22 سال سے لیسٹرز کی خدمت کر رہا ہوں اور چھ سال سے وائس چیئرمین ہوں۔ اس سال سے چیئرمین شپ کے حصول کی کوشش کرتا میرا حق ہے۔ مسٹر کین کی بورڈ میں شمولیت پر مجھے کوا اعتراض نہیں لیکن میں ان کے چیئرمین بننے کے حق میں نہیں ہوں۔ میرا خیال ہے میرے ساتھ ڈائریکٹرز اپنے 22 سال کے ساتھی کو ایک اجنبی کے مقابلے میں زیادہ قابل اعتماد سمجھیں گے۔ مسٹر چارلس لیسٹر کی خواہش ان کے ذہنی عدم توازن کی دلیل ہے اور یہ فطری ہے۔ انہیں اُن کے اگلے بیٹے کی جوان موت نے، موت سے پہلے ہی ختم کر دیا تھا۔ جیکب یو جنتلمین۔“ وہ بیٹھ گیا۔

پارفٹ کی تقریر خاصی موثر تھی لیکن ولیم اب بھی پر اعتماد تھا۔ وہ بوڑھے اور تجربہ کار تھا اس کو بہن کے مشورے پر عمل کر رہا تھا۔ وہ دوبارہ اٹھا۔ ”جنتلمین..... مسٹر پارفٹ نے مجھے آپ کے لیے اجنبی قرار دیا ہے۔ میں ایک بینکار کا پوتا اور ایک کا بیٹا ہوں۔ میری ساری عمر بینکنگ میں گزری ہے۔ اگر آپ مجھے منتخب کریں گے تو مجھے یقیناً خوشی ہوگی۔ اور اگر آپ پارفٹ کا ساتھ دیں گے تو میں خاموشی سے بوشن چلا جاؤں گا اور اپنے بینک کی خدمت کرتا رہوں گا۔ میں زبردستی قائل نہیں ہوں..... میں مسٹر پارفٹ کی ماتحتی میں کام نہیں کر سکتا۔ میں آپ کے لیے اجنبی سہی لیکن مجھے:

”کیں..... کیں..... پارفٹ۔“ راجرز نے اعلان کیا۔
 پارفٹ کو 2-3 سے سبقت حاصل تھی۔ ولیم کو خوف آنے لگا کہ کہیں اس انتخاب میں بھی اس کے ساتھ وہی کچھ نہ ہو، جو ٹونی سائمن کے مقابلے میں ہوا تھا۔
 ”پارفٹ..... کیں..... کیں۔“ راجرز نے پھر اعلان کیا۔
 اب مقابلہ 4-4 سے برابر تھا۔
 ”پارفٹ۔“

”ولیم کا چہرہ بے تاثر رہا جبکہ پارفٹ کے لبوں پر مسکراہٹ نظر آئی۔ اب اسے 4-5 سے بہتر حاصل تھی۔

”کین..... کین..... کین۔“

پارنٹ کی مسکراہٹ سمدوم ہوئی۔ اب کین کو 5-7 سے سبقت حاصل تھی۔ دو اور دو اور..... ولیم دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا۔

”پارنٹ..... پارنٹ۔“

ولیم کا دل ڈوبنے لگا۔ اب دونوں امیداروں کے سات سات ووٹ تھے۔ ابی پرچیاں باقی تھیں۔

راجز کو 15 ویں پرچی کھولنے میں خاصی دشواری ہوئی۔ وہ تہ در تہ پرچی تھی۔ بالآخر نے اعلان کیا۔ ”کین۔“

اب پارنٹ کے سات ووٹ کے مقابلے میں ولیم کے آٹھ ووٹ تھے۔ آٹھویں پرچی کھولی جا رہی تھی۔ ولیم کی نگاہ راجز کے لیوں پر تھی، جو کسی بھی لمحے اعلان کرنے والا تھا۔ اب ہار جیت کا انحصار اس کے لیوں کی جنبش پر تھا۔

..... راجز نے نگاہیں اٹھائیں۔ اس وقت وہ وہاں اہم ترین شخصیت تھا۔ ”کین!“ باآواز اس نے کہا۔

پارنٹ کا جھکا ہوا سر کچھ اور جھک گیا۔ ”جنٹلمین..... مسٹر کین کے حق میں نو ووٹ آئے جب کہ مسٹر پارنٹ کو سات ووٹ ملے ہیں۔ چنانچہ میں مسٹر ولیم کین کو لیسٹرز بینک کا منتخب چیئر مین قرار دیتا ہوں۔“ کمرے میں احزا آمیز خاموشی طاری ہوگئی۔ پیٹر پارنٹ کے علاوہ ہر شخص ولیم کی طرف متوجہ تھا۔

ولیم نے گہری سانس لی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ اپنے بورڈ سے مخاطب تھا۔ ”جنٹلمین..... اس اعتماد کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ یہ آنجنابی چارلس لیسٹر کی خواہش تھی۔ آپ نے اس کا احترام کیا۔ میں اس کے لیے بھی شکر گزار ہوں۔ میں اس بینک کی ترقی کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لاؤں گا۔ میں مسٹر پارنٹ سے.....“

پیٹر پارنٹ نے پہلی بار نگاہیں اٹھائیں۔ ”..... درخواست کرتا ہوں کہ چیئر مین کے دفتر میں مجھ سے ملاقات کریں۔ مسٹر پارنٹ کے بعد میں مسٹر ٹیڈ لیچ سے ملنا چاہوں گا۔ میرا خیال ہے، کل مجھے آپ سے فردا فردا ملنے کا موقع ملے گا۔ بورڈ کی آئندہ میٹنگ معمول کے مطابق ہی ہوگی۔ یہ میٹنگ اب ختم کی جاتی ہے۔“ شکر یہ۔ ڈائریکٹر آپس میں گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ اور ولیم کمرے سے نکل آیا۔ ٹیڈ کا

کے بچے چپے تھا۔ اس نے چیئر مین کے کمرے تک ولیم کا ساتھ دیا۔ ”آپ نے بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔“ ٹیڈ نے کہا۔ ”اگر آپ ناکام ہو جاتے تو آپ کا رٹھل کیا ہوتا؟“

”میں یوسٹن واپس چلا جاتا۔“ ولیم نے سادگی سے جواب دیا۔ ٹیڈ لیچ نے ولیم کے لیے دروازہ کھولا۔ چیئر مین کا کمرہ اب بھی ویسا ہی تھا، جیسا اس نے پہلی بار دیکھا تھا، البتہ اُس بار وہ ولیم کو کچھ زیادہ ہی کشادہ لگا تھا۔ شاید اس لیے کہ اُن دنوں وہ لڑکا ہی تھا۔ اور اس کی نظروں میں وسعت نہیں تھا۔ وہ ڈیک کے عقب میں دیوار پر آویزاں آنجنابی پالس لیسٹر کی روشنی تصویر کو دیکھتا رہا، پھر سرخ جڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے جیکٹ کی جیب سے ایک جلد کتاب نکالی اور اپنے سامنے رکھ لی۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی، پھر ایک معرخص کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ اس کے آتے ہی ٹیڈ لیچ کمرے سے نکل گیا۔

”میرا نام اسمتھ ہے۔“ معرخص نے کہا۔ ولیم نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ اس وقت لیسٹرز بینک کے بورڈ کا معمر ترین ڈائریکٹر اس کے رو برو تھا۔ اس کے سفید بال اس کے تجربے کی گواہی دے رہے تھے۔ ولیم اس کی ساکھ سے انفرقا۔ وہ بینکاری کی دنیا کے اہل ترین لوگوں میں سے تھا وہ چند لمحے ولیم کی آنکھوں میں جھانکتا رہا۔ پھر بولا۔ ”میں نے آپ کے خلاف ووٹ دیا تھا جناب..... میرے خیال میں آپ میرے اسٹے کی توقع کر رہے ہوں گے۔“

”آپ تشریف تو رکھیں جناب۔“ ولیم نے نرم لہجے میں کہا۔ ”شکریہ۔“

”میرا خیال ہے، آپ میرے والد اور دادا سے ملے ہوں گے۔“

”مجھے یہ اعزاز حاصل ہے۔ میں ہاورڈ میں آپ کے دادا کے ساتھ پڑھا ہوں۔ مجھے آپ کے والد کی المناک موت آج بھی یاد ہے..... اور مجھے آج بھی اس کا دکھ ہے۔“

”اور چارلس لیسٹر؟“

”وہ میرا عزیز ترین دوست تھا۔ اس کی آخری خواہش میرے ضمیر کے لیے ایک امتحان بن گئی تھی۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ میں پیٹر پارنٹ کا حامی نہیں تھا۔ البتہ میں ٹیڈ لیچ کے حق میں فیماوٹ دیتا۔ لیکن بات اصول کی ہے۔ میں اس شخص کی تائید کیسے کرتا جس سے میں ناواقف تھا۔“

”آپ کی صاف گوئی نے مجھے متاثر کیا ہے مسٹر اسمتھ۔ لیکن بینک کی فلاح کے لیے آپ کی ضرورت ہے۔ آپ میرے بزرگ ہیں۔ میری التجا ہے کہ آپ استعفاء دیں۔“

بوڑھے مسٹر اسمتھ نے نظریں اٹھا کر ولیم کو بخور دیکھا۔ ”نو جوان..... میرا خیال ہے،

اصول اہم ہے۔ میں محض چند روز میں اپنی رائے تبدیل نہیں کر سکتا۔“

”مجھے چھ سات ماہ کی مہلت دیجئے جناب۔ اس کے بعد بھی آپ کی رائے میرے سلسلے میں تبدیل نہ ہوئی تو میں اصرار نہیں کروں گا۔“ ولیم نے کہا۔

کمرے میں چند لمحے خاموشی رہی، پھر مسٹر اسمتھ نے کہا۔ ”چارلس لیسٹر نے تمہیں ٹیکہ پہچانا، تم واقعی رجسٹرڈ کین کے بیٹے ہو۔“

”آپ میرا ساتھ دیں گے نا جناب؟“ ولیم نے پوچھا۔

”ضرور دوں گا نوجوان۔“ اسمتھ نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ولیم بھی اٹھا لیکن اسمتھ نے اسے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ اس نے دروازہ کھولا تو ولیم نے دیکھا کہ پیٹر پارفٹ دروازے کے باہر موجود ہے۔ اسمتھ کے باہر نکلے ہی وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔ چند لمحے وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، پھر پیٹر پارفٹ نے ہڈیانی لہجے میں کہا۔ ”ٹھیک ہے، میں نے کوشش کی اور میں ہار گیا۔ اب ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ ٹھیک ہے نا۔“ اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور ولیم کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

”تم نے ٹھیک کہا پارفٹ۔ اختلاف کا کوئی سوال ہی نہیں۔ اب تمہیں بینک کے عہدے سے استعفا دینا ہوگا۔“ ولیم نے کہا۔

”کیا..... کیا کرنا ہے مجھے!“

”استعفا دینا ہے۔“

”کیا کہہ رہے ہو ولیم؟ میں نے یہ سب کچھ ذاتی بنیاد پر تو نہیں کیا تھا۔ میں نے تو بس یہ محسوس کیا تھا.....“

”میں تمہیں اپنے بینک میں برداشت نہیں کر سکتا۔ مسٹر پارفٹ، اس لیے آج تمہیں یہاں سے ہمیشہ کے لیے دفع ہو جانا ہے۔“

”اور اگر میں انکار کر دوں تو تم کیا کرو گے؟ میں بینک کا شیئر ہولڈر ہوں۔ مجھے بورڈ کے خاصے ارکان کی تائید بھی حاصل ہے۔ میں تمہیں عدالت تک بھی لے جاسکتا ہوں۔“

”میرا مشورہ ہے کہ تم بینک کے اصول و ضوابط سے واقفیت حاصل کر لو۔ میں نے آج صبح سے اب تک یہی ایک کام کیا ہے۔“ ولیم نے اپنے سامنے رکھی ہوئی کتاب کھولی..... اور چند صفحے پلٹے۔ پھر اس نے پارفٹ کو ایک نشان زدہ حیرا گراف پڑھ کر سنایا۔ ”جیڑمین کسی بھی ایسے رکن کو ہٹا سکتا ہے جس پر اسے اعتماد نہ ہو۔“ اس نے نظریں اٹھائیں اور پارفٹ کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ”میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا پارفٹ۔ تمہیں استعفا دینا ہوگا۔ اس صورت میں تمہیں دو سال کی جستجو طے لگی..... اور“

”میں نے تمہیں نکالا تو اپنے اسٹاکس کے علاوہ تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اب فیملہ تم خود ہی کر لو۔“

”تم پرست ہو کین۔ ٹھیک ہے۔ میں استعفا دے دوں گا۔“ پارفٹ فرمایا۔

”بہت خوب۔ چلو، کاغذ سنہا لو اور استعفا لکھ لو۔“

”ہرگز نہیں۔ میں استعفا اپنی مرضی کے مطابق دوں گا۔“

”ابھی استعفا دو..... ورنہ میں تمہیں خود نکال دوں گا۔“

پارفٹ چند لمحے ہچکچایا، پھر سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ولیم نے کاغذ اور قلم اس کی طرف بھادیا۔ لیکن پارفٹ نے اپنا قلم نکالا، تیزی سے استعفا لکھا اور ولیم کی طرف بڑھا دیا۔ ولیم نے نفع کو بغور پڑھا۔ گڈ ڈے مسٹر پارفٹ۔“ اس نے کہا۔

پیٹر پارفٹ خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔ چند لمحے بعد ٹیڈ لچ کمرے میں داخل ہوا۔ آپ نے مجھے بلایا تھا مسٹر جیڑمین؟“ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں مسٹر لچ، میں تمہیں بینک کا وائس چیئرمین مقرر کرنا چاہتا ہوں۔ مسٹر پارفٹ نے تنقید دے دیا ہے۔“

”مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ.....“

”ولیم نے استعفا اس کی طرف بڑھا دیا۔ ٹیڈ نے استعفا پڑا اور نظریں اٹھائیں۔“ مجھے ٹی ہوگی جناب۔ آپ کے اعتماد کا شکریہ۔“ اس نے کہا۔

”گڈ..... میں چاہتا ہوں کہ کل تم میری تمام ڈائریکٹرز سے ملاقات کا شیڈول بنا دو۔ میں صبح آٹھ بجے یہاں موجود ہوں گا۔“

”بہت بہتر مسٹر کین۔“

”اور ہاں، یہ استعفا بورڈ کے سیکرٹری کو دے دینا۔“

”بہت بہتر مسٹر جیڑمین۔“

”میرا نام ولیم ہے۔“

”ٹیڈ مسکرایا پھر ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ”ٹھیک ہے ولیم صبح ملیں گے۔“

اس کے جانے کے بعد ولیم پر بے یقینی کا حملہ ہوا۔ وہ دیر تک سوچتا رہا کہ کہیں یہ کوئی بات نہیں پھر اس نے کھڑکی سے جھانک کر وال اسٹریٹ کو دیکھا جہاں اس وقت بہت چہل پہل اور ہلکی باراسے بہت زیادہ خوشی کا احساس ہوا۔

”میں پوچھ سکتی کہ آپ کون ہیں اور یہاں کیا رہے ہیں؟“ ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ ولیم نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ ایک متوسط العمر عورت تھی۔ ”نبی سوال میں تم سے کرنا چاہتا ہوں۔“

میں بٹار ہوتا تھا۔ تھامس کوہن کو ماہانہ رپورٹ بتانی تھی کہ اسٹیل اسٹھام کے مرحلے سے گزرنے کے بعد اب حیرت انگیزی سے پہلے سے کہیں زیادہ ترقی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب وہ یورپ کے بڑے بڑے شہروں میں بھرن ہوئی قائم کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ تھامس کوہن اب تک اسٹیل اور ہنری ہورن کے درمیان کوئی تعلق نہیں تلاش کر سکا تھا۔

ولیم کو یقین تھا کہ امریکہ اس یورپی جنگ میں ملوث نہیں ہوگا۔ تاہم اس نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ امریکی قوم کی ہمدردیاں برطانیہ اور اس کے حلیفوں کے ساتھ ہیں۔ لیسٹرز کی لندن براچ کو کاروبار جاری رکھنے کا حکم دیا۔ اس نے انگلینڈ میں اپنی بارہ ہزار ایکڑ زمین بھی نہیں بیچی۔ دوسری طرف ٹونی سائمن نے اسے آگاہ کیا کہ کین اینڈ کا بوٹ اپنی لندن براچ کو بند کر رہے ہیں۔ ولیم نے ہوشن جاکر ٹونی سائمن سے ملاقات کے لیے وقت نکال ہی لیا۔ اس بار دونوں چیئر مین دوستانہ انداز میں ملے۔ درحقیقت اب ان دونوں نے ایک دوسرے کے نئے خیالات سے استفادہ کرنا بھی سیکھ لیا تھا۔ وہ لچ کے لیے لاکو بریسٹوران میں گئے۔

”لندن براچ بند کرنے کی سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں بینک کو بھاری نقصان اٹھانا پڑے گا۔“ ٹونی سائمن نے کہا۔

”یہ تو ہے..... لیکن ہمیں برطانیہ کی مدد کرنا چاہیے۔“

”کیوں؟ ہم بینک چلا رہے ہیں، معاون ادارہ نہیں۔“

”ٹونی..... برطانیہ بیس بال کھیلنے والی کسی ٹیم کا نام نہیں بلکہ ایک قوم کا نام ہے۔ ہمارا ثقافتی ورثہ اسی قوم کا.....“

”میرا خیال ہے، تم بینکاری چھوڑ دو اور سیاست میں حصہ لینا شروع کر دو۔“ ٹونی نے کہا۔ ”کیوں اپنی صلاحیتیں ضائع کر رہے ہو..... میرا کہنا یہ ہے کہ اگر ہٹلر برطانیہ میں داخل ہو گیا تو وہ انگوں پر یقیناً قابض ہوگا..... اور یہ کین اینڈ کا بوٹ کے لیے بہت بڑا نقصان ہوگا۔“

”ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ جس روز جرمنوں نے برطانیہ کی سر زمین پر قدم رکھا، اسی روز امریکہ جنگ میں کود پڑے گا۔“ ولیم نے مضبوط لہجے میں کہا۔

”یہ ناممکن ہے۔ روز ویٹ مدد تو کر سکتا ہے، جنگ میں ملوث نہیں ہو سکتا۔“

”سیاست دانوں اور بالخصوص روز ویٹ کی بات پر یقین مت کرو۔ ان کی کبھی نہیں کا مطلب محض وقتی انکار ہوتا ہے۔ یاد کرو، 1916ء میں لسن نے بھی یہی کہا تھا۔“

ٹونی ہنس دیا۔ ”تم سینٹ کا انتخاب کب لڑو گے ولیم؟“

”اس سوال کا تو میں حتیٰ جواب دے سکتا ہوں، کبھی نہیں۔“

”میں چیئر مین کی سیکرٹری ہوں۔“

”اور میں چیئر مین ہوں۔“

آئندہ چند ہفتوں میں ولیم پوری طرح نیو یارک منتقل ہو گیا۔ ٹونی سائمن نے قدم قدم پر اس کی مدد کی۔ ولیم کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ ایلن لائڈ نے کین اینڈ کا بوٹ کی چیئر مین شپ کے لیے ٹونی کو اس پر فوقیت کیوں دی تھی۔ اس نے پہلی بار تسلیم کیا کہ ایلن لائڈ کا فیصلہ درست تھا۔

نیو یارک آتے ہی کیٹ کو معروضیات بھی میسر آ گئیں۔ منشی ورجینیا اب گھنٹوں کے مل چلنے لگی تھی..... اور جب بھی موقع ملتا ولیم کی اسٹڈی میں پہنچ جاتی۔ ایک بڑے بینک کے چیئر مین کی بیوی کی حیثیت سے کیٹ متعدد دعوتوں میں شرکت کرتی..... اور خود بھی دعوتیں دیتی۔ ان دعوتوں کا فائدہ یہ ہوتا کہ بینک کے ڈائریکٹرز اور دیگر اہم شخصیتوں کو ولیم سے نجی گفتگو کا موقع مل جاتا..... ایسے موقعوں پر کیٹ بہت اچھی میزبان ثابت ہوتی..... ولیم، کین اینڈ کا بوٹ کے شعبہ قرقی کا شکر گزار تھا، جس کی وجہ سے اسے زندگی کا اہم ترین اثاثہ ملا تھا پھر کیٹ نے ولیم کو تیسرے مہمان کی آمد کی نوید سنائی۔ ورجینیا اس خبر سے بہت خوش تھی..... لیکن وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ مئی دن بدن موٹی کیوں ہوتی جا رہی ہیں۔

چھ ماہ کے اندر اندر بینک کے معمولات، ولیم کی زندگی کے معمولات بن گئے۔ ولیم نیو یارک کے کاروباری حلقوں کی جانی پہچانی شخصیت بن گیا۔ اب وہ اکتانے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب اپنا ہدف کیا مقرر کرے۔ وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی آرزو پوری کر چکا تھا۔ تینتیس سال کی عمر میں وہ لیسٹرز بینک کے ادارے کا چیئر مین بن گیا تھا۔ سکندر اعظم کے برعکس وہ جانتا تھا کہ ابھی بہت سی ملکیتیں تسخیر کیے جانے کی منتظر ہیں۔

ولیم کو لیسٹرز کے چیئر مین کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے ایک سال ہوا تھا کہ کیٹ نے اسے تیسری زندگی کا تحفہ پیش کیا۔ اس بار بھی بچی پیدا ہوئی۔ اس کا نام لوسی رکھا گیا۔ ولیم نے نئی ورجینیا کو، جو اب چلنے لگی تھی لوسی کا جھولا ہلانا سکھایا۔ رچرڈ اب پانچ سال کا ہو چکا تھا اور بچلے کے نئی اسکول میں داخل ہونے والا تھا۔

لیسٹرز میں ولیم کے پہلے سال کے دوران بینک کا منافع گزشتہ سال کے مقابلے میں کچھ بڑھ گیا۔ اسے یقین تھا کہ دوسرے سال کے دوران منافع اور بڑھ جائے گا۔

یکم ستمبر 1939ء کو ہٹلر پولینڈ میں داخل ہو گیا۔ اس موقع پر ولیم، اسٹیل روئسکی کے بارے میں سوچے بغیر نہ رہ سکا، جس کے بھرن ہوئی نیو یارک کا افتتاح ہو چکا تھا اور جواب معززین

دوسری یہ کہ بینکنگ کے ذریعے لاکھوں غریبوں کی خدمت کریں۔ میں دوسرا کام کر رہا ہوں اور جب تک میں لیسنر کا چیزمین ہوں۔ ہم کمرشل بینکنگ کرتے رہیں گے۔

”اعتاد کی فضا ہو تو کوئی مسئلہ، مسئلہ نہیں رہتا۔“

ولیم اس شام نیو یارک آیا تو فتح مندی کے احساس سے سرشار تھا۔ اس کے ذہن میں ٹونی سائمن کی باتیں گونج رہی تھیں۔ پھر لیسنرز کے بورڈ کے اراکین کا رد عمل بھی مثبت ثابت ہوا، انعام کے سلسلے میں ٹونی نے ولیم کو یہ بھی بتایا تھا کہ اس صورت میں اس کے اسٹاکس کی برتری ختم ہو جائے گی۔ کسی بھی وقت تمہاری چیزمین شپ خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنا۔ ٹونی نے کہا تھا۔ لیکن ولیم ملک کو ایک بہت بڑا اور مستحکم مالیاتی ادارہ دینے کے لیے یہ خطرہ مول لینے کو تیار تھا۔

اس سلسلے میں باقاعدہ کام شروع کر دیا گیا۔ تین ماہ بعد ہر شعبے کے سربراہ نے بورڈ کے سامنے مفصل رپورٹ پیش کر دی۔ وہ سب متفق تھے کہ انعام دونوں بینکوں کے حق میں بہتر ثابت ہوگا۔ کچھ ڈائریکٹرز تو اسی بات پر حیران تھے کہ ولیم کو یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا، کیونکہ وہ کین اینڈ کا بوٹ کے اکیاون فی صد شیئرز کا مالک تھا نیڈلج نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ولیم کو لیسنرز کا چیزمین منتخب کرتے ہوئے چارلس لیسنر کے ذہن میں یقیناً یہ بات رہی ہوگی۔

معادہ انعام کی جزئیات اور شرائط مرتب کرنے میں ایک سال لگا۔ نئی کمپنی میں بھی اسٹاکس کے اعتبار سے ولیم سب سے آگے تھا۔ اس کے پاس مجموعی طور پر آٹھ فیصد شیئرز تھے۔ اُسے نئے بینک کا صدر اور چیزمین بنادیا گیا۔ اس نے دو وائس چیزمین نامزد کیے۔ ٹونی سائمن اور نیڈلج، ٹونی سائمن بدستور بوشن میں مقیم رہا۔ اس نے بینک کا نام لیسنرز اینڈ کین تھا۔

8 دسمبر 1941ء کو ولیم نے ایک پریس کانفرنس میں دونوں بینکوں کے انعام کا اعلان کرنا تھا لیکن اس صبح پرل ہاربر پر جاپانیوں کے حملے کی وجہ سے پریس کانفرنس ملتوی کر دی گئی، تاہم اگلے روز اس انعام کی تفصیلی خبر شائع ہوئی۔

اب ولیم کے سامنے ایک اور مسئلہ تھا۔ وہ کیٹ کو کیسے بتائے کہ وہ فوج میں بھرتی کے لیے درخواست دینے والا ہے۔ کیٹ یہ خبر سن کر ششدر رہ گئی۔ اس نے ولیم کو اس ارادے سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی۔ ”تم ایسا کون سا کام کرو گے جو ہمارے لاکھوں فوجی نہیں کر سکتے؟“ اس نے پوچھا۔

”مجھے معلوم نہیں۔ میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ ان حالات میں میرے دادا اور ڈیڈی بھی بمقام فوجی تھے۔“

”میرا خیال ہے، وہ بینک کے مفادات کو اولیت دیتے۔“ کیٹ نے اعتراض کیا۔

”نہیں..... میں جانتا ہوں، وہ امریکہ کے مفادات کو اولیت دیتے۔ امریکہ نہیں تو بینک

”بہر حال ولیم، تمہارے جذبات اپنی جگہ..... میں ان کا احترام کرتا ہوں لیکن میں لندن براؤنچ یقینی طور پر بند کروں گا۔“

”تم چیزمین ہو۔ اگر تمہارا بورڈ تمہارے فیصلے کی تائید کرتا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں تو اکثریت کی رائے کا احترام کرنے والوں میں سے ہوں۔“

”نہیں..... ایک صورت اور ہے۔ دونوں بینکوں کو ضم کر دو، تب تمہارا فیصلہ حتمی ہوگا۔“

”اور میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ جب تک تم کین اینڈ کا بوٹ کے چیزمین ہو، میں یہ قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ میں اپنے وعدے کا پکا ہوں۔“

”لیکن میں دونوں بینکوں کے انعام کے حق میں ہوں۔“ ٹونی نے مخلصانہ لہجے میں کہا۔

”کیا کہہ رہے ہو!“ ولیم کے لہجے میں حیرت تھی۔ ”میرا خیال ہے میں تمہیں کبھی نہیں سمجھ سکوں گا۔“

”ہمیشہ کی طرح اس بار بھی بینک کے مفادات کو اولیت دے رہا ہوں۔ ولیم، ذرا موجودہ حالات پر غور کرو۔ اس وقت مالیاتی اعتبار سے نیو یارک، امریکہ کا دل ہے۔ ہٹلر کے ہاتھوں برطانیہ کے زوال کے بعد یہ ساری دنیا کا مالیاتی مرکز ہوگا کین اینڈ کا بوٹ کو بھی نیو یارک میں ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ انعام کی صورت میں ہم اور زیادہ بڑے..... اور زیادہ مستحکم ادارے میں تبدیل ہو جائیں گے۔ کین اینڈ کا بوٹ شپنگ اور مختلف صنعتوں میں سرمایہ کاری کرتا رہا ہے..... لیسنرز کی پالیسی بالکل مختلف رہی ہے۔“

”ٹونی، ان تمام باتوں سے میں متفق ہوں مگر میں برطانیہ سے بھاگنے کے حق میں نہیں ہوں۔“

”میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ کین اینڈ کا بوٹ کی لندن شاخ بند ہو جائے گی لیکن لیسنرز کی شاخ قائم رہے گی۔ اب اگر لندن میں نقصان بھی ہوتا ہے تو ہم زیادہ مستحکم ہونے کی وجہ سے زیادہ متاثر نہیں ہوں گے۔ اور اس کے لیے انعام بہت ضروری ہے۔“

”لیکن روز ویلٹ کے بنائے ہوئے قانون کی رو سے ہم ایک ریاست میں صرف ایک شاخ کھول سکیں گے۔ یعنی ہمیں نیو یارک کو مرکز بنانا ہوگا۔ اس طرح بوشن کی اہمیت کم ہو جائے گی۔ اس صورت میں تم کیا محسوس کرو گے؟“

”میں تمہارا ساتھ دوں گا۔“ ٹونی نے مستحکم لہجے میں کہا۔ ”بلکہ تم سرمایہ کاری کو یکسر نظر انداز کر کے کمرشل بینکنگ کرنا چاہو، تب بھی میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

”تم بہت سے اہم مسائل کو نظر انداز کر رہے ہو ٹونی..... میرے والد کا کہنا تھا۔ بینکنگ کے ذریعے دو ہی باتیں ممکن ہیں ایک یہ کہ آپ امراء کے ایک خاص گروہ کی پشت پناہی کریں۔“

بھی نہیں۔“ ولیم نے تیز لہجے میں کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ کیٹ اسے آوازیں دیتی رہ گئی۔



اسیل نے شکاگو ٹریبون میں کین اور لیسنز کے انعام کی خبر پڑھی۔ اگر ولیم کین کی پرانی تصویر خبر کے ساتھ نہ ہوتی تو شاید اسے اس خبر کا علم بھی نہ ہوتا۔ وہ چھوٹی سی خبر تھی کیونکہ اخبار کے تقریباً تمام صفحات پر پرل ہاربر میں جاپانیوں کے حملے کی خبر چھائی ہوئی تھی۔ خبر کے مطابق نئے بینک کا چیئرمین ولیم کین تھا اور اس کے حصص کم از کم بیس افراد کے پاس موجود تھے۔ جس میں دونوں گھرانوں کے اعزا شامل تھے۔

وہ آخری حصہ اسیل کے لیے باعث سکون و اطمینان تھا۔ اُسے احساس ہو گیا کہ ولیم کین بینک پر مکمل کنٹرول سے محروم ہو گیا ہے۔ دس سال پہلے والی ملاقات کے بعد سے وہ مسلسل عروج کا سفر کرتا رہا تھا اسیل کو یاد تھا کہ اسے ولیم سے حساب بے باقی کرتا ہے۔

ان دنوں سالوں میں اسیل نے بھی بلندی کا سفر کیا تھا۔ بیرن گروپ کی قسمت بھی چمک اٹھی تھی۔ اس نے اپنے محسن کو رقم مقررہ مدت کے اندر واپس کر دی تھی اور بیرن گروپ کے تمام حصص اب اس کے قبضے میں تھے۔ بیرن گروپ اب پوری طرح اس کی ملکیت تھا۔ 1940ء میں گروپ کا منافع پانچ لاکھ ڈالر سالانہ سے تجاوز کر گیا تھا۔ دانشکتن اور سان فرانسسکو میں بیرن ہوٹل قائم کر دیے گئے تھے۔

اس تمام عرصے میں اسیل زافیا کو زیادہ وقت اور توجہ نہیں دے سکا تھا۔ بہر حال اس کی بیٹی کو اس کی ہر ممکن توجہ اور محبت ملتی رہی تھی۔ زافیا جو دوسرے بچے کی شدید خواہش رکھتی تھی، بے چین ہو رہی تھی۔ بالآخر اس نے اسیل کو طبی معائنے پر رضامند کر لیا۔ معائنے کے بعد اسیل کو علم ہوا کہ جرمینوں اور روسیوں کی قید نے اس کی تاسلی صلاحیت پر منفی اثرات چھوڑے ہیں۔ اور اب وہ کبھی باپ نہیں بن سکے گا۔ اس دن کے بعد اس کی تمام امیدوں کا مرکز صرف اور صرف منجی فلوریٹا بن گئی۔

اب اسیل کی شہرت سارے امریکہ میں پھیل رہی تھی۔ اخبارات بھی اسے شکاگو بیرن کے نام سے پکارتے تھے۔ پیٹھ پیچھے اُڑائے جانے والے مذاق کی اب اسے کوئی پروا نہیں رہی تھی۔ 1941ء میں منافع دس لاکھ ڈالر سے بھی بڑھ گیا۔ اسیل نے فیصلہ کیا کہ اب پھیلاؤ کا وقت آچکا ہے۔

لیکن پھر جرمینوں نے پرل ہاربر پر حملہ کر دیا۔

اسیل پہلے ہی سے برٹش ریڈ کراس کی بھرپور مالیتوں کو جمع کر رہا تھا۔ 1939ء میں نازی اس کے وطن میں داخل ہو گئے تھے، جہاں روسی پہلے سے موجود تھے۔ انہوں نے پولینڈ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اسیل نے اس سلسلے میں جنگ لڑی۔ پریس کے حجاز پر بھی..... اور ڈیموکریٹک پارٹی کے حجاز

بھی۔ وہ چاہتا تھا کہ امریکہ بھی جنگ بھی شامل ہو جائے۔ خواہ اسے روس کا حلیف بننا پڑے! اسکی پوششیں ناکام رہیں، لیکن پرل ہاربر پر جاپانیوں کے حملے کے بعد صورت حال بدل گئی۔ اسیل جانتا تھا کہ اب امریکہ کو جنگ میں کو نہ پڑے گا۔ 11 دسمبر کو صدر روز ویلٹ نے اپنی نشری تقریر کے ذریعے امریکہ کی عوام کو بتایا کہ جرمنی اور اٹلی نے باقاعدہ طور پر امریکہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔ اسیل کو اس جنگ میں شامل ہونا تھا۔ لیکن اس سے قبل اسے ذاتی طور پر ایک اعلان جنگ کرنا تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے کانٹینیٹل ٹرسٹ بینک میں کرٹس فینن کو فون کیا۔ ان تمام برسوں میں وہ کرٹس پر بے تحاشہ اعتماد کرنے لگا تھا۔ اس نے کرٹس کو بیرن گروپ کے بورڈ میں بدستور شامل رکھا تھا۔

”گروپ کے ریزرو اکاؤنٹ میں اس وقت کتنی رقم ہے؟“ لائن طے ہی اسیل نے پوچھا۔ اپنے دفتر میں کرٹس نے اکاؤنٹ نمبر 6 کی فائل کھولی۔ اسے وہ دن بھی یاد تھے۔ جب اسیل روئیس کے تمام معاملات ایک ہی فائل میں غنائے جاتے تھے۔ اس نے فائل دیکھ کر کچھ حساب کتاب لگایا۔ ”انیس لاکھ ڈالر سے کچھ زائد ہیں جناب۔“ اس نے جواب دیا۔

”بہت خوب..... لیسٹر کین اینڈ کمپنی نامی بینک کے ہر شیئر ہولڈر کو ٹولو۔ ہر شیئر ہولڈر کا نام معلوم کرو۔ یہ بھی معلوم کرو کہ کس کے پاس کتنے فی صد حصص ہیں۔ اور وہ کن شرائط پر انہیں بیچنے کے لیے آمادہ ہے۔ اس تقیش کا علم بینک کے چیئرمین ولیم کین کو نہ ہونے پائے..... اور میرا نام نہ آنے پائے۔“

کرٹس کی سانس رُک سی گئی۔ تاہم وہ خاموش رہا اسے خوشی تھی کہ وہ اس وقت اسیل کے لاہور نہیں ہے..... اور اسیل اس کی حیرت نہیں دیکھ سکے گا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسیل اتنی بے مقصد سرمایہ کاری میں دلچسپی کیسے لے رہا ہے۔ پھر اسے خیال آیا کہ اسے اس کامیابی پر ولیم کین کے نام مبارک باد کا پیغام تو بھیجنا چاہیے۔ اس نے سامنے رکھے ہوئے پیڈ پر یہ بات نوٹ کر لی۔ پھر اسیل کی ہدایات توجہ سے سننے لگا۔

”اس سلسلے میں کاغذی کارروائی بالکل نہیں ہوگی۔ پروگریس سے مجھے بالمشافہ آگاہ کر دینا۔“ اسیل نے کہا۔

”بہت بہتر مسٹر روئیس۔“ کرٹس نے کہا اور دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ نہ جانے ان دلوں کے درمیان کیا معاملات چل رہے ہیں۔

”شکریہ کرٹس۔ اور بال..... میری ریسرچ ٹیم کا مشورہ ہے کہ انٹرایل میں سیریل ہوٹل مول لیا جائے۔“

”آپ جنگ کی وجہ سے فکر مند نہیں ہیں مسٹر اسیل؟“

جارج نے اسل کے کو بہت سمجھایا کہ امریکہ، اسل کی مدد کے بغیر بھی جنگ جیتنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ دوسری طرف زافیا نے بھی اسل کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ آٹھ سالہ فلوریٹا پھوٹ بٹ کر رونے لگی۔ اسے جنگ کا مطلب معلوم نہیں تھا۔ اسے تو بس یہ معلوم تھا کہ ڈیڈی بہت دنوں لیے اس سے دور ہو جائیں گے۔

سب کوششوں اور منتوں کے باوجود اسل اگلے روز نیویارک روانہ ہو گیا۔ نیویارک میں رات ہر شہر کے لوگ موجود تھے۔ ہر شخص بھرتی کی غرض سے آیا تھا۔ اُن کے ساتھ انہیں الوداع کہنے والے بھی تھے۔ والدین، بیویاں، بچے اور دوست احباب۔ وہ سب ایک دوسرے کو یقین دلا رہے تھے کہ جنگ محض ایک ہفتے میں ختم ہو جائے گی۔ لیکن ان میں سے کسی کو بھی اس بات پر یقین نہیں تھا۔

اسل ڈنر کے لیے نیویارک ہیرن پہنچا۔ ڈائمنگ روم نو جوانوں سے بھرا ہوا تھا۔ لڑکیاں لہہ پر جانے والے مگیتروں اور محبت کرنے والوں سے لپٹی جا رہی تھی۔ اسل اُن کے لیے اداس رہا۔ وہ بے فکرے نو جوان نہیں جانتے تھے کہ جنگ کتنی ہولناک چیز ہے۔ اور وہاں ٹھہرنے کی آئے سیدھے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اگلی صبح وہ بھرتی دفتر پہنچا۔ وہ بھرتی کے لیے نیویارک صرف اس لیے آیا تھا کہ یہاں اس کو بچانے جانے کا امکان بہت کم تھا۔ شکاگو میں تو اسے سبھی جانتے تھے۔ بھرتی دفتر ہونے والوں کا نام غیر موجود تھا۔ اسل نے فارم بھردیا۔ اس نے یہ غور نہیں کیا کہ بھرتی کے خواہش مند لوگوں کی مالی حالت اس کے مقابلے میں کتنی بہتر ہے۔ وہ دو گھنٹے تک انٹرویو لیے جانے کا منتظر رہا۔ انٹرویو سارجنٹ لے رہا تھا۔ اس نے اسل سے اس کے ذریعہ آمدنی کے متعلق استفسار کیا۔

”ہوئی منجھنت۔“ اسل نے جواب دیا اور پھر سارجنٹ کو پہلی جنگ عظیم کے دوران اپنے رات کے بارے میں بتانے لگا۔ سارجنٹ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کے سامنے موجود شخص قہقہے فٹ سات انچ اور وزن 190 پونڈ تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اگر اسل اسے بتا دیتا کہ وہ اکویرن کا مالک ہے تو سارجنٹ کو اس کے فرار والی کہانیوں پر یقین آ جاتا۔ لیکن اسل یہی بات تو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ خود کو ایک عام شہری کی حیثیت سے متعارف کرانا چاہتا تھا تاکہ اس کے ساتھ کوئی سلوک نہ کیا جائے۔

”کل صبح آپ کا طبی معائنہ ہو گا۔“ سارجنٹ نے مختصر ا کہلا۔ ”تاہم خدمات پیش کرنے کے لیے تیار رہیں۔“

اگلے روز اسل کو طبی معائنے کے لیے کئی گھنٹے انتظار کرنا پڑا۔ ڈاکٹر بے حد منہ پھٹ آدی

”نہیں بھئی۔ اگر جرمن مائٹریال تک پہنچ گئے تو ہم ہوٹل بند کر سکتے ہیں۔ تمہارا بینک بھی یہی کچھ کرے گا۔ ویسے بھی پچھلی جنگ میں ہم نے ان خبیثوں کو شکست دی تھی اور اس بار بھی دینا گے۔ فرق صرف اتنا ہو گا کہ اس بار میں بھی ان کی تباہی میں شامل ہوں گا۔ اچھا کرٹس۔ خدا حافظ۔“ کرٹس نے ریسیور رکھا۔ وہ الجھن میں مبتلا تھا۔ اسل کے ذہن میں خدا جانے کیا ہے۔ لیسنرز کے شیئرز میں اس کی دلچسپی کیا ممتی رکھتی ہے۔ اب ولیم کین اور اسل روٹکی کے درمیان کوئی تعلق بھی نہیں رہا تھا۔

اُدھر اسل سوچ رہا تھا کہ کرٹس کو لیسنرز کے شیئرز میں دلچسپی کا سبب بتایا جائے یا نہیں۔ پھر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس سلسلے میں جتنے کم لوگوں کو بتایا جائے، اتنا ہی بہتر ہے۔ اس نے ولیم کین کو وقتی طور پر اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ پھر اس نے سیکرٹری سے کہا کہ وہ جارج کو بلائے۔ جارج اب ہیرن گروپ کا وائس چیئرمین تھا اب وہ اسل کا سب سے زیادہ قابل اعتماد ساتھی تھا۔ اس نے کاروباری رموز بھی جان لیے تھے اور وہ پوری طرح اسل کی نیابت کا اہل تھا۔

شکاگو ہیرن کی 42 ویں منزل پر اسل نے اپنے دفتر کی کڑکی سے مٹی گن جمیل پرنٹ ڈالی۔ اس کے خیالات کی رو اس کے وطن پولینڈ کی طرف بہہ نکلی۔ اسے اپنا محل یاد آیا۔ کیا وہ کبھی اس محل کو دیکھ سکے گا؟ اب وہ محل روسیوں کے قبضے میں تھا۔ اسل جانتا تھا کہ وہ پولینڈ میں بھی رہائش اختیار نہیں کر سکے گا۔ اس کے باوجود وہ چاہتا تھا کہ اس کا محل اس کے پاس ہو۔ اس کے لیے یہ تصور بھی محال تھا کہ وہ محل روسیوں یا جرمنوں کے قبضے میں رہے۔

جارج کی آمد سے اس کے خیالات کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

”اسل..... تم نے مجھے بلایا ہے!“

”ہاں جارج! میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا میری غیر حاضری میں تم چند ماہ تمام ہوٹلوں کا انتظام سنبھال سکتے ہو؟“

”بالکل سنبھال سکتا ہوں۔ تم شاید چھٹی منانے والے ہو۔“

”نہیں جارج میں جنگ میں جا رہا ہوں۔“

”کیا؟“ جارج کے لہجے میں حیرت تھی۔

”میں کل صبح نیویارک جا رہا ہوں۔ وہاں خود کو بھرتی کے لیے پیش کر دوں گا۔“

”اگلے ہفتے ہو۔ جنگ میں تم مارے بھی جاسکتے ہو۔“

”میں مرنے کے لیے نہیں، مارنے کے لیے جا رہا ہوں۔ جرمن مجھے گزشتہ مونسے پر نہیں مار سکے اور اس بار بھی وہ مجھے ہلاک نہیں کر سکیں گے۔“ اسل نے کہا۔

”اوہ معاف کیجئے گا آفیسر۔“ ایمل اسے دیکھ کر پلٹا۔

”اے جوان۔“ جنرل نے اسے پکارا۔

ایمل دروازے کی طرف بڑھتا رہا۔ اس کا خیال تھا۔ ”جنرل کسی اور کو پکار رہا ہے۔“

”اے جوان۔“ جنرل نے دوبارہ پکارا۔ اس بار آواز بلند تھی۔

ایمل نے پلٹ کر دیکھا۔ ”مجھ سے کہہ رہے ہیں جناب؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں جوان۔“

ایمل پلٹ کر جنرل کی طرف بڑھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید جنرل اسے پہچانتا ہے۔ وہ

اپس تھا کہ اب تو اسے بھرتی کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

”مسٹر رونسکی..... میرا نام مارک کلاک ہے اور میں یو ایس ففٹھ آرمی کا کمانڈر ہوں۔“

میں انپکشن ٹور پر آیا ہوں۔ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ سے ملاقات ہوگئی۔ میں آپ کا مداح

ہوں۔ یہ بتائیں کہ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟“

”کیا کر سکتا ہوں۔“ ایمل نے تھوڑے لمحے میں کہا۔ پھر اُسے خیال آیا کہ وہ ایک جنرل سے

مقابلہ ہے۔ ”معاف کیجئے گا..... جناب! بات یہ ہے کہ میں جنگ لڑنا چاہتا ہوں اور کوئی مجھے بھرتی

کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔“

”آپ اس جنگ میں کس طرح حصہ لیں گے؟“

”سپاہی کی حیثیت سے۔“

”سپاہی؟“

”جی ہاں۔ آپ کو زیادہ سے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے۔ ہے نا؟“

”وہ تو ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ سپاہی سے کہیں اہم حیثیت سے جنگ میں

حصہ لیں۔“

”میں آپ کا ہر حکم بجالانے کے لیے تیار ہوں۔“ ایمل نے کہا۔

”بہت خوب۔ میں چاہتا ہوں آپ کے نیویارک بیرن میں آرمی ہیڈ کوارٹر قائم کرلوں۔“

مسٹر رونسکی، دس بارہ جرمنوں کو مار دینے کے مقابلے میں یہ بڑا اور اہم کام ہے۔“

”بیرن ہوٹل آپ کا ہے جس طرح چاہیں استعمال کریں۔“ ایمل نے کہا۔ ”اب تو میں

جنگ میں شریک کر سکتا ہوں؟“

”تم دیوانے تو نہیں ہو؟“ اس بار جنرل کے لہجے میں بے تکلفی تھی۔

”میں پوش ہوں جناب۔“ ایمل نے کہا۔

تھا۔ اس نے ایمل کی جسمانی حالت پر بے حد دلآزار تبصرے کیے۔ اپنی پوزیشن کی وجہ سے ایمل برسوں سے ایسے تبصرے سے محفوظ تھا۔ ڈاکٹر نے اسے 4، ایف گریڈ دیا۔ ایمل کے خیال میں ڈاکٹر رویہ بے رحمانہ تھا۔

”آپ کا وزن بہت زیادہ ہے۔ بینائی بھی کچھ اچھی نہیں ہے، دل کمزور ہے اور آپ لنگر کر چلتے ہیں۔ مسٹر ایمل، میں صاف گوئی سے کام لوں گا۔ آپ فوج میں بھرتی ہونے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ ہم نہیں چاہتے کہ دشمن کا سامنا کرنے سے پہلے ہی ہمارے کسی سپاہی کو ہارٹ ایکس جائے۔ بہر حال فوج میں کاغذی کام بھی ہوتا ہے۔“

ایمل کا بس چلنا تو وہ ڈاکٹر کا منہ توڑ دیتا، لیکن وہ جانتا تھا کہ اس طرح اسے یونٹار نہیں ملے گی۔

”شکریہ جناب۔ میں نے جرمنوں کے ساتھ لڑنے کے لیے اپنی خدمات پیش کی ہیں میں اُن سے خط و کتابت نہیں کرنا چاہتا۔“ ایمل نے سختی سے کہا۔

وہ ہوٹل واپس آ گیا۔ لیکن ابھی وہ مایوس نہیں ہوا تھا۔ اگلے روز اس نے پھر کوشش کی

اس بار اس نے بھرتی کے دوسرے دفتر کا رخ کیا تھا، لیکن نتیجہ اس بار بھی مختلف نہیں تھا..... وہ

ڈاکٹر اتا منہ پھٹ نہیں تھا، لیکن اس نے بھی گریڈ ڈی دیا تھا۔ 4، ایف ایسا لگتا تھا کہ اس جسا

کیفیت کی وجہ سے اسے جرمنوں کے خلاف لڑنے کا موقع نہیں ملے گا۔

اگلی صبح اس نے اس سلسلے میں ایک جمنازیم سے رجوع کیا۔ تین مہینے وہ ورزش کرتا رہا

بلا آخر اس کا وزن 155 پونڈ رہ گیا۔ انسٹرکٹر نے اسے بتایا کہ اب اس کا وزن مزید کم نہیں ہو سکتا

ایمل مایوس نہیں تھا۔ اس نے وہاں سے ایک بار پھر بھرتی دفتر کا رخ کیا۔ اس بار اس نے لاڈلے

کوکس کے نام سے کوشش کی۔ نتیجہ قدرے اُمید افزا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے ریزرو فوج کی حیثیت سے

پاس کر دیا۔

”لیکن میں تو فوری طور پر جنگ میں شامل ہو جانا چاہتا ہوں۔“ ایمل نے احتجاج کیا۔

”ہم آپ سے رابطہ رکھیں گے مسٹر کوکس۔“ سارجنٹ نے کہا۔ ”آپ خود کو تیار اور فٹ

رکھیے۔ کیا معلوم ہمیں کب آپ کی ضرورت پڑ جائے۔“

ایمل شدید غصے کے عالم میں وہاں سے نکلا۔ وہ جسمانی طور پر فٹ تو جوانوں کو رشتہ

آزمونگ میں سے دیکھ رہا تھا۔ جنھیں بر آسانی بھرتی کر لیا گیا تھا۔ وہ ایک دروازے کے سامنے ڈک

کر سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ پھر وہ اس کمرے میں گھس گیا۔ وہاں ایک فوجی انسٹرکٹر

تھا جس کے ایک کندھے پر ستارے لگے ہوئے تھے۔

جنرل نے زوردار تہمت لگایا۔

”دیکھیے جناب..... میں سلونم میں پیدا ہوا تھا میں نے جرمنوں کے مظالم سے بڑا۔ روسیوں نے میری آنکھوں کے سامنے میری بہن کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا میں روئی کہیں سے فرار ہوا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں امریکہ پہنچنے میں کامیاب ہوا۔ امریکہ نے مجھے بہت کچھ دیا۔ اب میں لکھ پتی ہوں۔ میں دیوانہ نہیں ہوں جنرل..... محض ایک انسان ہوں۔ جرمنوں نے پھر جنگ تمھونی ہے اور اس بار میں انہیں جواب دینا چاہتا ہوں۔“

”اگر یہ بات ہے مسٹر رونسکی تو میں تم سے کام لے سکتا ہوں۔ لیکن وہ ایسا کام ہے جو تمہارے تصور میں بھی نہیں ہوگا۔ ہمیں فقہ آرمی کے لیے کوارٹر ماسٹر درکار ہے۔ فقہ آرمی اگلی فوجوں میں لڑ رہی ہے پنڈلین نے درست کہا تھا کہ فوج کے لیے پیٹ بھرا ہونا بہت ضروری ہے۔ تم اس سلسلے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہو مسٹر رونسکی۔ اس طرح تم امریکہ کی بہت بڑی اور غیر معمولی مدد کر رہے ہو گے۔ بولو، کیا کہتے ہو؟“

”میں تیار ہوں جنرل۔“

”شکریہ مسٹر رونسکی۔“

جنرل نے بزدل دیا اور اگلے ہی لمحے ایک لیفٹیننٹ کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے جنرل کو زوردار سلیوٹ کیا۔

”لیفٹیننٹ..... میجر رونسکی کو پرسونیل میں لے جاؤ پھر انہیں میرے پاس پہنچا دینا۔“

جنرل نے کہا۔

”بہت بہتر جناب۔“ لیفٹیننٹ نے کہا اور ہیل کی طرف متوجہ ہوا۔ ”تشریف لائیے میجر۔“

”شکریہ جنرل۔“ ہیل نے کہا اور اٹھ گیا



ویک اینڈ اس نے شکاگو میں زافیا اور فلورینا کے ساتھ گزارا۔ ”وہ جو تمہارے پندرہ سو سوٹ ہیں ان کا کیا کرو گے؟“ زافیا نے پوچھا۔

”سنجبال کر رکھ دو۔ یقین کرو، یہ جنگ مجھے ختم نہیں کر سکے گی۔“ ہیل نے جواب دیا۔

”مجھے بھی اس بات پر یقین ہے۔ مجھے تو یہ فکر ہے کہ اب وہ سوٹ تم پہنو گے کیسے؟ ایک

سوٹ میں تم جیسے تہمتیں بنا سکتے ہیں۔“

ہیل ہنس دیا۔ اس نے وہ سوٹ پولش پناہ گزینوں کی امدادی مرکز میں پہنچا دیے۔ پھر ”نیویارک واپس آیا۔ اس نے ہوٹل میں قیام کرنے والوں کی بنگ کمپن منسوخ کر دی بارہ دن کے اندر اندر

اس نے ہوٹل کا قبضہ فقہ آرمی کو دے دیا۔

تین مہینے بعد اسے ڈیوٹی پر بلا لیا گیا۔ اس دوران وہ ہوٹل کا کام منظم کر کے جنرل کے ہر در چکا تھا۔ پہلے اسے آفسر ٹریننگ کے لیے فورٹ بیکنج بھیجا گیا۔ پھر اسے شمالی افریقہ بھیجے کمانے کے آرڈر ملے۔ وہ یہ سوچتا رہا کہ وہ کبھی جرمنی پہنچ بھی سکے گا یا نہیں؟

جانے سے ایک دن پہلے ہیل نے اپنی وصیت مرتب کی۔ گزشتہ بیس سال میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے موت کے امکانات پر سنجیدگی سے غور کیا۔ جہاز نیویارک کی بندرگاہ سے دور ہو رہا تھا..... اور ہیل مجسمہ آزادی پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔ ”اس کے بعد میں تمہیں اس روز دیکھوں گا خاتون جب امریکہ جنگ جیت چکا ہوگا۔“ اس نے زیر لب کہا۔

ہیل کے ساتھ دو باورچی اور کچن اسٹاف کے پانچ ممبر بھی تھے۔ جہاز 17 فروری 1943ء کو الجیریا کی بندرگاہ پر پہنچا۔ ہیل نے ایک سال اس صحرائی علاقے کی گرمی سہتے اور گرد پھاٹکتے گزارا۔ اس کی کوشش تھی کہ فوجیوں کو بہتر سے بہتر کھانا فراہم کرے۔

”کھانا بہت اچھا نہیں ہوتا لیکن ہم دوسرے فوجیوں کے مقابلے میں عیش کر رہے ہیں۔“ جنرل کلاک نے تبصرہ کیا۔

الجواڑ میں ہیل نے وہاں کے بہترین ہوٹل کا انتظام سنبھال لیا۔ ہوٹل کی عمارت میں جنرل کلاک کا ہیڈ کوارٹر قائم کیا گیا۔ ہیل جانتا تھا کہ وہ بہت اہم کردار ادا کر رہا ہے لیکن جرمنوں سے دو بدولٹنے کی امنگ اسے بے چین رکھتی تھی۔ وہ جارج اور زافیا کو خط لکھتا تھا۔ فلورینا کی تصویروں کے ذریعے وہ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے بڑا ہوتے دیکھ رہا تھا۔ کرٹس نے خط کے ذریعے اسے مطلع کیا کہ بیرن گروپ اب پہلے سے زیادہ منافع کما رہا ہے۔ ہیل افسردہ تھا کہ وہ مائریال بیرن کی افتتاحی تقریب میں شریک نہ ہو سکا۔ وہاں جارج نے اس کی نمائندگی کی تھی۔

جلد ہی وہ افریقہ سے یور ہو گیا۔ وہ محاذ سے بہت دور تھا..... اور صرف لڑنے والے فوجیوں ہی سے اسے جنگ کی صورت حال کے متعلق معلوم ہو سکتا تھا۔ ان کی فوجیں کامیابی حاصل کر رہی تھیں۔ ہیل کی جنگ سے قربت بس اتنی سی تھی کہ وہ کھانا محاذ پر پہنچاتے ہوئے گولہ باری کی آوازیں سن لیتا تھا۔ وہ آوازیں اس کی بے بسی اور جھنجھلاہٹ میں اضافہ ہی کرتی تھیں۔ پھر ایک روز جنرل کلاک کی فقہ آرمی کی جنوبی یورپ کی تسخیر کا حکم ملا۔ ہیل کے لیے یہ ایک خوش کن خبر تھی۔

فقہ آرمی فضا میں اڑنے کے علاوہ سمندر کی سطح پر اترنے والے جہاز کے ذریعے اٹنی کے ساحل پر اترتی۔ امریکن طیارے انہیں تحفظ دینے کیلئے موجود تھے۔ انہیں خاصی شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن ہیل اور اس کے ساتھی اب بھی ایکشن سے دور تھے۔ ہیل کو خدشہ تھا کہ جنگ

ختم ہو جائے گی اور وہ کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہیں دے سکے گا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اگلے مورچوں تک رسائی کیسے ممکن ہو سکتی ہے۔ پھر اُسے ترقی دے کر لیفٹیننٹ کرنل بنا دیا گیا۔ اسے لندن بھیج دیا گیا جہاں اسے آئندہ احکامات کا انتظار کرنا تھا۔

25 اگست 1944ء کو اتحادی فوجیں فرانس میں داخل ہو گئیں..... اور بیرس کو آزاد کر دیا گیا۔ اسل فوجوں کے ساتھ بیرس میں داخل ہوا۔ اس نے وہ جگہ منتخب کر لی جہاں اسے بیرس بیرن قیصر کرنا تھا۔ اتحادی فوجوں نے فرانس کی شمالی سرحد کی طرف پیش قدمی کی۔ اب وہ برلن تکسیر کرنے کے چکر میں تھے۔ اسل کی پوسٹنگ جنرل براڈے کے ساتھ فرسٹ آرمی میں کردی گئی۔ غذائی اجناس الگینڈ سے آ رہی تھیں۔ مقامی سپلائی نہ ہونے کے برابر تھی۔ جرمن فوجیں پسپا ہوتے ہوئے ہر قصبے کو اجاڑتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ اسل ہر نئے شہر میں پہنچ کر سب سے پہلے وہاں موجود غذائی اجناس پر قابض ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی کمپنی کو سب سے اچھا کھانا مل رہا تھا۔ دوسری کمپنیوں کے کوارٹر میں، اسل کی کارکردگی پر حیران تھے۔ ایک رات جنرل پیٹر نے جنرل براڈے کے ساتھ کھانا کھایا، وہ بھی حیران رہ گیا۔

”جنگ کے دوران اتنا اچھا کھانا مجھے آج تک نہیں ملا۔“ جنرل پیٹر نے پرستاش لہجے میں کہا۔

فروری 1945ء تک اسل کو دردی پہنے تین سال لے کے قریب ہو چکے تھے۔ اسے اندازہ تھا کہ جنگ اب محض تین ماہ میں ختم ہو جائے گی اسے جنرل براڈے کے تعریفی خطوط بھی ملتے رہتے تھے اور اس کے سینے کی آرائش میں اضافہ بھی ہوتا رہا۔ لیکن اسل کے نزدیک یہ سب کچھ بے معنی تھا۔ اسل نے جنرل سے التجائیں کیں کہ اسے بھی جنگ میں لڑنے کا موقع دیا جائے لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ کھانے کا ٹرک اگلے مورچوں تک لے جانا اور کھانے کے انتظامات کرنا، ایک جونیئر آفیسر کی ذمہ داری تھی لیکن کبھی کبھی اسل خود چلا جاتا تھا پھر اس نے سینٹ پیٹرکس ڈسے کے موقع پر کمبلوں سے ڈھکے ہوئے اسٹریچر مسلسل آتے دیکھے تو اس کا شدت سے جی چاہا کہ محاذ کی صورت حال دیکھے۔ پھر جب لاشیں آتی رہیں تو اس کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ اس نے چودہ ٹرک کھانے کے سامان سے لدوائے، اپنے ساتھ ایک لیفٹیننٹ، ایک سارجنٹ، دو کارپورل اور اٹھائیس رگروٹوں کو لیا اور محاذ کی طرف چل دیا۔

اس روز محاذ تک صرف 28 میل کا سفر بہت سست روی سے طے ہوا۔ سب سے آگے والا ٹرک اسل خود ڈرائیور کر رہا تھا۔ اس وقت وہ خود کو کوئی جنرل محسوس کر رہا تھا۔ موسلا دھار بارش کی وجہ سے ہر طرف کچڑ ہو رہی تھی۔ کئی بار اُسے ایبولنس کو راستہ دینے کے لیے سڑک سے اترا پڑا۔ بھوکے

بچوں پر زخمی فوجیوں کو ترجیح دینا ضروری تھا۔ وہ ایسے ہر موقع پر دعا کرتا کہ ایبولنس میں لائے جانے والے فوجی محض زخمی ہوں۔ بہر حال، اس سے اسل کو اندازہ ہو گیا کہ ریماجن میں گھمسان کی راہی ہو رہی ہے۔ جیسے جیسے ٹرک آگے بڑھتا گیا۔ اسل کی دھڑکنیں تیز ہوتی گئیں۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس بار وہ جنگ میں ملوث ضرور ہوگا۔

وہ کمانڈر پوسٹ پر پہنچا تو دور سے دشمن کی گولہ باری کی آواز سنائی دی۔ اس کے وجود میں نے کی جلد ہل اٹھی کیونکہ اسٹریچر پر لائے جانے والے زخمیوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ اسل کو یہ سوچ کر اور غصہ آ رہا تھا کہ وہ فوج میں ہونے کے باوجود جنگ کی صورت حال سے بے خبر ہے۔ کوئی بھی خبری نمائندہ اس سے زیادہ باخبر ہوگا۔

اسل نے اپنے کانوائے کو فیلڈ کچن کے پہلو میں ٹھہرایا اور اپنے ٹرک سے اتر آیا۔ اس نے اشیائے خورد و نوش اتروائیں۔ ان فوجیوں کو کھانا دیا جانے لگا جو محاذ سے آئے تھے یا محاذ کی طرف جا رہے تھے۔ اس نے اپنے اسٹاف کو ہدایات دیں اور خود ڈیوٹی آفیسر کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ بریگیڈیر جنرل لیونارڈ سے ملاقات ہوئی۔ وہ کہیں جا رہا تھا۔ ”ہیلو کرنل..... کیا خدمت کروں نہاری؟“ اس نے پوچھا۔

”سر..... میں کھانا لے کر آیا ہوں.....“

”کھانے کی فکر نہ کرو کرنل۔“ بریگیڈیر نے کہا۔ ”آج صبح نو بجے ایک لیفٹیننٹ نے اطلاع پہنچائی کہ ریماجن کے شمال میں ایک صحیح و سالم ہل موجود ہے۔ میں نے حکم دیا کہ اس ہل کو جلد از جلد عبور کر لیا جائے۔ لیکن جرمن زبردست مزاحمت کر رہے ہیں۔ اس وقت کھانے کی فرصت یہاں کسے ہیں۔“

”کچھ کامیابی بھی ہوئی جناب؟“

”ہوئی..... لیکن ہمیں ہماری جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ میں اندازہ نہیں لگا سکتا کہ کتنے جوانوں سے محروم ہوا ہوں۔ بہتر ہوگا کہ کھانا کھا لو۔ اس وقت میرے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ زخمیوں کو جلد از جلد طبی امداد بہم پہنچائی جائے۔“

”میں کسی کام آسکتا ہوں سر؟“

”بریگیڈیر نے عجیب نظروں سے موٹے کرنل کو دیکھا۔“ تمہارے پاس کتنے آدمی ہیں؟“

”مجھے ملا کرنل 33 آدمی ہیں جناب۔“

”ٹھیک ہے۔ اپنے آدمیوں کے ساتھ فیلڈ ہاسپتال پہنچ کر رپورٹ کرو۔ تمہیں زیادہ سے زیادہ زخمیوں کو ہاسپتال پہنچانا ہوگا۔“

”بہتر جناب۔“ اسپل نے جواب دیا۔ پھر وہ بھاگا بھاگا فیلڈ یکن پہنچا، جہاں ایک کونے میں اس کے آدمی اکٹھا تھے۔

”چلو اٹھو۔“ اس نے انہیں للکارا۔ ”منہ کا ڈانقہ بدلنے کے لیے آج کچھ ڈھنگ کا کام کر کے دکھاؤ۔“

وہ سب یلکھت اٹھ کھڑے ہوئے۔

”آؤ میرے ساتھ..... شاباش جوانو..... ڈبل۔“

اگلے ہی لمحے وہ سب فیلڈ اسپتال کی طرف بھاگ رہے تھے۔ اسپتال میں ایک نوجوان ڈاکٹر اپنے سولہ ماتحتوں کو کچھ ہدایت دے رہا تھا۔ ”کیسے جناب۔ میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟“ ڈاکٹر نے اسپل سے پوچھا۔

”میں تو آپ کی مدد کرنے کے لیے آیا ہوں۔“ اسپل نے جواب دیا۔ ”میرے پاس 32 آدمی ہیں۔ بریگیڈیر لیونارڈ نے مجھے آپ کی مدد کے لیے بھیجا ہے۔“

ڈاکٹر تعجب سے اُسے دیکھتا رہا۔ ”جی ہاں..... سر۔“

”مجھے سرت کہو۔ میں تو تمہاری ماتحتی میں کام کرنے کے لیے آیا ہوں۔“ اسپل نے کہا۔ ”بس سر۔“

ڈاکٹر نے ان سب کو بیٹوں کا استعمال سمجھایا۔ پھر یولا۔ ”تویں آرمڈ کور نے ہماری جانی نقصان اٹھایا ہے۔ اب تم میں سے جن لوگوں کو طبی تجربہ ہو۔ وہ وہیں ٹھہر کر کام کریں..... باقی لوگ شدید زخمی فوجیوں کو جلد از جلد اسپتال پہنچائیں۔“

اسپل کو خوشی تھی کہ وہ بالآخر کوئی مثبت کام کر رہا ہے۔ دوسری طرف اب ڈاکٹر ماتحتوں کی تعداد بھی 49 ہو گئی تھی۔ اس نے انہیں اٹھارہ اسٹریچر اور دواؤں کا مکمل بکس دیا۔ پھر وہ انہیں ساتھ لے کر نکل آیا..... اور ہل کی طرف بڑھنے لگا۔ اسپل اس سے صرف ایک قدم پیچھے تھا۔

وہ گاتے ہوئے بارش اور کچڑ میں مارچ کرتے رہے ہل کے قریب پہنچ کر انہوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ ان کے سامنے کبلوں میں ڈھکے ہوئے جسم بکھرے ہوئے تھے۔ دوسری طرف زبردست گولہ باری ہو رہی تھی۔ اسپل کے جسم میں سسنی سی دوڑنے لگی۔ وہ جنگ کے دوران پہلی بار محاذ کے اس قدر نزدیک پہنچا تھا۔ لیکن پھر اسے زخموں کی چیخوں نے دہلا دیا۔ وہ اس کے ساتھیوں کی چیخیں سنیں۔

نوجوان ڈاکٹر جا بجا رکتا اور جس زخمی کے لیے جو ممکن ہوتا، کرتا کہ وہ کسی زخمی کی موت آسان کرنے کی غرض سے اُسے شوٹ کر دیتا۔ وہ ایسے لوگ ہوتے جن کے بچنے کا ذرا بھی امکان نہ

ہوتا۔ اسپل بھی لپک لپک کر ایک ایک زخمی کے پاس جاتا اور شدید زخمی لوگوں کو اسٹریچر پر ڈالتا اور انہیں اسپتال کی طرف بھجوا دیتا۔ جنگل کے افتادہ حصے تک پہنچتے پہنچتے صرف ڈاکٹر، آلو حیلنے والا اردلی اور خود اسپل، رہ گئے۔ دوسرے لوگ اسٹریچر پر زخموں کو لاد کر اسپتال کی طرف جا چکے تھے۔

وہ تینوں آگے بڑھتے رہے۔ گولہ باری کی خوفناک آواز قریب تر ہوتی گئی۔ اسپل کو احساس ہو رہا تھا کہ دشمن اب محض پانچ چھ سو گز دور ہے۔ وہ گھنٹوں کے بل جھک کر آگے بڑھنے لگا۔ پھر اس کے سامنے ہی ایک گولہ آ کر پھٹا۔ وہ اٹھ کر آگے کی طرف بھاگا۔ ڈاکٹر نے ہچکچاہٹ کے باوجود اس کی تقلید کی۔ وہ چند گز آگے آئے ہوں گے کہ ایک سرسبز قطعے پر انہیں بکھرے ہوئے امریکی سپاہی نظر آئے۔ اُن میں سے بیشتر مر چکے تھے۔

”لاشوں کو چھوڑو۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”یہ دیکھو، ان میں سے کوئی زندہ بھی ہے۔“

”یہ رہا۔“ اسپل نے گھنٹوں کے بل بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس شخص کی دونوں آنکھیں ڈھیلوں سے محروم تھیں۔

”نہیں کرل! یہ مر چکا ہے۔“ ڈاکٹر نے ایک نظر دیکھتے ہی کہا۔

اسپل ایک ایک کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔ اس نے تیس لاشیں گنیں۔ پھر وہ ڈاکٹر کی طرف پلٹا، جو ایک شدید زخمی کیپٹن کی جان بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسپل بے بسی سے یہ سب بکھو دیکھتا رہا۔ ”لعنت ہو ان جرموں پر۔“ وہ غرایا۔ ”ڈاکٹر کیا یہ مر جائے گا؟“

ڈاکٹر نے زخمی کیپٹن پر نظر ڈالی، جو اپنے ہی خون میں نہایا ہوا تھا۔ ”مر نہیں ہے تو مر جائے گا۔“ اس نے جواب دیا۔ ”بہت زیادہ خون ضائع ہو چکا ہے۔ کرل..... اب یہاں تمہارا کوئی کام نہیں۔ اسے لے کر اسپتال پہنچو۔ اور کمانڈر سے کہنا میں آگے جا رہا ہوں۔ جتنے آدمی ممکن ہو نکلیں۔ اس طرف بھیج دینا۔“

”ٹھیک ہے ڈاکٹر۔“ اسپل نے آہستہ سے کہا۔ پھر اس نے ڈاکٹر کی مدد سے زخمی کیپٹن کو اسٹریچر پر منتقل کیا۔ ڈاکٹر نے اسے سمجھنے کی کہ اسٹریچر لے جاتے ہوئے ہر ممکن احتیاط سے کام لے۔ زرا اس کا مزید خون ضائع ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔ اور اب مزید خون ضائع ہونا مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔

میں کمپ تک دو میل کی مسافت کے دوران اسپل نے آلو حیلنے والے اردلی کو کہیں رک کر آرام نہ کرنے دیا۔ وہ اس زخمی کیپٹن کو زندہ دیکھنا چاہتا تھا۔ پھر اسے ڈاکٹر کے پاس واپس بھی لے گیا تھا۔

تیز بارش میں وہ ایک گھنٹہ چلتے رہے۔ اسپل کو یقین ہو گیا تھا کہ کیپٹن مر چکا ہے۔ بالآخر

وہ بیس کپ بچے گئے وہ اور ادلی بری طرح ہانپ رہے تھے۔ انہوں نے اسٹریچر کو زخمی کیپٹن سمیت میڈیکل ٹیم کے سپرد کر دیا۔

اسٹریچر دھکیل کر لے جانے کے دوران کیپٹن نے اپنی وہ آنکھ کھولی، جس پر پٹی نہیں باندھی گئی تھی۔ اس کی نظر اسبل کے چہرے پر جم گئی۔ اس نے اپنا ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی اسبل نے اسے سلیوٹ کیا۔ اس کا جی چاہا کہ تاپنے لگے۔ اتنی خوشی کا احساس اسے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ کیپٹن کی اس نظر نے..... اس کی حرکت کی کوشش نے اسبل کے وجود میں مسرت کی لہر دوڑا دی تھی۔ وہ دل ہی دل میں کیپٹن کی زندگی کے لیے گڑگڑا کر دعائیں مانگتا رہا۔

وہ اسپتال سے نکلا تاکہ ڈاکٹر کے پاس واپس جاسکے ڈیوٹی آفیسر نے اسے روک لیا۔ کرنل میں سب جگہ آپ کو تلاش کرتا پھر رہا ہوں۔“ اس نے کہا۔ ”یہاں تین سو آدمی بھوک سے بے تاب ہو رہے ہیں بھی کہاں ہیں آپ اور آپ کے آدمی؟“

”ہم آج بہت اہم کام میں مصروف ہیں۔“ اسبل نے کہا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے زخمی کیپٹن کا چہرہ لہرا رہا تھا۔

ان دونوں کے لیے جنگ ختم ہو چکی تھی۔



اسٹریچر کو خیمے میں لے جا کر کیپٹن کو آپریشن ٹیبل پر منتقل کر دیا گیا۔ کیپٹن ولیم کین نے آنکھیں کھول کر اس نرس کو دیکھا جو اسے اداس نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ کہہ بھی رہی تھی لیکن وہ اس کے الفاظ سننے سے قاصر تھا۔ شاید سر پر پٹیاں باندھی ہونے کی وجہ سے اس کی سماعت متاثر ہوئی تھی۔ صرف نرس کے متحرک لب اسے نظر آرہے تھے۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ مستقبل کے متعلق کم اور ماضی کے متعلق زیادہ سوچ رہا تھا۔ پھر اسے کیٹ یاد آگئی کیٹ نے فوج میں بھرتی کے سلسلے میں اسے سمجھانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ کیٹ کو کبھی اپنے اس قدام کی اہمیت نہیں سمجھا سکے گا چنانچہ اس نے اس سلسلے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا۔ اب کیٹ کی مایوس صورت اس کی نگاہوں میں پھر رہی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ سب کچھ چھوڑ کر، آؤ کر کیٹ کے پاس پہنچ جائے۔

ولیم نے لیسٹرائیڈ کین کو شیڈ لچ اور ٹوٹی سائنس کی ذمہ داری پر چھوڑ دیا۔ اس کی واپسی تک ان دونوں کو مشترکہ طور پر بینک کا کاروبار سنبھالنا تھا۔ اس نے انہیں ہدایات دینے سے گریز کیا تھا۔ ان دونوں نے بھی ولیم کو بہت سمجھایا تھا۔ وہ دونوں بھی اس کا نکتہ نگاہ کبھی نہیں سمجھ سکتے تھے..... بہر حال، چند روز بعد اس نے آری جوائن کر لی تھی۔ رخصت ہونے سے پہلے اس میں اتنی جرات نہیں تھی کہ بچوں کا سامنا کرتا۔ اس کے باوجود دس سالہ رچرڈ کسی نہ کسی طرح اسٹیشن پہنچ گیا

اس نے اپنے آنسو ضبط کر لیے تھے۔ وہ آنسو اس ڈکھ کے تھے کہ وہ اپنے باپ کے شانہ بشانہ بڑوں سے لڑنے کے لیے نہیں جاسکتا تھا۔

ولیم کو پہلے ورمونٹ کے تربیتی اسکول بھیجا گیا۔ تربیت تین ماہ جاری رہی۔ اس عرصے میں خود کو بے حد چاق و چوبند محسوس کرنے لگا۔

سب سے پہلے اسے لندن بھیجا گیا جہاں وہ امریکنوں اور برطانویوں کے درمیان رابطہ بننے کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ اسے اطلاع مل چکی تھی کہ اسبل روسکی نے ہیرن ہوٹل امریکی فوج کے حوالے کر دیا ہے۔ اس بات پر اسے خوشی ہوئی۔

لندن میں بلیک آؤٹ اور بمباری کا سلسلہ پورے زور و شور سے چل رہا تھا۔ یوں اسے داس ہوتا تھا کہ وہ جنگ سے دو چار ہے۔ اس کے باوجود وہ خود کو جنگ سے علیحدہ سمجھتا کیونکہ وہ بازجگ سے بہت دور تھا۔ وہ بے حد عملی آدمی تھا..... اسے محض تماشا دیکھنے میں لطف نہیں آتا تھا۔ بلکہ اس کی حیثیت سے کام کرنے سے اس کی تسلی نہیں ہوتی تھی۔ اسے یہ اذیت ناک احساس ہونے لگا کہ جب تک ہٹلر لندن نہ پہنچ جائے، اس کا سامنا کسی جرمن فوجی سے کبھی نہیں ہوگا۔

پھر فرسٹ آرمی کے ایک حصے کی اسکاٹ لینڈ میں پوسٹنگ ہوئی۔ وہاں انہیں تربیتی نہیں کرنا تھی..... ولیم کو بمصر کی حیثیت سے بھیجا گیا۔ اسکاٹ لینڈ تک طویل اور اکتا دینے والے رُکے دوران ولیم کو احساس ہوتا تھا کہ یہ اس کے ساتھ زیادتی ہے۔ وہ پچھتا رہا تھا کہ اس نے فوج لائبرٹی کی درخواست ہی کیوں دی تھی۔ وہ تو لڑنا چاہتا تھا۔ لیکن یہاں اسے قاصد اور کلرک کی بنیت سے استعمال کیا جا رہا تھا۔ لیکن اسکاٹ لینڈ پہنچ کر اس کا حوصلہ بڑھا..... اسکاٹ لینڈ کی فضا کافی گرم لگتا تھا، طویل جنگ کی تیاری ہو رہی ہے۔ لندن واپس پہنچنے ہی اس نے درخواست دی کہ فوری طور پر فرسٹ آرمی میں ٹرانسفر کر دیا جائے۔ اس کا کرنل اس بات کا قائل تھا کہ محاذ پر جانے کا خواہش مند لوگوں سے دفتری کام لینا زیادتی ہے چنانچہ اس نے فوری طور پر اسے ریلیز کر دیا۔

تین دن بعد ولیم اپنی نئی رجمنٹ جوائن کرنے اسکاٹ لینڈ واپس پہنچا اور تربیت میں شامل ہو گیا۔ تربیت بہت سخت تھی۔ اسکاٹ لینڈ کی پہاڑیوں میں نفی جنگیں لڑی جا رہی تھیں۔ ولیم کو ان میں حصہ لینے کے مقابلے میں یہ کام کبھی زیادہ پسند تھا۔

تین ماہ بعد انہیں شاہی فرانس میں اتار دیا گیا۔ وہ جزیرہ براؤن کی فرسٹ آرمی میں تمام فوجی احساس فتح سے سرشار تھے۔ ولیم کی خواہش تھی کہ وہ برلن میں داخل ہونے والا پہلا فوجی فرسٹ آرمی، رائن کی طرف پیش قدمی کرتی رہی۔ وہ راستے میں موجود ہر پہل عبور کرنے کے لیے تیار تھے۔ پھر صبح کیپٹن ولیم کو احکامات ملے کہ اسے اپنی ڈویژن کے ساتھ لوڈن روڈ کا پہل

اور پھر ہاتھوں کو خواب میں دیکھا، جو اس کے بیٹے کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ وہ سوتا رہا۔

وہ دوسری بار اس احساس کے ساتھ جاگا کہ اس کا بیڑہ چنچ ہو گیا تھا۔ اب اسے اُمید تھی کہ زندہ رہے گا۔ وہ ساکت و صامت پڑا اپنی واحد کھلی آنکھ سے خیمے کی چھت کو نکلتا رہا۔ اس کے لیے اپنے سر کو حرکت دینا بھی ناممکن تھا۔ پھر ایک نرس آئی۔ اس نے اس کے بیڑہ چارٹ کا اور پھر اس کا معائنہ کیا۔ وہ پھر سو گیا۔

تیسری بار اس کی آنکھ کھلی تو نرس تبدیل ہو چکی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر سویا ہے۔ اس بار اس کی بیٹائی پہلے سے بہتر تھی۔ اسے مسرت سی ہوئی۔ اب وہ اپنا سر گھما سکتا تھا۔ لیکن رکاوٹ دینے میں بہت زیادہ تکلیف ہوتی تھی۔ وہ جب تک جاگ سکتا تھا، جاگتا رہا۔ پھر سو گیا۔ وہ چوتھی بار جاگا تو چار ڈاکٹر اسکے معائنے میں مصروف تھے۔ وہ گفتگو بھی کر رہے۔ لیکن وہ کچھ سن سکتا تھا نہ سمجھ سکتا تھا۔ انہوں نے ایک بار پھر اسے خنقل کیا۔ اس بار وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اسے آرمی ایمبولنس میں خنقل کیا گیا تھا۔ دروازے بند ہوئے۔ انجن اشارت ہوا اور ایمبولنس آگے بڑھ گئی۔ ایک نرس اس کے پاس موجود تھی۔ اس کا اندازہ تھا کہ ایمبولنس کا سفر ایک گھنٹے پر محیط ہوگا۔ لیکن وہ یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ ایمبولنس رکنے کے بعد اسے پھر ایک اسٹریچر پر لٹایا گیا۔ اسی وقت نرس نے انجکشن لگایا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ پھر اسے ہوش آیا تو وہ ایک جہاز میں تھا اور جہاز لینڈ کر رہا تھا۔ اس کے بعد ایک اور ایمبولنس..... ایک اور نرس..... ایک اور سفر..... فضا میں ہلکی پھلکی خوشبو تھی۔ وہ یقیناً امریکہ کے کسی شہر میں تھا۔ ممکن ہے نیو یارک ہو۔ اسے سفید دیواروں والے ایک کمرے میں لے جایا گیا اور ایک آرام دہ بستر پر لٹا دیا گیا۔ اس کا سر کسی تکیے پر ٹکا اور پھر اسے ہوش نہ رہا۔

اس بار اس کی آنکھ کھلی تو اس کا خیال تھا کہ وہ تنہا ہے۔ پھر اس کی دھندلائی ہوئی آنکھوں کی عبارت بحال ہوئی تو اس نے کیٹ کو دیکھا، جو اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر کیٹ کو چھونے، اس سے کچھ کہنے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہا۔ کیٹ مسکرائی، جواباً وہ بھی مسکرایا۔ لیکن اسے معلوم تھا کہ کیٹ اس کی مسکراہٹ نہیں دیکھ سکی ہوگی۔ وہ دوبارہ جاگا، جب بھی ایٹ موجود تھی لیکن اس کا لباس تبدیل ہو چکا تھا۔ ممکن ہے وہ کئی بار آ اور جا چکی ہو۔ وہ پھر مسکرائی۔ اس نے سر گھمانے کی کوشش کی۔ پھر اسے اپنا بیٹا رچرڈ نظر آیا۔ اس نے خاصا قد نکال لیا تھا اور بے حد ثور ہو گیا تھا۔

انگلیاں کھینچ کر دیکھا کہ وہ کتنا بڑا ہو گیا ہے۔ لیکن وہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پھر شاید انہوں نے خود کچیل کو

عبور کرنا ہے۔ وہ ہل ریمیا جن سے ایک میل دور شمال مشرق میں تھا۔ ہل کے ایک طرف جنگل تھا اور دوسری طرف دریا۔ ولیم ایک پہاڑی کی چوٹی پر کھڑا، نویں ڈویژن کو ہل عبور کرتے دیکھ رہا تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ کسی بھی لمحے ہل اڑا دیا جائے گا۔ اس کا کرل خود اپنی ڈویژن کی قیادت کر رہا تھا۔ ولیم کے ایک سو بیس ماتحت تھے اور وہ سب کے سب پہلی بار عملی جنگ میں حصہ لے رہے تھے۔ یہ خالی کارٹوسوں کی مدد سے لڑی جانے والی نقلی جنگ نہیں تھی۔ اس بار ان کا واسطہ جرموں سے تھا۔ وہ جج جج موت سے نبرد آزما تھے۔

ولیم اور اس کے ساتھی جنگل کے کنارے تک بلا روک ٹوک پہنچ گئے۔ ان کی رفتار بہت تھی۔ لیکن ابھی تک ان کا جرموں سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ پھر اچانک ان پر گولیوں کی بارش ہوئی۔ حملہ اس قدر اچانک ہوا کہ انہیں سمجھنے کا موقع ہی نہ ملا۔ ان سب نے خود کو زمین پر گر لیا۔ لیکن ولیم نے دیکھ لیا کہ صرف چند سیکنڈ میں وہ اپنی پلاٹون کے کم از کم نصف نوجوانوں سے محروم ہو چکا ہے۔ جنگ..... اگر اسے جنگ کہا جاسکتا ہے۔ ایک منٹ سے زیادہ جاری نہ رہ سکی۔ ولیم کے دل میں حسرت تھی کہ اسے کوئی جرمن سپاہی نظر آجائے۔ وہ رہنمائی ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ پھر اسے اپنا انکا ڈویژن نظر آیا جو جنگل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ اپنی حفاظت بھول کر تیزی سے لپکا۔ پورا ڈویژن خطرے میں تھا۔ اس نے جج کر انہیں رگ جانے کے لیے کہا..... بتایا کہ اس طرف خطرہ ہے۔ اسی وقت پہلی گولی اُس کے سر میں لگی۔ وہ گھٹنوں کے بل گر گیا۔ لیکن وہ جج جج کر پیش قدمی کرنے والوں کو روکتا رہا۔ دوسری گولی اس کی گردن میں لگی اور تیسری سینے میں۔ وہ کچھڑ میں گر اور ساکت ہو گیا۔ اب اسے موت کا انتظار تھا۔ وہ موت اس کی پسندیدہ موت نہیں تھی۔ ہیرو کی موت نہیں تھی، وہ..... دشمن کی گولیوں کا نشانہ بنا تھا اور اس نے دشمن کے ایک سپاہی تک کی صورت نہیں دیکھی تھی۔

اس کے بعد جس پہلے احساس نے اس کے ذہن کو چھوا، وہ یہ تھا کہ اسے اسٹریچر پر ڈال کر لے جایا جا رہا ہے وہ کچھ نہ سن سکتا تھا اور نہ کچھ دیکھ سکتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یا تو رات بے تاریکی ہے یا وہ بیٹائی سے محروم ہو چکا ہے۔

وہ سفر اسے بہت طویل لگا۔ پھر اس نے کی آنکھ کھولی اور ایک پست قامت، فربہ اندام کرل کو لکڑاٹے ہوئے، خیمے سے باہر جاتے دیکھا۔ وہ کرل نہ جانے کیوں اسے جانا پیچانا سمجھتا ہوا۔ اسٹریچر اٹھانے والوں نے اسے آریٹریٹھر ٹیبل پر لٹا دیا۔ وہ نیند، موت ہی کی شکل نہ ہو۔ وہ مرنے سے پہلے بہت کچھ سوچتا..... بہت کچھ یاد کرنا چاہتا تھا۔ لیکن بالآخر نیند، اُس کی قوت ارادی پر حاوی آئی۔ ولیم اس احساس کے ساتھ جاگا کہ دو آدمی اسے بڑی نرمی اور احتیاط کے ساتھ پلٹ رہے تھے۔ پھر سونے کی چیمبر کا احساس ہوا۔ اس کے بعد وہ پھر سو گیا۔ پہلے اس نے کیٹ کو..... پھر اپنی

کیسے نکل گئے.....! وہ پھر سو گیا۔

وہ ہجر جاگا۔ اس بار وہ واقعی تنہا تھا۔ وہ سر کو حرکت دے سکتا تھا۔ کچھ پٹیاں کھول دی گئیں۔ دُھندلائی ہوئی نظراب بڑی حد تک صاف ہو گئی تھی۔ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی..... مرنے آزمائش کے لیے..... لیکن وہ اپنی آواز نہ سن سکا۔ وہ ایک بار پھر سو گیا۔

اس بار آنکھ کھلی تو کچھ اور پٹیاں کم ہو چکی تھیں۔ اب کیٹ پھر موجود تھی۔ وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر..... اس کی آنکھوں میں ایک بے حد حسین مسکراہٹ تھ رہی تھی۔ اس نے اسے پکارا..... نام لے کر..... وہ مسکرائی..... دوبندیں پھر سو گیا۔

اس بار پٹیاں بہت کم رہ گئی تھیں۔ اس بار اس کا بیٹا بولا۔ ”ہیلو ڈیڈی!“

”ہی! ورجن ڈیڈی“ اس نے کہا۔ لیکن اپنی آواز خود اسے بھی اجنبی لگی۔ نرس نے سہارا دے کر اسے نکلیں کی مدد سے بٹھا دیا۔ اس نے نرس کا شکریہ ادا کیا۔ ڈاکٹر نے نرمی سے اس کے کندھے چھوئے۔ ”منٹرکین! بدترین وقت گزر چکا ہے۔ اب آپ جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔ پھر آپ گھر جا سکیں گے۔“

وہ مسکرایا۔ اسی وقت کیٹ، ورجینیا اور لوسی کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ اُن سے بہت سارے سوالات پوچھتا چاہتا تھا، مگر ایک مسئلہ تھا، شروع کہاں سے کرے۔ اس کی یادداشت میں کئی خلا تھے، جنہیں وہ پر کرنا چاہتا تھا۔ کیٹ نے اسے بتایا کہ وہ مرتے مرتے بچا ہے۔ یہ بات وہ بھی جانتا تھا۔ لیکن وہ اس بات سے لاعلم تھا کہ اس کی پلائون پر جرموں کا حملہ ایک سال پہلے کی بات ہے۔ یہ اتنے ماہ کہاں چلے گئے؟ کیا موت کی ہم شکل زندگی کی نذر ہو گئے؟ رچرڈ بارہ سال کا تھا۔ وہ ہاورڈ جانے والا ہوگا۔ ورجینیا نو سال کی تھی اور لوسی تقریباً سات سال کی۔ اب اسے اُن سے از سر نو شناسائی پیدا کرنا ہوگی۔

کیٹ پہلے سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ اسے بچوں کے بارے میں بتاتی رہی۔ اس نے اسے چہرے اور سینے کے زخموں کے بارے میں بتایا جس کے داغ کبھی نہیں مٹیں گے۔ اس نے بتاتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا کہ ڈاکٹر کے بقول اس کے دماغ اور بینائی پر کوئی منفی اثر مرتب نہیں ہوا ہے۔

اب مرحلہ دوبندیں کی بحالی صحت کا۔ اس میں گھر کے ہر فرد نے ہاتھ بٹایا۔ پہلے آواز..... پھر بینائی اور پھر اس کا لہجہ سنا۔ وہ رچرڈ اپنے باپ کے چلنے میں مدد دیتا تھا۔ بالآخر وہ مرحلہ بھی آیا کہ بیساکھیوں کی ضرورت نہ رہی۔ لوسی اسے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے کھانے کے قابل ہو گیا۔ ورجینیا اسے مارک لوٹن کی کہانیاں پڑھ پڑھ کر سناتی۔ پھر

نرس کے بعد ولیم کو گھر جانے کی اجازت مل گئی۔

گھر آنے کے بعد ولیم بہت تیزی سے سنبھلا۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ چھ ماہ کے اندر اندر وہ بینک جا کر کام کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ اسے ملاقاتیوں سے ملنے کی اجازت دے دی گئی۔

سب سے پہلے ٹیڈ لچ اس سے ملنے آیا..... اور اسے دیکھ کر سکتے کے عالم میں رہ گیا۔ ٹیڈ نے اسے بتایا کہ بینک پہلے سے زیادہ منافع کما رہا ہے..... اور یہ کہ اس کے تمام ساتھی بحیثیت چیئرمین اس کا خیر مقدم کرنے کیلئے بے تاب ہیں۔ پھر ٹونی سامن آیا۔ اس نے افسوسناک خبر سنائی۔ ایلن لائیڈ اور لیسٹرز کا بوڑھا ڈائریکٹر اسٹھ مرچکا تھا۔ پھر تھامس کوہن آیا۔ اس نے ولیم کو بتایا کہ وہ اب تقریباً ریٹائر ہو چکا ہے اور اس نے بیشتر کام اپنے بیٹے کے سپرد کر دیے ہیں، جس کا دفتر نیو یارک میں ہے۔ اس نے امید ظاہر کی کہ ولیم اب بھی ان کی خدمات سے استفادہ کرتا رہے گا۔ ولیم نے اسے یقین دلایا کہ ایسا ہی ہوگا۔

”اور ہاں..... میرے پاس ایک اطلاع ہے جو آپ کے علم میں آنی ضروری ہے۔“

تھامس کوہن نے کہا۔

ولیم بوڑھے وکیل کی باتیں غور سے سنتا رہا..... اور کھولتا رہا۔ اسے غصہ آ رہا تھا..... شدید غصہ!

7 مئی 1945ء کو نازیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اسٹیل نیو یارک واپس آیا تو وہاں جشن فتح کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ سڑکوں پر، ہوٹلوں میں، رقص گاہوں میں اب بھی ہادردی نوجوانوں کا جھم تھا لیکن اس بار چہروں پر خوف نہیں، بلکہ فتح مندی کی چمک تھی۔ اسٹیل اُن لوگوں کو دیکھ کر ادا اس ہو گیا جن سے جنگ نے ان کے جسم کے کسی حصے کی قربانی لی تھی۔ کوئی ہاتھ سے..... کوئی ٹانگ سے..... اور کوئی آنکھ سے محروم ہو گیا تھا۔ بہت سے ایسے بھی تھے جن کا چہرہ داغدار ہو گیا تھا۔

اسٹیل کرل کی یونیفارم پہنے نیو یارک بیرن میں داخل ہوا تو کسی نے اسے نہیں پہچانا۔ انہوں نے دو سال پہلے اسے عام لباس میں دیکھا تھا۔ اس وقت اس کا چہرہ جھریوں سے پاک تھا۔ اب وہ اپنی عمر سے بڑا لگ رہا تھا۔ جنگ نے اس کے چہرے پر اپنے نقش پا چھوڑ دیے تھے۔ وہ لٹ کے ذریعے 42 ویں منزل پر آیا، جہاں اس کا دفتر تھا۔ سیورٹی گارڈ نے درشت لہجے میں اسے بتایا کہ اس منزل پر رہائشی کمرے نہیں ہیں۔

”پارٹ ٹو! کہاں ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”وہ کھانگو میں ہیں۔“

”اس سے فون پر میری بات کراؤ۔“

”آپ کا نام؟“

”ہیمل روئسکی۔“

گارڈ نے بہت تیزی سے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ انہیں میں جارج کی جانی پہنچانی آواز ہیمل کو بہت خوشگوار محسوس ہوئی۔ پہلی بار اسے احساس ہوا کہ وہ گھر واپس آچکا ہے۔ اس نے نیو یارک میں قیام کیے بغیر فوری طور پر شکاگو جانے کا فیصلہ کیا۔ جارج کی تیار کردہ تفصیلی رپورٹوں کا جائزہ وہ فلائٹ کے دوران لیتا رہا۔ اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ جارج نے اس کی عدم موجودگی میں ہیرن گروپ کا کام بڑی خوش اسلوبی سے سنبھالا تھا۔ منافعے کی شرح بڑھ گئی تھی۔ بیشتر ملازمین جنگ پر چلے گئے تھے۔ ہیمل نے فیصلہ کیا کہ فوری طور پر اسٹاف بھرتی کرنا ہوگا تاکہ جنگ سے واپس آنے والا اہل اسٹاف دوسروں کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔

شکاگو انٹرپورٹ پر جارج اس کا منتظر تھا۔ اس کے سر کے بال کچھ کم ہو گئے تھے۔ اور وزن کچھ بڑھ گیا تھا۔ اس سے قطع نظر وہ ذرا بھی نہیں بدلا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو گزشتہ تین سالوں کے اہم واقعات سے آگاہ کرتے رہے۔ ہیمل کو یوں لگا، جیسے وہ گھر سے دور گیا ہی نہیں تھا۔

”تمہارا لنگ کچھ بڑھ گیا ہے۔“ جارج نے ہیمل کو بتایا۔

ہیمل نے گھر جانے سے پہلے شکاگو ہیرن کا معائنہ ضروری سمجھا۔ پھر وہ گھر کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ وہ اپنی بیوی اور بچی سے ملنے کے لیے بے تاب ہو رہا تھا۔ گھر پہنچ کر اسے شدید دہنی جھکا لگا۔ فلوریٹا اب گیارہ سال کی ہو چکی تھی۔ وہ گلاب کی نیم والی کی طرح حسین تھی۔ دوسری طرف زافیا موٹی ہو گئی تھی اور واضح طور پر ادمیٹریٹ کی نظر آنے لگی تھی۔

ابتدا میں ان دونوں کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ ایک دوسرے کے ساتھ ان کا رویہ کیا ہو۔ جلد ہی ہیمل کو اندازہ ہو گیا کہ اب زافیا سے اس کا پہلے جیسا تعلق کبھی بحال نہیں ہو سکے گا۔ زافیا کو نہ ہیمل کی کارکردگی پر تقاضا کا احساس ہوتا تھا..... اور نہ ہی وہ اسے خوش رکھنے کی کوئی کوشش کرتی تھی۔ ہیمل کو محسوس ہوا کہ زافیا کی زندگی میں زیادہ دلچسپی نہیں رہی ہے۔ اس نے کوشش کی کہ زافیا کی زندگی میں دلچسپی بحال ہو جائے لیکن زافیا نے اس کے ساتھ تعاون ہی نہیں کیا۔ وہ صرف اپنے گھریلو محذور دور ہونا چاہتی تھی۔ اسے ہیرن گروپ کی سرگرمیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بالآخر ہیمل نے اپنی کوششیں ترک کر دیں۔ اب اسے یہ فکر تھی کہ ان حالات میں وہ زافیا سے وفا داری کب تک بھرا سکے گا۔ البتہ فلوریٹا، ہیمل کی زندگی کی سب سے بڑی مسرت بن گئی۔ زافیا سے وہ چینی اور جسامتی طور پر دور رہتا تھا۔ اب وہ شکاگو سے وقتاً فوقتاً نکل بھاگنے کے بہانے تلاش کرتا تھا۔

اس نے ہوٹلوں کے دورے شروع کر دیے۔ جن دنوں اسکول کی چھٹیاں ہوتیں، وہ

دربار کو بھی اپنے ساتھ لے جاتا۔ جنگ سے واپس آنے کے بعد چھ ماہ کے عرصے میں اس نے..... چنے ہر ہوٹل کا دورہ کیا۔ ایک سال کے اندر تمام ہوٹلوں کا معیار بلند ہو گیا۔ لیکن ہیمل مزید پیش قدمی باتا تھا۔ سہ ماہی میٹنگ میں اس نے کرٹس کو آگاہ کیا کہ اس کی ریسرچ ٹیم نے ایک ہیرن میکینک اور ایک ہیرن برازیل میں کھولنے کا مشورہ دیا ہے۔

”آپ کے پاس اتنا فنڈ ہے کہ دونوں ہوٹلوں کی تعمیر میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔“ کرٹس نے کہا۔ ”خدا جانے آپ کہاں تک جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔“

”جس دن وارسا میں ہوٹل کا افتتاح ہوگا۔ اس دن شاید میں منہر جاؤں گا۔“ ہیمل نے زاب دیا۔ ”میں نے جرمنوں سے بدلہ لیا ہے لیکن روسی باقی ہیں۔ اور ہاں..... کین کے بینک والی ت کہاں تک پہنچی؟“

بینک کا تذکرہ کرتے ہی ہیمل کا لہجہ بدل گیا تھا۔ کرٹس کے لیے یہ بات تشویش ناک تھی کہ ہیمل، ڈیویس لاری کی موت کی ذمہ داری اب بھی کین پر ڈال رہا تھا۔ بہر حال، اس نے خصوصی اہل کوئی اور پڑھنا شروع کیا۔ ”لیسٹرز کین اینڈ کمپنی کے شیئرز گھرانے کے چودہ افراد کے قبضے میں ہیں۔ ان کے علاوہ چھ ڈائریکٹر ہیں۔ مسٹر کین سب سے بڑا اسٹاک ہولڈر ہے۔ اس کے پاس آٹھ ہند شیئرز ہیں۔“

”لیسٹرز فیملی کا کوئی فرد اپنے شیئرز بیچنا چاہتا ہے؟“

”میرا اندازہ ہے کہ آنجیانی لیسٹر کی بیٹی سوزن معقول قیمت ملے پر شیئرز فروخت کر سکتی ہے۔ اس کے علاوہ بینک کا سابق نائب صدر پیٹر پارفٹ بھی شیئرز بیچنے میں دلچسپی رکھتا ہے۔“

”ان دونوں کے پاس کتنے فیصد شیئرز ہیں؟“

”کرٹس نے پھر فائل کا جائزہ لیا۔ ”سوزن کے پاس چھ فیصد اور پارفٹ کے پاس 2 فیصد شیئرز ہیں۔“

”اور وہ کیا قیمت طلب کر رہے ہیں؟“

”مس سوزن لیسٹر بیس لاکھ ڈالر مانگ رہی ہیں جب کہ پیٹر پارفٹ اپنے دو فیصد کے لیے دس لاکھ ڈالر طلب کر رہا ہے۔“

”سوزن لیسٹر کے شیئرز فوراً خرید لو۔ ہمیں پارفٹ کی ضروریات بڑھنے کا انتظار کرنا ہوگا۔“ کرٹس نے زاب کو بتایا۔

کرٹس فیمن کھٹکھار کر رہ گیا۔

”کیا ہے مسٹر فیمن۔ تم کچھ پریشان ہو؟“ ہیمل نے دریافت کیا۔

کرش ہچکچایا، پھر بولا۔ ”نہیں مسٹر ونسکی۔“

”اب یہ اکاؤنٹ میں مسٹر ہنری بورن کو دے رہا ہوں۔ تم ہنری بورن کو جانتے ہو؟“

”جی ہاں..... میں کانگریس میں مسٹر بورن کی ساکھ سے واقف ہوں۔“ کرش کے لیے

میں ناپسندیدگی تھی۔

ایسل نے کرش کی بات نظر انداز کر دی۔ وہ بھی جانتا تھا کہ ہنری بورن کی شہرت اچھی نہیں ہے۔ لیکن وہ اپنے سیاسی اثر و رسوخ کی وجہ سے کام کا آدمی تھا۔ اس کے علاوہ اس میں اور بورن میں ایک قدر مشترک بھی تھی۔ کین سے نفرت۔

”میں ہنری بورن کو بیرن گروپ کا ڈائریکٹر مقرر کر رہا ہوں۔“ ایسل نے کہا۔ ”ڈائریکٹر برائے کین اکاؤنٹ..... یہ بات خفیہ رکھی جائے۔“

”آپ کی مرضی جناب۔“

”مس سوزن لیٹر سے سودا ہوتے ہی مجھے آگاہ کر دیتا۔“

”بہت بہتر، مسٹر ونسکی۔“

ایسل لانچ کے لیے بیرن واپس آیا۔ جہاں ہنری بورن، اس کا منتظر تھا۔ وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ڈانٹنگ ہال میں داخل ہوئے اور کونے کی میز پر جا بیٹھے۔ ایسل نے ویٹر کو بلا کر کھانے کا آرڈر دیا۔

”تمہاری بیوی کا کیا حال ہے ایسل؟“

”ٹھیک ٹھاک..... اور تم سناؤ۔“

”وہ بھی ٹھیک ٹھاک ہے۔“

وہ دونوں جھوٹ بول رہے تھے۔

”اور کوئی خاص خبر؟“ ایسل نے پوچھا۔

”اٹلانٹا بیرن کے لیے جگہ کا بندوبست ہو گیا ہے۔ چند روز میں کاغذات پیش کر دیے جائیں گے۔ آئندہ ماہ کی پہلی تاریخ سے تم کام شروع کر سکتے ہو۔“

”یہ غیر قانونی تو نہیں ہے۔“

”تمہارے کاروباری حریفوں کے ہتھکنڈوں کے مقابلے میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔“ ہنری نے ہنستے ہوئے کہا۔

”مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی۔ تم جانتے ہو، میں قانون سے الجھنا پسند نہیں کرتا۔“

”ایسی کوئی بات نہیں، حقیقت تو صرف ہم دونوں کے علم میں ہے۔“

”بہت خوب۔“ ایسل نے کہا۔ ”ہنری گزشتہ برسوں میں مجھے تم سے بہت فائدہ پہنچا ہے۔ میں تمہیں اس کا صلہ ضرور دوں گا۔ بیرن گروپ کا ڈائریکٹر بننا پسند کرو گے تم؟“

”مذاق مت کرو ایسل۔“

”مذاق تو تم کر رہے ہو۔ تم جانتے ہو کہ تم نے اسٹیٹ اورٹی پرٹس کے ذریعے مجھے کتنا فائدہ پہنچایا ہے۔ میں سیاست دانوں اور پورو کرٹس سے نمٹنا نہیں جانتا۔“

”مجھ پر بھی تمہاری مہربانیاں کچھ کم نہیں ہیں۔“

”یہ تو تمہارا حق ہے۔ بہر حال، اب میں تمہیں وہ کام سونپنا چاہتا ہوں جو میرے نزدیک بہت اہم ہے۔ اس میں رازداری کی ضرورت ہے۔ اور میرے خیال میں زیادہ وقت بھی نہیں لگے گا۔ میں اپنے مشترکہ دشمن ولیم کین کی بات کر رہا ہوں۔“

ہنری خاموشی سے بیٹھا ایسل کا منصوبہ سن رہا تھا۔

8 مئی 1946 کو ایسل نیویارک گیا۔ جہاں یوم فتح منایا جا رہا تھا۔ ایسل نے بیرن ہوٹل میں ایک ہزار پولش افراد کو ڈنر پر مدعو کیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے جنگ میں حصہ لیا تھا۔ فرانس میں ہائی فورسز کا کمانڈر انچیف جنرل سوکوکی اس تقریب کا مہمان خصوصی تھا۔ ایسل اس تقریب کا کئی ہفتوں سے منتظر تھا۔ وہ فلوریڈا کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔

تقریب کی رات بیرن کی بینکونٹ روم کی آرائش دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ایک سو بیس بڑی امریکہ کی پرچی جھنڈیوں سے آراستہ تھیں۔ دوسری جانب پولینڈ کے چھوٹے چھوٹے پرچم لہزے لہرا رہے تھے۔ دیواروں پر نامور جرنیلوں..... آئزن ہاور، سٹیلن، براڈلے، ہوز، پیڈ روکی اور سوکوکی تصاویر آویزاں تھیں۔ ایسل سب سے نمایاں جگہ پر بیٹھا تھا۔ اس کے دائیں جانب جنرل سوکوکی اور بائیں جانب فلوریڈا تھی۔

پھر جنرل، شرکاء سے خطاب کے لیے کھڑا ہوا۔ اس نے اعلان کیا کہ لیفٹیننٹ کرنل ایسل ونسکی کو پولش سوسائٹی کا تاحیات صدر نامزد کیا گیا ہے۔ یہ اس کی ان خدمات کے اعتراف میں ہے جو اس نے پولش امریکن کاز کے سلسلے میں انجام دی ہیں۔ بینکونٹ روم تالیوں سے گونج اٹھا۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ کیونکہ اب جنرل، پولینڈ کی غلامی کا تذکرہ کر رہا تھا۔ وہ پولش باشندوں سے اپیل کر رہا تھا کہ وہ وطن کی آزادی کے لیے اپنے اننگ کو کشیں جاری رکھیں۔ ایسل یقین کرنا چاہتا تھا کہ ایک روز پولینڈ آزاد ہوگا..... اور وہ اپنے محل پر، اپنے ورثے پر قابض ہو سکے گا۔ لیکن اسے شک تھا کہ اتحادی ہونے کی وجہ سے روس کی پوزیشن اور مستحکم ہو گئی ہے۔

جنرل نے کہا کہ امریکہ میں مختلف قومیتوں کے حامل مہاجرین میں پولش لوگوں نے سب سے زیادہ جانی اور مالی قربانیاں دی ہیں۔ کوئی امریکن اس بات پر یقین کر سکتا ہے کہ گزشتہ جنگ میں پولینڈ نے ساٹھ لاکھ بیٹے قربان کیے ہیں۔ جب کہ چیکو سلواکیہ کا جانی نقصان محض ایک لاکھ ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے یقینی شکست کا احساس ہونے کے باوجود ہتھیار نہ ڈال کر حماقت کی تھی۔ ”لیکن دوست..... میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ ہم جنگ نہیں ہارے ہیں۔“ جنرل نے کہا اور بیکنوٹ روم ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔

ایسل اداس ہو گیا۔ بیشتر امریکیوں کے لیے جنگ عظیم میں پولش قوم کی کاوشیں معطلہ خیر قرار پائی تھیں۔ ان کے نزدیک کوئی پولش جنگی بہرہ نہیں تھا۔

جنرل نے تالیوں کی گونج ختم ہونے کا انتظار کیا۔ پھر اس نے حاضرین کو ایسل کی کہانی سنائی، جو اپنے چند آدمیوں کے ساتھ جنگ ریمائن کے زخموں اور متوہلین کو سینٹا پھرا تھا۔ جنرل اپنی تقریر کے اختتام پر بیٹھا تو ہال میں موجود ہر شخص کھڑا ہو کر تالیاں بجا رہا تھا..... اور مہمان خصوصی اور بہادر میزبان کو خراج عقیدت پیش کر رہا تھا۔ اس لمحے فلوریڈا کو اپنے باپ پر بے پناہ فخر محسوس ہوا۔

اگلے روز ایسل کی داستان شجاعت اخبار کی زینت بن گئی۔ ایسل کو حیرت تھی کیونکہ اس سے پہلے امریکن پریس نے جنگ عظیم میں پولش قوم کی قربانیوں کو کبھی نہیں سراہا تھا پھر اسے خیال آیا کہ یہ اہمیت بھی کسی عام پولش کے لیے نہیں، بلکہ شکاگو بیرن کے حصے میں آئی ہے۔ اگر وہ شکاگو بیرن نہ ہوتا تو اخبار والے یقیناً اسے نظر انداز کر دیتے۔ وہ احساس فتح سے سرشار تھا۔ اسے جنگی بہرہ تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اس کی تصویریں لی جا رہی تھیں..... انٹرویو کیے جا رہے تھے۔ پھر اچانک ایسل تنہا رہ گیا۔ فلوریڈا اسکول واپس چلی گئی۔ جارج شکاگو میں تھا..... اور ہنری بورن واشنگٹن میں۔ ہوٹل کی تنہائی اسے کاٹ کھانے کو دوڑتی، لیکن وہ زافیا کے پاس واپس شکاگو نہیں جانا چاہتا تھا۔

اس نے جلدی کھانا کھانے اور اس کے بعد تمام ہوٹلوں کی مفصل رپورٹوں کا جائزہ لینے کا فیصلہ کیا۔ وہ عموماً اپنے دفتر سے ملحقہ پینٹ ہاؤس میں کھانا نہیں منگواتا تھا بلکہ ڈاننگ روم کا رخ کرتا تھا۔ اس طرح اسٹاف کو اس سے قربت اور گرمائی کا احساس رہتا تھا۔ اب جیسے جیسے اس کے ہوٹلوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی، وہ جانتا تھا کہ اسے یہ مواقع بھی کم میسر آئیں گے۔

وہ لفٹ میں بیٹھ کر نیچے آیا۔ اس نے استقبالیہ کلرک سے استفسار کیا کہ ہوٹل میں اس وقت کتنے مہمان بٹھرے ہوئے ہیں۔ پھر ایک خراب صورت عورت نے اس کی توجہ اپنے طرف منعطف کر لی، جو رجسٹریشن کارڈ پر دستخط کر رہی تھی اسی لمحے عورت نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

”اوہ ایسل..... بہت خوشی ہوئی تم سے مل کر۔“

”تم..... میلانی ہو۔ پہچانی نہیں جا رہی۔“

”لیکن تمہیں کون بھول سکتا ہے، ایسل۔“

”مجھے علم نہیں تھا کہ تم نیویارک میں ہو۔“

”ایک دن کے لیے آئی ہوں۔ میگزین کا کام ہے۔“

”تو تم اب جرنلسٹ بن گئی ہو۔“ ایسل کے لہجے میں بے یقینی نمایاں تھی۔

”نہیں..... میں ایک اشاعتی ادارے کی اکنامک ایڈوائزر ہوں۔ مجھے ایک پروجیکٹ پر

ریسرچ کے لیے نیویارک بھیجا گیا ہے۔“

”بے حد متاثر کن جاب معلوم ہوتی ہے۔“

”یقین کرو، ایسا نہیں ہے۔ بہر حال، اتنا ہے کہ میں بے کار نہیں ہوں۔“

”ڈنر، میرے ساتھ کرو گی؟“

”ضرور، کیوں نہیں۔“

ڈنر کے بعد وہ دونوں ایسل کے پینٹ ہاؤس میں یکجا تھے۔ ایسل کو اندازہ تھا کہ وہ اب زافیا سے وفادار نہیں رہ سکے گا۔ میلانی کی رفاقت بے حد متاثر کن تھی۔ میلانی نے اسے بتایا کہ وہ شادی کر کے طلاق لے چکی ہے۔

وہ دونوں بے حد دوستانہ انداز میں باتیں کرتے رہے۔ لیکن جلد ہی ایسل کو بے زاری کا احساس ہونے لگا کہ ایسل نے اس سے ملاقات کر کے برسوں پرانا قرض چکا یا ہے۔ اس کے باوجود وہ رخصت ہوئی تو ایسل کے انداز میں، بناؤٹی ہی سہی، گرم جوشی بہر حال تھی۔

اس کے بعد پینٹ ہاؤس کی فضا رنگین ہو گئی۔ وہ ایسل کی رنگ رلیوں کا مرکز بن گیا۔ جب اور کوئی میسر نہیں آتا تو ایسل ہوٹل کی کسی ویڈیو کی مدد سے عموماً لیتا۔ شاید زافیا کی سردمہری اور جنگ کے دنوں کے اعصابی کشیدگی رنگ لارہی تھی۔

لیکن ایسل کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ زافیا اس سلسلے میں کسی پرائیویٹ سراغ رساں کی خدمات حاصل کرے گی اور اس کی بے وفائی کا ثبوت حاصل کرنے کے بعد طلاق کا دعویٰ دائر کر دے گی۔ طلاق کا تصور ہی ایسل کے لیے جان لیوا تھا۔ پولش لوگوں کے درمیان طلاق بہت ہی کم ہوتی ہے۔ طلاق کا مطلب جگ ہنسائی تھا۔ ایسل نے زافیا کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ایسل جانتا تھا کہ طلاق سے اس کی نہ صرف اپنے ہم قوموں میں کٹن ہوگی بلکہ وہ معاشرتی اور سیاسی پیش قدمی بھی متاثر ہوگی، جس کا وہ آغاز کر چکا ہے۔

ایسل نے اس سلسلے میں اپنے وکیل سے بات کی۔ پہلی بار احساس ہوا کہ اس کے پینٹ

”ذرائع دیر میں ثابت ہو گیا کہ کلاڈ ذہانت اور مستعدی کے معاملے میں بھی اپنے باپ کی طرح ہے۔ اسے اسپل، ہنری کٹھ جوڑ کے متعلق مکمل معلومات حاصل تھیں۔ یہ امر دلیم کے لیے اطمینان کا باعث تھا۔ اس نے وضاحت کی کہ آئندہ کے لیے وہ کیا چاہتا ہے۔

”ہاضی کی طرح ماہانہ رپورٹ..... مکمل رازداری کے ساتھ۔“ اس نے کہا۔ ”لیکن اب میں کچھ جانتا چاہتا ہوں۔ اسپل روشنی میرے بینک کے حصص کیوں خرید رہا ہے۔ کیا وہ اب بھی ڈپوسٹ لاری کی موت کا ڈرے دار مجھے سمجھتا ہے۔ کیا اب بھی میرے خلاف اس کی جنگ جاری ہے۔ اس میں ہنری کا کیا کردار ہے۔ کیا میری اسپل سے ملاقات سودمند ثابت ہو سکتی ہے۔ میں اسے بتا سکتا ہوں کہ رجمنڈ گروپ کی پشت پناہی سے گریز میرا نہیں بلکہ بینک کا فیصلہ تھا۔“

”اس دوران کلاڈ سامنے رکھے پیڑ پر سب کچھ نوٹ کرتا رہا۔“

”مجھے ان تمام سوالوں کے جواب جلد از جلد چاہئیں میں اپنے بورڈ کو حالات سے باخبر

رکھنا چاہتا ہوں۔“

”میں جلدی تم سے رابطہ قائم کروں گا دلیم۔“ کلاڈ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اور ہاں

..... ریما جن میں تم نے جو کچھ کیا، اس کے حوالے سے تم میرے لیے اور محترم ہو گئے ہو۔“

آئندہ چند ماہ میں دلیم کی صحت خرید بحال ہوئی۔ سینے اور چہرے کے داغ بڑی حد تک ہلکے ہو گئے۔ کیٹ اسے ننھے بچوں کی طرح تھپک تھپک کر سلاتی۔ اس دوران وہ سرگوشی میں ایک ہی جملہ ہراتی! خدا کا شکر ہے کہ تم بچ گئے۔ اب دوسرے دورے بھی کم ہو گئے تھے۔ اس کے داہنے ہاتھ کی قوت بحال ہو رہی تھی۔ کیٹ نے اسے ویسٹ انڈیز کے تفریحی دورے سے پہلے، کام پر جانے کی اجازت نہ دی۔ نیویارک واپس آتے ہی دلیم بے چین ہو گیا۔ کیٹ اسے بینک جانے سے نہیں روک سکتی تھی۔

جلد ہی دلیم بینک کے مسائل میں کھو گیا۔ ذہین اور جرأت مند نوجوان، جنہیں جنگ نے نئی عطا کی تھی، تجزی سے ابھر رہے تھے۔ صدر ٹھمن نے دوسری بار صدارتی انتخاب جیت لیا تھا۔ پھر کلاڈ کو بہن کی طرف سے پہلی رپورٹ موصول ہوئی۔ اسپل نے ہر اس شخص سے رابطہ قائم کیا تھا، جس کے پاس لیسٹر، کین اینڈ کمپنی کے حصص موجود تھے۔ اب تک اسے صرف ایک کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ لیکن سوزن لیسٹر نے کلاڈ سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ یہ بات معلوم نہیں ہو سکی کہ سوزن نے اپنے حصص کیوں فروخت کیے ہیں۔ اتنا کہا جاسکتا تھا کہ اس سودے کے پیچھے مالی کمزوری یا ضروریات کا فرما نہیں تھیں۔ دلیم کے لیے یہ معلومات کافی پریشان کن تھیں۔

ہنری بورن کو مئی 1947 میں بیرن گروپ کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا تھا۔ لیسٹر کا ڈنٹ اس

ہاؤس کی خلوت میں اب تک سینکڑوں عورتیں آچکی ہیں۔ اب وہ اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ طلاق پر رضامند ہو جائے اور فلوریٹا کو اپنے پاس رکھنے کے سلسلے میں مخصوص موقف اختیار کر سکے۔ تیرا سالہ فلوریٹا اس کی زندگی میں سب سے سچی محبت تھی۔

طویل جدوجہد کے بعد معاہدہ ہو گیا۔ اس نے زافیا کو پانچ لاکھ ڈالر دیے اور شکاگو والا مکان اس کے نام کر دیا۔ اس کے علاوہ یہ طے پایا کہ زافیا ہر مہینے کے آخری ویک اینڈ پر فلوریٹا سے مل سکے گی۔

اسپل نے نیویارک کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنالیا۔ جارج نے اسے شکاگو بیرن کی جلا وطنی قرار دیا۔ اب اسپل سارے امریکہ میں گھومتا پھرتا اور نئے نئے ہوٹل تعمیر کرتا پھر رہا تھا۔ شکاگو کو وہ مرز اس وقت آتا جب اسے کرٹس فینن سے ملاقات کرنا ہوتی۔

.....

دلیم کین اس خط کو تین بار پڑھ چکا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اسپل، لیسٹر کے حصص کیوں خریدنا چاہتا تھا..... اور اس نے ہنری بورن کو بیرن گروپ کا ڈائریکٹر کیوں بنایا ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ اب صرف اندازوں پر انحصار کرنا خطرناک ہوگا۔ اس نے فون اٹھایا اور ملاقات کا وقت طے کیا۔

اسے کلاڈ کو بہن سے تعارف کرانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ کلاڈ ہر اعتبار سے اپنے باپ تھامس کو بہن کا قلم البدل ثابت ہوا۔ وہ ظاہری اعتبار سے بھی اپنے باپ کی کاروبار کا نظر آ رہا تھا۔

”میں آپ کو نہیں بھولا، مسٹر کین۔“ کلاڈ نے کہا۔ ”لیکن ایسا لگتا ہے آپ مجھے بھول گئے۔“

”گڈ لارڈ۔“ دلیم کے منہ سے نکلا۔ ”ہارڈ میں وہ مباحثہ، بن انیس سو.....“

”اٹھائیس کی بات ہے۔“ کلاڈ نے اس کی بات پوری کر دی۔ ”آپ مباحثے میں جیت

گئے تھے لیکن آپ نے اصول کی خاطر رزکیت قربان کر دی تھی۔“

دلیم بے ساختہ ہنس دیا۔ ”مجھے امید ہے ہمیں شراکت راس آئے گی۔ بشرطیکہ تمہارا سوشلزم ایک قابل خدمت سرمایہ دار کا ساتھ دینا گوارا کر سکے۔“ اس نے کہا۔

ان دونوں نے گرم جوش سے ہاتھ ملایا۔ اس وقت وہ اپنے کالج کے دن یاد کر رہے تھے۔ ”تمہارا ایک جام مجھ پر ادھا رہے۔ دلیم نے مسکراتے ہوئے کیا۔ ”میں پورسلین کلب میں اپنے وعدے کے مطابق تمہیں جام نہیں پلا سکا تھا۔ بولو کیا پیو گے؟“

”شکریہ، میں نے سب نوشی ترک کر دی ہے۔“ کلاڈ نے کہا۔ ”اور ہاں..... اب میں خود

بھی ایک قابل خدمت سرمایہ دار ہوں۔“

کی خصوصی ذمہ داری تھی۔ ایک اہم بات یہ بھی تھی کہ سوزن کے پاس موجود حصص کی خریداری کے سلسلے میں اسٹیل نے خود کو ہنری سے الگ تھلگ رکھا تھا، جیسے اس خریداری سے ان دونوں کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ اب اسٹیل کے پاس لیسٹرز، کین اینڈ کمپنی کے چھ فیصد حصص موجود تھے۔ مزید دو فیصد کے لیے وہ ساڑھے سات لاکھ ڈالر ادا کرنے پر رضامند تھا۔ وہ دو فیصد حصص پیٹر پارٹ کے پاس تھے۔ اب ولیم جان گیا تھا کہ آٹھ فیصد کا مالک ہوتے ہی اسٹیل کیا قدم اٹھائے گا۔ ولیم کو یہ بھی علم تھا کہ لیسٹرز، کین اینڈ کمپنی کے پھیلاؤ کی شرح بیرن گروپ کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ بیرن گروپ اب ہالٹن اور شیرٹن گروپ کا ہم پلہ ہو گیا ہے۔ ولیم سوچ میں گیا کہ بورڈ کو اس صورت حال سے مطلع کیا جائے یا نہیں۔ اسی پریشانی میں کئی رات اسے نیند نہ آئی۔ بالآخر اس نے کیٹ سے مشورہ طلب کیا۔

”جب تک یہ بات یقینی نہ ہو جائے کہ اسٹیل کی نیت اچھی نہیں، کوئی قدم نہ اٹھانا۔“

کیٹ نے کہا۔

”ہنری کے ساتھ اس کا کٹھ جوڑ ثابت کرتا ہے کہ اسٹیل کی لیسٹرز شیرٹرز میں دلچسپی بے ضرر نہیں..... میں بیٹھا انتظار کرتا رہوں اور وہ میرے خلاف منصوبے بناتا رہے۔“

”ولیم..... یہ بیس سال پرانی بات ہے۔ اب تک تو وہ بھول بھی چکا ہو گا کہ اس کا تم سے کبھی واسطہ بھی پڑا تھا۔“

”ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ میں ایسے بہت سے لوگوں کو جانتا ہوں جو ایک معمولی سی بات عمر بھر نہیں بھلا سکتے۔“ ولیم نے کہا۔

کیٹ نے اس کے بعد کچھ نہیں کہا، لیکن ولیم نے خود کو یقین دلایا کہ کیٹ کا مشورہ درست ہے۔



جنگ کے بعد بیرن گروپ کے منافعے میں زبردست اضافہ ہوا۔ چھٹی دہائی کے اوائل میں منافع کماتا بہت آسان ہو گیا۔ اسٹیل کے لیے مالی کامیابی ناکافی تھی۔ اب وہ بڑھاپے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسے وطن کا خیال آتا تھا۔ اس کے نزدیک یہ اس کی نااہلی تھی کہ وہ اپنی مادی کامیابیوں کے سہارے کھڑا ہو کر مادروطن کی زمین، جہاں کا تماشہ دیکھتا رہے۔ اسے ترکی میں پولش کو تسلط کے کہے ہوئے الفاظ یاد آتے تھے۔ شاید تم اپنی زندگی میں پولینڈ کا عروج دیکھ سکو، اسٹیل نے امریکی کانگریس کو تائید کرنے کی ہرجمن کو پیش کی کہ وہ مشرقی یورپ میں روس کے تسلط کے خلاف کچھ کرے، لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ اسٹیل کو احساس ہونے لگا کہ اس نے مادروطن کے لیے آج تک کوئی خطرہ مول نہیں لیا ہے۔ اس نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ وہ واشنگٹن کے سیاست دانوں میں لابی

تیار کر رہا تھا۔ وہ اخباری نمائندوں سے رابطہ رکھتا۔ اپنے ہونٹوں میں پولش برادری کو مدعو کرتا۔ یہاں تک کہ کچا گو بیرون پولش کا ذکی علامت بن گیا۔

پھر پولینڈ کی ایک یونیورسٹی کے، تاریخ کے سابقہ پروفیسر ڈاکٹر تھیوڈور نے روزنامہ ٹریڈ میں اسٹیل کی کاوشوں پر اداریہ لکھا۔ اس طرح اسٹیل کو معلوم ہوا کہ پروفیسر بھی امریکہ میں موجود ہے۔ وہ پروفیسر سے ملنے گیا۔ وہ دھان پان پروفیسر کو دیکھ کر حیران رہ گیا جواب بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔ پروفیسر نے بڑی گرم جوشی سے اس کا خیر مقدم کیا۔

”اسٹیل روسکی..... میں پولش کا ز کے سلسلے میں تمہاری پیہم کوکوشوں پر فخر محسوس کرتا ہوں۔ ناکامی کے باوجود تم نے ہمت نہیں ہاری۔“

”میں ہمت کیسے ہار سکتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ امریکہ میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔“

”لیکن بیرن..... تم جن لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش کر رہے ہو، انہی لوگوں نے یہ سب کچھ کیا ہے، بالواسطہ ہی سہی۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا ہے اور وہ تماشہ دیکھتے رہے ہیں۔ یہ لوگ ہماری قوم کی آزادی کے لیے کچھ بھی نہیں کریں گے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا پروفیسر۔ یہ لوگ ہماری مدد کیوں نہیں کریں گے۔“

”تمہیں معلوم ہے بیرن، امریکی فوجوں کو مشرقی یورپ میں ست تریش قدمی کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ روسی فوجوں کو وہاں مضبوطی سے قدم جمانے کا موقع مل جائے۔ چین، روسیوں سے بہت پہلے برلن پہنچ سکتا تھا لیکن آئزن ہاور نے اسے روکے رکھا۔ آئزن ہاور کو ہدایات واشنگٹن میں موجود لیڈروں سے ملی تھیں۔ اب تم انہی لیڈروں کو متاثر کرنا چاہتے ہو۔“

”اُس وقت انہیں اندازہ نہیں تھا کہ روس عفریت بن جائے گا۔ اس وقت روسی ہمارے حلیف تھے۔ لیکن امریکنوں نے ہمارے ساتھ زیادتی نہیں کی۔“

”بیرن روسکی..... کاش تم میرے بھائی سے ملے ہوتے۔“ پروفیسر نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ”مجھے حال ہی میں اطلاع ملی ہے کہ اس نے چھ ماہ پہلے ایک روسی کپ میں دم توڑ دیا۔ ایسے ہی کپ میں، جہاں سے تم فرار ہوئے تھے۔“ اسٹیل نے کچھ کہنا چاہا لیکن پروفیسر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ ”نہیں..... کچھ مت کہو۔ تم ان کپوں سے خوب واقف ہو۔ تم جانتے ہو کہ امریکی کوئی اہمیت نہیں۔ بیرن..... لوگ سو رہے ہیں۔ ایسے میں ہمیں دنیا کو بدلنا ہے..... میں

..... میرے بھائی کو روکوں، امریکیوں نے کچھ بھلا کیا۔“

اسٹیل صحبمانہ نگاہوں سے پروفیسر کو دیکھتا رہا۔ ”یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ کے بھائی کو پولینڈ

میں روسی دستوں نے گرفتار کیا تھا.....“

ہرگز نہیں۔ میرے بھائی کو پولینڈ سے گرفتار نہیں کیا گیا تھا۔ اسے فریکلفٹ کے نزدیک ایک نازی کیمپ سے رہا کرایا گیا تھا۔ امریکیوں نے ایک ماہ اسے ڈی پکیمپ میں رکھا اور پھر اسے روسیوں کے حوالے کر دیا۔“

”یہ ناممکن ہے۔ وہ ایسا کیوں کرتے؟“

”روسیوں کو غلام درکار تھے۔ جو ہٹلر کے جنگل سے نکلا، اسٹالن کے جنگل میں پھنس گیا۔ میں ثابت کر سکتا ہوں کہ میرا بھائی ایک ماہ امریکی سیکٹر میں رہا تھا۔“

”اچھا یہ بتائیے کہ ان جیسے اور بھی تھے یا صرف ان کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا؟“ ہیل نے پوچھا۔

”ان جیسے بہت سے لوگ تھے لاکھوں کی تعداد میں۔“ پروفیسر نے بے حد غیر جذباتی انداز میں کہا۔ ”صحیح تعداد کا تو شاید کبھی علم نہیں ہو سکے گا۔ امریکی حکام آپریشن کی جھیل کا مکمل ریکارڈ رکھنا کیوں پسند کریں گے؟“

”آپریشن کی جھیل؟ ایسا تو کبھی تذکرہ نہیں سنا گیا۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ امریکی خود حریت پسندوں کو روس بھیجتے رہے تو بڑا خوفناک رد عمل سامنے آئے گا۔“

”آپریشن کی جھیل کے بارے میں کوئی خاص ثبوت موجود نہیں ہے۔ خدا، جبریل مارک کلا راک کا بھلا کرے، اس نے یہ احکامات ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے فوجیوں کی مہربانی سے کچھ قیدیوں کو علم ہو گیا، اس سے پہلے کہ امریکی انہیں روس بھیجتے، وہ فرار ہو گئے، ایسے لوگوں نے خاموشی اڑھ لی ہے۔ اور اب زبان نہیں کھولیں گے۔“ پروفیسر نے کہا۔

”لیکن امریکی عوام کو اس کے بارے میں بتانا ضروری ہے۔ میں اس سلسلے میں کئی بتاؤں گا، پمفلٹ چھپوائوں گا، تقریریں کروں گا۔ کانگریس کو حقیقت بتائی جائے تو وہ اسے ضرور سنے گی۔“

”بیرن رونسکی، میں سمجھتا ہوں، یہ معاملہ تم جیسے آدمی کی حدود سے بھی آگے کا ہے۔“

ہیل اٹھ کھڑا ہوا۔

”یہ بات نہیں ہے، میرے دوست کہ میں تمہیں کمتر سمجھ رہا ہوں۔ البتہ تم اس وقت کے عالمی لیڈروں کی ذہنیت نہیں سمجھ رہے ہو۔ روس نے ان حریت پسندوں کو طلب کیا اور امریکہ کو اس کا مطالبہ مانا پڑا۔ میرا خیال ہے، انہیں اندازہ نہیں ہوگا کہ روس میں ان بے بسوں پر کیا گزرے گی۔ بہر حال اب اس صدی کی چھٹی دہائی میں کوئی اس فعل کی ذمہ داری نہیں قبول کرے گا۔ ایسا سال میں بھی نہیں ہوگا۔ چند ایک کو چھوڑ کر تمام مورخین بھول جائیں گے کہ جنگ عظیم میں سب سے زیادہ جانی قربانی پولینڈ نے پیش کی تھی جرمنوں سے بھی زیادہ!“ پروفیسر اٹھ کھڑا ہوا۔ ”بیرن“

ہیل نے انہیں میرا پیغام دیا تھا؟“ ہیل نے سرد لہجے میں پوچھا۔

”جی ہاں جناب۔ انہیں یقین ہے کہ یہ افواہ ہے۔ پروپیگنڈہ ہے۔ انہیں جوائنٹ ہف آف سٹاف نے بتایا ہے کہ ایسے تمام لوگ رہا کر دیے گئے تھے۔“

ہیل کو اندازہ ہو گیا کہ پروفیسر کا کہنا درست تھا۔ سینئر ڈگلس نے اس سے پہلے اسے اس نظر انداز نہیں کیا تھا۔ ہیل نے ایک اور نمبر ڈائل کیا۔ یہ سینئر میکارتھی کے دفتر کا نمبر تھا۔ کسی لڑکی نے جواب دیا۔ اس نے دریافت کیا کہ کون بات کر رہا ہے۔ ہیل کی بات سننے کے بعد اس نے ہلڈ آن کرنے کو کہا۔ چند لمحے بعد سینئر میکارتھی کی آواز سنائی دی۔

”میں مسٹر رونسکی۔“ سینئر نے کہا۔

ہیل سوچ میں پڑ گیا۔ کیا سینئر نے دانستہ اس کے نام کے تلفظ کی غلط ادائیگی کی ہے؟

”ایسی کون سی بات ہے جو آپ سائے میرے کسی سے نہیں کرنا چاہتے۔ کوئی سنگین

”آپ دیکھ لیں کہ یہ کیونست لوگ کیسے کیسے بھگنڈے استعمال کرتے ہیں۔“ اس بار سینئر کالجیزم تھا۔ ”اب آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا۔ امید ہے آپ آئندہ محتاط رہیں گے۔“

”یقیناً سینئر..... وقت دینے کا شکریہ جناب۔ خدا حافظ۔“

”خدا حافظ رونوٹکی۔“

اسیل کو ملک کی آوازیں کر ایسا لگا کہ جیسے اس پر دوسرا دروازہ بھی بند ہو گیا ہو۔

ولیم اب خود کو بوڑھا محسوس کرنے لگا تھا..... رچرڈ جوان ہو گیا تھا۔ اس کی کئی لڑکیوں سے دوستی تھی۔ ولیم کو خوشی تھی کہ اس معاملے میں اس کا بیٹا خوش ذوق ہے۔ اس کی تمام دوست لڑکیاں کیٹ جیسی تھیں۔ درجینیا اور لوسی بھی بڑی ہو گئی تھیں۔ وہ دونوں اپنی ماں سے بہت زیادہ مشابہ تھیں، درجینیا بطعافن کا رتھی۔ لوسی اسے بے حد سراہتی تھی۔ ان کے نزدیک درجینیا اپنے عہد کا پکا رتھی۔ ولیم اکثر تینوں کے مستقبل کے بارے میں سوچا کرتا تھا۔ کیٹ اس سلسلے میں مطمئن تھی۔ رچرڈ اتنا اچھا دانشور بن گیا تھا کہ اسے اسکول کے کنسرٹ میں مظاہرے کی دعوت دی جاتی تھی۔ درجینیا اچھی پیشنگ کرنے لگی تھی۔ لوسی اس کے بچوں میں سب سے حسین تھی۔ گیارہ سال کی عمر میں ہی اس کا حسن نظروں کو خیرہ کر دینے کی اہلیت رکھتا تھا۔

1951ء میں رچرڈ کو ہارڈ میں داخلہ مل گیا۔ وہ ریاضی میں پہلی پوزیشن نہیں لے سکا۔ کیٹ نے ولیم کو دلاسا دیا کہ سینٹ پال میں اس کی بیس بال اور والکن کے سلسلے میں شاعر کا کردگی رہی تھی جب کہ ولیم اپنے زمانہ طالب علمی میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکا تھا۔ ولیم اندر ہی اندر اپنے بیٹے کی ان کامیابیوں پر فخر کرتا تھا لیکن وہ کیٹ سے یہی کہتا کہ یہ کامیابیاں بیک کار بننے کے لچھن نہیں ہیں۔

اب امن کا زمانہ تھا۔ بینکاری کا کام ترقی کر رہا تھا..... ولیم کی مصروفیات بھی بڑھ گئیں۔ کچھ عرصہ تو ایسا گزرا کہ ولیم کو اسیل کی سرگرمیوں پر تشویش کی فرصت بھی نہیں ملی۔ کلاؤ کو اسیل کی سرگرمیوں پر تشویش کی فرصت بھی نہیں ملی۔ کلاؤ کی رپورٹوں سے معلوم ہوتا تھا کہ اسیل تھرڈ پارٹی کے ذریعے ولیم کے سوا بینک کے ہر اشاک ہولڈر سے شیراز کے سلسلے میں رابطہ قائم کر چکا ہے۔ ولیم کو اندازہ تھا کہ وہ وقت تیزی سے قریب آ رہا ہے، جب اسے بورڈ کے اراکین کو مصورت حال سے آگاہ کرنا پڑے گا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس کا استعفا اسیل کے لیے سب سے بڑی فتح ہوگا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ یہ قدم وہ لڑے بغیر نہیں اٹھائے گا۔

پھر معاملات اسکے ہاتھ سے نکل گئے۔ 1951ء میں سول ایوی ایشن والوں نے انٹر

معاملہ ہے کیا؟“ اس نے مزید کہا۔

”اسیل بچکاپا۔ دراصل اسے امید نہیں تھی کہ وہ سینئر سے براہ راست بات کر سکے گا۔“

”میں آپ کو مکمل رازداری کی ضمانت دیتا ہوں..... بلا جھجک کیسے کیا بات ہے؟“

”سینئر..... آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو مشرقی یورپ کو کیونزم کے تسلط سے آزاد کرنا چاہتے ہیں۔“

”بے شک مسٹر رونوٹکی۔“ سینئر نے جلدی سے کہا۔ اسیل کو اندازہ ہو گیا کہ سینئر دانستہ اس کا نام بگاڑ رہا ہے۔ تاہم وہ خاموش رہا۔ ”آپ کو اندازہ ہوگا کہ جب تک ہماری اپنی حکومت میں غدار موجود ہیں۔ ہم آپ کے وطن کو آزاد نہیں کر سکتے۔“ سینئر نے اپنی بات پوری کی۔

”جی ہاں..... میں بھی اسی سلسلے میں بات کرنا چاہ رہا ہوں۔ آپ اب تک مفاد پرستوں کو بڑی کامیابی سے بے نقاب کرتے رہے ہیں۔ لیکن کیونستوں کے بدترین جرائم سے عوام اب تک بے خبر ہیں۔“

”آپ کن جرائم کا تذکرہ رہے ہیں میری؟“

”میں اپنے اُن ہزاروں ہموطنوں کی بات کر رہا ہوں سینئر، جو کیونزم کے مخالف تھے..... جنہیں جنگ کے بعد پولینڈ بھیجا جانا تھا لیکن انہیں امریکی حکام نے روسیوں کی تحویل میں دے دیا تاکہ وہ روسی عتوبت خانوں میں سسک سسک کر مرتے رہیں۔“ اسیل خاموش ہو گیا۔ وہ کسی رد عمل کی توقع کر رہا تھا لیکن دوسری طرف خاموشی تھی۔ پھر ملک کی آواز سنائی دی۔ اسیل کو ایسے لگا جیسے کوئی اور بھی اس گفتگو کو سن رہا ہو۔

”مسٹر رونوٹکی..... میری بات سنیں۔ آپ بہت ہی سادہ لوح ہیں۔ آپ نے مجھے بتانے کے لیے فون کیا کہ امریکہ کے وفادار فوجیوں نے ہزاروں پولش لوگوں کو روس بھجوا دیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ کیا میں اس احقانہ بات پر یقین کر سکتا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ نے بغیر کسی ثبوت کے اس سفید جھوٹ پر یقین کیسے کر لیا۔ مسٹر رونوٹکی..... آپ امریکی فوجیوں کو غدار قرار دے رہے ہیں۔ مجھے بتائیں آپ لوگ آخر چاہتے کیا ہیں؟ آپ کیونستوں کے پروپیگنڈے پر یقین کر بیٹھے ہیں۔ آپ نے محض ایک بے بنیاد افواہ کی بنا پر میرا وقت ضائع کیا۔ یہ سب روسی پروپیگنڈا ہے۔ امریکا میں صحیح جھگڑا قیامت کے دن ہوگا۔ امریکا کو یہ چھوڑنا چاہیے کہ اسے کھانا چاہیے۔“

اسیل سینئر کے اس طرح پھٹ پڑنے پر ششدر رہ گیا اسے اندازہ ہو گیا کہ مزید کچھ کہنا بے سود ہوگا۔ ”سینئر آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ بالآخر اس نے کہا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کا وقت ضائع کیا۔ میں نے اس معاملے کو اس زاویے سے نہیں دیکھا تھا اور یہ میری غلطی تھی۔“

اسٹیٹ انڈسٹریز نامی ایک نئی کمپنی کو مشرقی اور مغربی ساحلی علاقوں کے درمیان پرواز کی اجازت دی۔ کمپنی نے تین کروڑ کے قرض کے سلسلے میں لیٹریز بینک سے رجوع کیا۔ ولیم کے خیال میں اس کمپنی کو امداد دینا منفعیت بخش تھا۔ اس نے اس سلسلے میں عوامی سرکاری کاروبار کا فیصلہ کیا۔ کمپنی کی نمائندگی بینک کر رہا تھا۔ اور اس سلسلے میں اپنے تمام وسائل استعمال کر رہا تھا جنگ سے واپسی کے بعد یہ سب سے بڑا پروجیکٹ تھا جس پر ولیم کام کر رہا تھا۔ جولائی میں اس سلسلے میں پیش کش کی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے کمپنی کے شیئرز بک گئے۔ تمام کاروباری حلقوں میں ولیم کے اس اقدام کو سراہا گیا۔ ولیم بے حد خوش تھا۔ ٹیلن کلاؤ کوہن کی رپورٹ کے ذریعے اسے علم ہوا کہ کمپنی کے حصص اسٹیل روئسکی ایک ڈی کارپوریشن نے بھی خریدے ہیں۔

ولیم کو اندازہ ہو گیا کہ اب اُسے ٹیڈ لیچ اور ٹونی سائمن کو اپنے بدترین خدشات سے آگاہ کرنا ہے۔ اس نے ٹونی کو نئیویارک بلایا۔ اس نے اپنے کمرے میں دونوں نائب صدور سے ملاقات کی اور انہیں اسٹیل رولنگ کے جوڑے کے متعلق بتایا۔

”تم نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا؟“ ٹونی نے چھوٹے ہی پوچھا۔

”کیونکہ اینڈ کا بوٹ میں میرا واسطہ رجمنٹ گروپ جیسی بیسیوں کمپنیوں سے پڑا ہے۔ مجھے علم نہیں تھا کہ اسٹیل روئسکی اس قدر کینہ پرور ثابت ہوگا۔ انٹر اسٹیٹ انڈسٹریز کے دس فیصد حصص اسٹیل نے خریدے تو مجھے اندازہ ہوا کہ اس کے عزائم خطرناک ہیں۔“ ولیم نے وضاحت کی۔

”ممکن ہے، یہ تمہارا وہم ہو۔“ ٹیڈ لیچ نے کہا۔ ”بہر حال، میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا کہ بورڈ کے اراکین کو اس سلسلے میں آگاہ کیا جائے۔ یہ نامناسب ہوگا۔“

”میں متفق ہوں۔“ ٹونی نے کہا۔ ”ویسے تم اس شخص سے مل کر..... بات کر کے تو دیکھو۔“

”میرا خیال ہے، وہ یہی چاہتا ہے۔ اس طرح اسے یقینی طور پر علم ہو جائے گا کہ بینک دباؤ میں ہے۔“

”اور تم اسے رجمنٹ گروپ کے سلسلے میں حقائق بتا دو گے تو تمہارے خیال میں کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ تم نے تو بورڈ کو اس کے حق میں قائل کرنے کی کوشش.....“

”مجھے یقین ہے، وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہے۔ وہ میرے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔“

”تمہارے خیال میں بینک کو اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے؟“ ٹیڈ نے پوچھا۔ ”اگر کوئی شخص اپنے حصص بیچنے پر آمادہ ہے تو اسٹیل کو انہیں خریدنے سے نہیں روکا جاسکتا۔ اگر ہم خود اپنے حصص خریدنا شروع کر دیں تو یہ اس کی خواہش کے عین مطابق ہوگا۔ اس کے حصص کی قیمت بڑھ

ہائے گی۔ گویا ہم اس طرح بھی اسے خوش کریں گے۔“

”میں جانتا ہوں، ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ میں تو صرف تم دونوں کو آگاہ کرنا چاہتا تھا۔“ ولیم نے کہا۔

”یہ بھی ممکن ہے، وہ تمہاری صلاحیتوں پر اعتماد کرتا ہو۔“ ٹونی نے کہا۔ ”حصص خریدنے کی ایک وجہ یہ بھی تو ہو سکتی ہے۔“

”تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو جب کہ اس معاملے میں میرا سوتیلا باپ بھی ملوث ہے۔“

ولیم نے تیز لہجے میں کہا۔ ”میں اسٹیل کو جتنا سمجھتا ہوں تم نہیں سمجھتے۔ میں گزشتہ بیس سال سے اسے دیکھ رہا ہوں۔ وہ خسارہ پسند نہیں کرتا۔ میں اسے خوب جانتا ہوں۔ بالکل جیسے اپنے گھر کے لوگوں کو جانتا ہوں۔ وہ.....“

”خواہ خواہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ولیم مجھے توقع ہے.....“

”میں خواہ خواہ پریشان نہیں ہو رہا ہوں ٹونی۔ تم جانتے ہو کہ ضابطے کی ایک شق کی رو سے بینک کا آٹھ فیصد اسٹاک کسی شخص کے ہاتھ جانے کا کیا مطلب ہے۔ وہ شق میں نے اس لیے نام کی تھی کہ مجھے چیز مین کے عہدے سے نہ ہٹایا جاسکے۔ اب اسٹیل کے پاس چھ فیصد حصص موجود ہیں۔ یہ ایک خطرہ ہے۔ دوسری بات یہ کہ جس دن وہ انٹر اسٹیٹ انڈسٹریز کے حصص مارکیٹ میں لے آئے اس روز کمپنی ختم ہو جائے گی۔“

”لیکن اس سے اسے فائدہ کیا ہوگا۔ اُلٹا مالی نقصان ہوگا۔“ ٹیڈ نے اعتراض کیا۔

”یقیناً کروتم اسٹیل روئسکی کا طریق کار نہیں سمجھ سکے وہ شیر کی طرح باحوصلہ ہے۔ وہ اس نقصان کی کوئی پروا نہیں کرے گا۔ وہ صرف مجھ سے بدلہ لینا چاہتا ہے۔ اس کے پاس اکیس ہوٹل ہیں۔ اس نقصان سے اس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ لیکن انٹر اسٹیٹ کی تباہی ہم پر اثر انداز ہوگی۔ ہم ان لوگوں کا اعتماد کھو بیٹھیں گے۔“

”ارے چھوڑو ولیم..... ہونے دو، دیکھا جائے گا۔ ٹونی نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ ”اب میں معلوم ہو گیا ہے تو ہم اس کی سرگرمیوں پر نظر رکھیں گے اور ضرورت کے مطابق قدم اٹھا سکیں گے۔ پہلے تو ہمیں یہ قدم اٹھانا ہے کہ اگر کوئی لیٹریز کے شیئرز فروخت کرنا چاہتا ہے تو پہلے تمہیں پیش کرے۔ بینک تمہارے ہر اقدام کی تائید کرے گا۔ ویسے میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ تم اس معاملے میں اس سے کھل کر بات کر لو۔ اس طرح اس غیر یقینی صورت حال سے نجات مل جائے گی۔“

”ٹیڈ..... کیا تمہارا مشورہ بھی یہی ہے؟“ ولیم نے ٹیڈ لیچ سے پوچھا۔

”میں ٹونی سے متفق ہوں۔ بینک کا مفاد بھی اس میں ہے کہ تم اس سے کھل کر بات

میں چاہتا۔ میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ اپنی آنکھیں کھلی رکھو۔ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہر ارادہ کیا ہے۔ تم اپنے بینک کے سلسلے میں اتنے پریشان ہو گے کہ ایک دن میرے ہوٹل کی بیویوں منزل سے چھلانگ لگانے کی خواہش کرو گے۔ مجھے تمہارے بینک کی قواعد کی شق نمبر 7 سے اندازہ اٹھانے کے لیے صرف دو فیصد حصص اور درکار ہیں۔ تب تمہیں اندازہ ہوگا کہ ڈیوس لاری پر کیا زوری تھی۔ اب بیٹھ کر سوچتے رہو کہ میں تمہارا کیا حشر کرنے والا ہوں۔“

”ولیم کو ہیمل کے الفاظ نے مشتعل کر دیا، تاہم اس نے کوشش کر کے خود کو پرسکون رکھا۔ اس کی منہیاں بھیج گئیں۔“ میں آپ کے احساسات سمجھتا ہوں مسٹر رونسکی۔“ اس نے ہموار لہجے میں کہا۔ ”لیکن میرا خیال ہے، ہماری ملاقات ایک دانشمندانہ اقدام ہوگا۔ اس معاملے کے دو ایک پہلو بے جن جن سے آپ بے خبر ہیں۔“

”مثلاً ہنری بورن کا معاملہ جسے تم نے پانچ لاکھ کی زک دی تھی۔“

”ولیم لمحہ بھر کو مگ رہ گیا۔ پھر اس کا جی چاہا کہ پھٹ پڑے۔ لیکن اس نے کوشش کر کے فروکش کیا۔“ نہیں مسٹر رونسکی۔ میں آپ سے ہنری کے سلسلے میں بات کرنا نہیں چاہتا۔ یہ میرا فی معاملہ ہے۔ تاہم میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے ہنری کا ایک سینٹ بھی نہیں مارا۔“

”ہنری کا دعویٰ کچھ اور ہے۔ وہ تمہیں تمہاری ماں کی موت کا ذمے دار ٹھہراتا ہے۔ ڈیوس لاری کے ساتھ تمہارا رویہ میں دیکھ چکا ہوں، اس لیے ہنری کی باتوں پر مجھے یقین ہے۔“

ولیم کو اپنے جذبات پر قابو پانے میں اتنی دشواری کبھی نہیں ہوئی تھی۔ ”میری تجویز ہے کہ ہم ملاقات کے ذریعے یہ تمام غلط فہمیاں دور کر سکتے ہیں۔“ اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ہماری ملاقات صرف ایک جگہ ہو سکتی ہے۔ ولیم کین۔ جنت میں۔۔۔۔۔ اور مجھے یقین ہے کہ تم وہاں نہیں پہنچ سکو گے۔“ ہیمل نے کہا اور ریسور رکھ دیا۔ پھر اس نے اپنی سیکرٹری سے ہنری سے بات کرانے کو کہا۔ سیکرٹری نے پندرہ منٹ کی کوشش کے بعد ہنری سے رابطہ قائم کیا۔

”ہیمل کہو، کیا بات ہے؟“

”ہنری۔۔۔۔۔ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ کین کو سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ اب یہ کھلی جگہ ہے۔“

”کیا مطلب؟ کیا وہ جانتا ہے کہ اس میں، میں بھی ملوث ہوں؟“ ہنری نے پرتشویش لہجے میں پوچھا۔

”وہ جانتا ہے۔ اسے لیسٹرز کے حصص کے بارے میں بھی علم ہے اور انٹر اسٹیٹ کے بارے میں بھی۔“

کرلو۔“

ولیم چند لمحے خاموش رہا۔ پھر بولا۔ ”ٹھیک ہے میں تمہارے مشورے پر عمل کروں گا۔ میں تم سے متفق نہیں ہوں لیکن خود ملوث ہونے کی وجہ سے اپنی قوت فیصلہ پر اعتماد کروں گا۔۔۔۔۔ اور اس کے نتائج سے تم دونوں کو آگاہ کروں گا۔“

”نوٹی اور ٹیڈ کے جانے کے بعد ولیم بیٹھا سوچتا رہا۔ اسے یقین تھا کہ ہیمل سے ملاقات بے سود ہوگی کیونکہ اس معاملے میں ہنری بھی ملوث ہے۔“



چار دن بعد ولیم اپنے دفتر میں تنہا بیٹھا تھا۔ اس نے سختی سے کہہ دیا تھا کہ اسے کسی بھی صورت میں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ اسے معلوم تھا کہ اس وقت ہیمل بھی نیویارک بیرن میں اپنے دفتر میں موجود ہے۔ اس کا ایک آدمی بیرن ہوٹل کے داخلی دروازے پر تعینات تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ جیسے ہی ہیمل نظر آئے، اسے آگاہ کر دے۔ ہیمل آٹھ بج کر ستائیس منٹ پر، بیرن ہوٹل میں داخل ہوا اور سیدھا اپنے دفتر میں گیا۔ اس کے بعد وہ دفتر سے نہیں نکلا۔

ولیم نے فون اٹھایا اور آپریٹر کو بیرن ہوٹل کا نمبر ملانے کی ہدایت دی۔ جلدی رابطہ قائم ہو گیا۔ ”بیرن ہوٹل نیویارک۔“ ہوٹل کی آپریٹر کی آواز سنائی دی۔

”پلیز۔۔۔۔۔ مسٹر رونسکی سے ملائیے۔“ ولیم نے کہا۔ وہ کچھ زور سے ہو رہا تھا۔

”کون صاحب بات کر رہے ہیں؟“ آپریٹر نے پوچھا۔

”میرا نام ولیم کین ہے۔“

”میرا خیال ہے، وہ موجود نہیں ہیں۔“ آپریٹر نے کہا۔ آپ ہولڈ کریں۔ میں چیک کرتی ہوں۔“

”کچھ دیر خاموشی رہی، پھر ایک مردانہ آواز نے پوچھا۔۔۔۔۔ ”مسٹر کین؟“

”مسٹر رونسکی؟“

”مسٹر کین، کہیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“ ہیمل کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔

”میں لیسٹرز بینک میں آپ کی غیر معمولی دلچسپی کی وجہ سے تشویش میں مبتلا ہوں مسٹر رونسکی۔ اس کے علاوہ بینک کے زیر سرپرستی قائم ہونے والی کمپنی کے سلسلے میں بھی آپ کی اسٹاک پوزیشن بہت مضبوط ہے۔ میرے خیال میں وقت آگیا ہے کہ ہم مل کر اس سلسلے میں بات کر لیں۔ میں یہ بھی بتا دوں کہ آپ سے انفرادی حیثیت سے بات کر رہا ہوں۔“

”مسٹر کین، ہماری ملاقات ناممکن ہے۔ میں ماضی کے معاملات میں تمہاری تاویل میں مبتلا

”اسے کیسے علم ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں صرف تم اور میں باخبر ہیں۔“

”تم کرٹس فینٹن کو بھول رہے ہو۔“

”ہاں، یہ بات تو ہے، لیکن کرٹس، کین کو مطلع نہیں کر سکتا۔“

”اسی نے کیا ہے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ مت بھولو کہ رجیٹر گروپ کے معاملات میں قمر ڈپارٹی وہی تھا۔ میرا خیال ہے ان دونوں کے درمیان اسی وقت اشتراک ہو گیا ہوگا۔“

”میرے خدا!“

”کیا بات ہے ہنری تم پریشان معلوم ہوتے ہو!“

”ہیل..... میں بتا رہا ہوں۔ اب صورت حال مختلف ہے۔ کین شکست ماننے والا آدمی

نہیں ہے۔ ویسے بھی اب اسے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ وہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔“

”میں بھی ایسا ہی آدمی ہوں۔ مجھے ولیم کین سے کوئی خوف نہیں ہے۔ میرے ہاتھ میں چاروں اکے ہیں..... تم پارٹ سے مذاکرات جاری رکھو۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ پارٹ کا کین سے معاملہ نہیں بن سکتا۔ میری یورپ سے واپسی تک مزید کوئی قدم نہ اٹھانا۔ ولیم کین کی فون پر ننگو سے ثابت ہو گیا کہ وہ پریشان ہے۔ تم بے فکر ہو۔“

”ٹھیک ہے ہیل۔ اگر کوئی نئی بات سامنے آئی تو تمہیں ضرور بتاؤں گا۔“

”ٹھیک ہے۔ ویسے ہنری، کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے کہ تم مجھ سے بڑھ کر کین سے نفرت کرتے ہو۔“

ہنری ہنس دیا۔ ”خدا کرے، تمہارا یورپ کا سفر بخیر ہو ہیل۔“

ہیل نے ریسپور رکھا اور سوچتا رہا کہ اگلا قدم کیا ہو۔ اس کی سیکرٹری کمرے میں داخل ہوئی۔ ”کاننی نینٹل ٹرسٹ بینک میں کرٹس فینٹن سے ملاؤ۔“ اس نے سیکرٹری سے کہا۔ چند لمحے بعد فون کی گھنٹی بجی۔ ہیل نے ریسپور اٹھالیا۔

”کرٹس فینٹن؟“

”مجہ بخیر، مسٹر ونسکی۔ کیا حال ہے؟“

”میں تمہارے بینک میں اپنے اکاؤنٹ بند کر رہا ہوں۔“

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

”سن رہے ہو فینٹن؟“

”جی ہاں۔“ کرٹس نے لرزیدہ آواز میں کہا۔ ”میں وجہ پوچھ سکتا ہوں مسٹر ونسکی؟“

”میں غداری پسند نہیں کرتا۔ اکاؤنٹ کے سلسلے میں تمہیں میرا تفصیلی خط مل جائے گا۔ اس

کے ذریعے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میرے اکاؤنٹ کس بینک میں ٹرانسفر کرنا ہیں اور ہاں، اب تم ہیرن گروپ کے ڈائریکٹر بھی نہیں ہو۔“

”لیکن مسٹر ونسکی..... میرا قصور کیا.....“

”ہیل نے ریسپور رکھا۔ اسی وقت اس کی بیٹی فلورینا کمرے میں داخل ہوئی۔

”ڈیڈی..... کیا بات ہے۔ آپ کا موڈ خراب ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”ہوتا بھی چاہیے بے بی۔ لیکن تمہارے لیے نہیں ہے۔“ اس نے بے حد نرم لہجے میں

کہا۔ ”یورپ کے دورے کے لیے کپڑوں کا بندوبست کر لیا تم نے؟“

”جی ہاں ڈیڈی۔ شکریہ۔“

14 گھنٹے کا سفر کر کے وہ لندن پہنچے۔ انہوں نے کلارج میں قیام کیا۔ تھکا دینے والے سفر کے بعد انہیں نیند کی طلب بہت شدت سے ہو رہی تھی۔ ہیل کے دورے یورپ کی تین وجوہات تھیں۔ وہ لندن، ہیرن اور ممکنہ طور پر روم میں ہیرن ہوٹل کی تعمیر کے سلسلے میں کام کرنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ کالج میں داخلے سے پہلے فلورینا کو یورپ کی سیاحت کرا دینا چاہتا تھا۔ تیسری اور سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے محل کو دیکھنا چاہتا تھا۔ یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ اپنی وراثت ثابت کر سکتا ہے یا نہیں۔

لندن کا قیام ان دونوں کے لیے بہت پر لطف ثابت ہوا۔ ہیل کے مشیروں کو ہائیڈ پارک کے کارنر پر لندن ہیرن کے لیے مناسب جگہ نظر آگئی۔ ہیل نے اپنے وکلاء کو ہدایت کی کہ وہ اس جگہ کی خریداری کے لیے تیزی سے کام شروع کریں۔ اس دوران فلورینا سیر و تفریح کرتی رہی۔

ہیرس میں بھی یہی کچھ ہوا۔ وہ دونوں فرانسیسی زبان جانتے تھے۔ عام طور پر ہیل کسی بھی مقام سے بہت جلد بور ہو جاتا تھا..... اور گھر پہنچنے کے لیے تڑپنے لگتا تھا..... لیکن اس بار اس کے ساتھ فلورینا تھی۔ اس کی قربت میں وہ کہیں بور نہیں ہو سکتا تھا۔ زافیا کی علیحدگی کے بعد فلورینا ہی اس کی خوشیوں کا واحد مرکز تھی۔ ان دونوں نے شیدول کے خلاف ہیرس میں کئی روز مزید قیام کیا۔ اس کے لیے ہیل نے ایک بہانہ تراش لیا تھا۔ وہ راسل بلے وارڈ پر واقع ایک اچھا ہوٹل خریدنا چاہتا تھا، جو جنگ کے دوران ناکام ہو چکا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ ہوٹل کی پرانی عمارت گرا کر نئی عمارت تعمیر کرائے گا، لیکن اس نے اس سلسلے میں ناکام ہوٹل کے مالک کو کچھ نہیں بتایا۔ سودا مکمل ہونے کے بعد ہیل نے ہوٹل کی عمارت کو ڈھانے کا حکم دیا۔ اب ہیرس میں ٹکے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ چنانچہ وہ دونوں روم کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس قدیم شہر کے ماحول نے ہیل کو اداس کر دیا..... اطالوی قوم مستقبل سے مایوس نظر

آتی تھی۔ اسیل نے فیصلہ کیا کہ یہ وقت روم میں، بیرن ہوٹل کے قیام کے لیے نامناسب ہے۔ فلوریٹا نے محسوس کر لیا کہ روم میں اسیل کا دل نہیں لگ رہا۔ اس کے علاوہ وہ اپنے آبائی محل کو دیکھنے کے لیے بے تاب ہے۔ چنانچہ اس نے باپ سے التجائیں کیں کہ وہ روم میں اپنا قیام مختصر کر دیں۔

ویزے کے حصول کے لیے خاصی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر ویزا مل گیا۔ انہوں نے سلونم کے سفر کے لیے ایک کار کرائے پر لی۔ پولش بارڈر پر انہیں کئی گھنٹے روک رکھا گیا۔ اسیل کے حق میں ایک بات جاتی تھی۔ وہ پولش زبان بڑی روانی سے بول سکتا تھا۔ خوش قسمتی سے سرحدی محافظوں کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ پولش اسیل کی مادری زبان ہے، ورنہ وطن واپسی اس کے لیے اور دشوار ہو جاتی۔ اسیل نے پانچ سو ڈالر مقامی کرنسی میں تبدیل کرائے۔ یہ بات محافظوں کے لیے اور خوش کن تھی۔ بالآخر وہ سرحد پار کر کے پولینڈ کی حدود میں داخل ہو گئے۔ جیسے جیسے سلونم نزدیک آتا گیا، فلوریٹا کو ادراک ہوتا گیا کہ اس کے باپ کے لیے یہ سفر کتنی اہمیت رکھتا ہے۔

”ڈیلی..... میں نے آپ کو اتنی بیجانی کیفیت میں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔“ فلوریٹا نے کہا۔
 ”یہ وہ جگہ ہے بے بی، جہاں میں پیدا ہوا تھا۔“ اسیل نے کہا۔ ”امریکہ میں اتنا طویل عرصہ گزارنے کے بعد جہاں شہروں کے خدوخال روز بدلتے رہتے ہیں، یہ سب کچھ بے حد غیر حقیقی لگ رہا ہے۔ یہاں کچھ بھی تو نہیں بدلا۔ ہر چیز ویسی ہی ہے، جیسے میں چھوڑ کر گیا تھا۔“

وہ سلونم کی طرف بڑھتے رہے۔ راستے میں تباہ شدہ کانچ دیکھ کر اسیل اندر ہی اندر بھج کر رہ گیا۔ چالیس سال گزر چکے تھے اور اس کا وطن دنیا کی تاریخ میں اپنی اہمیت رقم نہیں کر سکا تھا۔ اسیل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ خود اپنے وطن کے لیے کچھ بھی تو نہیں کر سکا تھا۔

بیرن کی جاگیر کی حدود شروع ہوتے ہی انہیں وہ کہنی گیٹ نظر آیا، جس سے گزر کر محل میں پہنچا جاسکتا تھا۔ اسیل نے بیجان زدہ ہنسی جتے ہوئے کار روک دی۔ ”سب کچھ ویسا ہی ہے ڈیئر۔ کچھ نہیں بدلا۔ ہر چیز ویسی ہی ہے جیسی میں چھوڑ کر گیا تھا۔ آؤ، پہلے وہ کانچ دیکھیں، جہاں میں نے اپنے زندگی کے ابتدائی پانچ سال گزارے تھے۔ مجھے امید تو نہیں کہ اب وہاں کوئی ہوگا، لیکن میں وہاں جائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کے بعد ہم محل دیکھیں گے۔“

اسیل پر اعتماد انداز میں آگے بڑھتا رہا۔ فلوریٹا اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ شاہ بلوط کے درختوں سے گھری ہوئی گھنٹڑی صدیوں سے ایسی ہی رہی ہوگی۔ فلوریٹا کو یقین تھا کہ آئندہ سو سال میں بھی وہاں کی تبدیلیاں نہیں ہوگی۔ کوئی کئی گھنٹے چلنے کے بعد اچانک ان کے سامنے ایک مسطح قطعہ زمین آگیا۔ سامنے ہی وہ کانچ موجود تھا۔ اسیل ٹھٹک گیا اور سرخ زدہ سا اسے کھنکھاتا۔ اسے یہ یاد بھی نہیں تھا کہ اس کا پہلا گھر کتنا چھوٹا تھا۔ وہ سوچتا رہا۔ اتنے سے کانچ میں نو افراد کیسے

”تم..... تم میرے ننھے لاڈلیک کو جانتے ہو؟“
 ”مما..... میں لاڈلیک ہوں۔“

”آپ جانتی ہیں مما..... میرا نام..... میرا نام لاڈلیک ہے۔“ اسیل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”تم..... تم میرے ننھے لاڈلیک کو جانتے ہو؟“
 ”مما..... میں لاڈلیک ہوں۔“

کچھ وقف کے بعد کہا۔ پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پرس نکالا۔ پرس سے اس نے تمام پین کرنی نکال کر ہیلن کی طرف بڑھا دی۔

”شکریہ، شکریہ۔“ ہیلن کی آنکھیں خوشی سے بھر آئیں۔ ہیلن اس کی پیشانی چومنے کے لیے جھکا۔ لیکن وہ پیچھے ہٹ گئی۔ فلوریٹا نے اپنے باپ کا ہاتھ تھاما اور اسے دروازے کی طرف کھینچنے کی۔ ہیلن نوٹوں کو مردوڑ توڑ کر ان کی گیندیں بنا رہی تھی۔ پھر اس نے ان گیندوں کو آتشدان میں بٹا دیا۔ سلائی دکھا دی۔ نوٹوں کے اوپر اس نے کچھ تیلیاں، کچھ پیاں اور ان کے اوپر کٹڑیاں رکھ دیں۔ پھر وہ آگ کے پاس بیٹھ کر ہاتھ تاپنے لگی۔ کئی ہفتوں سے اس کے آتشدان کو ایسی آگ میسر نہیں آئی تھی۔ ہیلن نے اسے دیکھا رہا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ پھر وہ فلوریٹا کے ساتھ کالچ سے لگا آیا۔

واپسی کے سفر میں وہ دونوں خاموش رہے۔ محل کے کہنی گیٹ کو دیکھ کر ہیلن نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ اپنی اُداسی چھپاتے ہوئے اس نے خوشگوار لہجے میں فلوریٹا سے کہا۔ ”آؤ..... اب میں تمہیں دُنیا کا حسین ترین محل دکھاؤں گا۔“

”آپ مبالغے سے کام لے رہے ہیں ڈیڈی۔“

”نہیں، یہ حقیقت ہے تم خود دیکھ لینا۔“ ہیلن نے نرم لہجے میں کہا۔

فلوریٹا ہنسنے لگی۔ وہ دونوں کار میں جا بیٹھے۔ ہیلن نے کار اشارت کردی اور اسے کہنی گیٹ سے گزاردیا۔ اب وہ محل کی حدود میں داخل ہو گئے تھے۔ ہیلن کے ذہن میں گزر رہے ہوئے لوگوں کی یادیں اٹھی چلی آ رہی تھیں۔ ان میں ان خوشگوار دنوں کی یادیں بھی تھیں جو اس نے ہیرن اور لیان کے ساتھ گزارے تھے..... مسرت سے بھر پور دن، اور وہ ناخوشگوار یادیں بھی تھیں، جب لیون، ران اور فلوریٹا اس سے چھین لیے گئے تھے۔ جب اسے اپنے محبوب محل سے دور، روسی کمپ لے جایا ہوا تھا۔ اس وقت اس نے سوچا تھا کہ شاید اب وہ اپنے محل کو دوبارہ نہیں دیکھ سکے گا۔ لیکن آج لاڈلی کو کسی فتح قیاب تھا۔ وہ اپنے محل میں واپس آ گیا تھا۔

کار بل کھاتی سڑک پر آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ دونوں خاموش تھے۔ پھر ایک موڑ کاٹتے ہی اٹل ہیرن روسکی کے محل کی پہلی جھلک دکھائی دی۔ ہیلن نے کار روک دی..... وہ محل کو گھورتے رہے..... دونوں خاموش تھے..... ان کی نگاہوں میں بے یقینی تھی۔ ہیلن پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے قلاب کی باقیات کو تکت رہا تھا۔ جسے بمباری نے کھیر دیا تھا۔

وہ دونوں کار سے اتر آئے۔ فلوریٹا نے اپنے باپ کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ ہیلن کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کے رخسار بویگ گئے تھے۔ محل کی صرف ایک دیوار سلامت

”نہیں..... ہرگز نہیں۔“ عورت کے انداز میں قطعیت تھی۔ ”لاڈلیک میرے لیے نہیں تھا۔ اس کے جسم پر خدا کی مہر تھی۔ اسی لیے تو ہیرن اسے لے گیا۔ ہاں..... ہیرن ماما کے سب سے چھوٹے بچے کو.....“ اس کی آواز چٹخی اور پھر ڈوب گئی۔ وہ نیچے بیٹھ گئی اور اس نے اپنے جمریوں بھرے ہاتھ اپنی گود میں رکھ لیے۔

”میں واپس آ گیا ہوں ماما۔“ ہیلن نے اصرار کیا۔ لیکن بوڑھی عورت نے کوئی جواب نہیں دی۔ اب وہ شاید خود سے ہم کلام تھی۔ ”انہوں نے میرے شوہر، میرے جویو کو مار ڈالا۔ وہ میرے پیارے پیارے بچوں کو کمپ لے گئے۔ صرف منہ می صوفیہ بچ گئی۔ کیونکہ میں نے اسے چھاپا تھا۔ وہ سب چلے گئے۔“

”اور منہ می صوفیہ کا کیا ہوا؟“ ہیلن نے پوچھا۔

”دوسری جنگ میں اسے روسی لے گئے۔“

ہیلن کا جسم بری طرح لرزنے لگا۔

عورت نے سراٹھا کر اسے دیکھا۔ ”تم کیا چاہتے ہو؟“ تم مجھ سے یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہو؟“

”میں تمہیں اپنی بیٹی فلوریٹا سے ملوانا چاہتا ہوں، ماما۔“

”کسی زمانے میں میری بھی ایک بیٹی تھی فلوریٹا لیکن اب میں اکیلی ہوں۔“

”لیکن میں.....“ ہیلن جملہ پورا کرنے کے بجائے قہقہے کے شن کھولنے لگا۔

فلوریٹا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روک دیا۔ ”ہم جانتے ہیں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے عورت کو مخاطب کیا۔

”تمہیں کیا معلوم۔ یہ جب کی بات ہے، تب تم پیدا ابھی نہیں ہوئی ہوگی۔“

”گاؤں والوں نے نہیں بتایا تھا۔“ فلوریٹا نے کہا۔

”تمہارے پاس کاغذ ہیں؟..... عورت نے بچکانہ لہجے میں کہا۔ ”مجھے آگ جلانے کے لیے کاغذ درکار ہیں۔“

ہیلن نے بڑی بے بسی سے فلوریٹا کو دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔ ”مجھے افسوس ہے ماما۔ ہم اپنے ساتھ کاغذ نہیں لائے۔“

”تم چاہتے کیا ہو؟“ عورت کا لہجہ تھوٹا ہوا تھا۔

”کچھ نہیں ماما۔“ ہیلن کے لہجے میں مایوسی تھی۔ اب اس نے تسلیم کر لیا تھا کہ وہ اسے کبھی نہیں پہچانے گی..... اُسے کبھی لاڈلیک تسلیم نہیں کرے گی۔ ”ہم تو بس آپ سے ملنے آئے تھے۔ اس

تھی۔ وہی دیوار تباہ شدہ محل کی شان و شوکت کی واحد گواہ تھی۔ باقی تو صرف پتھروں کا ڈھیر تھا۔ آزرہ کھنڈر تھے۔ اسبل، فلوریٹا کو ان کھنڈرات کی تاریخ بتانے کے سوا کیا کر سکتا تھا۔ وہ بڑے بڑے ہال، وہ بیڈ روم، وہ دیواروں پر آویزاں روغنی تصاویر..... وہ کچن۔ اسبل، محل کے بلے پر لپٹا رہا۔ جن پر خورد و جھاڑیاں اُگ آئی تھیں۔ اسبل کی نگاہیں ان کھنڈرات میں اپنے محل کو کھوجنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ پھر وہ قبروں کی طرف چلا آیا۔ بیرن کی..... لیون اور فلوریٹا کی قبریں۔ وہ خاموش کھڑا رہا۔ ایک بچکانہ خواہش اس کے دل میں چل رہی تھی۔ کاش وہ لوگ زندہ ہوتے..... اس سے باتیں کرتے۔ وہ گفتگوں کے بل جھک گیا۔ ان کے جیتے جاگتے چہرے اس کے تصور میں ابھر آئے۔ وہ چہرے بے جھکن تھے..... ان کے لبوں پر مسکراہٹ اور رخساروں پر تازگی تھی۔ فلوریٹا اپنے باپ کی کیفیت سے آگاہ تھی۔ وہ اپنا لرزتا ہوا ہاتھ اپنے باپ کے کندھے پر رکھے خاموش کھڑی تھی۔ اسبل بہت دیر ان قبروں پر جھکا رہا۔ بالآخر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر وہ دونوں کھنڈر پر چہل قدمی کرتے رہے۔ اسبل اسے بتاتا رہا کہ ہال کہاں تھا..... اس کا بیڈ روم کہاں تھا..... اور اس کی بہن فلوریٹا کہاں سوتی تھی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں اس کے اور ان لوگوں کے قیمتی فتنے تھے جو اسے بہت پیارے تھے۔ وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے چلتے رہے یہاں تک کہ وہ تہ خانوں تک پہنچ گئے۔ جنگلاب بھی موجود تھا۔ اسبل نیچے کمرے کا جنگلاب تھام کر بیٹھ گیا۔ وہ اضطرابی کیفیت میں، اپنی کلائی میں پڑے ننگن کو گھمائے جا رہا تھا۔ ”یہ وہ جگہ ہے میری بچی، جہاں تمہارے باپ نے اپنی زندگی کے چار سال گزارے تھے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے ڈیڈی!“

”یہ حقیقت ہے میری بچی۔“ یہ تہ خانے کا وہ واحد حصہ ہے، جو پہلے سے بہتر حال میں ہے۔ ان دنوں یہ حصہ بہت خوفناک تھا اب تو یہاں تازہ ہوا ہے، دھوپ ہے..... پرندوں کی چہکار ہے اور آزادی کا احساس ہے۔ اس وقت یہاں تاریکی تھی، سیلن، موت کی بو..... اور خوف کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

”آئیے ڈیڈی..... واپس چلیں۔ آپ یہاں زیادہ دیر رہے تو اور اداس ہو جائیں گے۔“ فلوریٹا نے کہا اور اسبل کا ہاتھ تھام کر اسے کھینچنے لگی۔ اسبل ہچکچا رہا تھا لیکن پھر وہ فلوریٹا کے ساتھ چل دیا۔ کار کی طرف بڑھتے ہوئے اسے پلٹ کر دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ اپنے خواب کے کھنڈر کو کس دل سے دیکھا۔

واپسی کے سفر میں وہ خاموش رہا۔ فلوریٹا نے بھی اسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ ”بس..... وطن کے حوالے سے میرا اب ایک ہی مقصد رہ گیا ہے۔“ کافی دیر بعد اسبل نے لب کھولے۔

فلوریٹا وضاحت کی منتظر تھی لیکن اسبل نے اس کے بعد کچھ نہ کہا۔ فلوریٹا نے بھی اس سے اصرار نہ کیا۔ وہ اسبل کی ذہنی کیفیت پوری طرح سمجھ رہی تھی۔ البتہ اس نے اسبل کو مجبور کیا کہ امریکہ واپسی سے پہلے ایک ہفتہ لندن میں گزارا جائے۔ اسے احساس تھا کہ اسبل لندن میں بہت خوش رہا تھا وہ سوچ رہی تھی کہ شاید اس طرح اس کا باپ وطن سے حاصل کردہ اذیت ناک یادوں کو جھٹکنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اگلے روز لندن پر واز کر گئے۔ لندن پہنچتے ہی فلوریٹا تفریحات میں مصروف ہو گئی اور اسبل اخبارات میں کھو گیا۔ وہ جانتا چاہتا تھا کہ اس دوران امریکہ میں کیا ہوتا رہا ہے۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے دنیا اسے چھوڑ کر آگے بڑھ گئی ہے۔ پھر ٹائمز میں ایک چھوٹی سی خبر نے اسے متوجہ کر لیا..... انٹرا اسٹیٹ ائرویز کا ایک طیارہ، میکسیکو سٹی سے ٹیک آف کے فوراً بعد کریش ہو گیا تھا۔ سترہ مسافر اور عملے کے افراد میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچا تھا۔ میکسیکن انتظامیہ نے اس حادثے کی تمام تر ذمہ داری انٹرا اسٹیٹ والوں پر ڈالی تھی۔ اسبل نے فوری طور پر ہنری سے فون پر رابطہ قائم کیا۔ ”ہیلو..... ہنری..... میں لندن سے بول رہا ہوں۔“

”اوہ.....“ ہنری کے لہجے میں استعجاب تھا۔ ”کیا حال ہے اسبل؟“

”یہ انٹرا اسٹیٹ کے طیارے کا حادثہ..... کیا چکر ہے یہ؟“

”تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ طیارہ بیرہ شدہ تھا۔ اسٹاک کی پوزیشن ٹھیک ٹھاک ہے۔ کمپنی کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔“ ہنری نے کہا۔

”مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میرے خیال میں یہ اچھا موقع ہے کہ ہم مسٹر ولیم کے اعصاب چیک کر لیں۔“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا اسبل؟“

”میری بات غور سے سنو میں چاہتا ہوں۔ پیر کو اسٹاک مارکیٹ کھلتے ہی تم حرکت میں آ جاؤ۔“ اسبل نے کہا اور پھر اپنے منصوبے کی جزئیات سمجھانے لگا۔ ہنری اس کی بات توجہ سے سن رہا تھا۔ مٹ بعد اسبل نے رابطہ منقطع کر دیا۔

کرش فینٹن نے فون پر ولیم کو بتایا کہ اسبل نے اس کے بینک سے بیرن گروپ کے ٹائٹل فٹم کر دیے ہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اسبل نے اس پر غداری کا الزام لگایا ہے۔ اور وہ اس سے سخت ناراض ہے۔ ”میرا خیال ہے، میرے لیے آپ کو آگاہ کرنا ضروری تھا کہ مسٹر روٹسکی آپ کے بینک کے شیئرز میں دلچسپی لے رہے ہیں۔“ کرش نے کہا۔ ”لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں اپنے

اہم ترین موکل سے محروم ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں اپنے بینک کے ڈائریکٹرز کو کیا جواب دوں گا۔“

”آئی اے سوری کر لیں۔ تم فکر نہ کرو۔ میں تمہارے ڈائریکٹرز سے بات کروں گا۔“ ولیم نے اسے تسلی دی۔ ویسے وہ خود بھی پریشان تھا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ سیل کا اگلا قدم کیا ہوگا۔ ایک ماہ بعد اس کی سمجھ میں آ گیا۔ وہ حیرت کا دن تھا۔۔۔۔۔۔ ولیم اپنے روزمرہ کے کاموں میں مصروف تھا کہ ایک بروکر نے اسے فون کیا۔ اس نے اسے آگاہ کیا کہ اچانک دس لاکھ ڈالر مالیت کے انٹر اسٹیٹ ائرز کے حصص اشاک مارکیٹ میں نمودار ہوئے ہیں ولیم کو فوری طور پر فیصلہ کر کے عملی قدم اٹھانا تھا۔ اس نے اپنے ٹرسٹ کی طرف سے وہ تمام حصص خریدنے کی ہدایت دی۔ دو بجے دس لاکھ ڈالر مالیت کے مزید حصص مارکیٹ میں موجود تھے۔ اس سے پہلے کہ ولیم انہیں خریدتا، حصص کی قیمت گرنے لگی۔ اشاک ایجنسی بند ہوتے وقت انٹر اسٹیٹ ائرز کے حصص کی قیمت چالیس فیصد گر چکی تھی۔

اگلی صبح ساڑھے دس بجے بروکر نے ولیم کو دوبارہ کال کیا۔ اس بار وہ بوکھلایا ہوا تھا۔ مارکیٹ میں دس لاکھ ڈالر مالیت کے شیئرز کی تیسری کھپچ موجود تھی۔ بروکر نے یہ بھی بتایا کہ اس کا رد عمل بھی فوری طور پر سامنے آیا ہے اور اس وقت مارکیٹ پر انٹر اسٹیٹ کے سیل آرڈرز برس رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ اور انٹر اسٹیٹ کے شیئرز کی قیمت گھٹتے گھٹتے صرف چند سینٹ تک آچکی ہے۔ صرف چوبیس گھنٹے پہلے حصص کی قیمت ساڑھے چار ڈالر تھی۔

ولیم نے بورڈ کے سیکرٹری راجرز کو ہدایات دیں کہ وہ آئندہ حیرت کو بورڈ کا اجلاس طلب کرے۔ اس اثنا میں وہ صورت حال کی تہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔ بدھ تک مارکیٹ میں پھسکے جانے والے تمام حصص اس نے خود خرید کر انٹر اسٹیٹ کو مکمل تباہی سے بچالیا۔ بدھ کو ایجنسی کمیشن نے اعلان کیا کہ انٹر اسٹیٹ کے حصص کے معاملے میں سازش کے امکانات پائے جاتے ہیں لہذا انکو ائری کرائی جائے گی۔ ولیم جانتا تھا کہ اس انکو ائری میں تین سے چھ ماہ کا عرصہ لگے گا۔ اب یہ بورڈ آف ڈائریکٹرز کے ہاتھ میں تھا کہ وہ اتنا عرصہ انتظار کریں یا کمپنی کو ڈوب جانے دیں۔ نقصان ڈھرا ہوا تھا۔ ولیم کو مالی نقصان اٹھانا پڑا تھا جب کہ بینک کی ساکھ متاثر ہوئی تھی۔

اگلے روز کلاڈ کوہن نے ولیم کو آگاہ کیا کہ وہ سیل کی ڈی کمپنی ہی تھی جس نے تین لاکھ ڈالر کے حصص مارکیٹ میں پھینک دیے تھے۔ اس کمپنی کا نام گارنٹی انویسٹمنٹ کارپوریشن تھا۔ کارپوریشن کے ایک نمائندے نے ایک ریلیز میں کہا کہ انہوں نے میکسیکن حکام کی جانب

ہے، انٹر اسٹیٹ کے شیئرز سے پیچھا چھڑانا مناسب سمجھا تھا۔

پریس نے کارپوریشن کے اس پریس ریلیز کو خوب اچھالا۔ جمعے کے دن فیڈرل ایوی ایشن ایجنسی نے حادثے کی انکو ائری مکمل ہونے سے پہلے ائر لائن کو پرواز کی سہولتیں فراہم کرنے سے انکار کر دیا۔ ائر لائن کے طیارے گراؤنڈ کر دیے گئے۔

ولیم کو یقین تھا کہ انکو ائری کا نتیجہ انٹر اسٹیٹ کے خلاف نہیں نکلے گا۔ لیکن فی الحال ائر لائن کا حوصلہ کاروباری اعتبار سے مہلک تھا۔ یہ پریشانی ہی کچھ کم نہ تھی کہ ایک اور افتاد آ پڑی۔ ایک بی کمپنی نے آگاہ کیا کہ وہ لیسٹرز میں اپنا اکاؤنٹ ختم کرنے کے سلسلے میں غور کر رہی ہے۔ پریس نے اس خبر کو بھی نمایاں جگہ دی کہ انٹر اسٹیٹ کی پشت پر لیسٹرز بینک کا ہاتھ تھا۔

جمعے کے دن اچانک انٹر اسٹیٹ کے حصص کی قیمت حیرت انگیز طور پر چڑھنے لگی۔ ولیم کو اب وجہ کو سمجھنے میں دشواری نہیں ہوئی۔ بعد میں کلاڈ کوہن کی رپورٹ نے اس کے اندازے کی تائید کر دی۔ قیمت میں اس اضافے کا سبب بھی سیل ہی تھا۔ پہلے تو اس نے چڑھی ہوئی قیمت کے دنوں میں اپنے شیئرز بیچ دیے۔ اب وہ پھر انٹر اسٹیٹ کے حصص خرید رہا تھا۔ ولیم اس کی ذہانت کو رابہ بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے نہ صرف ولیم کو اور اس کے بینک کو دوپچکا پہنچایا تھا بلکہ خودزبردست منافع لے لیا تھا۔

حیرت کو بورڈ کے اجلاس میں ولیم نے ڈائریکٹرز کو اپنی اور سیل کی چپقلش کی پوری تفصیل بتائی اور استغنیٰ کی پیش کش کی جو تا منظور کر دی گئی۔ لیکن ولیم، چہرہوں سے اندازہ لگا سکتا تھا کہ سیل کے دوسرے حلقے کے بعد بینک کے اراکین کا رویہ تبدیل ہو جائے گا۔ اجلاس میں انٹر اسٹیٹ ائرز کا اٹھنا مسئلہ بھی زیر بحث آیا۔ ٹونی نے یقین سے کہا کہ انکو ائری کا نتیجہ بینک کے حق میں نکلے گا اور انٹر اسٹیٹ جلد ہی تمام مالی نقصانات کا ازالہ کر دے گی۔ تاہم ٹونی نے بعد میں ولیم کے سامنے خلاف کیا کہ اُن کا یہ فیصلہ بھی بالآخر سیل ہی کے لیے سودمند ثابت ہوگا۔ لیکن اپنی ساکھ بچانے کے لیے بینک کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔

ٹونی کے دونوں دعوے درست ثابت ہوئے۔ ایس ای سی نے اپنی تحقیقاتی رپورٹ میں انٹر بینک کے کردار کو سراہا اور گارنٹی انویسٹمنٹ کارپوریشن کے طرز عمل کی مذمت کی۔ اگلی صبح ولیم کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ انٹر اسٹیٹ ائرز کے حصص کی قیمتیں لمحہ بہ لمحہ چڑھ رہی تھیں۔ جلد ہی حصص کی قیمت ساڑھے چار ڈالر تک پہنچ گئی۔ کلاڈ کوہن نے ولیم کو آگاہ کیا کہ اس بار بھی مالی حصص کا سب سے بڑا خریدار ہے۔

کا ہاتھ نہیں تھا۔ اب انٹراسٹیٹ کے حصص کی قیمت پھر چڑھ رہی ہے۔

دوسری طرف گارنٹی کارپوریشن نے پھر بہت بھاری تعداد میں انٹراسٹیٹ کے حصص خرید لیے ہیں۔ اب ان کی اسٹاک پوزیشن پھر وہی ہے۔ یعنی اُن کے پاس تیس لاکھ ڈالر کے حصص موجود ہیں اس سلسلے میں لیسٹرز بینک کے چیئرمین نے تمام دستاویزات ایکسیجیکشن کے فراڈ ڈویژن کو بھجوا دی ہیں انہوں نے ڈویژن سے تفصیلی انکوائری کا مطالبہ بھی کیا ہے۔

اس پریس ریلیز کے نیچے رول 10 ب (5) کا ٹکس مضمون دیا گیا تھا۔

ولیم نے وال اسٹریٹ جرنل میں یہ پریس ریلیز پڑھا اور مسکرا دیا۔ اسے یقین تھا کہ ہلڈی ہیل روٹسکی اس سے رابطہ قائم کرے گا۔

ہنری نے ہیل کو یہ پریس ریلیز پڑھ کر سنائی۔ ہیل منہ بگاڑ کر رہ گیا۔ وہ خاموش رہا لیکن اس کی مضطرب انگلیاں میز کو تھپتھپا رہی تھیں۔

”واشنگٹن والے ہر قیمت پر اس معاملے کی تیک پہنچنا چاہتے ہیں۔“ ہنری نے کہا۔
”تم جانتے ہو ہنری، میں نے یہ سب کچھ منافع کمانے کے لیے نہیں کیا تھا۔“ ہیل نے دافنا سے اعزاز میں کہا۔

”میں تو یہ بات جانتا ہوں۔ ہیل لیکن کمیشن والے اس بات کو کیسے تسلیم کر سکتے ہیں۔“
”لغت ہے۔“ ہیل غرایا۔ ”اب میں کیا کروں؟“

”پہلا کام تو یہ ہے کہ دم سادھ کر بیٹھ جاؤ اور دُعا کرو کہ اس دوران کوئی بہت بڑا اسکینڈل ہو نہ ہو۔“ ہیل نے کہا۔
”مگر تم کو معروف کر دے اور تمہارے معاملے میں انکوائری حتمی کا شکار ہو جائے۔ دوسری طرف لیکن ہونے والے ہیں۔ ممکن ہے نئی انتظامیہ اس معاملے کو اتنی اہمیت نہ دے۔ اس کے علاوہ فی ایکٹ لیسٹرز کے شیئرز میں بھی دلچسپی نہ لو۔ باقی معاملات مجھ پر چھوڑ دو۔ میں واشنگٹن کے انکوائریس سے بات کروں گا۔“ ہنری نے کہا۔

”صدر ٹرومین کے دفتر والوں کو بتا دینا کہ گزشتہ ایکشن میں، میں نے انہیں پچاس ہزار ڈالر کا عطیہ دیا تھا اس بار میں ان کو عطیہ دے سکتا ہوں۔“

”یہ کام تو میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔ بہر حال، میرا مشورہ ہے کہ اس بار پچاس ہزار ڈالر کا عطیہ نہ دے بلکہ امیدوار کی مہم میں بھی دے دیتا۔“

”میں یہ سب کچھ جانتا نہیں چاہتا۔“ ولیم نے کہا۔ ”جو کچھ وہ پہلے کر چکا ہے، اُسے دہرا بھی سکتا ہے۔ اس کے لیے منافع ہی منافع ہے۔“

”حالانکہ آپ کو اس کی طرف سے اسی اقدام کی ضرورت تھی۔“ کلاؤ نے کہا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟ تم معوں میں باتیں کرنے کے عادی تو کبھی نہیں تھے۔“

”مسٹر ہیل سے یہ پہلی غلطی سرزد ہوئی ہے۔“ کلاؤ نے کہا۔ ”وہ قانون کی خلاف ورزی

کر رہا ہے۔ یہ آپ کے لیے حملہ کرنے کا مناسب ترین وقت ہے۔ ہیل کو ابھی تک یہ احساس نہیں ہوا ہے کہ اس نے جو قدم اٹھایا ہے، وہ غیر قانونی ہے۔“
”میری سمجھ میں تمہاری بات نہیں آئی۔“

”سیدھی سی بات ہے۔ آپ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی میں ملوث ہونے کی وجہ سے سامنے کی بات بھی نظر انداز کر جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے پاس موجود حصص مارکیٹ میں ڈھیر کر دیتا ہے تاکہ حصص کی قیمت گر جائے اور بعد میں زیادہ منافع کمانے کی غرض سے انہیں کم قیمت میں دوبارہ خریدتا ہے تو یہ رول 10 ب (5) کی خلاف ورزی ہے۔ یہ فراڈ کے ذیل میں آتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ہیل کا مقصد منافع کمانا ہرگز نہیں تھا۔ وہ تو صرف آپ کو نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔ لیکن اب اس کا یہ جواز کون تسلیم کرے گا کہ اس نے حصص سے یہ سوچ کر پیچھا چھڑایا کہ کبھی ناقابل اعتبار ہے۔ وہ یہ بھی تو پوچھیں گے کہ دوبارہ شیئرز خریدنے کا کیا جواز ہے۔ بہر حال مسٹر کمیشن نے اس سلسلے میں مفصل رپورٹ تیار کر لی ہے۔ اس میں تمام قانونی نکات موجود ہیں۔ کل وہ رپورٹ آپ کے پاس پہنچ جائے گی۔“

”شکریہ۔“ ولیم نے کہا۔ اب اسے فتح کا احساس ہونے لگا تھا۔

اگلی صبح نوبے کلاؤ کی رپورٹ ولیم کی میز پر پہنچ گئی۔ ولیم نے اسے بہت غور سے پڑھا۔ پھر اس نے بورڈ کا ایک اور اجلاس طلب کیا۔ ڈائریکٹرز نے اس اگلی عمل کی تائید کر دی، جو رپورٹ کی روشنی میں ولیم نے طے کیا تھا۔ کلاؤ کو ہن کو ایک پریس ریلیز جاری کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ وہ پریس ریلیز اگلی صبح وال اسٹریٹ جرنل میں شائع ہوتا تھا۔

”لیسٹرز بینک کے چیئرمین مسٹر ولیم کین کے پاس یہ سمجھنے کے لیے معقول

وجہ ہیں کہ گارنٹی کارپوریشن نے انٹراسٹیٹ انڈیز کے سیل آرڈر غیر قانونی

منافع کمانے کی غرض سے مارکیٹ میں بھیجے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ گارنٹی

کارپوریشن نے محض 24 گھنٹے کے اندر انٹراسٹیٹ کے حصص کی قیمت بڑی

طرح گری گئی کمیشن کی انکوائری میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس میں لیسٹرز بینک

”لغت ہے۔ انہوں نے ایک نئی تخلیق کر دیا ہے۔۔۔۔ اور اگر ہم نے کین کو موقع دیا تو وہ اسے پہاڑ بنا ڈالے گا۔“ اسیل کی انگلیاں، اب بھی میز پر تھم رہی تھیں اور اس کے ذہنی اضطراب کی عکاسی کر رہی تھیں۔



کلاڈ کی رپورٹ کے ذریعے ولیم کو معلوم ہوا کہ اسیل نے لیسٹرز سے متعلق تمام کچنوں کے شیئرز کی خرید و فروخت روک دی ہے۔ ایسا لگتا تھا کہ اب اس کے سامنے یورپ میں زیادہ سے زیادہ بھرتی ہوئی تعمیر کرنے کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔ کلاڈ کا خیال تھا کہ اسیل انکوائری کے فیصلے تک کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا۔

کمیشن کے نمائندے نے ولیم سے کئی ملاقاتیں کی تھیں۔ وہ کھل کر گفتگو کرتا تھا لیکن اس سے انکوائری کی پروگریس کے متعلق کچھ پتہ نہ چل سکا۔ بالآخر تفتیش مکمل ہو گئی۔ نمائندے نے ولیم کے تعاون پر اس کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد ولیم کو معلوم نہ ہوسکا کہ انکوائری کا نتیجہ کیا نکلا۔

صدارتی انتخابات قریب آ گئے تھے۔ صدر ٹرومین کی توجہ کا مرکز اب صرف ان کی انتخابی مہم تھی۔ ولیم کو خدشہ تھا کہ اس چکر میں اسیل صاف بچ نکلے گا۔ دوسری طرف اسے یہ احساس بھی تھا کہہ نری، واشنگٹن میں اپنا اثر و رسوخ بروئے کار لا رہا ہوگا۔ کلاڈ نے اسے بتایا تھا کہ اسیل نے صدر ٹرومین کی انتخابی مہم میں 50 ہزار کا عطیہ دیا تھا۔ اس بار کلاڈ کی رپورٹ سے اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اسیل نے ڈیموکریٹک امیدوار ایڈ لائی کی مہم میں بھی 50 ہزار ڈالر کا عطیہ دیا ہے۔ ریپبلکن انتظامیہ آئزن ہاور کی مہم میں الگ 50 ہزار ڈالر دیے گئے تھے۔ خود ولیم صرف ریپبلکن انتظامیہ فراڈ کے اس کیس کو اہمیت نہیں دے گی۔

4 نومبر 1952ء کو آئزن ہاور امریکہ کے صدر منتخب ہوئے تو ولیم نے جان لیا کہ اسیل فراڈ کیس سے بچ نکلا ہے۔ بس وہ اتنی توقع کر سکتا تھا کہ اسیل کو یہ سبق یاد رہے گا۔ اور وہ لیسٹرز میں گڑبڑ کا خیال دل سے نکال دے گا۔۔۔۔ ایک خوش آئند بات یہ تھی کہ ہنری اپنی نشست کھو بیٹھا تھا۔ کلاڈ نے اپنی رپورٹ میں خیال ظاہر کیا تھا کہ اب ہنری، اسیل کے لیے پہلے جتنا اہم نہیں رہے گا۔ شکاگو میں یہ افواہ عام تھی کہ ہنری اپنی دوسری بیوی کو طلاق دینے کے بعد جوئے کی طرف متوجہ ہوا ہے اور بھاری قماریں ہار رہا ہے۔ وہ اسیل کا مقروض بھی تھا۔

کافی رے بعد ولیم نے سکون کا سانس لیا۔ نئی انتظامیہ کا پہلا سال گزر رہا تھا۔ لیسٹرز میں ہو گیا۔ لیسٹرز میں اسیل کی خطرناک دلچسپی اب ماضی کی بات لگتی تھی۔ اس نے کلاڈ سے کہا کہ اس کے خیال میں اسیل سے اس کا پیچھا چھوٹ چکا ہے۔ کلاڈ نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

ولیم اب لیسٹرز کے ارتقا کے لیے سرگرم ہو گیا۔ اُسے احساس تھا کہ اب وہ یہ سب کچھ اپنے لیے کم اور اپنے بیٹے کے لیے زیادہ کر رہا ہے۔ بینک کا اسٹاف اب اسے اولڈ مین کہنے لگا تھا۔ ”یہ تو ہوتا ہی تھا“ کیٹ نے کہا۔

”تمہارے ساتھ ایسا کیوں نہیں ہوا؟“ کیٹ نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ ولیم مسکرا رہا تھا۔ ”تم تو پہلے سے زیادہ حسین ہو گئی ہو۔“

رجرڈ کی 21 ویں سالگرہ اب محض ایک سال دور رہ گئی تھی۔ ولیم نے اپنی وصیت ترتیب دے ڈالی۔ اس نے پچاس لاکھ ڈالر کیٹ کے لیے اور بیس بیس لاکھ ڈالر دونوں بچوں کے لیے چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ باقی سب کچھ راجرڈ کے لیے تھا۔ اس نے ہارڈ یونیورسٹی کو دس لاکھ ڈالر عطیہ دینے کا فیصلہ بھی کیا۔

رجرڈ، ہارڈ میں بہت خوش تھا۔ وہ یونیورسٹی کے آرکسٹرا میں شامل تھا۔ اس کے علاوہ، وہ یونیورسٹی کی بیس بال ٹیم کا ایک اہم کھلاڑی بھی تھا۔ یہ کامیابیاں ولیم کے لیے بھی متاثر کن تھیں۔ کیٹ کو اپنے بیٹے پر فخر تھا۔ پھر ہارڈ میں راجرڈ کی تعلیم مکمل ہو گئی۔ وہ میری ٹائی لڑکی کے ساتھ گھر پہنچا۔ ولیم نے اُن کا کھلے دل سے استقبال کیا، کیونکہ میری، ایلین لائڈ کی نواسی تھی۔

یکم اکتوبر 55ء کو راجرڈ ہارڈ بزنس اسکول چلا گیا۔



اسیل 52ء میں اسٹینبول کے دورے سے واپس آیا تو اسے ڈیوڈ میکسٹن کی موت کی خبر ملی۔ ڈیوڈ میکسٹن اس کا محسن تھا۔ اس نے اسیل کو اس وقت مالی سہارا دیا تھا، جب وہ ڈوب رہا تھا۔ آج ہیرن گروپ کا روشن مستقبل ڈیوڈ ہی کا رہن منت تھا۔ اسیل نے تدفین میں شرکت کی، پھر وہ ڈیوڈ کی بیوہ سے ملا۔ اس نے بیوہ کو بتایا کہ وہ زندگی میں جب بھی چاہے، مہمان کی حیثیت سے کسی بھی ہیرن ہوٹل میں قیام کر سکتی ہے۔ ڈیوڈ کی بیوہ اس مہربانی کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

اگلے روز وہ نیویارک پہنچا۔ اس کے دفتر کی میز پر ہنری کی رپورٹ موجود تھی۔ اس میں خوشخبری تھی کہ اب گارنٹی انویسٹمنٹ والا معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا ہے۔ ہنری نے خیال ظاہر کیا تھا کہ آئزن ہاور انتظامیہ، گارنٹی کارپوریشن والے معاملے کو آگے نہیں بڑھائے گی۔ خصوصاً اس صورت میں کہ گارنٹی ایک سال کے دوران انٹراسٹیٹ کے اسٹاکس مستحکم رہے ہیں۔

اسیل نے اس کے باوجود آئندہ دو برس یورپ میں ہیرن ہوٹلوں کی تعمیر کی نذر کر دیے۔ ٹاک ہیرن 53ء میں اور لندن ہیرن 54ء کے اواخر میں مکمل ہوا۔ ان کے علاوہ برٹسلو، روم، ایمسٹرڈم، جنوا، بون، ایڈن برگ، کیلس اور اسٹاک ہوم میں بھی اس سلسلے میں پیش رفت ہوئی اسیل اس عرصے

ہوتا تھا اور دوسرا ہمہ وقتی کام تھا۔

جلد ہی ان دونوں میں دوستی ہو گئی۔ فلورینا نے اپنی پارٹنر سے یہ گر بھی سیکھ لیا کہ فلورینا کو بے خبر رکھ کر کام چوری کیسے کی جاسکتی ہے۔ اس کا اس پر عمل کرنے کا ارادہ نہیں تھا، بلکہ وہ فلورینا کی حیثیت سے مستقبل میں اس گر سے استفادہ کرنا چاہتی تھی۔

اس حقیقت کے باوجود کہ میسی، کاسٹیکس فروخت کرنے سے زیادہ اُن کے استعمال میں دلچسپی رکھتی تھی..... کاسٹیکس کے کاؤنٹر کے منافع میں قابل قدر اضافہ ہوا۔ میسی کی مستعدی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسے محض اپنے ناخن رکتے میں دو گھنٹے لگتے تھے۔ پھر انہیں ڈریس کاؤنٹر پر لگا دیا گیا، جہاں، میسی لباس ٹرائی کرتی تھی جب کہ فلورینا انہیں فروخت کرتی تھی۔ میسی کو مردوں کو بہانے کا ہنر بھی خوب آتا تھا۔ ہوتا یہ کہ پہلے میسی انہیں لبھاتی اور پھر فلورینا اُن کے ہاتھ کوئی سا بھی لباس فروخت کر دیتی..... یوں یہ شراکت یہاں بھی کامیاب ثابت ہوئی۔ اگلے چھ ماہ میں اس کاؤنٹر کے منافع کا گراف بھی اُوپر گیا۔ فلورینا نے تسلیم کر لیا کہ یہ دونوں لڑکیاں شراکت کے لیے موزوں زمین ہیں۔ فلورینا کو اس تاثر کی نفی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اسٹور کی تمام لڑکیوں کو اپنی پارٹنرز سے شکایت رہتی تھی کہ وہ بہت تھوڑا کام کرتی ہیں، جب کہ فلورینا، میسی کو مثالی پارٹنر قرار دیتی تھی۔

پھر اُن دونوں کو، مین کاؤنٹر پر لگا دیا گیا۔ یہ کاؤنٹر اسٹور کے داخلی دروازے کیساتھ ہی تھا۔ یہ اسٹور میں کام کرنے والوں کے نزدیک چھوٹا پروموشن کہلاتا تھا۔ اس سے پہلے کوئی لڑکی پانچ سال سے کم سروس میں اس کاؤنٹر پر نہیں پہنچ سکتی تھی، جب کہ فلورینا محض ایک سال میں وہاں پہنچ گئی تھی۔ یہ اس کی کارکردگی کا کمال تھا۔ اسٹیشنری ڈیپارٹمنٹ میں میسی بور ہوتی رہی۔ اسے نہ پڑھنے سے دلچسپی تھی، نہ لکھنے سے۔ فلورینا کو تو یہ شک ہونے لگا تھا کہ وہ لکھنا پڑھنا جانتی ہی نہیں ہے۔ بہر حال، میسی اس کے باوجود خوش تھی کیونکہ اس سٹور میں داخل ہونے والے ہر شخص کی نظر پہلے اس پر ہی پڑتی تھی اور اسے نگاہوں کا مرکز بننا بہت پسند تھا۔

ہیمل نے کئی بار چپ چپ کر فلورینا کی مصروفیات اور کارکردگی کا جائزہ لیا تھا اور بے مروتا ہوا تھا۔ اب ہیمل اس وقت کا مختصر تھا، جب فلورینا اپنا کاروبار سنبھالتی۔ وہ اور جارج متفق تھے کہ دو سال کی تربیت ختم ہوتے ہی فلورینا کو بیرن گروپ کا نائب صدر بنا دیا جائے..... اور وہ اُس کے تمام اسٹورز کی ذمہ داری سنبھالے۔

فلورینا نے بلومنگ اسٹور میں اپنے آخری چھ ماہ جوئیئر سپروائزر کی حیثیت سے گزرے۔

میں اتنا مصروف رہا کہ اسے ولیم کین کے متعلق سوچنے تک کی فرصت نہ مل سکی۔ اس عرصے میں اس نے لیسٹرز کے حصص خریدنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ البتہ پہلے کے خریدے ہوئے شیئرز اب بھی اس کے قبضے میں تھے۔ اب وہ موقع کا منتظر تھا۔ اس بار وہ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے ولیم پر فیصلہ کن ضرب لگانا چاہتا تھا۔ جولن 55ء میں فلورینا کی تعلیم مکمل ہونا تھی۔ ہیمل چاہتا تھا کہ وہ ہوٹلوں میں قائم شدہ ڈکانیں سنبھالے، جو ایک چھوٹی موٹی مملکت کا روپ دھار گئی تھیں۔

فلورینا کو ہیمل کی یہ تجویز پسند تھی لیکن اس کا کہنا تھا کہ پہلے اسے تجربہ حاصل کرنا چاہیے۔ ڈیزائننگ، رنگوں اور تنظیم کی صلاحیت تو اسے قدرت کی طرف سے ودیعت ہوئی تھی۔ فلورینا نیویارک کے عام اسٹور میں ملازمت کر کے تجربہ حاصل کرنا چاہتی تھی اس کا کہنا تھا کہ وہ اپنی صلاحیتوں کے ذریعے آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ ہیمل کی بیٹی کی حیثیت سے ابھرنے میں اس کی صلاحیتوں کی توہین تھی۔ ہیمل نے اس کی یہ بات تسلیم کر لی لیکن جب فلورینا نے اسے بتایا کہ وہ سیلز گرل کی حیثیت سے اپنے کیریئر کا آغاز کرنا چاہتی ہے تو ہیمل سناٹے میں آ گیا۔

”کیا تم سنجیدہ ہو، اتنی تعلیم کے بعد سیلز گرل بننا.....“

”جی ہاں..... میں سنجیدہ ہوں۔ آپ نے بھی تو پلازا میں ویٹر کی حیثیت سے کام کیا تھا۔“

”ہیمل نے اپنی بیٹی کی آنکھوں میں جھانکا اور جان لیا کہ وہ اسی کی بیٹی ہے..... اور جو

کچھ کہہ رہی ہے، اس پر عمل بھی کرے گی۔ اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اس نے ایک ماہ باپ کے ساتھ یورپ کی سیاحت میں گزارا۔ اس دوران اس نے بیرن گروپ کے ہوٹلوں کے ارتقا کا جائزہ لیا۔ اس نے بریسلو بیرن کا افتتاح بھی کیا۔

نیویارک واپس آتے ہی اس نے اخباروں میں ”ضرورت ہے“ کا لم کھنگالے اور بالآخر جوئیئر سیلز اسٹنٹ کی اسامی کے لیے درخواست دے دی۔ اس نے درخواست میں اپنا نام جیسی کوکس تحریر کیا تھا۔ اپنے باپ کے احتجاج کے باوجود اُس نے بیرن ہوٹل کے سوٹ میں رہنا مناسب نہ سمجھا۔ ہیمل نے اُسے بائیسویں سالگرہ کے تحفے کے طور پر ایک چھوٹا سا اپارٹمنٹ خرید کر دیا اور وہ فوری طور پر اس میں منتقل ہو گئی۔

سب سے پہلے اسے کاسٹیکس کا شعبہ دیا گیا۔ چھ ماہ بعد وہ اس قابل ہو گئی کہ آزادانہ اپنی بیوٹی شاپ چلا سکتی تھی۔ بلومنگ اسٹور میں لڑکیاں جوئیئریں کی محض میں کام کرتی تھیں۔ فلورینا نے اس سے فائدہ اُٹھایا اور اسٹور کی سب سے تیز ترین لڑکی کو اپنی پارٹنر کی حیثیت سے منتخب کیا۔ اس کی پارٹنر میسی کو وہی دلچسپیاں تھیں۔ ٹھیک چھ بجے چھٹی کرنا..... اور بوائے فرینڈ بنانا۔ پہلا کام دن میں ایک بار

”اس بار تو بات بن ہی گئی ہوگی۔“ فلورینا نے کہا۔

”لگتا تو ایسا ہی ہے۔“ میسی نے جواب دیا۔ ”لیکن اس نے مجھے آج بھی مدعو نہیں کیا۔“

فلورینا حیران رہ گئی۔

”دیکھو، اگر وہ کل آئے تو تم اسے سرو کرنا۔“ میسی نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”میرا خیال ہے، وہ

ٹرینلا آدی ہے۔ مجھے بلا وجہ دعوت نہیں دے گا۔“

فلورینا ہنسنے لگی۔ ”میرا خیال ہے، اس صورت میں اسٹور ایک جوڑی دستانے کی فروخت

سے بھی محروم ہو جائے گا۔“

نوجوان بے حد مستقل مزاج ثابت ہوا۔ وہ اگلے دن بھی مقررہ وقت پر اسٹور میں داخل

ہوا۔ اس بار بھی اس نے دستانوں والے کاؤنٹر کا رخ کیا تھا میسی نے فلورینا کو ٹھوکا دیا۔ فلورینا دستانوں

والے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی۔ ”میں آپ کی کچھ مدد کر سکتی ہوں؟“ اس نے نوجوان سے کہا۔

”جی نہیں..... میرا مطلب ہے، جی ہاں“ نوجوان گڑبڑا گیا۔ ”مجھے دستانوں کی ایک

جوڑی درکار ہے۔“

فلورینا نے نیلے رنگ کے دستانے اس کی طرف بڑھا دیے کیونکہ نوجوان اب تک صرف

ای رنگ کے دستانے خریدتا آیا تھا۔ نوجوان نے شک آمیز نگاہوں سے فلورینا کو دیکھا، پھر اس نے

دستانے پہن کر دیکھے۔ وہ کچھ ڈھیلے تھے۔ فلورینا نے اسے ایک اور جوڑی دی..... لیکن وہ تنگ تھی۔

نہری جوڑی اس کے بالکل ٹھیک آئی۔

”میرا خیال ہے، اب آپ کا مسئلہ حل ہو گیا۔“ فلورینا نے کہا۔

”جی نہیں۔“

”فلورینا نے حیرت سے اُسے دیکھا۔ ”میں میسی کو بھیجتی ہوں۔“ اس نے کہا۔ ”آپ

اسے مدعو کر لیں نا۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ وہ انکار نہیں کرے گی۔“

”ارے نہیں..... آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔“ نوجوان نے جلدی سے کہا۔ ”میں اُسے

نہیں..... آپ کو مدعو کرنا چاہتا ہوں۔“

فلورینا ششدر رہ گئی۔ اس سے کچھ بولا بھی نہیں گیا۔

اب نوجوان کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ ”آج آپ میرے ساتھ ڈنر پر چلیں گی؟“ اس نے

پوچھا۔

”جی ہاں۔“ فلورینا نے بلا ارادہ جواب دیا۔

”میں آپ کو آپ کے گھر سے لے لوں؟“

وہ چھ کاؤنٹرز کی گھراں تھی۔ اٹھارہ سیلز کلرک اس کی ماتحتی میں کام کر رہے تھے۔ فلورینا نے اسٹور کی

انتظامیہ کو آگاہ نہیں کیا تھا کہ وہ جلد ہی ملازمت چھوڑنے والی ہے۔ اب ملازمت چھوڑنے کے دن

قریب آرہے تھے اور فلورینا سوچ رہی تھی کہ اس کی عدم موجودگی میں بے چاری میسی کا کیا بہنہ ہوگا۔

پھر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ میسی کو اپنے ساتھ لے جائے گی۔

ایک دن میسی نے اشارہ کر کے فلورینا کو بتایا اور دور سے ایک نوجوان دکھایا، جو دستانے

منتخب کر رہا تھا۔ ”کیا خیال ہے؟ کیا ہے؟“ اس نے ہنسنے ہوئے پوچھا۔

فلورینا نے نظریں اٹھا کر اُسے دیکھا۔ عموماً میسی کی پسند اُسے ناپسند ہوتی تھی لیکن اس بار

معاملہ مختلف ثابت ہوا۔ وہ نوجوان اسے بے حد پرکشش لگا۔ فلورینا اس روز میسی سے حسد محسوس کیے

بغیر نہ رہ سکی۔ ”اچھا ہے۔“ اس نے کہا اور اپنے کاؤنٹر کی طرف واپس چلی گئی۔

میں نوجوان کی طرف بڑھ گئی۔ فلورینا انہیں دیکھتی رہی۔ اُسے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہ

بار بار بے ثباتی سے اُس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ بالآخر اس نے سیاہ چرمی دستانے خریدے اور چلا گیا۔

”کہو، کچھ امید بندھی؟“ فلورینا نے میسی سے پوچھا، لیکن اس روز اس کا انداز حاسدانہ تھا۔

”فی الوقت تو کوئی خاص بات نہیں، لیکن مجھے امید ہے کہ وہ واپس آئے گا۔“

میسی کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ اگلے روز وہ نوجوان پھر دستانوں والے کاؤنٹر پر

موجود تھا..... اور پہلے سے زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

”چلو میں..... تم تو لگ جاؤ دھندے سے۔“ فلورینا نے کہا۔ میسی چلی گئی۔ نوجوان نے

فوراً ہی دستانے خریدے اور چلا گیا۔ فلورینا دل ہی دل میں ہنس دی۔

”وہ جوڑی دستانے خرید چکا ہے۔“ فلورینا نے کہا۔ ”میرے خیال میں وہ تمہاری قربت

کا مستحق ہو چکا ہے۔“

”لیکن اس نے مجھ سے کچھ بھی نہیں کہا۔“ میسی کے لہجے میں مایوسی تھی۔

”نہیں.....“ فلورینا کہ لہجے میں حیرت تھی۔ ”تو کیا اُسے دستانے خریدنے کا خط ہے؟“

”میرے خیال میں وہ بہت معصوم ہے۔“

”لگتا تو ایسا ہی ہے۔“ فلورینا نے تائید کی۔

اُسے روز نوجوان پھر آیا۔ میسی دوسرے گاؤں کو چھوڑ کر اس کی طرف پہنچی۔ فلورینا اس

کے چھوڑے ہوئے گاؤں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ لیکن کن آنکھوں سے وہ ان دونوں کا جائزہ لیتی رہی۔

اس بار اُن کے دو میان طویل گفتگو ہوئی۔ بالآخر نوجوان ایک جوڑی دستانے خرید کر رخصت ہو گیا۔

ہو رہے تھے۔ رچرڈ تھیٹر اور موسیقی کے متعلق گفتگو کرتا رہا۔ اس کے انداز میں اتنی بے ساختگی اور سچائی تھی کہ دونوں کے درمیان جلد ہی بے تکلفی ہو گئی۔ ان کی دلچسپیاں مشترک تھیں۔ فلورینا نے رچرڈ کو اپنے بارے میں صرف اتنا بتایا کہ وہ ایک پولش گھرانے سے تعلق رکھتی ہے..... جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، فلورینا کو اپنے جھوٹ پر پشیمانی ہونے لگی۔ پھر اس نے سوچا، ضروری تو نہیں کہ ان دونوں کی مستقبل میں کوئی اور ملاقات بھی ہو۔

وہ ریسٹوراں سے نکلے۔ رچرڈ، فلورینا کے لیے ٹیکسی روکنے کی کوشش کرنے لگا لیکن کوئی ٹالی ٹیکسی نظر نہیں آئی۔ بالآخر اس نے فلورینا سے پوچھا۔ ”تمہیں کہاں جانا ہے؟“

”57 ویں سڑک پر“ فلورینا نے بے سوچے سمجھے جواب دیا۔

”جب تو پیدل چلنا بہتر رہے گا۔“ رچرڈ نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں، ہاتھ میں ہاتھ ڈالے، پیدل چل دیے۔ راستے میں باتیں ہوتی رہیں۔ کئی بار فلورینا کا جی چاہا کہ اپنے بارے میں حقیقت اُگل دے لیکن ہر بار اس نے خود پر قابو پالیا۔ پھر وہ ایک پرانے اپارٹمنٹ ہاؤس کے سامنے رک گئی۔ اس کا اپنا اپارٹمنٹ اس سے سو گز کے فاصلے پر تھا۔ ”میں یہاں اپنے والدین کے ساتھ رہتی ہوں۔“ اس نے کہا۔

رچرڈ نے کچھ ہچکچاہٹ کے بعد اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ ”مجھے یقین ہے، تم مجھ سے آئندہ بھی ملنا پسند کرو گی۔“ اس نے کہا۔

”یقیناً۔“ فلورینا نے نرم لہجے میں کہا۔

”کل؟ کل، ہم بلیو انجلس چلیں گے۔ وہاں کا ماحول بیحد حسین ہوتا ہے۔“

فلورینا سوچ میں پڑ گئی، پھر بولی۔ ”ٹھیک ہے۔“

”میں کل رات دس بجے تمہیں یہیں سے لینے آؤں گا۔“ رچرڈ نے کہا۔

”نہیں نہیں۔“ فلورینا جلدی سے بولی۔ ”میں وہیں پہنچ جاؤں گی۔“

”ٹھیک ہے جیسی۔ کل دس بجے ملیں گے۔ گڈ نائٹ۔“

فلورینا اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو وہ اپنے اپارٹمنٹ ہاؤس کی طرف بڑھ گئی۔ اب وہ سوچ رہی تھی کہ کاش اس نے اتنے زیادہ جھوٹ نہ بولے ہوتے۔ پھر وہ یہ سوچ کر رہ گئی کہ یہ محض چند روزہ رفاقت ہی تو ہے۔ لیکن اس کے دل کے کسی گوشے میں یہ آواز گونج رہی تھی کہ کاش ایسا نہ ہو۔

اگلے روز اسٹور میں بیسی، رچرڈ کے بارے میں سوالات کرتی رہی جب کہ فلورینا موضوع

بدلنے کی کوششیں کرتی رہی۔ یہ تقریباً دو سال میں پہلا موقع تھا کہ فلورینا چھٹی کا وقت ہوتے ہی

”اب فلورینا سنبھالا لے چکی تھی۔“ بی نہیں.....“ اس نے کہا۔ وہ اپنا اپارٹمنٹ کسی کو دکھانا نہیں چاہتی تھی۔ کون یقین کرتا کہ وہ ایک سیز گرل کا اپارٹمنٹ ہو سکتا ہے۔“ میں آپ کو کسی ریسٹوراں میں مل جاؤں گی۔“

”کہاں؟“

فلورینا سوچ میں پڑ گئی۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا تھا۔

”ایلن ریسٹوران کیسا رہے گا؟“ نوجوان نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ فلورینا نے جواب دیا۔ ”میں آٹھ بجے وہاں پہنچ جاؤں گی۔“

نوجوان اسٹور سے نکلا تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ فلورینا اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ پھر اسے خیال آیا کہ نوجوان خریدے ہوئے دستانے لے جانا بھول گیا ہے۔

اس رات فلورینا کے لیے لباس کا انتخاب بھی مسئلہ بن گیا۔ پھر اسے خیال آیا کہ اُسے نوجوان کا نام تک معلوم نہیں۔ اسے ہنسی آگئی۔ اسے لباس کا انتخاب کرتے ہوئے یہ خیال بھی رکھنا تھا کہ وہ محض ایک سیز گرل ہے۔ بہر حال، اسے احساس تھا کہ اس کا دل کچھ عجیب انداز سے دھڑک رہا ہے۔

وہ آٹھ بجے سے کچھ پہلے ہی گھر سے نکلی۔ کچھ دیر بعد اُسے ٹیکسی مل گئی۔ وہ ریسٹوراں چند منٹ تاخیر سے پہنچی۔

نوجوان بار میں موجود تھا۔ اس نے فلورینا کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ وہ بلیرز کوٹ میں بہت فوج رہا تھا۔

”مجھے افسوس ہے کہ میں تاخیر سے.....“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“ نوجوان نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ تم آگئیں۔“

”تمہارا خیال تھا کہ میں نہیں آؤں گی؟“

”مجھے یقین نہیں تھا۔ اور ہاں..... مجھے تو تمہارا نام بھی معلوم نہیں ہے۔“

”جیسی کو سکی..... اور تمہارا نام؟“

”رچرڈ کین۔“ نوجوان نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

فلورینا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ”اور تم دستانے خریدنے کے علاوہ بھی کچھ کرتے ہو؟“ اس نے شوخ لہجے میں کہا۔

وہ ہنسنے لگا۔ فلورینا کو اس کے انداز کا بے ساختہ پن بہت پسند آیا۔

ان دونوں نے کھانے کا آرڈر دیا۔ وہ دونوں ہی اس قربت سے بہت زیادہ لطف اندوز

اسٹور سے نکل آئی۔ اس روز اس نے بہت خوب صورت لباس پہنا۔ وہ بلیو آئیل پہنچی تو رچرڈ اس کا شہر تھا۔ وہ دونوں لاؤنج میں چلے گئے..... جہاں بابی شارٹ کی خوب صورت آواز فضا میں تیر رہی تھی۔ تم سچ بول رہی ہو یا میں بھی تمہارا کوئی جھوٹ ہوں۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو بابی نے فلوریٹا کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ فلو، یٹا ایسی بن گئی، جیسے کچھ دیکھا ہی نہ ہو۔ بابی شارٹ دو تین بار حیرن میں اپنے فن کا مظاہرہ کر چکا تھا۔ فلوریٹا کو گمان بھی نہیں تھا کہ وہ اسے دیکھ کر پہچان سکے گا۔ پھر اس نے سوچا، ممکن ہے، بابی کسی اور کی طرف متوجہ رہا ہو۔

رچرڈ نے پہلے تو فلوریٹا سے دن بھر کی مصروفیات کے بارے میں استفسار کیا۔ فلوریٹا اس سلسلے میں کچھ بتانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ تو اب رچرڈ کے سامنے صرف اعتراف حقیقت کرنا چاہتی تھی۔ ”رچرڈ..... میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔“

اسی وقت ایک طویل القامت خوبرو نوجوان ان کی میز کے پاس آکھڑا ہوا۔ ”ہیلو رچرڈ۔“ اس نے خوش دلی سے کہا۔

”ہیلو اسٹیو..... ان سے ملو یہ ہیں جیسی کو سکی۔ اور جیسی، یہ ہے اسٹیو میلون۔ ہم ہاورڈ میں ساتھ پڑھتے ہیں۔“ رچرڈ نے ان دونوں کا تعارف کرایا۔

کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد اسٹیو معذرت کر کے چلا گیا۔ لیکن اظہار حقیقت کا لمحہ گزر چکا تھا۔ اب رچرڈ، فلوریٹا کو اپنے مستقبل کے عزائم کے بارے میں بتا رہا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ برنس اسکول سے فارغ ہو کر اپنے باپ کے بینک لیسٹرز میں کام کرے گا۔ فلوریٹا کو یہ نام سنا ہوا تھا لیکن یہ یاد نہیں آ رہا تھا کہ کہاں سنا تھا نہ جانے کیوں اُسے یہ چیز پریشان کن معلوم ہو رہی تھی۔ پھر اس نے اس ناخوشگوار احساس کو ذہن سے جھٹک دیا۔

گزشتہ رات کی طرح وہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے پیدل ہی 57 ویں سڑک کی طرف چل دیے۔ گزشتہ شب کی طرح ہی رچرڈ نے اسے شب بخیر کہا اور رات کی تاریکی میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ فلوریٹا نے سکون کی سانس لیا۔ اس بار رچرڈ نے اگلے روز کے لیے ملاقات کی فرمائش نہیں کی تھی۔

لیکن پیر کے دن رچرڈ نے اس کے اسٹور فون کیا اور جمعے کی رات ڈنر پر مدعو کیا تو فلوریٹا کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

اس کے بعد وہ تقریباً ہر روز ملتے رہے۔ انہوں نے فلمیں دیکھیں، کنسرٹ میں گئے..... یہاں تک کہ بیس ہال کے میچ بھی دیکھے۔ ایک ہفتہ گزرنے کے بعد فلوریٹا کو احساس ہوا کہ وہ اب تک اپنے بارے میں اتنے سارے چھوٹے چھوٹے جھوٹے جھوٹ بول چکی ہے کہ اب سچ بول کر وہ رچرڈ کو

بہن میں جھٹا کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتی۔ اتوار کی رات رچرڈ کو ہاورڈ کے لیے روانہ ہونا تھا۔ فلوریٹا نے خود فریبی کی کیفیت میں یہ سوچا کہ جب یہ تعلق برقرار رہنا ہی ہے تو جھوٹ اور سچ سے کیا فرق پڑتا ہے۔

لیکن جلد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ رچرڈ سے اس کا تعلق سطحی نہیں ہے۔ رچرڈ، ہاورڈ میں نام کے دوران ہر روز اسے فون کرتا رہا..... اور ہر ویک اینڈ پر وہ اس سے ملنے بھی آیا۔ دوسری طرف فلوریٹا کو اس تکلیف دہ حقیقت کا بھی احساس ہو گیا کہ وہ غیر محسوس طریقے سے رچرڈ کی محبت میں لڑنا رہتی رہی ہے، اور اب واپسی کا کوئی سوال بھی نہیں ہے۔ پھر اسے یہ احساس بھی ہو گیا کہ اس صورت میں اسے رچرڈ کو حقیقت سے آگاہ کرنا ہوگا..... یہ اعتراف بھی کرنا ہوگا کہ وہ اب تک جھوٹ بتاتی رہی ہے۔



رچرڈ کے لیے پڑھائی پر توجہ مرکوز رکھنا بیدار ثابت ہو رہا تھا۔ وہ جیسی کی محبت میں اس تیزی سے گرفتار ہوا تھا کہ اسے سنبھلنے کی مہلت ہی نہیں ملتی تھی۔ وہ تو صرف ایک بات پر غور کر رہا تھا، وہ اپنے باپ کو کیسے بتائے کہ وہ ایک پولش سیلر گرل سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ اس کے والدین کو اس کی پسند کو تسلیم کرنا ہوگا۔ اس نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ آئندہ ویک اینڈ پر وہ جیسی کو پروپوز کرے گا۔

رچرڈ ہر جمعے کو گھر واپس آتا تھا۔ ہر جمعے کی شام وہ کچھ نہ کچھ خریدنے کے بہانے بلومنگ اسٹور کا رخ کرتا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ جیسی کو اس کی آمد کا پتہ چل جائے۔ اب تک اس کے پاس نامی تعداد میں دستانے جمع ہو چکے تھے۔ اس شام اس نے اپنی ماں سے کہا کہ وہ بلیڈ خریدنے کے لیے جا رہا ہے۔

”کوئی ضرورت نہیں بیٹے۔ تم اپنے ڈیڈی کے بلیڈ استعمال کر سکتے ہو۔“ کیٹ نے کہا۔ ”ارے نہیں مئی..... ویسے بھی اس سلسلے میں میری اور ڈیڈی کی پسند مختلف ہے۔ بس، میں ابھی آیا۔“

”اس نے بچوں کی سی بے مبری کے ساتھ اسٹور کی طرف دوڑ لگائی اور جب وہاں پہنچا تو، اسٹور بند ہونے ہی والا تھا۔ اس نے جیسی سے ساڑھے سات بجے کا وقت پہلے ہی طے کر لیا تھا، لیکن تیرہ کچھ وقت ساتھ گزارنے میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ ملاقات سے پہلے ایک چھوٹی سی ملاقات! اس لاڈلہ اسٹیو کے اس مقولے پر ایمان لے آیا کہ محبت کرنے والے بے وقوف ہوتے ہیں۔

یہ دیکھ کر اسے مایوسی ہوئی کہ جیسی موجود نہیں تھی۔ میسی سے اسے پتہ چلا کہ جیسی ابھی ابھی

گھر جانے کے لیے نکلی ہے۔ رچرڈ بھاگتا ہوا اسٹور سے نکلا۔ سڑک پر وہ اسے تلاش کرتا رہا۔ بلاخود اسے نظر آگئی۔ لیکن وہ گھر جانے کے بجائے فقہ ایونیو کی طرف بڑھ رہی تھی۔ رچرڈ کا ذہن الجھ گیا۔ وہ کچھ فاصلے پر اس کا تعاقب کرتا رہا۔ 48 ویں سڑک پر وہ ایک بک اسٹال میں داخل ہو گئی۔ یہ بات بھی الجھا دینے والی تھی کیونکہ کتابیں تو وہ بکسٹور کے اسٹیشنری کاؤنٹر پر سے بھی حاصل کر سکتی تھی۔ جیسی نے سلیز مین سے کچھ کہا۔ سلیز مین نے دو کتابیں اس کی طرف بڑھادیں۔ جیسی نے قیمت ادا کرنے کی بجائے بل پر دستخط کر دیے۔ یہ بات بھی رچرڈ کے لیے حیران کن تھی۔ وہ جلدی سے اوٹ میں ہو گیا کیونکہ جیسی اسٹور سے نکل رہی تھی۔

رچرڈ اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر یہ لڑکی درحقیقت کون ہے۔ اس اثنا میں جیسی بیدل اسٹور میں داخل ہو گئی، چونکدار نے اُسے زوردار سیلوٹ سے نوازا۔ رچرڈ کمر کی سے اندر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اسٹور میں جیسی کی پذیرائی غیر معمولی انداز میں کی گئی۔ ایک بوڈمی عورت نے ایک پیکٹ، جیسی کی طرف بڑھایا۔ انداز ایسا تھا جیسے اسے جیسی کی آمد کی توقع رہی ہو۔ جیسی نے پیکٹ کھول کر دیکھا۔ اس میں خوبصورت رنگ برنگے ملبوسات تھے۔ قیمتی ملبوسات جیسی نے اظہار پسندیدگی کے انداز میں سر کو جنبش دی۔ فلوریٹا نے اس بار بھی بل پر دستخط کر دیے۔

جیسی اسٹور سے نکلی اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ رچرڈ نے بھی جلدی سے ٹیکسی پکڑی اور ڈرائیور کو جیسی کی ٹیکسی کا تعاقب کرنے کی ہدایت کی۔ جیسی کی ٹیکسی اس اپارٹمنٹ ہاؤس کے سامنے سے گزر گئی۔ جہاں رچرڈ اُسے الوداع کہتا تھا۔ اب رچرڈ کو تشویش ہونے لگی۔ بہر حال، اس اپارٹمنٹ ہاؤس سے کوئی سوگزا آگے ٹیکسی ایک نوعمر شدہ اپارٹمنٹ ہاؤس کے سامنے جا کر رُک گئی۔ دروازے پر ایک باوردی دربان موجود تھا۔ دربان نے آگے بڑھ کر جیسی کے لیے دروازہ کھولا۔ رچرڈ بھی اپنی ٹیکسی سے اتر آیا۔ وہ غصے اور تعجب کی مل جلی کیفیت میں اپارٹمنٹ ہاؤس کے دروازے کی طرف بڑھا۔

”اے مسٹر..... 95 سینٹ تو دیتے جاؤ۔“ ٹیکسی ڈرائیور نے عقب سے پکارا۔ رچرڈ نے جیب سے پانچ ڈالر کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا اور بقیہ رقم واپس لیے بغیر ہی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی جیسی لفٹ کے انتظار میں کھڑی تھی۔ وہ تیزی سے اس طرف لپکا۔ ”یہ سب کیا ڈرامہ رچا رکھا ہے، تم نے مس جیسی؟“ اس نے فلوریٹا کو گھورتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ ”آفر تم کون ہو؟“

”رچرڈ..... مم، میں تو تمہیں پہلے ہی بتا دینا چاہتی تھی۔“ فلوریٹا ہلکائی۔ ”لیکن ڈیز..... مجھے موقع نہیں ملا۔“

”بکواس مت کرو۔“ رچرڈ نے اس کے ساتھ لفٹ میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ ”تم نے نہیں مینے سے جھوٹ کا طومار باندھ رکھا تھا۔ اب سچ بونے کا وقت آ گیا ہے۔“

”وہ دونوں لفٹ سے نکل آئے۔ وہ چپ چاپ اپنے اپارٹمنٹ کی طرف چل دی۔ رچرڈ اس کے ساتھ تھا۔ فلوریٹا نے اس سے پہلے رچرڈ کو کبھی برہم نہیں دیکھا تھا اس نے سمجھ لیا کہ رچرڈ کو فہم کم آتا ہے لیکن شدت سے آتا ہے۔ رچرڈ نے بنظر غائر اس کے اپارٹمنٹ کو دیکھا۔ اپارٹمنٹ کی آرائش، رچرڈ کے گھر کی آرائش سے کسی طرح بھی کم نہ تھی۔

”سلیز گرل ہونے کی حیثیت سے تو اسے محل قرار دیا جاسکتا ہے۔“ رچرڈ نے چپتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”یہ بتاؤ..... یہ تمہیں تمہارے کس عاشق نے خرید کر دیا ہے؟“

جواب میں فلوریٹا نے اسے زور کا تھپڑ مارا کہ خود اس کا ہاتھ بھی جھنجھکا کر رہ گیا۔ ”تمہاری یہ جرات“ وہ حلق کے بل چیخنی۔ ”نکل جاؤ میرے گھر سے۔“ جیسے ہی یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلے، وہ ہوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ رچرڈ کا جانا اسے گوارا بھی تو نہیں تھا۔

رچرڈ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ”لغت ہے مجھ پر۔ مجھے ایسی خراب بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔ مجھے معاف کر دو۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں..... اور میرا خیال تھا کہ میں تمہیں خوب جانتا ہوں۔ یہ جان کر مجھے صدمہ ہوا کہ تم تو اتنے عرصے کے بعد بھی میرے لیے اجنبی ہو۔“

”رچرڈ..... میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں۔ مجھے افسوس ہے ڈیز..... یقین کرو، میں تمہیں حقیقت بتانا چاہتی تھی۔ بہر حال، تمہارے سوا میری زندگی میں کبھی کوئی نہیں آیا۔“ فلوریٹا کی آواز بکھرنے لگی۔

رچرڈ اُسے تھپکتا رہا۔ آہستہ آہستہ وہ دونوں پرسکون ہو گئے۔ بالآخر رچرڈ مطلب کی بات زبان پر لے آیا۔ ”تم جیسی ہو یا تمہارا کوئی بھی نام ہے۔ میں تمہیں اتنا جانتا چاہتا ہوں کہ جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا، مجھے جیسی تمہاری اہمیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”میں بھی یہی چاہتی ہوں ڈیز۔“ لیکن پہلے میں تمہیں حقیقت تو بتا دوں۔“ فلوریٹا نے کہا اور پھر رچرڈ کو اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔

فلوریٹا نے غصوں کیا کہ رچرڈ اس کی باتیں سن کر چونکا تھا اور پھر اس کے چہرے پر سائے سے پھلتے چلے گئے لیکن وہ خاموش رہا۔ فلوریٹا کے لیے اس کی یہ خاموشی تکلیف دہ ہونے کے علاوہ غم خیز بھی تھی۔ ”کیا تمہارا ارادہ تبدیل ہو گیا ہے رچرڈ۔“ فلوریٹا کے لہجے میں مایوسی تھی۔ ”میرے

بارے میں جاننے کے بعد تمہیں مجھ سے محبت نہیں رہی ہے کیا؟“

”یہ بات نہیں ہے ڈارلنگ۔“ رچرڈ نے آہستہ سے کہا۔ ”ایک اور بات ہے۔ میرے ڈیڈی، تمہارے ڈیڈی سے بے پناہ نفرت کرتے ہیں، بلکہ دونوں حضرات ایک دوسرے کے شدید دشمن ہیں۔“

”کیا مطلب؟“ فلورینا چوکی۔

”میری موجودگی میں صرف ایک بار ایسا ہوا کہ میرے ڈیڈی کے سامنے تمہارے ڈیڈی کا تذکرہ کیا گیا۔ میرے ڈیڈی ہتھے سے اکھڑ گئے۔ انہوں نے کہا کہ اس شخص کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد ہے۔۔۔۔۔۔ کین فیملی کو تباہ و برباد کرنا۔“

”کیا۔۔۔۔۔۔ کیوں؟“ فلورینا کہ لہجہ میں الجھن تھی۔ ”میں نے تمہارے ڈیڈی کے بارے میں کبھی نہیں سنا۔۔۔۔۔۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو جیسے جانتے ہیں؟“

رچرڈ نے اس سلسلے میں اپنی ماں کی زبانی جو کچھ سنا تھا، فلورینا کو بتا دیا۔

”میرے خدا۔۔۔۔۔۔ تو 25 سال بعد بینک تبدیل کرنے کا یہ جواز تھا۔ ڈیڈی کے پاس۔ مجھے یاد ہے، انہوں نے غداری اور بے وفائی کی مذمت بھی کی تھی۔ رچرڈ، اب ہم کیا کریں۔“ فلورینا نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

”ہم انہیں سچ سچ بتا دیں گے۔ ہم بے خبر تھے اور پھر غیر محسوس طریقے سے محبت میں الجھتے گئے۔۔۔۔۔۔ ہم انہیں بتا دیں گے کہ ہم شادی کر رہے ہیں۔“

”ہمیں چند ہفتے انتظار کر لینا چاہیے۔“ فلورینا نے کہا۔

”کیوں؟ تمہیں خدشہ ہے کہ تمہارے ڈیڈی تمہارا شادی کا ارادہ بدلوا سکتے ہیں؟“

”یہ بات نہیں رچرڈ۔ البتہ اس طرح ہمیں سوچنے کا موقع مل جائے گا۔ یہ خبر ان تک دھماکے کی طرح نہیں پہنچنا چاہیے۔۔۔۔۔۔ بلکہ انہیں بے حد زنی سے بتایا جائے۔ ہم انہیں سنبھلنے کا موقع بھی تو دیں۔ ممکن ہے، ان کا رد عمل اتنا شدید نہ ہو۔ تم نے خود ہی تو بتایا کہ انٹرا سٹیٹ والے معاملے کو پانچ سال ہو چکے ہیں۔“

”یقین کرو، ان کی، ایک دوسرے کے لیے نفرت اتنی ہی شدید ہے، جتنی ہماری محبت۔

شادی تو دور کی بات ہے۔۔۔۔۔۔ میرے ڈیڈی تو صرف مجھے تمہارے قریب دیکھ کر پھر جائیں گے۔“

”تب تو انہیں آہستہ آہستہ، رسائیت سے سنبھال کرنا اور ضروری ہو گیا ہے۔“ تیس اس لئے

میں سوچنے کے لیے وقت درکار ہے۔“ فلورینا نے کہا۔

”کچھ بھی ہو۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں جیسی۔“

”جیسی نہیں، فلورینا۔“

”یہ ایک اور الجھن ہے جس پر قابو پانے میں وقت لگے گا۔ مجھے تم سے محبت ہے فلورینا۔“

۔۔۔۔۔۔

آئندہ چند ہفتوں میں انہوں نے اپنے والدین کی نفرتوں کے سلسلے میں تفصیلی تحقیق کام کر ڈالا۔ فلورینا نے اس سلسلے میں اپنی ماں اور انکل جارج کو کریدا۔۔۔۔۔۔ لیکن، بہت ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ۔ رچرڈ نے اپنے باپ کی فائلیں کھنگال ڈالیں۔ جو کچھ ان دونوں کے علم میں آیا، وہ بہت حیران کن تھا۔ کین اور ہیل کی نفرتیں بے حد شدید تھیں۔ یہ دھماکا خیز خبر رسائیت کے ساتھ ان تک پہنچانا ناممکن تھا۔ اس دوران وہ ملتے بھی رہے۔ رچرڈ فطرتاً بہت مہربان شخص تھا۔ وہ ان مسائل سے فلورینا کی توجہ ہٹانے کے لیے طرح طرح سے اسے بہلا دے دیتا۔ اس نے فلورینا کو وائٹن بجا کر سنا یا۔ فلورینا اس کی مہارت سے مسحور ہو کر رہ گئی۔

”اب وقت آ گیا ہے کہ ہم انہیں آگاہ کر دیں۔“ ایک شام رچرڈ نے کہا۔

”میں جانتی ہوں لیکن میں اپنے باپ کو کڈ دینا نہیں چاہتی۔“

”میں جانتا ہوں۔“

”اب فلورینا اس سے نظریں چرا رہی تھی۔“ ڈیڈی آئندہ ہفتے کو واشنگٹن سے واپس آ رہے ہیں۔“ اس نے کہا۔

”گو یا فیصلہ کن دن بھی وہی ہوگا۔“

پیر کو رچرڈ، ہارڈ واپس چلا گیا۔ اُن دونوں کے درمیان فون پر گفتگو ہوتی۔ وہ پر یقین تھے کہ کوئی زکاوت ان کا راستہ کھوٹا نہیں کر سکتی۔ جتنے کو رچرڈ کچھ جلدی نیویارک واپس آ گیا۔ اس نے فلورینا سے نصف دن کی چٹھی کرنے کو کہا۔ وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے، 57 ویں سڑک کی طرف پلٹے رہے۔ سڑک پار کرتے ہی انہیں سگنل کی وجہ سے رکتا پڑا۔ رچرڈ نے وہ انگوٹھی فلورینا کو پہنا دی جو وہ اس کے لیے لایا تھا۔ چھوٹے چھوٹے ہیروں کے درمیان ایک بڑا زمر و جگمگا رہا تھا۔ انگوٹھی اتنی خوبصورت تھی کہ فلورینا کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو بھر آئے۔ سڑک پار کرنے کا سگنل تبدیل ہو گیا تھا لیکن وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ روشنی تین چار بار تبدیل ہوئی، تب کھل جا کر انہوں نے سڑک پار کی۔ سڑک پار کر کے انہوں نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا اور اپنے اپنے باپ کا سامنا کرنے کے لیے مخالف سمتوں میں چل دیے۔ انہوں نے طے کیا تھا کہ اس محاذ پر لڑنے کے بعد وہ فلورینا کے اپارٹمنٹ میں یکجا ہوں گے۔

فلورینا بیرن ہوئی کی جانب بڑھ رہی تھی۔ وہ بار بار اپنی انگلی میں موجود انگوٹھی کو دیکھتی۔

اسے اب یہ سب خواب سا لگ رہا تھا۔ جیسے جیسے وہ ہوٹل نزدیک آ رہا تھا، اس کے قدم سست پڑتے جا رہے تھے۔ اس نے انگلیوں کے زمر پر انگلی پھیری۔ اس لمس نے گویا اس کے حوصلے میں اضافہ کر دیا۔ لیکن قدموں کی رفتار اب بھی سست تھی۔

استقبالیہ کلرک نے اسے بتایا کہ ایمل اور جارج آؤپر پینٹ ہاؤس میں موجود ہیں۔ فلوریٹا لفٹ کی طرف بڑھ گئی، جب کہ کلرک نے ایمل کو فلوریٹا کی آمد کی اطلاع دے دی۔ فلوریٹا 42 ویں منزل پر اترتے ہوئے کچھ ہچکچائی۔ پھر وہ دروازے پر پہنچ کر ہنسی، لیکن ایمل نے دستک کے بغیر ہی دروازہ کھول دیا۔ جارج کھڑکی کے پاس کھڑا پارک ایونیو کا نظارہ کر رہا تھا۔ اس نے پلٹ کر فلوریٹا کو دیکھا۔ اور خیر مقدمی الفاظ کہے۔ فلوریٹا کی نگاہوں میں التجا تھی۔ یہ التجا کہ جارج اسے ایمل کے ساتھ تنہا چھوڑ دے۔ وہ جارج کے سامنے یہ بات کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔ جارج نے اس کی بے چینی محسوس کر لی۔

”ایمل میں چلتا ہوں۔ مجھے کام ہے آج۔ ایک مہاراجہ آنے والا ہے۔“ جارج نے کہا۔
 ”چھوڑو۔۔۔۔۔۔ اب تو فلوریٹا آگئی ہے۔ کچھ دیر بیٹھو۔“ ایمل نے کہا۔
 جارج نے فلوریٹا کو دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔ ”نہیں ایمل۔ میرا جانا بہت ضروری ہے۔ اس کا استقبال کرنے کے لیے واکس پریذیڈنٹ سے کم لیول کا آدمی نہیں ہونا چاہیے۔ گڈ نائٹ فلوریٹا۔“ جارج کمرے سے چلا گیا۔ اب نجانے کیوں۔۔۔۔۔۔ فلوریٹا سوچ رہی تھی کہ کاش وہ نہ جاتا۔
 ”تمہارے اسٹور کا کیا حال ہے گڑیا۔“ ایمل نے محبت آمیز لہجے میں کہا۔
 ”ڈیڈی، میں شادی کر رہی ہوں۔“ فلوریٹا نے شرماتے ہوئے کہا اور انگلیوں والا ہاتھ ایمل کے سامنے پھیلا دیا۔

”اس قدر اچانک؟“ ایمل کے لہجے میں حیرت تھی۔

”نہیں ڈیڈی۔۔۔۔۔۔ میں اُسے عرصے سے جانتی ہوں۔“

”میں نے کبھی دیکھا ہے اُسے؟“ ایمل کے لہجے میں اشتیاق در آیا۔

”نہیں ڈیڈی۔“

”مجھے اس کے بارے میں بتاؤ، کیا وہ پولش ہے؟ تم نے اب تک مجھے اس کے بارے میں کیوں نہیں بتایا فلوریٹا؟“

”وہ پوش نہیں ہے ڈیڈی۔ وہ ایک امریکی بینکار کا بیٹا ہے۔“

”ایمل کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ اس نے تیزی سے اپنے لیے ایک جام بنایا اور اسے ایک ہی سانس میں حلق میں اتار لیا۔

فلوریٹا اس کی اذیت سمجھ رہی تھی۔ اس نے اظہارِ حقیقت میں تاخیر مناسب نہ سمجھی۔ ”اس کا نام رچرڈ کین ہے ڈیڈی۔“

”ایمل کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ ”کیا وہ ولیم کین کا بیٹا ہے؟“ اس نے سخت لہجے میں کہا۔
 ”جی ہاں۔“

”تم نے یہ بات سوچی کیسے۔ تم جانتی ہو میرا اُس سے کیا تعلق ہے؟ وہ ولیم کین۔۔۔۔۔۔؟“
 ایمل نے نفرت سے کہا۔ ”۔۔۔۔۔۔ وہ میرے عزیز ترین دوست کی موت کا ذمے دار ہے۔ اس نے مجھے دہالیہ کرنے کی کوشش بھی کی۔ اگر ڈیوڈ میکسٹن میری مدد نہ کرتا تو وہ مردود اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جاتا۔ اس صورت میں میں اس وقت کہاں ہوتا۔ تم اس وقت جج جج بلومنگ اسٹور پر سیلز گرل ہوئی۔ تم نے یہ بھی کبھی سوچا؟“

”جی ہاں ڈیڈی۔۔۔۔۔۔ گزشتہ چند ہفتوں میں، میں نے ہر پہلو پر سوچا ہے۔ میں اور رچرڈ آپ دونوں کی نفرت کی شدت پر حیران ہیں۔ اس وقت وہ بھی اپنے باپ سے اسی سلسلے میں گفتگو کر رہا ہوگا۔“

”بہت خوب میں بتا سکتا ہوں کہ اس کا کیا رد عمل ہوگا۔ بھول جاؤ۔ وہ اپنے بیٹے کو تم سے شادی کرنے کی اجازت کبھی نہیں دے گا۔“ ایمل کی آواز بلند ہو گئی تھی۔

”میں نہیں بھول سکتی ڈیڈی۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ ہمیں آپ کے غصے کی نہیں دُعاؤں کی ضرورت ہے۔“ فلوریٹا نے مضبوط لہجے میں کہا۔

”میری بات سنو فلوریٹا۔“ اب ایمل کی آواز غصے کی شدت سے لرز رہی تھی۔ ”آئندہ ال لاکے سے کبھی نہ ملنا۔ سن لیا تم نے؟“

”سن لیا ڈیڈی۔ لیکن میں اسے ملے بغیر نہیں رہ سکتی۔ صرف اس لیے کہ آپ اس کے باپ سے نفرت کرتے ہیں، میں اُسے نہیں چھوڑ سکتی۔“

”ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں تمہیں اس مردود کے بیٹے سے شادی کی اجازت نہیں دے سکتا۔ تم مجھے اس طرح چھوڑ کر نہیں جاسکتیں۔“

”میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جا رہی ہوں۔ ڈیڈی۔۔۔۔۔۔ اگر یہ بات ہوتی تو میں اس کے ساتھ بچے کے کہیں نکل جاتی۔ میری عمر اکیس سال ہے۔ میں خود مختار ہوں۔ میں رچرڈ سے شادی کر کے تمہارے ساتھ عمر گزارنا چاہتی ہوں۔ پلیز۔۔۔۔۔۔ ڈیڈی میری مدد کیجیے۔ آپ اس سے نہیں گے تو آپ کو نوازہ ہو جائے گا کہ میں اس کے لیے اتنی دیوانی کیوں ہو رہی ہوں۔“

”وہ کبھی میرے گھر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ میں ولیم کین کی اولاد کی صورت دیکھنا نہیں

چاہتا..... سمجھیں تم؟“

”جب! مجبوری ہے ڈیڈی۔ مجھے آپ کو چھوڑنا ہوگا۔“

”فلورینا..... اگر تم نے ایسا کیا تو میں تمہیں عاق کر دوں گا۔“ اسٹیل کا لہجہ نرم ہو گیا۔

”سوچ لو..... دنیا میں اچھے لڑکوں کی کمی نہیں۔ لیکن باپ صرف ایک ہی ہوتا ہے۔“

”میرے لیے دنیا میں صرف ایک ہی مرد ہے، ڈیڈی..... اور میں اسی سے شادی کروں

گی۔ یہ اس کا قصور نہیں کہ وہ آپ کے دشمن کا بیٹا ہے۔ قدرت نے اولاد کو اپنے لیے والدین منتخب

کرنے کا حق نہیں دیا۔“

”اگر میرا گھر انہیں تمہارے لیے باعث ننگ ہے تو فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔ اسٹیل پھر

گیا۔ ”میں تم کھاتا ہوں کہ کبھی تمہارا نام زبان پر نہیں لاؤں گا۔“ یہ کہہ کر وہ پلٹا اور کھڑکی کی طرف

بڑھ گیا۔ ”میں تمہیں آخری بار سمجھا رہا ہوں کہ تم اس لڑکے سے شادی ہرگز نہیں کرو گی۔“

”ڈیڈی..... ہم شادی ضرور کریں گے لیکن میں اب بھی آپ کی اجازت چاہتی ہوں۔“

”اسٹیل پلٹا۔ اس کا ہاتھ تیزی سے حرکت میں آیا۔ نقری ٹنگن فلورینا کے ہونٹوں کے

قریب لگا۔ وہ تقریباً گر پڑی۔ اس کے منہ سے خون جاری ہو گیا۔ وہ چلنی اور زارو قطار روتی ہوئی

کمرے سے نکل گئی اس نے لفٹ کا بٹن دبایا اور ہاتھ سے خون پونچھنے لگی۔ لفٹ کا دروازہ کھلا۔ اس

میں سے جارج نمودار ہوا فلورینا کو اس حالت میں دیکھ کر اس کے چہرے پر زلزلے کا سا تاثر پیدا ہوا۔

فلورینا جلدی سے لفٹ میں گھس گئی اور بٹن دبا دیا۔ دروازہ بند ہونے سے پہلے جارج کھڑا اُسے

روتے دیکھتا رہا۔ پھر دروازہ بند ہو گیا۔

نیچے پہنچے ہی فلورینا نے ٹیکسی روکی اور اپنے اپارٹمنٹ کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہ اپارٹمنٹ

پہنچی تو رچرڈ باہر سڑک پر موجود تھا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ بے حد اُداس لگ رہا تھا۔ فلورینا نے

کرایہ ادا کیا اور اس کی طرف لپکی۔ وہ دونوں خاموشی سے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اپارٹمنٹ کی طرف

چل دیے۔ اس کی قربت فلورینا کو تحفظ کا احساس دلانے لگی تھی۔

”میں تم سے محبت کرتی ہوں رچرڈ۔“

”مجھے بھی تم سے محبت ہے۔ فلورینا۔“

”یہ پوچھنے کی تو شاید ضرورت نہیں کہ تمہارے ڈیڈی کا رد عمل کیا رہا۔“

”نہیں نے نہیں اتنا برا تم کو نہیں دیکھا۔ انہوں نے تمہارے ڈیڈی کو جیسا دلچسپ اور بدستور

کہا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ لڑکیوں کی کوئی کمی تو نہیں ہے۔“

”پھر تم نے کیا کہا؟“

”میں نے انہیں بتایا کہ تم جیسی کوئی اور نہیں ہے بس پھر وہ آپ سے باہر ہو گئے۔“ رچرڈ

نے بتایا۔ ”انہوں نے مجھے عاق کرنے کی دھمکی دی۔ میں سوچتا رہا کہ آخر یہ لوگ، یہ بات کب

سمجھیں گے کہ ہمیں ان کی دولت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے ماں سے مدد چاہی، لیکن انہیں خود

اپنے غصے پر قابو پانے میں دشواری ہو رہی تھی ڈیڈی نے مئی سے چیخ کر کہا کہ وہ کمرے سے نکل

جائیں میں نے کبھی انہیں مئی کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے نہیں دیکھا۔ مئی رو رہی تھی۔ وہ سب کچھ بے

حد عجیب تھا۔ میں وہاں خود کو اجنبی محسوس کر رہا تھا۔ اس لیے میں گھر سے خاموشی سے نکل آیا۔ کاش

ڈیڈی۔ اپنا غصہ ورجینیا اور لوسی پر نہ اتاریں۔ اور تم سناؤ..... تمہارے محاذ کا کیا حال رہا؟“

”میرے ڈیڈی نے زندگی میں پہلی بار مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔“ فلورینا نے آہستہ سے

کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ اگر وہ ہمیں ایک ساتھ دیکھ لیں گے تو یقیناً تمہیں ختم کر دیں گے۔ رچرڈ.....

اس سے پہلے انہیں کچھ پتہ چلے، ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہیے۔ وہ سب سے پہلے یہاں آئیں

گے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے رچرڈ۔“

”ڈرنے کی ضرورت نہیں فلورینا۔ ہم آج رات یہاں سے دور چلے جائیں گے..... ان

دونوں سے بہت دور۔“

”تمہیں سامان پیک کرنے میں کتنی دیر لگے گی.....؟“ فلورینا نے پوچھا۔

”تم اپنی کہو۔ میں تو اب گھر واپس جانی نہیں سکتا۔ میرے پاس سو ڈالر سے کچھ زائد رقم

ہے۔ تم ایک ہنڈرڈ ڈالر مین سے شادی کر سکتی ہو؟“

”تم بھول رہے ہو کہ میں ایک معمولی سٹیز گرل ہوں۔ میرے پاس دو سو بارہ ڈالر ہیں۔

گویا ہم دونوں کے حصے میں 156 ڈالر فی کس آئے..... اور تم میرے 56 ڈالر کے مقروض ہو گئے

نہ..... ایک ڈالر سالانہ کے حساب سے ادائیگی کرتے رہنا۔“

آدھے گھنٹے کے اندر اندر فلورینا نے اپنا سامان پیک کیا، میز پر رقعہ چھوڑا اور رچرڈ کے

ہاتھ اپنے اپارٹمنٹ سے نکل آئی۔ رچرڈ نے ٹیکسی روکی۔ فلورینا یہ دیکھ کر خوش تھی کہ رچرڈ بحران سے،

فائل اسلوبی سے گزرنا جانتا ہے۔ اس کے لیے یہی سہارا بہت تھا۔ ائر پورٹ پہنچ کر انہوں نے سان

فرانسکو کے لیے فلائٹ پکڑی۔ ساڑھے سات بجے طیارہ نے ساڑھے سات گھنٹے کی پرواز کے لیے

لٹین چھوڑی۔

”تم جانتے ہو مسٹر کلین..... کہ میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں۔“ فلورینا نے مسکراتے

ہونٹوں کہا۔

”میں جانتا ہوں مسٹر کلین۔“

اسیل اور جارج فلورینا کے اپارٹمنٹ چند منٹ کی تاخیر سے پہنچے اب اسیل فلورینا پر ہاتھ اٹھا کر پچھتا رہا تھا۔ وہ یہ سوچنے سے گریز کر رہا تھا کہ فلورینا کے بغیر اس کی زندگی کی کیا حقیقت رہ جائے گی۔ وہ یہ سوچ کر آیا تھا کہ اسے نرمی سے..... محبت سے سمجھا بجا کر قائل کر لے گا۔

جارج نے اطلاعی گھنٹی بجائی۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ تین چار کوششوں کے بعد اسیل نے اپارٹمنٹ کی وہ چابی نکالی جو ہمیشہ اس کے پاس رہتی تھی۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے ہر کمرے میں جھانکا، اگرچہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی فلورینا کی وہاں موجودگی کی توقع نہیں تھی۔

”وہ جا چکی ہے۔“ جارج نے کہا۔

”ہاں..... لیکن کئی کہاں ہے؟“ اسیل نے کہا۔ پھر اسے وہ رقعہ نظر آیا، جو اسکے ہی نام تھا۔ اس نے رقعہ کھولا۔

”پیارے ڈیڈی! میں اس طرح بھاگنے پر شرمندہ ہوں۔ لیکن میں رچرڈ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ ہم فوراً شادی کر لیں گے۔ اور آپ ہمیں نہیں روک سکیں گے۔ یہ یاد رکھیے گا کہ رچرڈ کو کوئی نقصان پہنچانا مجھے نقصان پہنچانے کے مترادف ہوگا۔ ہم اس وقت تک واپس نہیں آئیں گے، جب تک آپ اور مسٹر کین اپنے احقانہ اختلافات دور نہیں کر لیتے۔ آپ نہیں جانتے کہ میں آپ سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ میری دعا ہے کہ ہمارا تعلق ہمیشہ قائم رہے..... لیکن سب کچھ آپ کے ہاتھ میں ہے۔“

آپ کی بیٹی۔ فلورینا

اسیل بیڈ پر ڈھیر ہو گیا۔ رقعہ اس نے جارج کی طرف بڑھا دیا۔ جارج نے رقعہ پڑھا اور ہاتھ ملنے لگا۔ ”میں کسی کام آسکتا ہوں؟“ اس نے پوچھا۔

”جارج! مجھے اپنی بیٹی واپس چاہیے..... خواہ اس کے لیے مجھے اس سرود و لیم کین سے بات کرنا پڑے۔ میں جانتا ہوں..... وہ بھی اس شادی کے حق میں نہیں ہوگا۔ اسے فون کرو جارج۔“

”جارج فون ملانے کی کوشش کرتا رہا۔ اسیل بیڈ پر نیم دراز غلامی گھورے جا رہا تھا۔

اسے فلورینا کا بچپن یاد آ رہا تھا۔ دل میں ٹیسس سی اٹھ رہی تھیں۔

بالآخر فون مل گیا۔ ”میں مسٹر ولیم کین سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“ جارج نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

”کون صاحب بات کریں گے؟“

”مسٹر اسیل رونسکی۔“

”میں دیکھتا ہوں جناب۔“

”میرا خیال ہے، یہ بلر تھا۔ وہ اپنے مالک کو بلانے گیا ہے۔“ جارج نے کہا اور ریسپور اسیل کی طرف بڑھا دیا۔ اسیل بے چینی سے انتظار کرتا رہا۔ اس کی مضطرب انگلیاں بیڈ سائیڈ ٹیبل پر فزک رہی تھیں۔ بالآخر ولیم کین کی آواز سنائی دی۔ ”میں ولیم کین بول رہا ہوں۔“

”میں اسیل رونسکی ہوں۔“

”اوہ، یہ تو بتاؤ، تم نے اپنی بیٹی کو میرے بیٹے کے پیچھے لگانے کا منصوبہ کب بنایا تھا؟“ ولیم کا لہجہ سرد تھا۔ ”انٹراسٹیٹ والے معاملے میں ناکامی کے بعد۔“

”احقانہ باتیں مت کرو۔ تمہاری طرح میں بھی اس شادی کے حق میں نہیں ہوں۔ مجھے تمہارے بیٹے میں کوئی دلچسپی نہیں اور اس پکڑ کے متعلق مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے۔ میں تم سے جتنی نفرت کرتا ہوں اس سے زیادہ اپنی بیٹی سے محبت کرتا ہوں۔ میں اسے کھونا نہیں چاہتا۔ میرا خیال ہے، اس معاملے میں ہمیں ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہیے۔“

”نہیں مسٹر رونسکی..... میں تم سے ایک بار یہ درخواست کر چکا ہوں۔ تم نے مجھے بتایا تھا کہ ہماری ملاقات کہاں ہو سکتی ہے۔“ ولیم نے طنز یہ لہجہ میں کہا۔ ”میں انتظار کروں گا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ تم سے وہاں بھی نہیں مل سکوں گا۔ کیونکہ میں جہنمی نہیں ہوں۔“

”جو ہو چکا اس پر خاک ڈالو کین۔ اگر تمہیں معلوم ہے کہ وہ کہاں ہیں تو ہم شادی نہ کر سکتے ہیں۔ تم بھی تو شادی نہ کرنا چاہتے ہو نا؟ یا تم میری مدد کرنے کی بجائے، مجھ کو کڑھتا دیکھنے کے لیے ان دونوں کی شادی کا تماشا.....“

رابطہ منقطع ہو گیا۔ اسیل نے ریسپور کرڈیل پر ڈالا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ کرب کی شدت سے اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ وہ خود کو خلا میں ڈالتا محسوس کر رہا تھا۔ جارج اسے ہمارا زورے کر اپارٹمنٹ سے باہر لے آیا۔ اس رات..... اور اگلے دن اسیل نے فلورینا کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کر ڈالی۔ اس نے زافیا کو بھی فون کیا۔ زافیا نے اعتراف کیا کہ فلورینا اسے رچرڈ کے بارے میں بتا چکی ہے۔ ”مجھے تو لڑکا معقول معلوم ہوتا ہے۔“ زافیا نے کہا۔

”تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت وہ کہاں ہیں؟“

”معلوم ہے“

”مجھے بتاؤ۔“

”خود معلوم کر لو۔“ زافیا نے کہا اور رابطہ منقطع کر دیا۔

ایسل نے اس سلسلے میں اخبارات میں اشتہارات سے بھی مدد لیتا چاہتا تھا لیکن پھر اسے خیال آیا کہ فلوریٹا 21 سال کی ہو چکی ہے۔ بہر حال کسی بھی چیز کے جواب میں اسے فلوریٹا کو کوئی پیغام نہیں ملا۔ بالآخر اس نے تسلیم کر لیا کہ فلوریٹا رچرڈ سے شادی کر چکی ہوگی۔ وہ اس کا آخری خط اب تک سینکڑوں بار پڑھ چکا تھا..... اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ لڑکے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ البتہ لڑکے کے باپ کا معاملہ مختلف تھا۔ ایسل کو یاد تھا کہ اس نے ولیم سے کس قدر عاجزانہ اعزاز میں بات کی تھی..... لیکن اس مردود نے تو سننے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ اس نے سوچ لیا کہ اس بار موقع ملے ہی وہ کین کو تباہ کر دے گا۔

پروگرام کے مطابق ایسل کو فلوریٹا کے ساتھ یورپ کا دورہ کرنا تھا۔ وہاں فلوریٹا کو ایڈن برگ بیرن اور کینز بیرن کا افتتاح کرنا تھا۔ اب ایسل کو اس بات کی پروا نہیں تھی کہ ان ہونٹوں کا افتتاح کون کرے گا..... بلکہ افتتاح ہوگا بھی یا نہیں۔

”کیا یورپ کے دورہ ملتوی کر دو گے؟“ جارج نے ایسل سے پوچھا۔

”یہ تو ممکن نہیں۔ میں جا کر خود دونوں ہونٹوں کا افتتاح کروں گا۔ لیکن جارج میری عدم موجودگی میں تمہیں فلوریٹا کا پتہ اس طرح چلانا ہوگا کہ یہ بات اس کے علم نہ آئے۔ دیکھو..... اگر اسے معلوم ہو گیا کہ میں اس کا پیچھا کر رہا ہوں تو وہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گی۔ اس سلسلے میں تمہیں زافیا سے مدد مل سکتی ہے لیکن ہوشیار رہنا۔ وہ اس بہانے مجھ سے انتقام لینے کے چکر میں ہے۔“

”اور بینک کے شیئرز کے بارے میں ہنری کو کوئی قدم اٹھانا ہوگا؟“

”نہیں، فی الحال کچھ نہیں کرنا ہے۔ کین پر فیصلہ کن حملے کا وقت ابھی نہیں آیا ہے۔ اس کی فکر نہ کرو۔ تم تو صرف فلوریٹا کو تلاش کرو۔“

جارج نے وعدہ کر لیا کہ..... ایسل کی واپسی تک وہ فلوریٹا کو بہر صورت تلاش کرے گا۔

تین ہفتے بعد ایسل نے ایڈن برگ بیرن کا افتتاح کیا۔ ہوٹل بہت خوبصورت تھا۔ ”انٹیرز کے شمال میں ایک پہاڑی پر تعمیر کیا گیا تھا۔ پریس نے ہوٹل کے افتتاح کو مناسب کوریج کی تھی۔ یہ خبر بھی شائع ہوئی کہ شکاگو بیرن کی بیٹی فلوریٹا روئسکی کو ہوٹل کا افتتاح کرنا تھا۔ سنڈے

ایسل نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ باپ، بیٹی کے درمیان اختلافات رومنا ہوئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ایسل روئسکی بچھا بچھا نظر آ رہا ہے۔ ایسل نے اس کی تردید کر دی۔ اس نے کہا، پچاس سال کی معروف زندگی کے بعد آدمی گفتگو نظر نہیں آ سکتا۔

اس کے بعد ایسل نے کینز کا رخ کیا۔ یہ ہوٹل بھی بہت خوبصورت تھا۔ لیکن ایسل قدم قدم پر فلوریٹا کی کمی محسوس کر رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ یہ سوچ کر خوفزدہ ہو جاتا کہ اب وہ شاید کبھی اپنی بیٹی کی صورت نہیں دیکھ سکے گا۔ احساس تنہائی سے چمٹکارہ پانے کے لیے اس نے کیا کچھ نہ کیا۔ لیکن نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا۔ یہ احساس اور جان لیوا تھا کہ اس کی زندگی کی محبوب ترین ہستی پر ولیم کین کا بیٹا قابض ہو گیا ہے۔ اس بار فرانس میں اس کا دل نہیں لگا۔ وہاں کے کام نمٹا کر ایسل، یون پہنچا، جہاں اس نے بیرن ہوٹل کے لیے زمین خریدنے کے سلسلے میں مذاکرات کیے۔ اس دوران فون کے ذریعے اس کا جارج سے رابطہ رہا۔ فلوریٹا کا اب تک سراغ نہیں مل سکا تھا۔ جارج نے اسے ہنری کے متعلق تشویش ہاک اطلاع فراہم کی۔ ”وہ پھر مقروض ہو گیا ہے، جوئے کے سلسلے میں۔“

”میں نے اسے بتا دیا تھا کہ میں اس کی اس روش سے بیزار ہو چکا ہوں۔“ ایسل نے کہا۔ ”ویسے بھی وہ الیکشن ہارنے کے بعد میرے لیے بے مصرف ہو گیا ہے۔ بہر حال، اس سلسلے میں میں واپس آ کر خود نمٹوں گا۔“

”وہ دھمکیاں دے رہا ہے۔“ جارج نے بتایا۔

”یہ بھی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مجھے اس کی کبھی پروا نہیں رہی۔ اس سے کہہ دو کہ وہ میری واپسی کا انتظار کرے۔“

”تم کب واپس آ رہے ہو؟“

”تین چار ہفتے لگیں گے۔ مجھے ترکی اور مصر میں زمین کے سلسلے میں بات کرنا ہے۔ اور ہاں جارج..... مشرق وسطیٰ پہنچ کر میں تم سے رابطہ نہیں رکھ سکوں گا۔“

استنبول میں ایسل کو بیرن ہوٹل کی تعمیر کے لیے جلد ہی مناسب جگہ مل گئی..... آبنائے باغورس کے سامنے..... ترکی میں برطانوی سفارت خانے سے محض سو گز دور۔ ایسل وہاں کھڑا اپنی گزشتہ آمد کو یاد کرتا رہا۔ اس کے کانوں میں لوگوں کی چٹیں گونج رہی تھیں جو جلا دے اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کر رہے تھے۔ اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود ایسل سہم گیا۔ وہ بائیں ہاتھ سے اپنی داہنی کلائی تھا کر کھڑا تھا۔ وہ اس وقت خود کو تیس برس پہلے کا لاڈلیک کوٹھی محسوس کر رہا تھا۔

چار ہفتے بعد ایسل نیو یارک پہنچا۔ سفر کے دوران صرف فلوریٹا کا خیال اس کے ہمراہ تھا۔ جارج ہمیشہ کی طرح کسٹم گیٹ کے باہر اس کا منتظر تھا۔

اس سے میں صبح نمٹ لوں گا۔“

اس کے بعد تمام راستے جارج، ایبل کو بیرن گروپ کی سرگرمیوں سے آگاہ کرتا رہا۔

اگلی صبح ایبل نے ہنری سے ملاقات کی۔ ہنری بے حد تھکا تھا اور بوڑھا سا نظر آ رہا تھا۔ چہرے پر جھریاں پڑ گئی تھیں۔ اس نے ایبل سے دستاویزی ثبوت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ ”مجھے کچھ رقم کی ضرورت ہے۔“ اس نے ایبل سے کہا۔ ”بس ذرا قسمت آڑے آگئی تھی۔“

”ہنری تم کب سدھرو گے! تم جانتے ہو کہ تم کبھی نہیں جیت سکتے۔ جو تمہیں اس نہیں ہے۔ بہر حال، کتنی رقم چاہیے تمہیں؟“

”دس ہزار ڈالر سے کام چل جائے گا۔“

”دس ہزار ڈالر! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں سونے کی کان ہوں۔ پچھلی بار تم نے پانچ ہزار ڈالر لیے تھے۔“

”افراط زر کی وجہ سے میرا مطالبہ بڑھ گیا ہے۔“

”مادر رکھنا..... یہ آخری موقع ہے۔“ ایبل نے چیک بک نکالتے ہوئے کہا۔ ”آئندہ تم

مجھ سے بھیک مانگنے آئے تو میں تم سے بیرن گروپ کی ڈائریکٹر شپ بھی چھین لوں گا۔“

”ایبل..... تم بہت اچھے دوست ہو۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ آئندہ تمہیں پریشان نہیں کروں گا..... شکریہ ایبل۔“

ہنری کے جاتے ہی جارج آگیا۔ ”ہنری کے ساتھ کیا رہا؟“ اس نے پوچھا۔

”میں نے اسے آخری موقع دیا ہے..... بنانے کیوں؟“ حالانکہ اس میں مجھے دس ہزار

ڈالر کا خسارہ ہوا ہے۔“

”میں شرط لگا سکتا ہوں کہ وہ اس کے بعد بھی آئے گا۔“ جارج نے کہا۔

”نہ آتا اس کے حق میں بہتر ہوگا کیونکہ میں اس سے عاجز آچکا ہوں۔“ ایبل نے کہا۔

اور فلوریٹا کی کوئی خبر؟“

”وہ ٹھیک ہے۔ زافیا ہر مہینے اس کی طرف جاتی ہے۔“

”بہت ذلیل عورت ہے۔“

”مسز کین بھی کئی بار ان سے ملنے جا چکی ہیں؟“

”اور کین؟“

”وہ ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہیں ہے۔“

”ہاں..... یہ ہم دونوں میں ایک قدر مشترک ہے۔“

”کیا خبریں ہیں؟“ ایبل نے کیڈ لاک کی عقبی نشست پر بیٹھے ہوئے پوچھا۔

”کچھ اچھی ہیں اور کچھ ناگوار۔“ جارج نے جواب دیا۔ ”فلوریٹا نے اپنی ماں سے رابطہ رکھا ہے۔ وہ سان فرانسسکو میں ایک چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں رہ رہی ہے۔“

”شادی.....؟“

”جارج نے اثبات میں سر ہلادیا۔ چند لمحے ماحول پر اذیت ناک خاموشی مسلط رہی۔ پھر ایبل نے پوچھا۔ ”کیوں کا بیٹا کیا کر رہا ہے؟“

”اسے ایک بینک میں ملازمت مل گئی ہے۔ اسے بہت جگہ ٹھکرایا گیا۔ لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس نے ہارڈ برنس اسکول سے تعلیم مکمل نہیں کی ہے..... اور اس کا باپ بھی اس کی پشت پر نہیں ہے۔ اس کے باپ کی ناراضی کا خطرہ کوئی بھی شخص مول لینا نہیں چاہتا۔ بہر حال، بہت دھکے کھانے کے بعد اسے بینک آف امریکہ میں ملازمت مل گئی۔ اب وہ کلرک ہے حالانکہ قابلیت کے لحاظ سے اُسے.....“

”اور فلوریٹا کا کیا حال ہے؟“ ایبل نے جارج کی بات کاٹ دی۔

”وہ کلبس نامی فیشن شاپ میں اسسٹنٹ منیجر کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ وہ کسی بینک سے قرضہ لینے کی کوشش بھی کر رہی ہے۔“

”کیوں..... کیا وہ مالی پریشانی سے دوچار ہے؟“ ایبل کے لہجے میں تشویش تھی۔

”نہیں..... وہ اپنی فیشن شاپ کھولنا چاہتی ہے۔“

”اسے کتنی رقم درکار ہے؟“

”صرف 34 ہزار ڈالر۔“

”ایبل کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ ”جارج..... اُسے یہ رقم مل جانی چاہیے۔ لیکن اس

طرح کہ وہ بینک کا قرضہ ہو اور اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہ ہو۔“

”اور اس کے بارے میں مجھے چھوٹی سے چھوٹی بات سے بھی باخبر رکھنا۔“

”اور لڑکا.....؟“

”اس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ ایبل نے منہ بگاڑ کر کہا۔ ”اور ہاں..... تم کہہ

رہے تھے کہ کوئی بری خبر بھی ہے۔“

”ہنری وہاں بن گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ ہر شخص کا مقروض ہے۔ میرا خیال ہے، اب

تم ہی اس کا واحد ذریعہ آمدنی ہو۔ وہ طرح طرح کی دھمکیاں دیتا ہے کہتا ہے اس کے پاس دستاویزی

ثبوت ہیں کہ تم اس کے ذریعے مختلف لوگوں کو رشوت دیتے رہے ہو۔“

فاس نامی نوجوان بہت قابل تھا۔ ولیم کو احساس تھا کہ اگر رچرڈ اپنی ضد سے باز نہ آیا تو جیک ہی اس کی جگہ بینک کا چیئرمین ہوگا۔ بینک کا منافع سال بہ سال بڑھ رہا تھا لیکن اب ولیم دولت کمانے سے استہانے لگا تھا۔ شاید چارلس لیسٹر کی طرح اسے بھی اپنی جانشینی کا مسئلہ پریشان کر رہا تھا۔ رچرڈ اس کی زندگی سے نکل چکا تھا۔ ولیم نے وصیت تبدیل کر دی اور ٹرسٹ توڑ دیا۔

شادی کی 25 ویں سالگرہ کے موقع پر ولیم نے اپنی بیوی اور بچیوں کو تعطیلات گزارنے کے لیے یورپ لے جانے کا فیصلہ کیا کہ شاید اس طرح یہ لوگ رچرڈ کو بھلا سکیں۔ لندن میں انہوں نے رنٹر میں قیام کیا۔ ولیم کو وہ خوش گوار دن یاد آئے، جب وہ کیٹ کے ساتھ پہلی بار یہاں آیا تھا۔ وہ آکسفرڈ گئے۔ دونوں بچیاں بہت خوش نظر آ رہی تھیں۔ واپسی کے سفر میں وہ اس چرچ میں بھی گئے جہاں ولیم اور کیٹ کی شادی ہوئی تھی۔ وہ بتلے ان میں بھی قیام کرنا چاہتے تھے لیکن پہلے کی طرح اس بار بھی وہاں ایک ہی کمرہ خالی تھا۔

انگلینڈ میں ایک ہفتے قیام کے بعد انہوں نے اٹلی کا رخ کیا۔ روم میں بچیوں کو رچرڈ بہت یاد آیا۔ ایک رات درجینیا بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کیٹ اُسے تھکتی رہی۔

”ڈیڈی کو کوئی یہ بات نہیں بتا سکتا کہ زندگی میں بعض چیزیں اتنا سے بھی بڑی ہوتی ہیں۔“ درجینیا نے روتے ہوئے شکوہ کیا۔

کیٹ کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

وہ لوگ واپس نئی یارک پہنچے تو ولیم تروتازہ..... اور بینک میں اپنا کام سنبھالنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

کئی مہینے گزر گئے۔ حالات معمول پر آنے لگے تھے کہ ایک دن درجینیا نے شادی کا اعلان کر دیا۔ اس خبر نے ولیم کو ہلا ڈالا۔ ”ابھی تو وہ بچی ہے۔“ ولیم نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

”اس کی عمر بائیس سال ہے ولیم۔“ کیٹ نے کہا۔ ”تمہیں دادا بننا کیسے لگے گا؟“ اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ اب وہ پچھتانے کے سوا کیا کر سکتی تھی۔

”کیا مطلب ہے، تمہارا؟“

”رچرڈ کے ہاں بچہ ہوا ہے۔“ کیٹ نے آہستہ سے کہا۔

”رچرڈ نے خط لکھا تھا۔“ کیٹ نے جواب دیا۔

”ولیم..... وقت آگیا ہے کہ تم اسے معاف کر دو۔“

”وہ وقت کبھی نہیں آئے گا۔“ ولیم نے کہا اور پاؤں پٹختا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ کیٹ آہ بھر کر رہ گئی۔ ولیم نے تو یہ تک نہیں پوچھا تھا کہ نومولود لڑکا ہے یا لڑکی۔

اسٹیل نے کہا۔

”میں نے ایک بینک کے ذریعے فلوریٹا کو قرضہ دلوانے کی بات کر لی ہے۔ وہ معمول سے آدھا فیصد زیادہ سود طلب کریں گے۔ یوں فلوریٹا کو شک بھی نہیں ہوگا کہ گارنٹی ہم نے دی ہے۔“

”شکریہ جارج..... میں دس ڈالر کی شرط لگا سکتا ہوں کہ فلوریٹا دو سال کے اندر اندر نہ صرف قرض ادا کر دے گی بلکہ اسے آئندہ کبھی قرض کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔“

”میں تو یہ شرط صرف 5:1 کے بھاؤ پر لگا سکتا ہوں تم ہنری سے رجوع کرو۔ وہ اس معاملے میں پیدا آئی احمق ہے۔“ جارج نے ہنستے ہوئے کہا۔

اسٹیل بھی ہنسنے لگا۔ ”خیر..... تم مجھے اس بارے میں باخبر رکھنا۔“



ولیم کو اب صرف ایک ہی فکر تھی۔ اسٹیل کی غیر معمولی خاموشی اسے معنی خیز لگ رہی تھی۔ اس کے پاس لیسٹرز کے چھ فیصد حصص موجود تھے اور صرف دو فیصد مزید درکار تھے۔ یہ بات کچھ میں نہ آنے والی نہیں تھی کہ وہ اب بھی انٹر اسٹیٹ والے معاملے میں خوفزدہ ہے۔ کلاڈ کوہن کو ماہانہ رپورٹ سے معلوم ہوا کہ ہنری پھر جوئے کی لت کی بدولت پریشان ہے اور ہر بار اسٹیل ہی اس کی مدد کرتا ہے۔ ولیم اس سلسلے میں بھی سوچتا رہا کہ کیا اسٹیل کی کوئی ڈھکی رگ ہنری کے ہاتھ میں ہے۔ دوسری طرف رپورٹ سے اُسے یہ علم بھی ہوا کہ اسٹیل یورپ کے مزید آٹھ شہروں میں اپنے ہوٹل تعمیر کروا رہا ہے۔ اس کی قوت مسلسل بڑھ رہی تھی۔ پروگرام کے مطابق فلوریٹا روئسکی، ایڈن برگ بیرن کا افتتاح نہیں کر سکتی تھی۔

ولیم کو اپنے بیٹے کا خیال آگیا۔ اس نے رپورٹ دراز میں مقفل کر دی۔ اب وہ رچرڈ کے ساتھ اپنے سخت رویے پر پچھتا رہا تھا۔ اس سلسلے میں اس کی کیٹ سے بھی خاصی تنگی ہوئی تھی۔ ان کی ازدواجی زندگی میں یہ ایک نئی بات تھی۔ کیٹ نے اسے نرمی سے سمجھایا..... آنسو بہائے لیکن اسے قائل نہ کر سکی۔ درجینیا اور لوسی بھی بھائی کی کمی شدت سے محسوس کرتی تھیں۔

لوسی ہاتھ روم میں بند ہو کر ٹل کھول دیتی اور بھائی کو چپ چپ کر خط لکھتی۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ ولیم کے سامنے رچرڈ کا تذکرہ کرتا۔ گھر کی فضا آداس اور سوگوار ہو گئی تھی۔

ولیم نے بینک میں اپنی مصروفیات بڑھالی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ یوں وہ اپنے بیٹے کی اذیت ناک یاد بھلا سکے گا۔ لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی۔ دوسری طرف بینک کا کام بھی بڑھ گیا تھا۔ اب نائب صدر کی تعداد چھ تھی۔ ولیم نے سوچا اس طرح کام کا دباؤ کم ہو جائے گا۔ لیکن منجانبہ نکلا۔ مسائل اور..... ان فیصلوں کی تعداد بڑھ گئی جو ولیم کو کرنا پڑتے۔ نئے نائب صدر میں جیک

”مسٹر ونسکی..... ہمارا امیدوار بخوشی آپ کی مدد کرے گا۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ اس وقت پولس برادری کا اہم ستون ہیں۔ سینیٹر کینیڈی اس بات کو سراہتے ہیں کہ آپ نے اپنے ہم وطنوں کے لیے کتنی قربانیاں دی ہیں جو اب بھی اپنی پردوں کے پیچھے، رؤسیوں کی قید میں ہیں۔ وہ جنگ کے دوران آپ کی میٹس، بہا خدمات کے بھی معترف ہیں۔ میں آپ کو بتا دوں کہ ہمارے صدارتی امیدوار نے انتخابی مہم کے دوران لاس اینجلس میں آپ کے نئے ہوٹل کا افتتاح کرنا قبول کر لیا ہے۔“

”یہ اچھی خبر ہے۔“ اسیل نے مختصر کہا۔

”امیدوار آپ کی اس خواہش سے آگاہ ہے کہ بیرون ملک تجارت میں پولینڈ کو سب سے زیادہ اہمیت دی جانی چاہیے۔“

”یہ گزشتہ جنگ کے دوران ان کی خدمات کے پیش نظر میرے ہم وطنوں کا حق ہے۔“

اسیل نے کہا۔ ”اور وہ دوسری بات؟“

”سینیٹر کینیڈی اس وقت رائے عامہ ہموار کر رہے ہیں۔ تاہم منتخب ہوئے بغیر وہ حتمی فیصلہ تو نہیں کر سکتے۔“

”بالکل درست..... ڈھائی لاکھ ڈالر کا عطیہ انہیں فیصلے پر پہنچنے میں کچھ مدد دے سکتا ہے؟“

”ونسلن خاموش رہا۔“

”اس کا مطلب ہے کہ میری تجویز آپ کو قبول ہے۔ ٹھیک ہے۔ اس ہفتے کے اختتام تک ڈھائی لاکھ ڈالر آپ کی انتخابی مہم کے فنڈ میں جمع ہو جائیں گے۔ یہ میرا وعدہ ہے۔“ اسیل نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”سینیٹر کینیڈی سے کہیے گا کہ مجھے امید ہے، امریکہ کے آئندہ صدر وہی ہیں۔“

”میں ضرور کہوں گا۔ مسٹر اسیل..... میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے ہماری پارٹی کے ساتھ تعاون کا سلسلہ جاری رکھا۔“ ونسلن نے اسیل کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

”مجھ سے رابطہ رکھیے گا مسٹر ونسلن۔“ اسیل نے کہا اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ ”میں اتنی بڑی رقم کی سرمایہ کاری اس وقت تک نہیں کرتا، جب تک معقول منافع کی امید نہ ہو۔“

”میں جانتا ہوں مسٹر ونسکی۔“

اس کے جانے کے بعد اسیل نے سکریٹری کو طلب کر کے جارج کو نکالنے کی ہدایت کی۔

چند لمحے بعد جارج دفتر میں داخل ہوا۔

”میرا خیال ہے جارج، میں نے کام دیکھا دیا ہے۔“ اسیل نے کہا۔

”مبارک ہو اسیل۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی..... اگر کینیڈی کامیاب ہو گیا تو تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری ہو جائے گی۔ فلوریٹا بھی تم پر فخر کرے گی۔“

اگلے سال مارچ کے اواخر میں، ٹریٹنی چرچ بوٹن میں ورچینیا کی شادی ہوگئی۔ ولیم کو ڈیوڈ بہت پسند آیا۔ وہ بیٹے کے لحاظ سے وکیل تھا۔ ورچینیا، رچرڈ کو مدعو کرنا چاہتی تھی لیکن کیٹ کی التجائیں بھی ولیم کو قائل نہ کر سکیں وہ رچرڈ کو بلانا چاہتا تھا لیکن جانتا تھا کہ رچرڈ، اسیل کی بیٹی کے بغیر شادی میں شریک نہیں ہوگا۔ تاہم رچرڈ نے اس موقع پر اپنی بہن کو مبارک باد کا تار اور ایک تحفہ بھیجا۔ ولیم نے استقبال کے دوران اس تار کو مہمانوں کو پڑھ کر سنانے تک کی اجازت نہ دی۔

اسیل اپنے نیا یارک بیرن والے دفتر میں تنہا بیٹھا تھا۔ وہ ایسے شخص کا منتظر تھا جو کینیڈی کی انتخابی مہم کے فنڈ اکٹھا کرنے پر مامور تھا۔ چند لمحے بعد اسکی سیکرٹری اندر داخل ہوئی۔ ”مسٹر ونسلن۔ آپ سے ملنا چاہتے ہیں سر۔“ وہ بولی۔

اسیل نے اٹھ کر ونسلن کا استقبال کیا۔ ”کیا حال ہے؟“ اس نے ہاتھ ملانے کے بعد پوچھا۔

”مجھے افسوس ہے مسٹر ونسکی کو مجھے کچھ تاخیر ہوگئی۔“ ونسلن نے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔ ہاں..... یہ فرمائیے۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“

”مسٹر ونسکی..... میری پارٹی کو اس بار بھی توقع ہے کہ آپ اس کی پشت پناہی کریں گے۔“

”آپ جانتے ہیں کہ میں شروع ہی سے ڈیموکریٹ رہا ہوں۔“ اسیل نے کہا۔ ”میں نے روز ویٹ، ٹرومین اور ایڈلائی کے ساتھ تعاون کیا حالانکہ ایڈلائی کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔“

وہ دونوں ہنس دیے۔ دونوں کی ہنسی محض سطحی تاثر کی حامل تھی۔

”اس سے انکار نہیں مسٹر ونسکی کہ آپ نے ہمیشہ پارٹی کے ساتھ تعاون کیا ہے۔“ ونسلن نے کہا۔ ”ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کے جواب میں کانگریس مین ہنری بورن نے کس کس طرح آپ کی مدد کی ہے۔ میرا خیال ہے ان ناخوشگوار تفسیلات میں جانا غیر ضروری ہے۔“

”یہ سب ماضی کی باتیں ہیں۔ میں انہیں بہت پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔“

”میں آپ سے متفق ہوں۔ لیکن آپ جانتے ہیں، الیکشن اتنے نزدیک ہوں تو کوئی

امیدوار خطرہ مول نہیں لیتا۔ لیکن کو تو یوں بھی اس وقت کسی اسکینڈل کی تلاش ہے۔“ ونسلن سنجیدگی سے بولا۔

”میں سمجھتا ہوں۔ بہر حال، یہ بتائیے کہ آپ مجھ سے کیا توقع رکھتے ہیں؟“ اسیل نے پوچھا۔

”مجھے تو ہر ممکن امداد کی ضرورت ہے۔ لیکن کی حمایت بہت زور و شور سے کی جارہی ہے۔“

مقابلہ سخت ہوگا۔ میرے امیدوار کا وائٹ ہاؤس میں پہنچنا آسان کام نہیں ہے۔“

”میں کینیڈی کی مدد کروں گا بشرطیکہ وہ میری مدد کریں، سیدھی سی بات ہے۔“

طرف دو قدم بڑھاؤں گا۔ یہ تو ممکن نہیں کہ میں گھنٹوں کے بل چلتا ہوا اُس تک جاؤں اور وہ مجھے ٹھٹھتا ہوا دیکھتا رہے۔ اس کی زندگی میں تو یہ ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنے ہوائی گھوڑے سے نہیں اتر سکتا۔“

”اور ایمل..... اگر ایسا ہونے سے پہلے تم خود مر گئے تو کیا ہوگا؟“

”اس صورت میں، میں ہار جاؤں گا اور میرا سب کچھ فلورینا کو ملے گا۔“

”تم تو کہہ رہے تھے کہ تم فلورینا کو کچھ نہیں دو گے۔ تم اپنی وصیت اپنے نواسے کے حق میں تبدیل کرنے والے تھے۔“

”یہ ممکن نہیں جارج۔ وصیت نامہ مکمل ہے لیکن اس پر دستخط کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ اس اُلُو کے ٹھٹھے نواسے کا کیا ہے..... اُسے تو آخر میں دونوں کی دولت ملے گی۔ میری بھی اور میرے دشمن کی بھی۔“ ایمل نے اپنا پرس نکالا فلورینا کی کئی پرانی تصویریں ہٹانے کے بعد اپنے نواسے کی تازہ تصویر نکال کر جارج کی طرف بڑھا دی۔ ”دیکھو..... خوبصورت ہے نا؟“

”بہت خوبصورت بچہ ہے۔“

”ہاں..... اپنی ماں پر گیا ہے۔“ ایمل نے جلدی سے کہا۔

”ایمل..... تم ہار کبھی نہیں مانو گے۔“ جارج نے ہنستے ہوئے کہا۔

”وہ لوگ اسے کس نام سے پکارتے ہیں؟“ ایمل نے پوچھا۔

”کیا مطلب تمہارا؟ تمہیں بچے کا نام معلوم ہے کیا؟“

”نہیں..... میں نہیں جانتا کہ وہ اُسے کس نام سے پکارتے ہیں۔“

”مجھے کیا معلوم۔“

”معلوم کرو۔ میرنز دیک یہ بات بہت اہم ہے۔“

”کیسے معلوم کروں؟“ جارج جھلا گیا۔ ”وہ گولڈن گیٹ پارک میں بچے کی گاڑی دھکیل

رہے ہوں تو اُن کا پیچھا کروں؟ تم نے خود ہی تو کہا ہے کہ فلورینا کو علم نہ ہونے پائے کہ تم اب بھی اس میں اور کین کے لڑکے میں دلچسپی لے رہے ہو۔“

”ہاں یاد آیا..... اب تو مجھے لڑکے کے باپ کا قرض چکانا ہے۔“

”لیشرز کے شیرنز کے بارے میں کیا کرتا ہے.....؟“ جارج نے پوچھا۔ ”اب پیٹر

پارٹ اپنے دو فیصد شیرنز بیچنے کے لیے بے چین ہے اس سے اس سلسلے میں ہنری نے گفت و شنید کی ہے..... اور میں ہنری پر اعتبار نہیں کرتا۔ وہ تمہیں دھوکا دے سکتا ہے۔“

”میر۔ یانڈی کے الیکشن جیتنے سے پہلے ولیم کین کے خلاف کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتا۔“

ایمل، فلورینا کا نام سن کر مسکرایا۔ ”معلوم ہے، وہ شری لڑکی کیا کر رہی ہے، تم نے گزشتہ ہفتے کا لاس انجلس ٹائمز دیکھا؟“ اس نے جارج سے پوچھا۔

جارج نے نفی میں سر ہلایا۔ ایمل نے اخبار اس کی طرف بڑھا دیا۔ ایک خبر کے گرد اس نے سرخی روشنائی سے دائرہ بنا دیا تھا۔ خبر تھی..... فلورینا کین کی تیسری فیشن شاپ لاس انجلس میں کھل رہی ہے۔ اس سے پہلے اس کی دو فیشن شاپیں، سان فرانسسکو میں کامیابی حاصل کر چکی ہیں۔ سال کے اختتام سے پہلے سان ڈیگو میں بھی اُن کی ایک فیشن شاپ کا افتتاح متوقع ہے۔ ریاست کیلی فورنیا میں مسز فلورینا کین کی وہی ساکھ بنتی جا رہی ہے، جو فیشن کے شہر پیرس میں بیلنگا کی ہے۔

جارج ہنسنے لگا، پھر اس نے اخبار ایمل کی طرف بڑھا دیا۔

”میں جانتا ہوں، یہ خبر اُس نے خود ہی لکھی ہے۔ اب میرے لیے یہ تو ممکن نہیں کہ میں اس کے نیویارک میں فیشن شاپ کھولنے کا انتظار کروں۔ ویسے میں شرط لگا سکتا ہوں کہ پانچ..... زیادہ سے زیادہ سات سال تک وہ نیویارک تک آپہنچے گی۔ بولو جارج، شرط لگاتے ہو!“

”میں نے پہلی شرط قبول نہیں کی تھی ورنہ اب تک دس ڈالر ہار چکا ہوتا۔“ جارج نے ہنسنے ہوئے کہا۔

ایمل یک دم سنجیدہ ہو گیا۔ ”سینئر کینیڈی لاس انجلس ہیرن کا افتتاح کر رہا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے جارج! فلورینا اس تقریب میں شریک ہونا چاہے گی؟“

”کین کے لڑکے کو بھی مدعو کیا جائے تو یہ ممکن ہے۔ اس کے بغیر وہ ہرگز نہیں آئے گی۔“

”یہ تو ممکن نہیں..... کین کا بیٹا ہے کیا چیز۔ اس نے بینک کی ملازمت چھوڑ دی اور اب فلورینا کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ فلورینا کی کامیابی میں حصہ بنارہا ہے۔ اس سے ملازمت نہیں کی گئی۔“

”ایمل..... تم جانتے ہو کہ یہ بات نہیں ہے۔“ جارج نے احتجاج کیا۔ ”ان دونوں کا اشتراک ہی تو کامیاب ثابت ہو رہا ہے۔ فلورینا دکان چلاتی ہے اور شعبہ مالیات کین کے بیٹے کے ذمے ہے۔ یہ مت بھولو کہ ایک بڑے بینک نے چھوٹے کین کو اپنے یورپ کے بزنس کی سربراہی

پیش کی تھی لیکن فلورینا کی التجاؤں نے چھوٹے کین کو روک لیا۔ فلورینا جانتی ہے کہ اب دکان کا شعبہ مالیات اس کے بس کا نہیں رہا۔ ایمل..... ایک بات تسلیم کرلو، اُن کی شادی کامیاب ثابت ہوئی ہے..... ہر اعتبار سے..... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اپنے ہوائی گھوڑے سے اتر کر اُس لڑکے سے

نہ کیوں نہیں لیتے۔“

”تم میرے عزیز ترین دوست ہو جارج..... اور کوئی میرے سامنے یہ بات اس طرح سے نہیں کہہ سکتا۔ لیکن حقیقت تم بھی جانتے ہو۔ کین دو قدم میری طرف بڑھے تو میں بھی اس کی

ہنری کی فکر نہ کرو اُسے میں نے کین کے معاملے سے علیحدہ کر دیا ہے۔“

”فکر تو کرنا پڑے گی۔ اسیل..... ہنری پھر مقروض ہو گیا ہے۔ شکاگو کے آدمی سے زیادہ جواری اس کی تلاش میں ہیں۔“

”وہ یہاں نہیں آسکتا۔ پچھلی بار میں نے اسے دو ٹوک الفاظ میں بتا دیا تھا کہ اب مجھ سے کوئی امید نہ رکھے اب وہ بھیگ مانتے آیا تو بیرن گروپ کی پوزیشن بھی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔“

”یہ اور زیادہ پریشانی کی بات ہے۔ اگر ضرورت اُسے کین تک لے گئی تو کیا ہوگا۔“

”یہ ممکن نہیں ہے جارج، ہنری دُنیا میں وہ واحد آدمی ہے جس کی کین سے نفرت مجھ سے زیادہ شدید ہے۔ اس کی وجوہات بھی ہیں۔“

”تم یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو؟“

”ولیم کین کی ماں نے ہنری سے دوسری شادی کی تھی۔ ولیم نے جس وقت دے دے کر ہنری کو گھر سے نکالا، اس وقت ولیم کی عمر صرف سولہ سال تھی۔“

”میرے، خدا..... تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟“

”ولیم کین کے بارے میں، میں سب کچھ جانتا ہوں۔“ یہی حال ہنری کا ہے۔ ولیم اور میں ایک جیسے ہیں۔ یہ بھی بتا دوں کہ ولیم بھی میرے متعلق سب کچھ جانتا ہے۔ بہر حال، تم ہنری کی فکر نہ کرو۔ وہ حقیقت کبھی سامنے لانا نہیں چاہے گا کہ اس کا اصل نام وٹوریو ہے..... اور وہ ایک بار سزا بھی کاٹ چکا ہے۔“

”خدا کی پناہ..... کیا ہنری جانتا ہے کہ تم اس کی حقیقت سے باخبر ہو؟“

”نہیں..... یہ بات تو میں برسوں سے چھپائے ہوئے ہوں۔ یہ تو ترپ کا اکا ہے۔ ہنری پر میں نے کبھی اعتبار نہیں کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ میرے لیے کارآمد ثابت ہوا ہے لیکن مجھے مستقبل میں اس سے کوئی خدشہ نہیں..... بیرن گروپ کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے ملنے والی تنخواہ سے محروم ہو کر وہ بالکل تلاش ہو جائے گا۔ خیر چھوڑو..... یہ بتاؤ اس انجیل بیرن کب تک مکمل ہو رہا ہے۔“

”بہت خوب..... یعنی ایکشن سے صرف چھ ہفتے پہلے..... کینیڈی افتتاح کرے گا اور اخبارات اس سلسلے میں شہ سرخیاں جمائیں گے۔“

ولیم، واشنگٹن میں ٹیکرز کانفرنس میں شرکت کر کے واپس آیا تو ایک پیغام اس کا منتظر تھا کہ فوراً کلاڈ کو ہن سے رابطہ قائم کرے۔ کلاڈ سے بات کیے عرصہ ہو چکا تھا۔ کیونکہ اسیل رونسکی سے

نفاق کوئی پریشان کن خبر نہیں ملی تھی۔ تین سال قبل رچرڈ اور فلوریٹا کی شادی کے موقع پر اسیل نے اسے فون کیا تھا۔ اس کے بعد کلاڈ کی رپورٹ میں آج تک اسیل کی کسی مشکوک سرگرمی کا تذکرہ نہیں ہوا تھا۔ گویا ولیم کے لیے راوی، اسیل کی طرف سے چین ہی چین لکھتا تھا۔

ولیم نے فوراً کلاڈ کو فون کیا۔ وہ اس پیغام کی وجہ سے کچھ پریشانی محسوس کر رہا تھا۔ کلاڈ نے کہا، بات کچھ ایسی ہے کہ وہ فون پر نہیں بتا سکتا۔ ولیم نے اُسے اپنے دفتر آنے کی دعوت دی۔ کوئی پالیس منٹ بعد کلاڈ آگیا۔ ولیم خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔

”تمہارے والد اس طریق کار کو کبھی نہ سراہتے۔“ اس کے خاموش ہوتے ہی ولیم نے کہا۔

”آپ کے والد بھی نہ سراہتے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کا واسطہ اسیل رونسکی جیسے شخص سے نہیں پڑا تھا۔ کلاڈ بولا۔“

”تمہیں یہ یقین کیوں ہے کہ تمہارا منصوبہ کامیاب ثابت ہوگا۔“

”برنارڈ شرمن کیس کی مثال سامنے رکھو۔“ کلاڈ نے کہا۔ ”صرف 1642 ڈالر کا معاملہ تھا۔ لیکن شرمن صدارتی اسٹنٹ تھا۔ چنانچہ صدر کے لیے مشکل کھڑی ہو گئی۔ یہاں ہم جانتے ہیں کہ مسٹر رونسکی کے عزائم کتنے بلند ہیں۔ اس کو گرانا بہت آسان ثابت ہوگا۔“

”بہت خوب..... اور اس فتح کی مجھے کتنی قیمت ادا کرنا ہوگی؟“

”زیادہ سے زیادہ پچیس 25 ہزار ڈالر۔ ویسے میں کوشش کروں گا کہ اس سے کم میں کام لیا جائے۔“

”ٹھیک ہے، لیکن رونسکی کو معلوم نہ ہو کہ اس معاملے میں میرا ہاتھ ہے۔“

”میں اس سلسلے میں ایک ایسے شخص کو استعمال کروں گا جو تمہارا نام بھی نہیں جانتا۔“

”اچھا..... اس کے بعد ہم کیا کریں گے؟“

”ہم یہ تمام تفصیلات سبکا کر کے سینئر کینیڈی کے دفتر بھیج دیں گے۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس کے بعد اسیل رونسکی کوئی منصوبہ بنانے کے قابل نہیں رہے گا۔ اس کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ اس کے ہاں آٹھ فیصد شیئرز ہوئے، جب بھی وہ لیسٹرز کے قوانین و ضوابط کی ساتویں شق سے استفادہ نہیں کر سکے گا۔“

”نہیں اس کے لیے کینیڈی کا انیشن جیتنا ضروری ہے۔ تین کی پوزیشن بہتر ہے۔ میں خود اس کے حق میں ہوں، میرا خیال ہے، امریکی قوم کسی رومن کی تھوک کو وائٹ ہاؤس تک نہیں پہنچنے دے گی۔ بہر حال..... اسیل رونسکی سے صرف پچیس ہزار میں ہمیشہ کے لیے جان چھڑانا بہت سستا

سودا ہے۔ میں چاہتا ہوں، وہ میرا اور بینک کا پیچھا چھوڑ دے۔“

”اگر کینیڈی صدر منتخب ہو گیا تو.....؟“

”ولیم نے دراز کا ل کر اپنی چیک بک نکال لی۔“

لاس انجلس بیرن کے سلسلے میں اسبل کی توقع پوری نہ ہو سکی۔ صدارتی امیدوار جان کینیڈی نے ہوٹل کا افتتاح کیا، اس ایک دن میں اس نے درجنوں تقریبات میں شرکت کی تھی۔ اس کے علاوہ ٹی وی پر اس کا اپنے حریف رچرڈ نکسن سے مناظرہ بھی ہوا۔ یوں بیرن ہوٹل کے افتتاح کی خبر نمایاں جگہ نہ پا سکی۔ تاہم اس سلسلے میں پریس کی کوریج نامناسب بھی نہیں تھی۔ ہوٹل سے کچھ فاصلے پر فلوریڈا کی فیشن شاپ تھی لیکن باپ بیٹی کی ملاقات نہیں ہوئی۔

الی انڈس کے نتائج سامنے آئے اور جان ایف کینیڈی امریکہ کے 35 ویں صدر قرار پائے۔ اس رات اسبل ڈیموکریٹک پارٹی کے ہیڈ کوارٹر کی پارٹی میں شریک ہوا اور اس نے میز ڈیلے کا جام صحت نوش کیا۔ وہ پارٹی سے واپس آیا تو صبح کے پانچ بجے تھے۔

”مجھے جشن منانا ہے۔“ اس نے جارج سے کہا۔ ”کیونکہ میں.....“ وہ جملہ پورا کیے بغیر

ہی سو گیا۔

جارج اپنے دوست کو دیکھ کر مسکرا دیا۔ پھر اس نے اسبل کو ٹھیک طرح سے بستر پر لٹا دیا۔

ولیم نے کینیڈی کی کامیابی کی خبر سنتے ہی کلاڈ کو فون کیا۔ ”25 ہزار ڈالر کی سرمایہ کاری عقل مندانہ ثابت ہوئی ہے۔“ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”بس کلاڈ! اب ہمیں مسٹر ونسکی کو کوئی موقع نہیں دینا چاہیے۔ لیکن سنو..... اس کے دورہ ترکی سے پہلے کچھ نہ کرنا۔“ یہ کہہ کر اس نے فون رکھ دیا۔ اسے رچرڈ نکسن کی ناکامی کا بہر حال ڈکھ ہوا تھا۔

اسبل کو واشنگٹن میں صدارتی بال پارٹی کی طرف سے دعوت نامہ ملا۔ دنیا میں ایک ایسی ہستی تھی، جسے وہ اپنی خوشی میں شریک کرنا چاہتا تھا..... بلکہ اُسے شریک کیے بغیر اس کی خوشی مکمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے اس سلسلے میں جارج سے گفتگو کی۔ اسے تسلیم کرنا پڑا کہ اس کے اور کین کے اختلافات دور ہوئے بغیر فلوریڈا اس کا ساتھ کسی نہیں دے گی۔ تو یا اسے پارٹی میں جانا پڑا۔

پارا میں شرکت کے لیے اسبل کو اپنے دورہ یورپ اور مشرق وسطیٰ کے دورے کو چند روز آگے بڑھانا پڑا۔ وہ یہ تقریب مس نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ استنبول بیرن کی افتتاحی تقریب کو ملتوی کیا جا سکتا تھا۔ وہ تقریب میں شریک ہوا۔ نوجوان صدر کی پر امید اور جوشیلی تقریر نے اُسے بے حد متاثر

کیا۔ ”یہ مت سوچیں کہ آپ کا وطن آپ کے لیے یہ کیا کر سکتا ہے..... یہ سوچیں کہ آپ اپنے وطن کے لیے یہ کیا کر سکتے ہیں۔“ صدر کینیڈی نے زور دے کر کہا تھا۔

اسبل، واشنگٹن بیرن میں واپس آیا تو احساس فح سے سرشار تھا۔ اس نے ڈنر پارٹی کے لیے لباس تبدیل کیا۔ پارٹی کے لیے اس نے خاص طور پر سوٹ سلوا یا تھا۔ اس نے آئینے میں اپنا بازو لیا۔ اس کا جسم پھیل گیا تھا۔ فلوریڈا تھی تو وہ اس سلسلے میں ہر وقت اسے ٹوٹی رہتی تھی..... اور وہ اس کی خاطر کھانے پینے میں احتیاط برتتا تھا۔ لیکن اب..... پھر اس نے جھنجھلا کر سوچا کہ اُسے ہر بات میں فلوریڈا کیوں یاد آ جاتی ہے۔ وہ اپنے سینے پر میڈل سجانے میں مصروف ہو گیا۔

اس روز واشنگٹن میں، صدر کے اعزاز میں سات پارٹیاں دی جا رہی تھیں۔ اسبل، ڈی سی

آرمی کی طرف سے دی جانے والی پارٹی میں مدعو تھا۔ جس میز پر اُسے بیٹھا تھا، وہ نیو یارک اور فلوریڈا کے آگے ہوئے پولش ڈیموکریٹس کے لیے مخصوص تھی۔ پولش قومیت والوں کے لیے یہ ڈنر جشن تھا۔ ان کا ایک آدمی سینٹر اور دس کانگریس مین منتخب ہو چکے تھے۔ اسبل کا وقت دو پرانے دوستوں کے ساتھ اچھا گزرا۔ لیکن انہوں نے اسبل سے فلوریڈا کے بارے میں استفسار کر کے اُس کی طبیعت مکدر کر دی۔

پھر جان کینیڈی اپنی خوبصورت بیوی جیکولین کے ساتھ تقریب میں شرکت کے لیے آیا۔ وہ کوئی چندہ منٹ ٹھہرے اور اس دوران منتخب لوگوں سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اسبل کو صدر سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔ حالانکہ وہ صدر کے راستے میں جا کھڑا ہوا تھا۔ البتہ ڈسٹن اس کے ہاتھ چڑھ گیا، جو کینیڈی کے ساتھ رخصت ہو رہا تھا۔

”مسٹر ونسکی! کیا اچھا اتفاق ہے۔“ ڈسٹن نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

اسبل اُسے ضرور بتاتا کہ اس کے ساتھ ایسے اتفاق پیش نہیں آتے، لیکن اس کا موقع نہ تھا۔ ڈسٹن اس کا ہاتھ تھام کر اسے ستون کے پیچھے لے گیا۔ ”اس وقت تو میں بہت مصروف ہوں مسٹر ونسکی۔ تفصیل سے بات نہیں کر سکتا۔ بس اتنا کہوں گا کہ عنقریب آپ کو ہماری طرف سے خوشخبری ملے والی ہے۔ فی الوقت صدر بہت مصروف ہیں لیکن مارچ یا اپریل تک آپ کا کام ہو جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اہم خدمات انجام دیں گے۔“

اسبل اپنی میز کی طرف واپس چلا آیا۔

”کیا بات ہے۔ بہت خوش نظر آرہے ہو؟“ اس کے دوست نے پوچھا۔ ”کیا کینیڈی نے تمہیں سکریٹری آف اسٹیٹ کے عہدے کی پیش کش کی ہے؟“

”نہیں..... انہوں نے صرف اتنا کہا ہے کہ بیرن ہوٹل کے مقابلے میں وائٹ ہاؤس کچھ

زیادہ آرام دہ ثابت نہیں ہوا ہے۔“

”اگلے روز اسٹیل نیویارک واپس آیا۔ اس نے جارج کے ساتھ ڈنر کیا۔“ ہم آج جشن منائیں گے۔“ اسٹیل نے کہا۔ ”وٹسن نے مجھے یقین دلایا ہے کہ آئندہ چند ہفتوں میں میرا کام ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ میں مشرق وسطیٰ سے واپس آؤں گا تو خوش خبری میری منتظر ہوگی۔“

”مبارک ہو اسٹیل، تم صحیح معنوں میں اس کامیابی کے اہل بھی ہو۔“

”شکریہ جارج..... تمہیں بھی مبارک ہو۔ جب یہ کام ہو جائے گا تو اپنی عدم موجودگی میں میں تمہیں بیرن گروپ کا صدر مقرر کر دوں گا۔“

”کیا خیال ہے اسٹیل..... اس بار کتنے دنوں بعد واپس آؤ گے؟“ جارج نے پوچھا۔

”صرف تین ہفتے لگیں گے۔ پہلے مشرق وسطیٰ میں تعمیرات کا کام چیک کروں گا۔ پھر استنبول بیرن کا افتتاح..... اور اس سے پہلے لندن اور پیرس بھی جاؤں گا۔“



اسٹیل کو لندن میں شیڈول کے برخلاف تین دن مزید رکننا پڑا۔ لندن میں بیرن کے معاملات اچھے ہوئے تھے اور منیجر ہر خرابی کی ذمہ داری برٹش یونین سسٹم پر ڈال دیتا تھا۔ لندن بیرن وہ واحد ہوٹل تھا جو برابر نقصان میں جا رہا تھا۔ لندن شہر کی اہمیت کے پیش نظر اسے بند بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اسٹیل نے ایک بار پھر منیجر تبدیل کر ڈالا۔

پیرس کا معاملہ مختلف تھا۔ یورپ میں اسٹیل کے جتنے بھی ہوٹل تھے، پیرس بیرن ان میں کامیاب ترین تھا۔ وہاں دو دن قیام کے بعد اسٹیل نے مشرق وسطیٰ کا رخ کیا۔ ریاض میں بیرن ہوٹل کی تعمیر کا کام شروع ہو چکا تھا۔ اسٹیل نے وہاں اپنے معاونین کو آخری ہدایات دیں اور ترکی کے لیے روانہ ہو گیا۔

گزشتہ چند برسوں میں وہ ترکی کئی بار آچکا تھا۔ اس کی نظر میں استنبول بیرن کی اپنی ایک اہمیت تھی۔ اُسے یاد تھا کہ اس نے یہیں سے امریکہ کے..... گویا کامیابی کے سفر آغاز کیا تھا۔ ہوٹل پہنچتے ہی اسے دو دعوت نامے امریکہ اور برطانیہ کے سفیروں کی طرف سے آئے تھے۔ برطانوی سفارت خانے کی دعوت تو وہ نظر انداز کر ہی نہیں سکتا تھا۔ اُسے برطانوی سفارت خانے میں دوبارہ جانے کا موقع کوئی چالیس سال بعد مل رہا تھا۔

اس رات اس نے برطانوی سفیر برٹنارڈ کے ساتھ ڈنر کیا۔ اسے سفیر کی بیوی کے ساتھ بٹھایا گیا۔ اسے یہ اعزاز پہلی بار حاصل ہوا تھا۔ ڈنر کے خاتمے پر برطانوی روایات کے مطابق خواتین چلی گئیں مرد سگار سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ ڈنر میں امریکی سفیر بھی شامل تھا۔ اسٹیل کی سمجھ میں

نہیں آ رہا تھا کہ وہ دونوں اس سے اس قدر نگریم سے کیوں پیش آرہے ہیں پھر برطانوی سفیر نے جام بار کیے اور جام اٹھاتے ہوئے کہا ”اسٹیل روٹکی کے نام۔“

امریکی سفیر فلچر نے بھی جام بلند کیا۔ ”اسے ہم علی مبارک باد قرار دے سکتے ہیں۔“ اسٹیل کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ مستفسر اندہ نگاہوں سے انہیں دیکھتا رہا کہ وہ مبارک باد کی وضاحت بھی کریں۔

”اے فلچر..... تم نے تو کہا تھا کہ اس تقرری کے بارے میں ہر شخص کو علم ہے۔“ سر برٹنارڈ نے امریکی سفیر سے کہا۔

”ہاں..... یہ تو ہے۔ انگریزوں کے پیٹ میں کوئی بات کب رکتی ہے۔“ فلچر نے کہا۔

”مجھے آگاہ کیا گیا ہے کہ سرکاری اعلان چند روز میں کیا جائے گا۔“

اُن دونوں نے اسٹیل کو دیکھا جو ساکت و صامت بیٹھا تھا۔

”یورا ٹیلیسنی..... یاد رکھیے گا میں سب سے پہلے آپ کو مبارک باد دے رہا ہوں۔ آپ

کو یہ تقرری مبارک ہو۔“ سر برٹنارڈ نے کہا۔

اسٹیل کا چہرہ تہمتا اٹھا۔

”اب تو آپ کو یورا ٹیلیسنی کہہ کر ہی پکارا جائے گا۔ دعوتوں میں جانا پڑے گا۔ یوں

آپ اور موٹے ہو جائیں گے۔

”اسٹیل میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں.....“ امریکی سفیر نے کہا۔ ”تم آخری بار

ہالینڈ کب گئے تھے؟“

”چند سال پہلے..... بہت مختصر قیام رہا۔ لیکن یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی۔“

”چلو تمہاری خواہش پوری ہوگئی۔“ فلچر کے لہجے میں خلوص تھا۔ ”اب تم ایک فاتح کی

ثبیت سے واپس جاؤ گے۔“

اس کے بعد دیر تک اسی موضوع پر باتیں ہوتی رہیں۔ اسٹیل پتیارہا اور احساس فتح سے

لطف کشید کرتا رہا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ فوراً امریکہ جائے اور فلوریڈا کو یہ خبر سنائے۔ اس

نے فیصلہ کیا کہ وہ امریکہ پہنچتے ہی سان فرانسسکو جائے گا اور فلوریڈا سے صلح کر لے گا۔ وہ تو شروع ہی

سے یہی چاہتا تھا، بس اُسے کسی بہانے کی تلاش تھی۔ اب اسے کین کے بیٹے کو بھی زبردستی پسند کرنا

قہراً پھر اسے خیال آیا کہ اب اسے کین کے بیٹے والی اصطلاح بھی ترک کر دینی چاہیے۔ کیا نام ہے

اُس کے..... رچرڈ..... ہاں رچرڈ۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اسٹیل نے اپنے میزبان سے رخصت کی اجازت چاہی۔ ”بیرن ہوٹل جاؤ

گے، ناچلو..... میں تمہیں اپنی کار میں چھوڑ دوں۔“ برطانوی سفیر نے کہا۔ سفیر کی بیوی اسبل کو خدا حافظ کہنے کے لیے دروازے تک آئی۔ اسبل نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

”مسٹر رونسکی..... سرکاری طور پر بے خبر ہونے کے باوجود میں آپ کو، آپ کی اس تقریری پر مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ آپ کو ایک بڑے عہدے دار کی حیثیت سے وطن واپسی کا موقع مل رہا ہے، آپ یقیناً بہت خوش ہوں گے۔“ سفیر کی بیوی نے کہا۔

”جی ہاں میں..... بہت خوش ہوں۔“ اسبل نے سادگی سے کہا۔

سفیر نے بیرن ہوٹل کے دروازے پر اسبل کو شب بخیر کہا۔ ”مجھے اُمید ہے مسٹر رونسکی کہ آپ برطانوی سفارت خانے میں اپنی پہلی دعوت سے محفوظ ہوئے ہوں گے۔“ سفیر نے کہا۔

”برطانوی سفارت خانے میں یہ میری دوسری دعوت تھی سر برنارڈ۔“

”اچھا..... آپ پہلے بھی آچکے ہیں۔“ سر برنارڈ کے لہجے میں حیرت تھی۔ ”ہم نے مہمانوں کا ریکارڈ چیک کیا تھا۔ اس میں آپ کا نام نہیں ملا۔“

”میرا خیال ہے قیام کرنے والوں کا ریکارڈ نہیں رکھا جاتا۔ بہر حال گزشتہ موقع پر میں نے کھانا کچن میں کھایا تھا۔ مجھے اس کھانے کا ذائقہ آج بھی یاد ہے۔“ اسبل کی آنکھیں خواب ناک سی ہو گئیں۔ وہ اس دن کو کیسے بھول سکتا تھا، جب وہ اپنے ہاتھ سے محروم ہونے والا تھا اور ایک برطانوی سفارت کار نے اُسے بچالیا تھا اور سفارت خانے میں ایک رات قیام کا موقع بھی دیا تھا۔ دوسری طرف سر برنارڈ کی آنکھوں میں بے یقینی جھانک رہی تھی۔

اس رات اسبل بہت خوش تھا۔ وہ گنگنا رہا تھا۔ اس کا بس چلنا تو وہ اسی وقت امریکہ چلا جاتا لیکن اگلے روز وہ امریکی سفارت خانے میں مدعو تھا..... اور مستقبل کے سفیر سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایسی دعوت مسترد کر سکتا ہے۔

امریکی سفارت خانے کی دعوت بھی بے حد پر لطف ثابت ہوئی۔ اس رات اسبل نے مہمانوں کو وہ واقعہ سنایا، جب اسے برطانوی سفارت خانے کے کچن میں کھانا کھانے کا موقع ملا تھا۔ تمام لوگ اسبل کی صاف گوئی پر حیران تھے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ کروڑ پتی شخص چالیس سال پہلے اسی شہر میں پھل چرانے کے الزام میں گرفتار ہوا ہوگا..... اور ہاتھ کٹنے کے مرحلے سے اس قدر قریب پہنچا ہوگا۔ اسبل کا اندازہ تھا کہ یہ مشہر مجاہدوں کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا ہے۔ بہر حال، اس کے نفرتی کٹن نے ان سب کو بے حد متاثر کیا تھا۔

مردوں کی وجہ سے اُسے سولہ گھنٹے قیام کرنا پڑا۔ بالآخر طیارے نے فیک آف کیا۔ ایمرٹڈم میں اسے پھر تاخیر کا سامنا کرنا پڑا..... اس بار اُسے جہاز بدلنا تھا۔ بالآخر 36 گھنٹے کے بعد وہ امریکہ پہنچا۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ وہ کسم امیریا سے نکلا ہی تھا کہ اخباری نمائندوں کے ہجوم میں گھر گیا۔ کیمروں کی ہلک ہلک شروع ہو گئی۔ اسبل مسکرا دیا۔ شاید سرکاری اعلان کیا جا چکا تھا۔ باوقار انداز میں آگے بڑھتا رہا..... آخر وہ پولینڈ کا امریکی سفیر تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ جارج کہیں نظر نہیں آیا۔ فوٹو گرافر اس کی تصویر کھینچنے کے لیے ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے۔

پھر اُسے جارج نظر آ گیا۔ جارج کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ نجانے کیوں اسبل کا ڈوب سا گیا۔ اسی وقت ایک اخباری نمائندے نے عجیب سا سوال کیا۔ وہ سوال یہ نہیں تھا کہ پولینڈ میں امریکہ کا سفیر بننے پر اس کے کیا تاثرات ہیں..... اس کے برعکس صحافی نے پوچھا تھا۔ ”ان الزامات کے جواب میں آپ کیا کہیں گے؟“ اس کے بعد تو کیمروں کی فلیش لائٹس مسلسل جلنے بجھنے لگیں۔ ساتھ ہی اس پر سوالات برسنے لگے۔

”کیا یہ الزامات درست ہیں مسٹر رونسکی؟“

”آپ نے کانگریس مین مسٹر ہنری بورن کو کتنی رشوت دی تھی؟“

”کیا آپ الزامات کی تردید کرتے ہیں؟“

”کیا آپ امریکہ اس لیے واپس آئے ہیں کہ عدالت میں ان الزامات کا سامنا کر سکیں؟“

اخباری نمائندوں نے خود ہی سوال کیے اور خود ہی اسبل کا جواب لکھ لیا۔ حالاں کہ اسبل خاموش رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ جارج نے بڑی مشکل سے اس کا ہاتھ پکڑا..... اور اسے گھسیٹا ہوا کیڈ لاک کی طرف لے گیا۔ شو فر کا..... میں موجود تھا۔ ”بیرن ہوٹل چلوں جناب؟“ اس نے پوچھا۔

”نہیں..... 57 ویں سڑک پر مس رونسکی کے فلیٹ کی طرف چلو۔“ جارج نے کہا۔

”کیوں..... کیا بات ہے؟“ اسبل نے پوچھا۔

”بیرن ہوٹل، اس وقت اخباری نمائندوں سے بھرا ہوا ہوگا۔“

”آخر چکر کیا ہے۔“ استنبول میں لوگوں کے رویے سے ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے میں پولینڈ

میں امریکی سفیر بنایا جا چکا ہوں۔ یہاں میرے ساتھ ایسا سلوک کیا جا رہا ہے جیسے میں مجرم ہوں۔ یہ

ہو کیا رہا ہے جارج؟“

”بہتر ہے کچھ دیر انتظار کر لو۔ وکیل کی موجودگی میں بات کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔“

”اور میرا وکیل کون ہے؟“ اسبل کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔

اگلے روز اسبل امریکہ کے لیے روانہ ہو گیا اس کا طیارہ بلغراد میں اترا، جہاں طیارے کی

”ہیل چند لمبے خاموش رہا، پھر بولا۔ ”وہ پکٹ ہنری نے ہرگز نہیں بھیجا ہوگا۔ یہ بات میرے حلق سے نہیں اُترتی۔“

”تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟“

”تم نے بتایا ہے کہ ہنری کے بارے قرضے چکائے جا چکے ہیں محکمہ انصاف مجھے گرفت میں لینے کے لیے یہ قربانی نہیں دے سکتا..... سمجھے؟ ہنری نے وہ فائل کسی کو فروخت کی ہوگی۔ لیکن کسے؟ یہ بات بھی طے ہے کہ ہنری وہ فائل ولیم کین کے حوالے کسی قیمت پر نہیں کر سکتا تھا۔“

”بلا واسطہ نا؟“

”ہاں..... ممکن ہے، ولیم کین نے تھرڈ پارٹی کے ذریعے سودا کیا ہو۔ وہ جانتا ہوگا کہ ہنری مقروض ہے اور اس کے قرض خواہ جواری اسے دھمکیاں دے رہے ہیں۔“ ہیل نے کہا۔

”ہاں ہیل، یہ ممکن ہے کسی بھی سراغ رساں کے ذریعے ہنری کے بارے میں یہ معلومات حاصل کرنا دشوار نہیں تھا۔ تاہم کسی فیصلے پر پہنچنے میں جلدی نہ کرو۔ پہلے وکیل سے بات کر لی جائے۔“

کیڈلاک اس اپارٹمنٹ ہاؤس کے سامنے ٹک گئی جس کے ایک فلیٹ میں کبھی فلوریٹا رہا کرتی تھی۔ ہیل نے وہ فلیٹ اپنے پاس رکھا تھا۔ اس اُمید میں کہ فلوریٹا کبھی نہ کبھی لوٹ آئے گی۔ جارج نے دروازہ کھولا۔ انہیں فلیٹ میں بیٹھے کچھ دیر ہوئی تھی کہ وکیل فورڈ بھی آگیا۔

”مسٹر فورڈ! آپ مجھ سے بے لاگ گفتگو کر سکتے ہیں۔ میں صورت حال کے بارے میں پوری طرح جانتا ہوں۔ آپ مجھے بدترین امکان کے بارے میں بھی بتاتے ہوئے نہ الجھائیں۔“

”مجھے افسوس ہے مسٹر نوٹسکی۔ مسٹر جارج نے مجھے پولینڈ کے سفارت خانے میں آپ کی تقرری کے بارے میں بتایا تھا لیکن.....“ وکیل کے لہجے میں تاسف تھا۔

”اسے تو بھول ہی جاؤ۔ وہ سب کچھ ختم ہو چکا، میں جانتا ہوں، اب تو نوٹس کو میرا نام بھی یاد نہیں ہوگا۔ میرا خواب بکھر چکا۔ اب مجھے اس کی تعبیر کبھی نہیں مل سکے گی۔ وہ میری زندگی کی سب سے سچی اور عزیز خواہش تھی۔ مجھے اس کا ڈھک ہے۔ لیکن فی الوقت میں یہ جانا چاہتا ہوں کہ مجھے درپیش حالات کی اصل نوعیت کیا ہے؟“

”آپ پر چودہ مختلف ریاستوں میں رشوت ستانی کے سترہ الزامات ہیں۔ میں نے محکمہ انصاف سے رابطہ قائم کر کے آپ کے لیے یہ سہولت حاصل کی ہے کہ وہ کل صبح نہایت خاموشی سے آپ کو اس فلیٹ سے گرفتار کریں۔ اس کے علاوہ وہ ضمانت کی درخواست پر بھی کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔“

”اوہ، اتنی بڑی مہربانی“ ہیل نے تلخ لہجے میں کہا ”اور الزامات..... کیا عدالت میں وہ

”فورڈ جلدک..... وہ امریکہ کا سب سے اچھا وکیل ہے۔“

”سب سے مہنگا بھی تو ہے۔“

”میرا خیال ہے، اس مرحلے پر تم بچت کے بارے میں نہیں سوچ سکتے۔“

”ٹھیک ہے جارج۔ آئی ایم سوری۔ اس وقت وہ کہاں ہے؟“

”میں اسے کورٹ میں چھوڑ کر آیا تھا۔ بہر حال، وہ وہاں سے فارغ ہوتے ہی فلوریٹا کے فلیٹ پر آئے گا۔“

”میں اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتا جارج۔ مجھے سب کچھ بتادو۔ تمہیں معلوم ہے، میں بدترین حالات میں بھی نہیں گھبراتا۔“

”ٹھیک ہے دوست۔“ جارج نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”حقیقت یہ ہے کہ تمہارے وارنٹ نکل چکے ہیں۔“

”اور مجھ پر الزام کیا ہے؟“

”سرکاری افسروں کو رشوت دینا۔“

”لیکن میں نے زندگی میں کبھی براہ راست کسی سرکاری افسر کو رشوت نہیں دی.....“ ہیل نے احتجاج کیا۔

”یہ درست ہے۔ لیکن ہنری تو دیتا رہا ہے۔ اور اب وہ سب کچھ تمہارے کھاتے میں ڈال دیا گیا ہے۔“

”میرے خدا..... مجھے اس شخص کو استعمال کرنا ہی نہیں چاہیے تھا۔“ ہیل نے کہا۔

میرے اور اس کے درمیان صرف ایک قدر مشترک تھی..... کین سے نفرت! اسکی وجہ سے میں دھوکا کھا گیا۔ لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ ہنری ایسا کر سکتا ہے۔ وہ خود بھی تو ملوث ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔“

”ہنری تو غائب ہو گیا اور اس کے قرضے پر اسرار طور پر ادا کر دیے گئے۔“

”ولیم کین؟“ ہیل پھنکا رہا۔

”اس کے ملوث ہونے کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا ہے۔“ جارج نے بتایا۔

”مجھے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ بہر حال، یہ بتاؤ، حکام تک یہ بات کیسے پہنچی؟“

”مجھے تفصیلات کا علم نہیں۔ اتنا سنا ہے کہ جسٹس ڈی پارٹمنٹ کو ایک گمنام یکٹ موصول ہوا جس میں ایک اصل فائل موجود تھی۔“

”اور پکٹ نیویارک سے پوسٹ کیا گیا ہوگا!“

”نہیں..... لفافے پر شکا گو کی مہر تھی۔“

الزامات ثابت کیے جاسکتے ہیں؟“

”جی ہاں..... کچھ الزامات تو وہ یقیناً ثابت کر سکتے ہیں۔“ فورڈ نے کہا۔ اس کا انداز حقیقت پسندانہ تھا۔ ”لیکن ہنری بورن کی غیر موجودگی میں ان کا کیس زیادہ مضبوط نہیں رہے گا۔ تاہم..... یہ بات تو آپ بھی جانتے ہیں کہ آپ کو اصل نقصان تو پہنچ ہی چکا ہے۔“

”مجھے احساس ہے۔“ ایمل نے ڈبلی نیوز کے پہلے صفحے پر جھپی ہوئی اپنی تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مسٹر فورڈ..... جنہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ ہنری بورن سے وہ فائل کس نے خریدی تھی۔ اس کے لیے جنہیں کتنے ہی آدمی لگانے پڑیں..... اور کتنا ہی خرچہ آئے، اس کی پروا نہ کرنا۔ یہ معلومات جلد از جلد حاصل کرو کیونکہ اگر اس معاملے میں ولیم کین کا ہاتھ ہے تو میں اس شخص کو بالکل تباہ و برباد کر کے رکھ دوں گا اور پھر وہ کبھی پنپ نہیں سکے گا۔“

”آپ پہلے ہی ڈشوار یوں میں پڑ چکے ہیں..... ان ڈشوار یوں میں اضافہ نہ کریں۔“ وکیل فورڈ نے کہا۔

”تم فکر نہ کرو۔ ولیم کا خاتمہ میں ایسے کروں گا کہ اس میں قانون کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔“

”مسٹر ونسکی..... میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ آپ فی الوقت ولیم کین کو چھوڑیں اور اپنی فکر کریں۔ یہ آپ کی زندگی کا سب سے اہم موڑ ہے۔ آپ کو دس سال تک کی سزا ہو سکتی ہے۔ آج تو کچھ کرنا ممکن نہیں آپ سکون سے سو جائیں۔ میں بیان جاری کروں گا جس میں تمام الزامات کی تردید کی جائے گی۔ میں کہوں گا ہمارے پاس مسٹر ونسکی کی بے گناہی کے ثبوت موجود ہیں۔“

”کیا یہ درست ہے؟“ ایمل نے پر امید لہجے میں پوچھا۔

”نہیں..... لیکن اس طرح مجھے فائل میں موجود ناموں کو چپک کرنے کا موقع مل جائے گا۔ کچھ عجب نہیں کہ براہ راست، اُن میں سے کسی کا بھی آپ سے واسطہ نہ پڑا ہو۔ اگر ہر شخص کا صرف ہنری بورن سے تعلق رہا ہے تو میرے لیے یہ ثابت کرنا کچھ ڈشوار نہ ہوگا کہ ہنری، ہیرن گروپ کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھا رہا تھا۔ مسٹر ونسکی، خدا کے لیے، اگر آپ اُن میں سے کسی سے بلا واسطہ ملے ہوں تو مجھے بے خبر نہ رکھیے گا، کیونکہ انہیں آپ کے خلاف گواہی کے لیے ضرور طلب کیا جائے گا۔ بہر حال ہم اس سلسلے میں کل کچھ کریں گے۔ آج تو آپ آرام کریں۔ آپ بہت تھکے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ میں کل صبح آپ سے ملوں گا۔“

ایمل کو صبح ساڑھے آٹھ بجے فلورینا کے فلیٹ سے گرفتار کیا گیا۔ فلیٹ سے اسے براہ

راست فیڈرل ڈسٹرکٹ کورٹ لے جایا گیا۔ اس روز ایمل خود کو بہت تھما محسوس کر رہا تھا۔ فورڈ نے بہت رازداری سے کام لیا تھا..... لیکن ایمل عدالت پہنچتے ہی فوٹو گرافروں اور رپورٹروں میں گھر گیا۔ عدالت میں مختصر سی سماعت ہوئی۔ کلرک نے ایمل پر لگائے گئے الزامات پڑھ کر سنائے۔ فورڈ نے انہیں بے بنیاد قرار دیا۔ پھر اس نے ضمانت کی درخواست کی۔ محکمہ انصاف کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ جج نے آئندہ سماعت کی تاریخ 17 مئی مقرر کی۔

ایمل ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔ باہر جارج کار میں اس منتظر تھا۔ ایمل فوٹو گرافروں اور رپورٹروں سے پیچھا چھڑا کر کار تک پہنچا۔ رپورٹروں نے کار کا تعاقب کیا لیکن بالآخر ڈرائیور اُن سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب ہو گیا..... ایمل خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ 57 ویں سڑک والے فلیٹ میں پہنچ گئے۔

”جارج..... جنہیں کم از کم تین ماہ تک ہیرن گروپ کا کام سنبھالنا ہوگا۔ اس دوران میں مسٹر فورڈ کے ساتھ اپنے دفاع کے سلسلے میں مصروف رہوں گا۔ دُعا کرو کہ یہ ذمہ داری جنہیں عمر بھر نہ سنبھالنی پڑ جائے۔“ ایمل نے ہنسنے کی کوشش کی۔

”نہیں ایمل، ایسا نہیں ہوگا۔ مسٹر فورڈ جنہیں چھڑا لیں گے۔“ جارج نے بریف کیس اٹھایا اور بڑی محبت سے ایمل کے ہاتھ کو تھپتھپایا۔ ”مسکراتے رہنا۔“ اس نے کہا اور فلیٹ سے نکل گیا۔

”جارج نہ ہوتا تو خدا جانے میرا کیا حشر ہوتا۔“ ایمل نے اپنے وکیل سے کہا۔ ”چالیس سال قبل ہم نے ایک ہی کشتی پر سفر کا آغاز کیا تھا اور ابھی تک ہم سفر ہیں۔ خیر، چھوڑو ان باتوں کو۔ یہ بتاؤ ہنری بورن کا بھی کوئی سراغ ملا؟“

”نہیں..... نہ صرف میرے بلکہ محکمہ انصاف کے لوگ بھی اس کی جستجو میں ہیں۔ اُمید

ہے کہ وہ مل جائے گا..... کاش! وہ اُن سے پہلے ہمیں مل جائے۔“

”اور یہ معلوم ہوا کہ اس نے فائل کس کے ہاتھ پہنچی تھی؟“

”میں اس سلسلے میں کئی آدمیوں کو استعمال کر رہا ہوں۔“

”گڈ..... اب مجھ سے اُن لوگوں کے بارے میں پوچھو، جن کے نام فائل میں موجود ہیں۔“

وہ دونوں اس سلسلے میں مصروف ہو گئے ہر نام کے ساتھ الزام کی نوعیت اور دیگر کوائف

بھی تھے فورڈ اس سلسلے میں ایمل کے ساتھ تین ہفتے تک مصروف رہا۔ بالآخر اُسے یقین ہو گیا کہ

ایمل کا اُن میں سے کسی کے ساتھ براہ راست رابطہ نہیں رہا۔ ان تین ہفتوں میں ہنری بورن کا سراغ

کوئی فریق بھی نہیں پاسکا۔ فورڈ کے آدمی اس سلسلے میں بھی ناکام رہے تھے کہ ہنری سے وہ تباہ کن

فائل کس نے خریدی تھی۔

”بلیک میلنگ..... اور اسی لیے ہنری غائب ہو گیا تھا۔ وہ آپ کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا..... فائل محکمہ انصاف کے ہاتھوں میں پہنچنا تو خود اس کے لیے بھی خطرناک تھا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ فائل محکمہ انصاف تک پہنچ چکی ہے تو اس نے سلطانی گواہ بننے میں ہی اپنے لیے عافیت جانی۔“

”میں نے اس شخص کو صرف اس بنیاد پر قبول کیا تھا کہ وہ بھی میری طرح ولیم کین سے نفرت کرتا ہے، لیکن ولیم کین نے ایک ہی ہلے میں ہم دونوں کو صاف کر دیا۔“ ایبل نے کہا۔

”اس معاملے میں ولیم کین کے طوط ہونے کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔“

”مجھے ثبوت کی ضرورت نہیں۔ میں تو صرف اپنے خلاف اس کے طریقہ کار کی دیکھ رہا ہوں۔ بلاشبہ وہ میرا ذہین ترین دشمن ہے۔“ ایبل نے کہا

وکیل فورڈ اس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔

استغاثہ کی درخواست پر سماعت کی تاریخ آگے بڑھا دی گئی۔ استغاثہ کا کہنا تھا کہ وہ ابھی ہنری بورن سے مزید معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ فورڈ نے احتجاج کیا کہ یہ غلط الزامات اور اس پر اتوا اس کے موکل کی صحت پر بری طرح اثر انداز ہو رہے ہیں لیکن جج پریسکوٹ نے اس کا یہ استدلال ختمی سے مسترد کر دیا۔

وقت سست روی سے گھٹتا رہا۔ مقدمہ شروع ہونے سے دو روز قبل ایبل اپنی تقدیر پر شاکر ہو گیا۔ اب وہ سزا کے لیے جانی طور پر تیار تھا۔ ادھر فورڈ کے آدمیوں نے ہیری اسمتھ کا سراغ لگا لیا۔ وہ ایک پرائیویٹ سرانغاساں تھا، جس نے ہیری اسمتھ کا فرضی نام اختیار کر کے ہنری سے فائل حاصل کر لی۔ مزید ایک ہزار ڈالر خرچ کرنے پر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ وکلا کی ایک فرم کوہن اینڈ کوہن کے لیے کام کر رہا تھا۔

”وہ کین کے وکیل ہیں۔“ ایبل نے چمٹتے ہی کہا۔

”آپ کو یقین ہے؟ میرا تو خیال ہے کہ ولیم کین کا کسی یہودی سے کاروباری تعلق نہیں ہو سکتا۔“

”نہیں، ایسی بات نہیں۔ میں پورے وثوق سے کہہ رہا ہوں۔“

”اس سلسلے میں میرے لیے کیا ہدایات ہیں.....؟“ جارج نے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“ ایبل کی بجائے فورڈ نے جواب دیا..... ”مقدمہ کے اختتام تک کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ مشکلات میں اضافہ کرنے کے مترادف ہو سکتا۔“

”ٹھیک ہے۔ ولیم کین سے میں مقدمہ کے بعد نمٹوں گا۔“ ایبل نے کہا۔ ”اب میری بات سنو فورڈ۔ ہنری کو بتا دو کہ اس نے نادانستگی میں فائل ولیم کین کو پہنچی تھی۔ اب کین ہم دونوں

جیسے جیسے سماعت کی تاریخ قریب آتی گئی، ایبل کو لاحق سزا کا خوف بڑھتا گیا۔ 55 سال کی عمر میں زندگی کے آخری چند سال جیل میں گزارنے کا تصور اس کے لیے بے حد شرمناک تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے ماضی پلٹ آیا ہے وہ تو زندگی کے ابتدائی حصے میں بھی جیل کاٹ چکا تھا۔ فورڈ کا کہنا تھا کہ اگر تمام الزامات ثابت ہو گئے تو اسے طویل عرصے کے لیے جیل جانا پڑے گا۔ ایبل کو رہ کر محکمہ انصاف پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ ہنری کے جرائم اس کے سر قھوپے پر تلے ہوئے ہیں۔

پھر اسے فلوریڈا کا خط موصول ہوا، جس میں فلوریڈا نے لکھا تھا کہ وہ آج بھی اپنے باپ سے نہ صرف بے تحاشا محبت کرتی ہے بلکہ اس کی بے گناہی پر بھی یقین رکھتی ہے۔ خط کے ساتھ اس نے اپنے بیٹے کی تازہ تصویر بھی بھیجی تھی۔

سماعت سے تین دن پہلے محکمہ انصاف والوں نے ہنری بورن کو نیو آریلینز میں ڈھونڈ نکالا۔ ہنری وہاں ایک اسپتال میں پڑا تھا۔ اس کی دونوں ٹانگوں میں فریکچر تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا یہ حشر جوار یوں نے کیا تھا، جن کا وہ مقروض تھا۔ ہنری کی ٹانگوں پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ محکمہ انصاف والوں نے اسے ڈیمل چیئر سمیت نیو یارک کی فلائٹ پر بھیج دیا۔

اگلے روز ہنری کو عدالت میں پیش کر دیا گیا..... اس پر فراڈ اور سازش کے الزامات عائد کیے گئے اور ضمانت کی درخواست نامنکور کر دی گئی۔ فورڈ نے عدالت سے اجازت چاہی کہ اسے ہنری سے سوالات کا موقع دیا جائے، لیکن اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ہنری نے ایبل کے خلاف سرکاری گواہ بننا قبول کر لیا تھا۔

”اس طرح اس کی سزا کم ہو جائے گی۔“ فورڈ نے خشک لہجے میں کہا۔

”یعنی اصل مجرم میں قرار پاؤں گا۔“ ایبل غرایا۔ ”اور اب یہ علم بھی نہیں ہو سکے گا کہ اس نے فائل کس کے ہاتھ پہنچی تھی؟“

”نہیں مسٹر فرنسکی..... اس سلسلے میں تو وہ ممکنہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ ولیم کین کے ہاتھ وہ فائل کسی بھی قیمت نہیں بچ سکتا تھا۔ اس نے شکاگو کے ہیری اسمتھ کے ہاتھ وہ فائل فروخت کی تھی۔ ڈیوڈ رابریہ ہے کہ شکاگو میں درجنوں ہیری اسمتھ ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اس کے بیان کردہ حلیے پر پورا نہیں اُترتا۔“

”اسے تلاش کرو۔ مقدمہ شروع ہونے سے پہلے اس کا سراغ مل جانا چاہیے۔“

”ہم اس سلسلے میں کام کر رہے ہیں۔“ فورڈ نے کہا۔ ”ہنری کا کہنا ہے کہ ہیری اسمتھ نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ ثبوت کی فائل حکام کو پیش کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔“

”تو کیا ارادہ تھا اس کا؟“

سے بیک وقت انتقام لے رہا ہے۔۔۔۔۔ اس کے بعد دیکھنا، ہنری کی زبان کوئی نہیں کھلوا سکے گا۔ ہنری وہ واحد آدمی ہے جو مجھ سے زیادہ ولیم کین سے نفرت کرتا ہے۔“

”اس رات فورڈ، ہنری کی کونٹری میں گیا اور اسل کی ہدایت کے مطابق عمل کیا۔ ہنری نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔ فورڈ خاصا مایوس واپس آیا۔ تاہم اس نے اپنے موکل تک یہ مایوس کن اطلاع نہیں پہنچائی کیونکہ اگلی صبح مقدمے کی کارروائی شروع ہو رہی تھی۔

مقدمے کی کارروائی شروع ہونے سے چار گھنٹے پہلے پہرے دارناشتہ لے کر ہنری بورن کی کونٹری میں گیا تو اس نے ہنری کو کونٹری کی چھت سے لٹکا پایا۔ اس نے اپنی ہاورڈ کی ٹائی کو بطور پھندا استعمال کیا تھا۔ وہ مر چکا تھا۔

مقدمے کی کارروائی مقرر وقت پر شروع ہوئی۔ لیکن استغاثہ اپنے اہم ترین گواہ سے محروم ہو چکا تھا۔ استغاثہ نے مزید التوا کی درخواست کی۔ اس بارجج نے فورڈ کے دلائل سننے کے بعد درخواست مسترد کر دی۔ اسل، زافیا کو کمرہ عدالت میں موجود پاکر ششدر رہ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی۔ وہ اسل کی ذلت کے ایک ایک لمحے سے محظوظ ہو رہی تھی۔

نودن کی سماعت کے بعد استغاثہ کو یقین ہو گیا کہ اُن کا کیس ہنری بورن کی شہادت کے بغیر بے جان ہے۔ انہوں نے وکیل صفائی سے سمجھوتے کے سلسلے میں بات کرنے کی اجازت چاہی۔ وقفے کے دوران فورڈ نے اسل کو ان شرائط سے آگاہ کیا۔

”اگر میں سمجھوتہ نہ کروں تو میرے بری ہونے کے امکانات کتنے ہیں؟“ اسل نے پوچھا۔

”پچاس فیصد۔“ فورڈ نے جواب دیا۔ ”اور اگر سزا ہوئی تو چھ سال سے کم نہیں ہوگی۔“

”اور اگر میں استغاثہ کی تجویز کے مطابق دو چھوٹے الزامات قبول کر لوں؟“

”تو میرے خیال میں بھاری جرمانہ ہوگا۔ اور بس۔“

”اسل چند لمحے غور کرتا رہا۔ پھر بولا۔ ”ٹھیک ہے۔ میں اعتراف جرم کر لیتا ہوں۔ اس

جھجھٹ سے تو جان چھوٹے گی۔“

وقفے کے بعد سرکاری وکیل نے جج کو آگاہ کیا کہ وہ ملزم اسل روئسکی کے خلاف عائد

کردہ پندرہ الزامات واپس لے رہے ہیں اور اس کے بعد وکیل صفائی نے کہا کہ باقی دو الزامات کے

جواب میں اس کا موکل۔۔۔۔۔ مسٹر اسل۔۔۔۔۔ اعتراف جرم کر رہا ہے۔ جیوری معطل کر دی گئی۔ جج

پریسکوٹ نے اسل کو پچیس ہزار ڈالر جرمانے کی سزا اور عدم ادائیگی کی صورت میں چھ ماہ قید کی سزا

سنائی۔ مقدمے کے اخراجات اُسی کو ادا کرنے تھے۔ جارج، اسل کو واپس لے گیا۔ وہ دونوں پینٹ

ہاؤس میں بیٹھ کر پیتے رہے۔ کچھ دیر بعد اسل نے کہا۔ ”جارج۔۔۔۔۔ پیئر پارٹ کے پاس جولیئرز کے دو فی صد حصص ہیں انہیں خرید لو۔ میں آٹھ فیصد حصص ہوتے ہی بینک کے قوانین کے ساتویں طبق سے فائدہ اُٹھاؤں گا۔ میں ولیم کین کو اس کے اپنے بورڈ روم میں ہلاکت سے دو چار کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔“

چند روز بعد اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے اعلان کیا کہ غیر ملکی تجارت میں پولینڈ کو ترجیح کے اعتبار سے اولیت دی جائے گی۔ اس کے علاوہ وارسا میں امریکی سفیر کی حیثیت سے جان مور کا بوٹ کی تقرری کا اعلان بھی کیا گیا۔



وہ فردری کی ایک اداس شام تھی۔ ولیم، کلاڈ کوہن کی ماہانہ رپورٹ دوسری بار پڑھ رہا تھا۔ ہنری نے پچیس ہزار ڈالر کے عوض وہ تمام ثبوت فراہم کر دیے تھے، جو اسل کے خاتمے کے لیے بہت کافی تھے، لیکن اسکے فوراً بعد وہ غائب ہو گیا تھا۔ ولیم نے ثبوت والی فائل کی کاپی سیف میں رکھتے ہوئے سوچا کہ ہنری سے اور امید بھی کیا کی جاسکتی ہے۔ اور بیٹل فائل کلاڈ نے چند روز پہلے حکمہ انصاف کے پتے پر روانہ کر دی تھی۔

اسل کو ترکی سے واپس آتے ہی گرفتار کر لیا گیا۔ ولیم کو تو توقع تھی کہ اسل کا پہلا رد عمل یہ ہوگا کہ وہ انٹرا اسٹیٹ کے شیرز مارکیٹ میں پھینک دے گا۔ اس بار ولیم اس کے لیے تیار تھا۔ اس نے اپنے بروکر سے کہہ دیا تھا کہ انٹرا اسٹیٹ کے حصص مارکیٹ میں آتے ہی خرید لیے جائیں۔ اس طرح قیمت گرنے کا کوئی خطرہ بھی نہیں تھا۔ لیکن کئی ہفتے گزر گئے اور اسل نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔ ولیم کو یقین ہو گیا کہ کلاڈ کا کہنا درست تھا۔ اسل کے خلاف اس کا، کارروائی میں ملوث ہونا ثابت نہیں کیا جاسکا ہوگا، کیونکہ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ اسل نے اس سلسلے میں جتنوں کی ہو۔ اُسے یہ بھی یقین تھا کہ اسل نے ساری ذمے داری ہنری پر ڈال دی ہوگی۔ کلاڈ کو یقین تھا کہ ہنری کی شہادت، اسل کو لمبے عرصے کے لیے جیل بھجوا دے گی اور اسل کو بینک کے قوانین کی شق سے فائدہ اُٹھانے کا موقع نہیں ملے گا۔ ادھر ولیم کو یہ اُمید تھی کہ اسل کو سزا ہونے کے بعد رچرڈ گھروٹ آئے گا۔

ولیم، رچرڈ کو معاف کرنے کے لیے تیار تھا۔ ٹونی سائمن کے ریٹائر ہونے اور ٹیڈ لچ کی موت کے بعد لیئرز کے بورڈ میں ایک خلا پیدا ہو گیا تھا۔ ولیم کی خواہش تھی کہ اس کی 65 ویں سالگرہ سے پہلے (جو ابھی دس سال دو تھی) رچرڈ واپس آجائے تاکہ اس کی جگہ چیئرمین شپ سنبھال سکے۔ کلاڈ کی رپورٹ سے اُسے معلوم ہوا کہ رچرڈ، خورینا کے کاروبار میں مانی معاملات نہایت کامیابی سے سنبھالے ہوئے ہے۔ اس کا خیال تھا، رچرڈ کے لیے روئسکی کی بیٹی سے زیادہ اہم لیئرز کی چیئرمین

شب ہوگی۔ ولیم کو ایک بات پر تشویش بھی تھی..... وہ وائس چیئر مین، جس کے چیئر مین بننے کے امکانات بے حد روشن تھے، اہل ہونے کے باوجود بے حد جلد باز تھا۔ ولیم کے نزدیک یہ ایک بہت بڑی خامی تھی جو اس کی چیئر مین شب کے راستے میں حائل تھی۔ اس لیے ولیم قبل از وقت ریٹائرمنٹ بھی نہیں لے سکتا تھا۔ اسے آئندہ دس سال میں رچرڈ کولیسٹرز میں شمولیت کے لیے آمادہ کرنا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کیٹ تو رچرڈ سے غیر مشروط طور پر صلح کرنے کے لیے تیار ہے۔ لیکن اتنے برس گزر جانے کے بعد اس کی اپنی ضد اور پختہ ہوگئی۔ وہ رچرڈ کو صرف اس شرط پر معاف کر سکتا تھا کہ وہ فلوریڈا روٹسکی کو چھوڑ دے۔ ولیم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر رچرڈ نہ مانا تو وہ اپنا سب کچھ ورجینیا کے نام چھوڑ جائے گا۔ مقام شکریہ تھا کہ ورجینیا کی ازدواجی زندگی بے حد کامیاب ثابت ہوئی تھی..... کاش، کاش وہ ایک اور بیٹے کی ماں بن جائے۔

ولیم پر دل کا پہلا دورہ بینک کے کام کرتے ہوئے پڑا۔ دورہ خطرناک نہیں تھا۔ ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ کام کا دباؤ کم اور آرام زیادہ کرنے کی صورت میں، وہ بیس سال مزید جی سکتا ہے۔ ولیم کا کہنا تھا کہ اسے صرف دس سال مزید زندگی چاہیے تاکہ وہ اپنا کام مکمل کر سکے..... اور چیئر مین شب، رچرڈ کین کو سوئپ سکے۔

چند ہفتے کے آرام کے دوران، ولیم نے ہچکچاہٹ کے باوجود جیک تھامس کو اپنی جگہ کام کرنے اور اہم فیصلے کرنے کی اجازت دے دی۔ لیکن حالت بہتر ہوتے ہی اس نے بینک کا رخ کیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بورڈ کے اراکین پر جیک تھامس کا اثر و نفوذ بڑھ جائے۔ اس دوران کیٹ نے اُسے بہت سمجھایا کہ وہ رچرڈ سے براہ راست بات کرے لیکن وہ اڑا رہا۔

جس روز ہنری بورن نے جیل میں خودکشی کی، اس روز ولیم پر دل کا دوسرا دورہ پڑا۔ کیٹ اس کے سر ہانے بیٹھی رہی۔ اسے خدشہ تھا کہ ولیم اسے چھوڑ جائے گا۔ لیکن اسپتال کے مقدمے کا فیصلہ سننے کی خواہش نے اُسے زعمہ رکھا۔ وہ ہر روز اخبار میں مقدمے کی کاروائی پڑھتا۔ اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ہنری کی خودکشی نے اسپتال کی پوزیشن مستحکم کر دی ہے۔ پھر مقدمے کا فیصلہ بھی ہو گیا۔ ولیم کو اس بات پر کوئی حیرت نہیں ہوئی کہ جرمانے کی رقم بھی بہت کم ہے۔ وہ جانتا تھا کہ استغاثہ کو سمجھوتہ کرنا پڑا ہوگا۔

مقدمہ ختم ہونے کے بعد ولیم مطمئن ہو گیا۔ اب اسے اسپتال کے سلسلے میں اسے احساسِ جرم ہو رہا ہے۔ اسے ہوتا تھا۔ البتہ اسے اس بات پر حیرت تھی کہ اسپتال کے سلسلے میں اسے احساسِ جرم ہو رہا ہے۔ اسے اس بات پر خوش تھی کہ اسپتال کو سزا نہیں ہوئی، اسے جیل نہیں جانا پڑا۔

کئی ہفتے گزر گئے۔ اسپتال کی طرف سے کوئی کاروائی نہیں ہوئی۔ پھر ولیم نے اسے ذہن سے جھٹک دیا..... اب وہ صرف رچرڈ کے بارے میں سوچتا تھا۔ کبھی کبھی تو وہ بیٹے کو دیکھنے کے لیے

رپ اٹھتا۔ ستمبر کی ایک صبح اس نے کیٹ سے اس خواہش کا اظہار کیا۔ کیٹ نے اس سے اس تبدیلی کی وجہ نہیں پوچھی۔ وہ جانتی تھی کہ اکلوتا بیٹا کتنا اہم ہوتا ہے۔

”میں رچرڈ کو فون کر کے اُن دونوں کو مدعو کر لوں گی۔“ کیٹ نے کہا۔ اُسے خوشی ہوئی کہ بیٹوں کا سن کر ولیم کو کوئی جھکا نہیں لگا۔

”بالکل ٹھیک ہے۔“ ولیم نے نرم لہجے میں کہا۔ ”رچرڈ سے کہنا کہ میں مرنے سے پہلے ایک دفعہ اسے ضرور دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”احقانہ باتیں مت کرو ڈیئر۔“ کیٹ نے بڑے پیار سے اُسے ڈانٹا۔ ”ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ ابھی تم کم از کم بیس سال مزید جیو گے۔“

”میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ رچرڈ بینک میں میری جگہ سنبھال لے۔ میرے لیے ہائی کافی ہے۔ اور ہاں فون کرنے کی بجائے تم خود رچرڈ کے پاس چلی جاؤ نا۔“

”تمہارا کیا مطلب ہے ولیم؟“ کیٹ کچھ نزوس ہوگئی۔

ولیم مسکرایا۔ ”میں بے خبر شوہر نہیں ہوں ڈارلنگ، تم پہلے بھی کئی بار سان فرانسسکو جا چکی۔ گزشتہ چند برسوں میں، میں جب بھی کسی کاروباری دورے پر گیا ہوں۔ تم نے اس سے فائدہ لیا ہے۔ پہلے تو تم اپنی ماں کے گھر جانے کا بہانہ کرتی تھیں۔ اُن کے انتقال کے بعد تمہارے ہانے غیر موثر ہوتے گئے۔ پھر 28 سال کی ازدواجی زندگی میں، میں تمہاری عادات سے اچھی طرح آف ہو چکا ہوں۔ تم اب بھی پہلے کی طرح خوبصورت ہو..... لیکن ڈارلنگ، تم جیسی وفا دار بیوی، اب سے چھپ کر کس سے مل سکتی ہے۔ صرف اور صرف اپنے چھڑے ہوئے بیٹے سے۔“

”ہاں، میں اس سے ملتی رہی ہوں لیکن تم نے اس سے پہلے، اس سلسلے میں کوئی بات مان نہیں کی؟“ کیٹ نے نرم لہجے میں پوچھا۔

”سچ پوچھو تو میں خوش تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ بیک وقت ہم دونوں کو کھو بیٹھے۔“

”وہ دونوں ٹھیک ٹھاک ہیں اور اب تو تم ایک پوتے کے علاوہ ایک پوتی کے دادا بھی ہو۔“

”پوتی؟ ولیم اُٹھ بیٹھا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

”ہاں، اس کا نام اینا بل ہے۔“

”اور لڑکے کا کیا نام ہے؟“

”کیٹ نے لڑکے کا نام بتایا تو ولیم مسکرانے لگا۔ وہ اس بات پر کیسے یقین کر سکتا تھا۔

ایک جھوٹ بول رہی تھی۔

بس تو تم فوراً چلی جاؤ۔ اس سے کہنا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔“ ولیم نے کہا۔ پھر

”اس کا کہنا ہے کہ کل صبح تک اس کے پاس آٹھ فیصد شیئرز ہوں گے۔“

”نہیں..... میں چیک کر چکا ہوں۔“ ولیم نے کہا۔ ”اس کے ہاتھ شیئرز فروخت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔“

”پیٹر پارفٹ؟“

”نہیں۔“ ولیم فاتحانہ انداز میں مسکرایا۔ ”اس کے شیئرز تیسری پارٹی کے ذریعے میں

ایک سال پہلے خرید چکا ہوں۔“

”جیک تھامس کا رنگ فق ہو گیا۔ ولیم کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ جیک تھامس چیئر مین بننے کے لیے کتنا بے چین ہے۔“ بہر حال اس کا دعویٰ ہے کہ کل صبح اس کے پاس مطلوبہ 8 فیصد شیئرز موجود ہوں گے۔ اس کے بعد اسے بورڈ میں اپنی پسند کے تین ڈائریکٹر شامل کرنے اور اہم فیصلوں کو تین ماہ تک رکوانے کا اختیار ہوگا۔ وہ اخبار میں اپنے ارادوں کو اشتہار کی صورت میں چھپوانا چاہتا ہے..... اس کا کہنا ہے کہ وہ صرف ایک صورت میں اپنا ارادہ فتح کر سکتا ہے..... وہ یہ کہ آپ چیئر مین شپ سے استعفا دے دیں۔“ جیک تھامس نے تفصیل بتائی۔

”یہ بلیک میلنگ ہے۔“ ولیم چیخ پڑا۔

”ممکن ہے، لیکن آئندہ میری دودھ پیرک آپ نے استعفا نہ دیا تو وہ اشتہار جاری کر دے گا۔ وہ چالیس اخبارات و رسائل میں اشتہاری بلنگ کر چکا ہے۔“

”وہ پاگل ہو گیا ہے۔“ ولیم نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

”اس نے اور بھی بہت کچھ کہا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ آئندہ دس سال تک کوئی کین لیٹرز کے بورڈ میں شامل نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ آپ استعفا کا سبب بیماری یا ایسی ہی کوئی اور بات تحریر نہیں کر سکیں گے۔“ اس نے ولیم کی طرف ایک دستاویز بڑھائی جو بیرن گروپ کے لیٹر پیڑ پرائیپ کی گئی تھی۔

”پاکل ہو گیا ہے۔“ ولیم نے دستاویز کا بغور مطالعہ کرتے ہوئے اپنی بات دہرائی۔

”میں نے کل بورڈ کی میٹنگ طلب کر لی ہے۔“ جیک تھامس نے کہا۔ ”صبح دس بجے.....

میرا خیال ہے، ہمیں اس کے مطالبات پر تفصیلی بحث کرنا ہوگی۔“

وہ لوگ چلے گئے۔ اس روز ولیم اپنے دفتر میں تنہا بیٹھا رہا۔ اس سے ملنے کے لیے کوئی بھی نہیں آیا۔ اس نے چند ڈائریکٹرز سے رابطہ قائم کیا۔ لیکن وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اس کی مدد کریں گے..... ولیم کو احساس تھا یہ میٹنگ اس کے لیے بے حد دشوار ثابت ہوگی تاہم جب تک کسی کے پاس آٹھ فیصد حصص نہیں ہیں، اس کی پوزیشن محفوظ تھی۔ وہ آئندہ کے لیے لائحہ عمل طے کرنے لگا۔ اس نے اسٹاک ہولڈرز کی فہرست چیک۔ اُن میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو اپنے

اُسے یاد آیا کہ اس سے پہلے بھی ایک باپ اپنے بیٹے کو یہ پیغام بھجو چکا ہے اس باپ کو احساس تھا کہ وہ اپنے بیٹے سے محروم ہونے والا ہے۔ ہاں..... چارلس لیٹرنے خود اس کی زبانی ماتھو لیٹرن کو یہ پیغام بھجوایا تھا..... اپنے بیٹے کی مہلک بیماری کی خبر سن کر۔

اس رات کیٹ بہت خوش تھی۔ برسوں بعد اُسے اتنی خوشی ملی تھی۔ اس نے فون پر چرچو کو اپنی آمد کے بارے میں اطلاع دی اور بتایا کہ وہ خوش خبری کے ساتھ آ رہی ہے۔

تین ہفتے بعد کیٹ نیو یارک واپس آئی۔ ولیم کو معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا اور بہنووبر میں آئیں گے۔ وہ بہت خوش ہوا۔ کیٹ اُن کی کامیابیوں کے قصے سناتی رہی۔ اس نے بتایا کہ ننھا ولیم کین ا۔ پنے دادا کی تصویر ہے کیٹ نے یہ بھی بتایا کہ وہ سب نیو یارک آنے کے لیے بے چین ہیں۔ ولیم بڑی توجہ سے سنتا رہا۔ اسے حیرت تھی کہ وہ بہت خوش ہے اب اُسے خوف محسوس ہونے لگا کہ اگر چرچو جلد ہی نہ آ تو شاید کبھی نہیں آئے گا اور لیٹرنز بینک کی چتر مین شپ جیک تھامس کو مل جائے گی۔ یہ تصور بھی اس کے لیے اذیت ناک تھا۔

اگلے ہر کو ولیم بیماری سے اُٹھنے کے بعد پہلی بار بینک پہنچا۔ وہ بہت پر جوش تھا۔ اس کے پاس زندگی کا ایک مقصد رہ گیا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کے مزید آرام کے مشورے کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اُسے اپنی چیئر مین شپ مستحکم کر کے اپنے بیٹے کے لیے راہ ہموار کرنا تھی۔ اب یہی اس کی زندگی کا واحد مقصد تھا، جس کے لیے وہ جینا چاہتا تھا۔

ولیم نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا۔ تین ڈائریکٹر وہاں بیٹھے صلاح مشورہ کر رہے تھے۔ جیک تھامس چیئر مین کی کرسی پر براجمان تھا۔

”کیا مجھے گئے ہوئے بہت عرصہ ہو گیا؟“ ولیم نے تہتہ لگتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا اب میں اس بینک کا چیئر مین نہیں ہوں۔“

”بالکل ہیں۔ آئیے جناب۔“ جیک تھامس نے کرسی چھوڑ دی۔ ”میں آپ کا خطر تھا۔“

”کوئی مسئلہ؟“

”جی ہاں..... سہیل روئسکی۔“ جیک تھامس کا لہجہ بے تاثر تھا۔

ولیم کا دل ڈوب سا گیا۔ وہ قریبی کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ ”اب وہ کیا چاہتا ہے۔ کیا وہ مجھے میری زندگی کے“ خری سال چین سے نہیں گزارنے دے گا؟“

”دس ساتویں شق سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہنگامی اجلاس طلب کر رہا ہے۔ اُس کا مقصد آپ کو چیئر مین کے عہدے سے ہٹانا ہے۔“ جیک تھامس نے کہا۔

”نہیں، نہیں، اس کا پاس آٹھ فیصد شیئرز نہیں ہیں۔“

کی ہے۔ اس کا مطالبہ ہے کہ میں بینک کی صدارت اور چیئر مین شپ سے استعفا دے دوں۔ آپ سب جانتے ہیں کہ میرے ریٹائرمنٹ میں اب صرف نو سال باقی رہ گئے ہیں۔ میرے قبل از وقت ریٹائرمنٹ کو کاروباری حلقوں میں کچھ اور معنی پہنائے جائیں گے، جو بینک کے لیے مفید ہے۔“

ولیم نے توقف کیا، اپنے نوٹس پر نگاہ ڈالی اور سب سے اہم پتہ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ ”جنرل مین میں اسٹیل روٹسکی کے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے ٹرسٹ سے ایک کروڑ ڈالر نکال کر آپ کی مواد پر چھوڑ سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ لیسٹرز کے ہر نقصان کا ازالہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن مسٹر اسٹیل روٹسکی کے خلاف مجھے آپ کی مدد درکار ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ لوگ، اس قدر ذلیل بلک میلنگ کے سامنے ہتھیار ڈالنے والے نہیں ہیں۔“

”کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ ولیم کو اپنی فتح کا یقین ہو گیا۔ لیکن پھر جبکہ تھامس نے ولیم سے، اس کے اور اسٹیل کے تعلق کے بارے میں ایک سوال کرنے کی اجازت چاہی۔ ولیم کو حیرت ہوئی لیکن اس نے بلا چپکچاہٹ، اجازت دے دی۔ اُسے جبکہ تھامس، سے کوئی خوف نہیں تھا۔

”آپ کے اور اسٹیل کے درمیان یہ انتقامی مقابلہ گزشتہ تیس سال سے چل رہا ہے۔“ جبکہ تھامس نے کہا۔ ”اگر ہم آپ کی تجاویز پر عمل کر لیں تو کیا اس کا اختتام ہو جائے گا؟“

”وہ شخص اور کیا کرے گا..... اور کیا کر سکتا ہے وہ؟“ ولیم شخص بھلا گیا۔

”ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ ممکن ہے، اس کے ذہن میں کچھ اور بھی ہو۔ بہر حال، آٹھ فیصد حصص کا مالک ہونے کی حیثیت سے اس کی قوت آپ کے برابر ہو گئی ہے۔ وہ آپ کے ساتھ دشمنی رکھنے کا ارادہ بھی نہیں رکھتا۔“ بورڈ کے نئے سیکرٹری نے کہا۔ ولیم اُسے ناپسند کرتا تھا کیونکہ وہ بہت زیادہ بولتا تھا۔ ”آپ نے اپنے ٹرسٹ کے ایک کروڑ ڈالر کے ذریعے ہمیں مالی تحفظ فراہم کرنے کی پیش کش کی ہے۔ لیکن اسٹیل روٹسکی اہم فیصلوں کو الٹو میں ڈالتا رہا..... اسی طرح اجلاس طلب کرتا رہا تو بینک کی سادھ اور کاروبار دونوں تباہ ہو جائیں گے۔“

”نہیں..... میری مالی مدد کے بعد یہ ناممکن ہے ہم اس سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔“ ولیم نے کہا۔

”آج کا فیصلہ بہت اہم ہے۔“ سیکرٹری نے متاثر ہوئے بغیر کہا۔ ”مقابلے کی صورت میں شکست بالآخر ہماری ہوگی۔“

”لیکن میں اپنے ٹرسٹ سے ان تمام نقصانات کا ازالہ کر دوں گا۔“

”تو ٹھیک ہے۔ لیکن بینک کے لیے بے شمار سنگین مسائل پیدا ہو جائیں گے۔“ جبکہ تھامس نے کہا۔ ”ہم اسٹیل کے ہاتھوں میں کھلو بن جائیں گے۔ میں آپ سے ایک اہم لیکن ذاتی سوال کرنا چاہتا ہوں مسٹر چیئر مین! مجھے یقین ہے کہ جواب کتنا ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہو، آپ صاف

اشاک سے دست بردار ہونا چاہتا ہو۔ ولیم دل ہی دل میں ہنس دیا۔ اسٹیل روٹسکی کا تباہ کن منصوبہ عمل میں آنے سے پہلے ہی اپنی موت آپ مر گیا تھا۔

اس رات ولیم نے گھر پہنچتے ہی کیٹ سے کہا وہ رچرڈ کی مجوزہ آمد ملتوی کر دے۔ اس کے بعد وہ اسٹڈی میں بند ہو گیا۔ وہ اسٹیل کو آخری شکست دینے کے لیے اپنی حکمت عملی ترتیب دے رہا تھا۔ صبح تین بجے وہ اپنے تمام اقدامات طے کر چکا تھا۔ جبکہ تھامس کو وائس چیئر مین کے عہدے سے ہٹانا ضروری ہو گیا تھا تاکہ رچرڈ کو اس کی جگہ دی جاسکے۔

اگلی صبح ولیم معمول سے پہلے بینک پہنچا اور اپنے نوٹس کا جائزہ لیتا رہا۔ اسے اپنی فتح کا یقین تھا۔ دس بجنے میں پانچ منٹ تھے کہ اس کی سیکرٹری نے اُسے بتایا کہ کوئی مسٹر اسٹیل روٹسکی آپ سے فون پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔“

”مسٹر روٹسکی“ ولیم نے بے یقینی سے کہا۔ پھر اُس نے لرزیدہ آواز میں سیکرٹری کو اسٹیل سے بات کرانے کی ہدایت کی۔

”ہیلو مسٹر کین!“ اگلے ہی لمحے اسٹیل کی جانی پہچانی آواز سنائی دی۔

”کیا چاہتے ہو؟“

”بینک کے قوانین و ضوابط کے مطابق میں تمہیں آگاہ کر رہا ہوں کہ میرے پاس لیسٹرز کے آٹھ فیصد شیئرز موجود ہیں اگر آئندہ پیر تک تم نے میری ہدایت پر عمل نہ کیا تو میں ضوابط کی ساتویں شق سے فائدہ اٹھاؤں گا۔“ اسٹیل نے کہا۔

”تمہیں دو فیصد حصص کہاں سے مل گئے؟“ ولیم کی آواز لڑکھڑا گئی۔ لیکن جواب ملنے سے پہلے ہی رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔

ولیم نے ایک بار پھر اشاک ہولڈرز کی فہرست کا جائزہ لیا۔ یقیناً اُن میں سے کسی ایک نے اس کے ساتھ غداری کی تھی..... لیکن کس نے؟ ابھی لسٹ کو دیکھ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی دوبارہ بجی۔ سیکرٹری نے اُسے بتایا کہ میٹنگ کا وقت ہو چکا ہے۔

ٹھیک دس بجے ولیم بورڈ روم میں داخل ہوا ڈائریکٹرز کے چہروں پر نظر ڈالتے ہوئے اُسے پہلی بار احساس ہوا کہ وہ سب نوجوان ہیں، وہ اُن میں سے محض چند ایک کو جانتا ہے۔ پھر اسے یاد آیا کہ وہ اسی بورڈ روم میں ایک جنگ پہلے بھی لڑ چکا ہے۔ اس وقت وہ کسی ڈائریکٹر کو بھی نہیں جانتا تھا..... اور جنگ جیت گیا تھا۔

”جنرل مین! یہ میٹنگ بیرن گروپ کے اسٹیل روٹسکی کے مطالبے پر بلائی گئی ہے۔ اسٹیل وہ شخص ہے جو ایک بار مجرم قرار پا چکا ہے۔ اس نے اس بار براہ راست مجھے دھمکیاں دینے کی جرأت

گوئی کا مظاہرہ کریں گے۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جو یہاں موجود ہر شخص کو پریشان کیے ہوئے ہے۔
ولیم سوچ میں پڑ گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ اس کے پیٹھ پیچھے بورڈ میں کچھڑی پکتی رہی ہے۔ اب
ولیم کو معاملات اپنے ہاتھ سے نکلنے محسوس ہونے لگے۔ ”میں ہر سوال کا جواب دینے کے لیے تیار
ہوں۔۔۔۔۔ مجھے کسی چیز سے۔۔۔۔۔ کسی شخص سے خوف نہیں ہے۔“ ولیم نے بالخصوص جیک تھامس سے
نظریں ملاتے ہوئے کہا۔

”شکریہ مسٹر چیئرمین۔“ جیک تھامس نے کہا۔ ”کیا آپ اس فائل کے معاملے میں
لوٹ تھے، جو مسٹر ایمل کے خلاف ثبوتوں پر مشتمل تھی اور جو کسی گناہم شخص نے محکمہ انصاف کو پوسٹ
کی تھی۔ اگر آپ اس میں لوٹ تھے تو آپ نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ مسٹر روئسکی لیسٹرز کے ایک
بڑے اسٹاک ہولڈر ہیں؟“

”کیا یہ بات تمہیں اس نے بتائی ہے؟“ ولیم نے جیک سے پوچھا۔

”جی ہاں۔۔۔۔۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کی گرفتاری اور تہ لیل کے واحد ذمے دار آپ ہیں۔“
”ولیم چند لمحے خاموش رہا۔ اس نے اپنے سامنے رکھے ہوئے نوٹس پر نظر ڈالی۔ یہ تو اس
نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کے بورڈ کے اراکین اس سے یہ سوال بھی کر سکتے ہیں۔ گزشتہ 23 سال
میں اس نے بورڈ روم میں کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا۔۔۔۔۔ تو اب کیسے بول سکتا تھا۔“ ہاں، وہ فائل میں
نے ہی بھیجی تھی۔“ اس نے کہا۔ ”وہ فائل اتفاقاً میرے ہاتھ لگ گئی تھی اور میں نے اسے متعلقہ محکمے
تک پہنچانا اپنا فرض سمجھا تھا۔“

”وہ فائل آپ کے ہاتھ کیسے لگی؟“ جیک تھامس نے پوچھا۔

ولیم خاموش رہا۔

”میرا خیال ہے مسٹر چیئرمین کہ اس سوال کا جواب ہم سب کے علم میں ہے۔“ جیک
تھامس خود ہی بولا۔ ”آپ نے ہمیں بتائے بغیر یہ اقدام کیا اور ہم سب کو خطرے میں ڈال دیا۔
ہماری ساکھ، ہمارے کیریئر، بینک کا کاروبار۔۔۔۔۔ سب کچھ ایک ذاتی عناد کی بنیاد پر داؤ پر لگا دیا۔“

”لیکن روئسکی مجھے جاہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔“

”چنانچہ اسے جاہ کرنے کے لیے آپ نے بینک کو خطرے میں ڈال دیا۔“

”میں نے بینک کو اور خود کو بچانے کے لیے یہ مدافعتی اقدام کیا تھا۔ روئسکی کے عزائم

خطرناک تھے اور بینک کے دفاع کے لیے میں نے ایسا کرنا ضروری سمجھا تھا۔“

”لیکن آپ نے ڈائریکٹرز کی اجازت کے بغیر یہ قدم کیسے اٹھایا؟“

”یہ بینک میرا ہے۔“

”جی نہیں۔۔۔۔۔ آپ آٹھ فیصد حصص کے مالک ہیں اور مسٹر روئسکی کی بھی یہی پوزیشن
ہے۔ آپ چیئرمین ضرور ہیں لیکن آپ کے مقابلے میں آٹھ فیصد حصص کا مالک ہونے کی حیثیت
سے مسٹر ایمل روئسکی کوئی مطالبہ کرتا ہے تو ڈائریکٹرز اسکی اہمیت کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ خصوصاً اس
صورت میں کہ اپنے خلاف اس کے مقابلے کے ذمے دار آپ خود ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ میں بورڈ سے اعتماد کا ووٹ طلب کرتا ہوں۔“ ولیم نے کہا۔ ”مجھے
بتائیے کیا آپ ایمل روئسکی کے مقابلے میں میرا ساتھ دیں گے؟“

”اعتماد کے ووٹ کا مطلب یہ ہوتا ہے مسٹر چیئرمین کہ آپ کو بینک کی قیادت کا اہل سمجھا
جا رہا ہے یا نہیں۔“ سیکرٹری نے مداخلت کی۔

”یہی سہی۔۔۔۔۔ بورڈ فیصلہ کر لے کہ کیا میرا کیریئر اس طرح داغدار ہونا چاہیے۔۔۔۔۔

ریٹائرمنٹ اتنا قریب ہونے کے باوجود۔ میں نے ریلج صدی اس بینک کی ان تھک خدمت کی ہے۔“

جیک تھامس کے اشارے پر سیکرٹری نے تمام ممبرز کو پرچیاں دے دیں۔ ولیم کو ایسا لگ

رہا تھا کہ وہ سب کچھ طے شدہ منصوبے کے مطابق ہو رہا ہے۔ وہ خاموشی سے ان لوگوں کو پرچیاں

بھرتے دیکھ رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں التجائیں کر رہا تھا۔۔۔۔۔ دعائیں کر رہا تھا۔ لیکن اس کے لب

ساکت تھے ایمل کے خلاف میرا ساتھ دو۔۔۔۔۔ کہ میں اس کا مستحق ہوں۔ اُسے اجازت نہ دو کہ وہ اس

طرح مجھے جاہ کر سکے۔ مجھے میری مدت پوری کرنے دو۔ پھر میں خود ہی چلا جاؤں گا۔“

”اب سیکرٹری پرچیاں کھول رہا تھا۔ کمرے میں موجود ہر شخص اس کی طرف متوجہ تھا۔ وہ ہر

پرچی کو نوٹ کر کے رکھتا جا رہا تھا۔ تمام پرچیاں دو جگہ تقسیم ہو رہی تھیں۔ ایک جگہ کم پرچیاں تھیں اور

دوسری جگہ زیادہ لیکن ولیم یہ فیصلہ نہیں کر سکتا تھا کہ زیادہ پرچیاں اس کے حق میں یا اس کے خلاف۔۔۔۔۔

ویسے وہ تصور بھی نہیں کر سکتا ہے کہ اپنے ہی بورڈ روم میں وہ ایمل کے مقابلے میں ہار بھی سکتا ہے۔

سیکرٹری کچھ کہہ رہا تھا لیکن ولیم کو اپنی سماعت پر یقین نہیں رہا تھا۔ وہ 12 ووٹوں کے مقابلے

میں 17 ووٹوں سے اعتماد کا ووٹ ہار گیا تھا۔ ایمل نے آخری جنگ میں اُسے شکست دے دی تھی۔

وہ اپنی تمام تر طاقت مجتمع کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

سب خاموشی سے اُسے دیکھتے رہے اور وہ کمرے سے نکل آیا۔ چیئرمین کے دفتر پہنچ کر

اس نے اپنا کوٹ اٹھایا اور چارلس لیسٹرز کے پورٹریٹ پر الوداعی نظر ڈالی۔ پھر وہ تھکے تھکے قدموں

سے باہر نکل آیا۔

”آپ کی واپسی پر خوشی ہوئی مسٹر چیئرمین۔“ چوکیدار نے اس سے کہا۔ ”کل ملیں گے

جناب۔“

انکار کر دیا۔ جیسے جیسے عمر گزر رہی تھی، اسکے دو خوف تو اتنا ہوتے جا رہے تھے۔ پردیس میں مرنے کا خوف اور فلوریٹا سے کبھی نہ ملنے کا خوف 22 نومبر 63ء کو صدر کینیڈی کے قتل کے بعد اس کی حالت اور ابتر ہو گئی۔ اس کا ڈپریشن بہت بڑھ گیا۔ اس بار جارج کی تجویز اُسے ماننا پڑ گئی۔

وہ وار سا گیا۔ بڑی مشکل کے بعد اسے بیرن ہوٹل کی تعمیر کی اجازت مل گئی۔ یہ کسی کیونٹ ملک میں قائم ہونے والے پہلے بیرن ہوٹل کا امکان تھا۔ لیکن پولینڈ کی سفارت کا موقع چھین جانے کے بعد اسٹیل کو کسی بات سے خوش نہیں ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ اس نے کین کو شکست دینے کی کوشش میں اپنی بیٹی کو ہمیشہ کے لیے کھو دیا۔ وار سا کے بعد وہ دنیا گھومتا پھرا۔ اس نے کیپ ٹاؤن بیرن..... اور پھر ڈوسلڈرف بیرن کا افتتاح کیا۔ وہ چھ مہینے اپنے پسندیدہ ہوٹل بیرس بیرن میں مقیم رہا۔ بیرس میں فلوریٹا اُسے شدت سے یاد آتی تھی..... لیکن اب فلوریٹا کی یاد اُسے بہت عزیز تھی۔

طویل خود ساختہ جلا وطنی کے بعد وہ امریکہ واپس آیا۔ اس کی کمر جھک گئی تھی اور سر بالوں سے محروم ہو گیا تھا۔ ایئر پورٹ پر کسی نے اسے نہ پہچانا البتہ جارج اس کے استقبال کے لیے موجود تھا..... بوڑھا وفاقا دوست جارج! نیویارک بیرن تک سفر کے دوران جارج حسب سابق اُسے بیرن گروپ کی سرگرمیوں سے آگاہ کرتا رہا۔ منافع کاروبار کے ساتھ بے تحاشا بڑھ گیا تھا اب دنیا میں 72 بیرن ہوٹل تھے اور 72 ہزار افراد اُن ہوٹلوں میں کام کرتے تھے۔ جارج سنا تا رہا..... لیکن اسٹیل کچھ نہیں سن رہا تھا وہ تو صرف فلوریٹا کے بارے میں جانتا چاہتا تھا۔

”وہ ٹھیک ہے جارج نے بتایا۔“ آئندہ سال کے اوائل میں وہ نیویارک میں آنے والی ہے۔“

”کیوں؟“ اسٹیل کے وجود میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔

”وہ فقہہ ایونو پر فیشن شاپ کھول رہی ہے۔“

”فقہہ ایونو؟“

”ہاں..... گیارہواں فلوریٹا فیشن شاپ۔“

”تم اس سے ملے؟“

”ہاں۔“ جارج نے جواب دیا۔

”کیسی ہے وہ؟ خوش تو ہے نا؟“ اسٹیل کے لہجے میں بے قراری تھی۔

”وہ دونوں بہت خوش ہیں کامیاب بھی ہیں۔ اسٹیل، وہ دونوں ہی تمہارے لیے قابلِ فخر

ہیں۔ تمہارا نواسا بہت ذہین ہے..... اور نواسی بہت خوبصورت ہے۔ بس فلوریٹا کی تصویر ہے وہ۔“

”کیا وہ مجھ سے ملے گی؟“

”تم اس کے شوہر سے ملو گے؟“

ولیم جانتا تھا کہ وہ اب کبھی نہیں ملیں گے۔ وہ پلٹا اور اس نے اس بوڑھے شخص سے ہاتھ ملایا جس نے 23 سال پہلے اُسے لیسٹرز کے بورڈ روم کا راستہ دکھایا تھا۔ چونکدار حیران رہ گیا۔ پھر اس نے آہستہ سے خدا حافظ کہا اور اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ شوفا اُسے گھر لے آیا۔ لیکن ولیم گھر کے دروازے سے آگے نہ بڑھ سکا اور دروازے پر ہی ڈھیر ہو گیا۔

شوفا اور کیٹ اسے سہارا دے کر اندر لائے۔ کیٹ حیران رہ گئی کیونکہ ولیم رو رہا تھا۔ ”کیا ہوا ولیم؟ کیا بات ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”مجھے میرے اپنے بینک سے نکال دیا گیا ہے کیٹ۔“ ولیم نے کہا اور پھر بچوں کی طرح ہلک ہلک کر رونے لگا۔ ”میرے اپنے بورڈ کو مجھ پر اعتماد نہیں رہا۔ انہوں نے مجھے نظر انداز کر کے اسٹیل روسکی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔“

کیٹ نے اسے بستر پر لٹا دیا..... اور ساری رات اس کے سر ہانے بیٹھی رہی۔ ولیم نے ساری رات نہ کوئی بات کی اور نہ ہی آنکھوں سے چپکتے آنسو تھے۔

انگلنڈ، وال اسٹریٹ جرنل میں چھوٹی سی خبر چھپی۔ گزشتہ روز کی بورڈ میٹنگ کے بعد ولیم کین نے لیسٹرز کو چیئر مین شپ اور صدارت سے استعفا دے دیا خبر میں استغفہ کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی۔ ولیم جانتا تھا کہ اب افواہیں اُڑیں گی اور بینک کا کاروبار متاثر ہوگا۔ وہ بستر پر دراز رہا۔ اب اسے کسی بات کی کوئی پروا نہیں تھی۔

اسٹیل نے وال اسٹریٹ جرنل میں وہ خبر پڑھی۔ اس نے لیسٹر کا نمبر ڈائل کیا اور نئے چیئر مین سے ملانے کو کہا۔ چند لمحے بعد جیک تھامس کی آواز سنائی دی۔ ”صبح بخیر مسٹر روسکی۔“

”صبح بخیر تھامس!“ اسٹیل نے کہا۔ ”میں انٹر اسٹیٹ کے تمام حصص مارکیٹ ریٹ پر بینک کو دینے کے لیے تیار ہوں، اسکے علاوہ تم میرے آٹھ فیصد لیسٹرز کے شیئرز بیس لاکھ ڈالر میں خرید سکتے ہو۔“

”شکریہ مسٹر روسکی..... میں آپ کا شکر گزار ہوں۔“

”شکریے کی کیا بات ہے، جب تم نے اپنے دو فیصد شیئرز میرے ہاتھ فروخت کیے تھے، یہ بات تو اُسی وقت طے پا گئی تھی۔“ اسٹیل نے کہا۔

اسٹیل کو اس بات پر حیرت تھی کہ اس کی ولیم کین پر آخری فتح اُسے کوئی خوشی نہ دے سکی۔ جارج نے اسے سمجھایا کہ وہ وار سا جا کر بیرن ہوٹل کے لیے مناسب جگہ تلاش کرے لیکن اسٹیل نے

”نہیں جارج..... جب تک لڑکے کا باپ زندہ ہے میں لڑکے سے نہیں ملوں گا۔“
 ”اور اگر تم پہلے مر گئے؟“

”یہ ممکن نہیں ہے جارج بائبل میں جو کچھ پڑھو۔ اس پر اندھا دھند یقین مت کیا کرو۔“
 ”بیرن ہوئی پہنچ کر اسبل پھر تھا تھا۔ اس دن کے بعد..... چھ ماہ تک اس نے پینٹ ہاؤس سے باہر قدم بھی نہیں رکھا۔“



فلوریٹا کین نے مارچ 67ء میں نیو یارک میں اپنی دکان کا افتتاح کیا۔ ایسا لگتا تھا کہ ولیم کین اور اسبل روسکی کے سوا شہر کا ہر شخص وہاں موجود ہے۔ کیٹ اور لوسی بھی افتتاحی تقریب میں شریک ہوئیں۔ ولیم گھر پر اکیلا رہ گیا۔ دوسری طرف جارج بھی تقریب میں شریک ہوا۔ اس نے اسبل کو سمجھانے کی کوشش کی تھی اسبل کا کہنا تھا کہ وہ اس کے بغیر دس دکانیں کھول چکی ہے تو مزید ایک سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جارج نے اسے ضدی احمق کا لقب عطا کیا اور تنہا ہی فقہ ایونو کی طرف چل دیا۔

دکان بہت خوبصورت اور آراستہ تھی۔ فلوریٹا کا انداز اسبل کے انداز سے مماثلت رکھتا تھا۔ فلوریٹا نے جارج کو کیٹ اور لوسی سے متعارف کرایا، جو زافیا کے ساتھ جو گفتگو تھیں۔ وہ دونوں بہت خوش نظر آ رہی تھیں۔ انہوں نے جارج سے اسبل کی خبریت دریافت کی تو جارج حیران رہ گیا۔
 ”میں اسے ضدی احمق قرار دے کر آیا ہوں۔ اس نے اتنی اچھی تقریب میں شرکت کا موقع گنوا دیا۔ مشرکین آئے؟“ اس نے پوچھا۔
 جواب سن کر اسے نجانے کیوں خوشی کا احساس ہوا۔



ولیم نے اخبار ایک طرف پھینکا اور بستر سے نکل آیا بہت آہستہ آہستہ اس نے کپڑے بدلے۔ اس دوران وہ آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتا رہا۔ لباس تبدیل کرنے کے بعد اس نے ایک بار پھر اپنا جائزہ لیا میں تو اب بھی بینکار لگتا ہوں اس نے تلخی سے سوچا ظاہر ہے عمر بھر بینکاری کرنے کے بعد اس بڑھاپے میں اور بھلا کیا لگ سکتا ہوں۔ اس نے اور کوٹ پہنچا..... سر پر ہیٹ رکھا..... سفید موٹھ والی چٹری لی اور گھر سے نکل آیا..... گزشتہ تین سال کے دوران یہ پہلا موقع تھا کہ وہ گھر سے اس طرح تنہا نکلتا رہا تھا۔ ملازمہ اُسے تنہا باہر جانے دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

وہ خاصی خوش گوار اور گرم رات تھی لیکن ولیم کو سردی محسوس ہو رہی تھی۔ یہ شاید اتنے عرصے تک گھر میں بند رہنے کا نتیجہ تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ فقہ ایونو تک پہنچنے میں اُسے خاصی

پر تھی۔ فلوریٹا یونیک شاپ کے سامنے لوگوں کا ہجوم تھا۔ اس کو ہمت نہ ہوئی کہ اتنے لوگوں میں راستہ پا کر اندر جانے کی کوشش کرے۔ وہ دور کھڑا لوگوں کو دیکھتا رہا۔ پھر اُسے رچرڈ نظر آیا جو کیٹ سے ہنس کر رہا تھا۔ آف..... رچرڈ اتنا بڑا ہو گیا ہے..... اتنا لمبا..... اس کے انداز میں کس قدر اعتماد ہے..... اس وقت رچرڈ کو دیکھ کر ولیم کو نجانے کیوں اپنے باپ کی یاد آ گئی..... وہ بھی تو رچرڈ کین تھا۔ وہ دیکھتا رہا..... لیکن کوششوں کے باوجود وہ انداز نہ لگا سکا کہ فلوریٹا کون سی ہے۔ اس نے فلوریٹا کو پہلے بھی دیکھا بھی نہیں تھا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹہ کھڑا، آنے جانے والوں کو دیکھتا رہا۔ وہ ہچھتا رہا تھا کہ اس نے محض ایک احقانہ ضد کے لیے خوشیوں کے کتنے بہت سے سال گنوا دیے تھے..... ارے یہ تو سب کچھ اس کا اپنا تھا۔ رچرڈ اس کا بیٹا..... فلوریٹا، اس کی بہو، پوتا..... پوتی!

اب ہوا سرد ہو گئی تھی۔ اس نے سوچا کہ گھر واپس چلا جائے۔ تقریب سے فارغ ہو کر وہ سب بھی ڈنر کے لیے گھر واپس آئیں گے۔ وہ پہلی بار فلوریٹا سے..... اپنے پوتے پوتی سے ملے گا۔ اپنے رچرڈ سے ملے گا۔ نھی ایٹا بل پر تو اُسے دیکھے بغیر ہی پیار آیا تھا۔ وہ جی بھر کر انہیں پیار کرے گا۔ اس نے کیٹ سے اعتراف کر لیا تھا کہ وہ بے وقوف تھا اُسے بہت پہلے اُن سے معافی طلب کر لینی چاہیے تھی۔ فلوریٹا نے اسے خط میں لکھا تھا..... میں ہمیشہ آپ سے محبت کروں گی، کتنی پیاری لڑکی ہوگی وہ..... محبت کرنے والی..... سمجھ دار..... خط کے آخر میں اس نے لکھا تھا، میں آپ سے ملاقات کے لیے بے چین ہوں۔

اس نے سوچا، اب اسے گھر جانا چاہیے۔ اگر کیٹ کو معلوم ہو گیا کہ وہ اس طرح تنہا گھر سے نکلا ہے تو وہ بہت ناراض ہوگی خیر..... ہوتی رہے..... وہ یہ تقریب دیکھے بغیر کیسے رہ سکتا تھا۔ اب تفصیلی ملاقات تو خیر گھر پر ہی ہوگی۔ وہ اُسے بتائیں گے کہ افتتاحی تقریب کتنی اچھی ہوئی..... اس بات سے بے خبر کہ وہ سرد ہوا میں ایک گھنٹے سے زیادہ دیر تک صرف اس لیے کھڑا رہا کہ ان کی خوشیوں میں شریک ہو سکے۔ کاش..... وہ پہلے کی طرح تندرست و توانا ہوتا..... اور ہجوم کو دھکیل کر، ہٹا کر اندر جا پاتا۔ وہ اسے وہاں موجود پا کر کتنے خوش ہوتے۔ خیر اب تو وہ آنے ہی والے ہوں گے..... وہ انہیں کبھی نہیں بتائے گا کہ وہ خود بھی تقریب میں شریک ہو چکا ہے۔

وہ گھر جانے کے لیے پلٹا۔ اُسے چند قدم دور ایک اپنے جیسا بوڑھا آدمی کھڑا نظر آیا۔ وہ سیاہ کوٹ میں لمبوس تھا۔ ہیٹ اس نے آنکھوں تک جھکا رکھا تھا اس کے انداز سے عیاں تھا کہ وہ بھی سردی محسوس کر رہا ہے یہ رات بوڑھے لوگوں کے لیے ہے ہی نہیں۔ ولیم نے سوچا پھر جب قحط کم ہو گیا تو اسے بوڑھے شخص کی کلائی میں موجود نفرتی نکتہ نظر آیا۔ ایک لمحے میں اُسے سب کچھ یاد آ گیا..... پہلی بار..... وہ سب کچھ سمجھ گیا اس کی نگاہوں کے سامنے فلم سی چلی گئی۔ یہ نکتہ اس نے کہاں

کہاں دیکھا تھا۔ آج پہلی بار اُسے سب کچھ یاد آیا۔ پلازا ہوٹل میں ایک ویٹر اس کی میز پر سروس کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں یہ نکتہ موجود تھا۔ پھر بورسٹن میں ایک شخص اس سے اپنی صلاحیتوں پر اعتماد کرنے کی درخواست کر رہا تھا۔ پھر اُسے دھمکیاں دے رہا تھا۔ پھر جرمنی میں..... ایک کرٹل اس کا اسٹریچر اٹھا کر لارہا تھا..... ہماری بھر کم جسم والا کرٹل..... اُسے زندگی دے رہا تھا..... اور اب وہی شخص فقہ ایونیو پر اس کے مقابل تھا۔ شاید وہ بھی اپنے ہاتھوں گنوا کی ہوئی خوشیوں کی جستجو میں نکلا تھا۔

وہ بوڑھا شخص ولیم کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ بھی شاید بہت دیر سے وہاں کھڑا تھا، کیونکہ سردی کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ پھر ولیم کو وہ جانی پہچانی، چمک دار گہری نیلی آنکھیں نظر آئیں۔ وہ بھی ولیم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے پاس سے گزرے۔ ولیم نے ہیٹ اتار کر اُسے تنظیم دی۔ جواباً اس شخص نے بھی ایسا ہی کیا پھر وہ دونوں اپنے اپنے راستے پر آگے بڑھ گئے..... ایک دوسرے سے ایک لفظ بھی کہے بغیر۔

ولیم کو جلد از جلد گھر پہنچنا تھا۔ اُن سب کی آمد سے پہلے..... رچرڈ، فلورینا اور اپنے پوتے پوتی کو دیکھنے کی خوشی، پہچان کی صورت میں اس کے جسم میں دوڑ رہی تھی۔ وہ فلورینا سے معافی مانگے گا..... اور وہ اسے معاف کر دے گی۔ وہ جانتی ہے کہ بڑھے لوگ کتنے ضدی الحق ہوتے ہیں۔ سب کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہوں گے کہ فلورینا بہت پیاری لڑکی ہے۔

گھر پہنچ کر اس نے دروازہ کھولا۔ ”روشنیاں کر دو..... اور آتش داں دہکا دو“ اس نے خادمہ کو ہدایت دی۔ وہ بہت تھکا تھکا لیکن خوش نظر آ رہا تھا۔ ”پروے کھینچ دو اور ڈانٹنگ ٹیبل پر جمیں روشن کر دو۔ آج ہم جشن منائیں گے۔“ اس نے خادمہ سے مزید کہا۔

”وہ آتش داں کے قریب کرسی ڈال کر بیٹھ گیا۔ انتظار کا ایک ایک لمحہ قیامت بن کر گزر رہا تھا..... وہ تصور میں کھو گیا۔ وہ پوتے پوتی کو تیار کر رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ فقہ ایونیو تک آنے اور جانے میں وہ تھک گیا ہے..... لیکن وہ سفر زندگی کا حاصل بھی تو تھا۔

پندرہ منٹ بعد باہر سے ملی جلی آوازیں سنائی دیں۔ خادمہ نے آکر ولیم کو بتایا کہ رچرڈ آچکا ہے۔ وہ ہال میں اپنی ماں سے باتیں کر رہا ہے۔ ”میں نے اتنی خوبصورت لڑکی اور اتنے پیارے بچے پہلے کبھی نہیں دیکھے۔“ خادمہ نے کہا۔ پھر وہ جلدی سے باہر بھاگ گئی تاکہ جلد از جلد کھانے کی میز تیار کر دے۔

رچرڈ کمرے میں داخل ہوا۔ فلورینا اس کے ساتھ تھی۔ فلورینا کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ ”ڈیڈی..... میری بیوی سے ملے۔“ رچرڈ نے اپنے باپ سے کہا۔ اس کے سامنے ولیم کی پیٹھ تھی۔

”ولیم کے بس میں ہوتا تو وہ پلٹ کر پر اشتیاق نگاہوں سے اپنی بہو کی طرف ضرور دیکھتا۔ لیکن یہ اس کے بس میں نہیں تھا۔ وہ مرچکا تھا۔



اسٹیل نے لفافہ بنڈ کی سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ آج کل وہ دیر تک سونے لگا تھا۔ اس نے گھٹنوں پر رکھی ہوئی ناشتہ کی ٹرے ہٹانے کی کوشش کی لیکن ٹرے نیچے گر گئی۔ اب اس کا جسم جواب دینے لگا تھا۔ اعضا میں لچک نہیں رہی تھی۔ اس نے لفافہ اٹھایا اور خط کو دوبارہ پڑھنے لگا۔ کاننی نینٹل ٹرسٹ کے منیجر آنجنہانی کرٹس فینکھن نے ہمیں ہدایت کی تھی کہ ایک مخصوص صورت حال میں ہم یہ لفافہ آپ تک پہنچا دیں۔ اس خط کی رسید لفافے پر موجود ہے پر پوسٹ کر دیں۔ شکریہ،

اسٹیل نے لفافہ کھولا اور اس میں موجود خط نکال لیا خط خاصا طویل تھا۔ ڈیڑہ مسٹر فرنسکی۔ یہ خط آپ کو آج میرے وکیل کی معرفت ملا ہے۔ آج کیوں ملا ہے۔ اس کی وجہ آپ کو خط پڑھ کر معلوم ہو جائے گی۔ 1۔ میں آپ نے میرے بینک میں اپنا طویل کاروباری تعلق ختم کیا تو مجھے دکھ ہوا۔ آپ کے خیال میں میں نے غداری کی تھی۔ میں اپنی صفائی پیش کر سکتا تھا..... لیکن جس شخص نے آپ کی مدد کی تھی، اس نے شرط عائد کر دی تھی کہ میں محض ایک مخصوص صورت حال میں آپ کو حقیقت سے آگاہ کر سکتا ہوں۔

2۔ میں آپ نے مجھ سے رجحند گردپ کے ہوٹلوں کے لیے کوئی خریدار تلاش کرنے کی استدعا کی تھی۔ لیکن اُن حالات میں اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا۔ تاہم میں نے کئی سرمایہ داروں کو آپ کی مالی اعانت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ مجھے آپ کی صلاحیتوں پر اعتماد تھا، اسی لیے میں نے اس معاملے میں ذاتی دلچسپی لی۔ مجھے خوشی ہے کہ آنے والے وقت نے میرا اعتماد درست ثابت کیا۔ بہر حال، میں کسی شخص کو آپ کی مالی اعانت کے لیے رضامند نہ کر سکا شاید آپ کو میری وہ صبح آج بھی یاد ہے۔ میں اس صبح بہت مایوس تھا۔ لیکن آپ سے ملاقات سے صرف نصف گھنٹہ پہلے مجھے ایک کال موصول ہوئی۔ ایک سرمایہ دار آپ کو سرمایہ فراہم کرنے کا خواہش مند تھا۔ میری طرح وہ بھی آپ کی کاروباری صلاحیتوں پر یقین رکھتا تھا۔ اس کی

ہیل نے خط پڑھ کر ایک طرف رکھ دیا۔ پھر اُنے فون اٹھا کر آپریٹر سے کہا کہ جارج سے اس کی بات کرائے۔

ولیم کین کی تدفین میں شریک ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ کیٹ کے ایک جانب رچرڈ اور فلوریٹا تھے اور دوسری جانب ورجینا اور لوسی۔ ان کے علاوہ معززین میں تین سینئر پانچ ہائیر میٹ، دو بشپ اور تقریباً ہر بینک کا چیئرمین موجود تھا۔ لیسٹرز کے تمام ڈائریکٹر اور جیک فاسن بھی وہاں موجود تھا۔

اُن دو بوڑھے افراد کی طرف کسی نے بھی توجہ نہ دی، جو الگ تھلگ کھڑے تھے۔ اُن کے سر جھکے ہوئے تھے وہ چند منٹ کی تاخیر سے آئے تھے اور تقریب کے اختتام سے کچھ پہلے رخصت ہو گئے تھے۔ فلوریٹا کو اُن میں سے ایک کا لنگ جانا پہچانا معلوم ہوا تھا لیکن اس کے بڑھنے سے پہلے وہ دونوں جا چکے تھے۔ کیٹ نے رچرڈ کو بتایا..... لیکن ان دونوں نے کیٹ کو اپنے ٹھوک سے آگاہ نہیں کیا۔

چند روز بعد اُن میں سے ایک جو نسبتاً طویل القامت تھا۔ فلوریٹا کی بوتیک شاپ میں پہنچا۔ اس نے فلوریٹا سے گفتگو کی اور تجویز پیش کی..... فلوریٹا خاموشی اور توجہ سے سنتی رہی۔ پھر اس نے اس کی تجویز بخوشی قبول کر لی۔

رچرڈ اور فلوریٹا اگلے روز شام کے وقت بیرن ہوٹل پہنچے۔ جارج انہیں 42 ویں منزل پر لے گیا۔ فلوریٹا دس سال بعد ملنے والے اپنے باپ کو پہچان نہ سکی۔ ہیل کی مسکراہٹ اب بھی ویسی لائق وہ ہر اعتبار سے بدل چکا تھا۔ وہ دونوں ساتھ گزرے ہوئے خوشگوار دنوں کو یاد کرتے تھے اپنے اور روتے رہے۔

”رچرڈ ہمیں معاف کر دیتا بیٹے“ ہیل نے کہا۔ ”ہم پولش لوگ بہت جذباتی ہوتے ہیں۔“

”میں جانتا ہوں۔ میرے بچے بھی تو نصف پولش ہیں۔“ رچرڈ نے کہا۔

اس رات انہوں نے کھانا ایک ساتھ کھایا پھر ہیل انہیں اپنے مستقبل کے منصوبوں کے بارے میں بتاتا رہا۔ ہر ہوٹل میں ایک فلوریٹا فیشن شاپ بھی ہونی چاہیے۔ ہیل نے جیسے ہوئے کہا۔ فلوریٹا متفق ہو گئی۔

بعد میں فلوریٹا نے رچرڈ کو بتایا کہ اس کا باپ ولیم کین کی وجہ سے کتنا دکھی ہے۔ اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا تھا۔ اس کے ذہن میں کبھی ایک لمحے کے لیے بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ کاٹھن ولیم کین ہو سکتا ہے۔ اُسے افسوس تھا اُسے ذاتی طور پر ولیم کین سے مل کر اس کا شکریہ ادا کرنے کی مہلت نہیں ملی۔

شخصیت میخدر راز میں رہے آپکو سرمایہ فراہم کرنا اس کا نچا فصل تھا..... جو اس کے پیشہ وارانہ فرائض سے متصادم تھا۔ اس کا اصول تھا کہ وہ اپنے عہدے اور ذاتی سرمائے کے درمیان فاصلہ رکھے۔ اس کی شرائط بے حد ہمدردانہ تھیں..... وہ منافع کمانے میں نہیں، بلکہ آپ کے مالی استحکام میں دلچسپی رکھتا تھا، یہی وجہ تھی کہ اس نے سرمایہ کاری کے باوجود بیرن گروپ کا واحد مالک بننے کا ہر مواقع فراہم کیا۔ آپ نہیں جانتے کہ جب آپ نے بیرن گروپ کا مکمل کنٹرول حاصل کیا تو وہ کتنا خوش تھا!

51ء کے بعد میرا آپ دونوں میں سے کسی ایک سے بھی رابطہ نہیں رہا۔ پھر میں نے اخبار میں آپ کو سرمایہ فراہم کرنے والے اس شخص کی پریشانیوں میں اور تباہی کے آغاز میں آپ کے طوط ہونے کے بارے میں پڑھا تب میں نے یہ خط تحریر کیا کہ ممکن ہے، میں آپ دونوں سے پہلے مر جاؤں۔

اب میں اپنی صفائی پیش کرنا نہیں چاہتا کیونکہ جو ہو چکا ہے اسے مٹایا نہیں جاسکتا لیکن میں آپ کو اس فریب میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا کہ آنجنابی ڈیوڈ مارکسٹن آپ کا محسن تھا اور اسی نے آپ کی مالی اعانت کی تھی، جس شخص نے آپ کو بیرن گروپ کے خواب کتبہ دے دی تھی، اس کا نام ولیم کین ہے..... لیسٹرز کا چیئرمین۔

میں نے بارہا مسٹر کین سے التجا کی کہ وہ آپ کو یہ اطلاع فراہم کرنے کی اجازت دے دیں لیکن انہوں نے سختی سے انکار کر دیا انہوں نے آپ کی مدد اپنے ذاتی ٹرسٹ سے کی تھی اور وہ بینک کے معاملات سے علیحدہ رکھنا چاہتے تھے پھر جب انہیں بیرن گروپ میں ہنری بورن کی شمولیت کا علم ہوا تو وہ اپنے موقف پر اور سخت ہو گئے۔

میں اپنے وکیل کو ہدایت کر رہا ہوں کہ اگر آپ مسٹر کین سے پہلے چل بسیں تو اس خط کو ضائع کر دیا جائے۔ اس صورت میں میرا دوسرا خط مسٹر کین کو ملے گا کہ آپ آخر دم تک اُن کی مہربانیوں سے لاعلم رہے ہیں۔

جیسے نہیں منسوب کہ آپ دونوں میں سے کس کو میرا خط ملے گا۔ بہر حال تجھے خوشی ہے کہ میں نے آپ دونوں کی تہ دل سے خدمت کی ہے۔ ہمیشہ کی طرح آپ کا وفادار کرٹس فینکس۔“

”میں جانتا ہوں ڈیڈی انہیں معاف کر دیتے..... وہ بڑے فراغ دل انسان تھے۔“
 ”تمہیں معلوم ہے، جس دن اُن کا انتقال ہوا اس دن میری اُن سے ملاقات ہوئی تھی۔“
 ایبل نے مداخلت کی۔

فلورینا اور رچرڈ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

”ہاں..... فقہ ایونو پر ہمارا آگنا سامنا ہوا..... وہ تمہاری دکان کی افتتاحی تقریب دیکھنے کے لیے آئے تھے انہوں نے ہیٹ سر سے اتار کر مجھے تعظیم دی تھی۔ میرے لیے یہ بہت کافی ہے..... بہت زیادہ کافی ہے انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ ان کا اصول اور اس کی پاسداری ہی ہمارے درمیان وہ نزاع ہے۔ انہوں نے مجھے معاف کر دیا تھا۔“

”نومہ بعد وارسا بیرن کا افتتاح ہوتا تھا۔ ایبل نے درخواست کی فلورینا اور رچرڈ اس کے ساتھ چلیں۔“ ڈرا سوچو تو..... وہ واحد بیرن ہوئیں، جس کا افتتاح بیرن گروپ کے صدر کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔“ ایبل نے بیجانی لہجے میں کہا تھا۔



آئندہ چند ماہ میں رچرڈ اور فلورینا ایبل سے مسلسل ملتے رہے۔ فلورینا پھر اپنے باپ سے قریب ہو گئی تھی ایبل، رچرڈ کو سراہنے لگا تھا..... اس کی صلاحیتوں کو تسلیم کرنے لگا تھا۔ وہ اپنی نواسی اینا بل سے بہت محبت کرتا تھا۔ وہ زندگی میں اتنا خوش پہلے کبھی نہیں رہا تھا۔ اب وہ اپنے وطن میں اپنی فاتحانہ واپسی کا منتظر تھا..... وارسا بیرن اس کے خواب کی تعبیر تھا..... اس کی فتح کی دلیل تھا..... اس کی باعزت وطن واپسی کا دروازہ تھا۔

چھ ماہ کے بعد بیرن گروپ کے صدر نے وارسا بیرن کا افتتاح کیا۔ افتتاح شیڈول کے مطابق نہیں ہو سکا تھا بلکہ تاخیر ہو گئی تھی۔ اس کا سبب تعمیراتی کام میں تاخیر تھی۔ بیرن گروپ کے صدر کی حیثیت سے اپنی تقریر میں فلورینا نے ہوئیں کی خوبصورتی پر فخر کا اظہار کیا۔ وہ افسردہ اور دل گرفتہ تھی کہ اس کا آنجنابی باپ خود وارسا بیرن کا افتتاح نہ کر سکا۔ اس کا یہ خواب بھی ادھورا گیا تھا۔

اپنی وصیت میں ایک معمولی سی چیز کو چھوڑ کر ایبل نے سب کچھ فلورینا کے نام کر دیا تھا۔ اس نے اپنا فرائی کنگن اپنے نواسے ولیم ایبل کے نام چھوڑا تھا..... وہی کنگن جس کے نزدیک خوش قسمتی کی علامت تھا۔ جس پر بیرن ایبل روئسکی کا نام کندہ تھا۔

